UNIVERSAL
LIBRARY

OU_224462

UNIVERSAL
LIBRARY

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ٨٩١٥٤٣٠٥
معارف

Name of Book معارف
جولائی تا دسمبر ١٩٤٦ء

Name of Author

22462

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۸۱ جولائی ۱۹۴۶ء

معارف

مجلس المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت: پانچ روپیے سالانہ

دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ

سلسلۂ تاریخ اسلام

اردو مین اسلامی تاریخ پر کوئی ایسی جامع کتاب نہین تھی جس مین تیرہ سو سال کی تمام اہم اور قابل ذکر حکومتون کی سیاسی، علمی اور تمدنی تاریخ ہو، اس لئے دارالمصنفین تاریخ اسلام کا ایک پورا سلسلہ خاص اہتمام سے مرتب کرا رہا ہے، جس کے بعض حصے یہ ہین اور بعض زیر طبع ہین، اور اکثر زیر تالیف و تکمیل ہین، جو بتدریج جیسے جیسے حالات مساعد ہون گے شائع ہوتے رہین گے،

تاریخ اسلام حصۂ اوّل، (عہد رسالت و خلافت راشدہ)
اس مین آغاز اسلام سے لیکر خلافت راشدہ کے اختتام تک کی مفصل مذہبی، سیاسی و تمدنی اور علمی تاریخ ہے،
ضخامت: ۴۸۷ صفحے، قیمت: ۴ر

تاریخ اسلام حصۂ دوم، (بنو امیہ) اس مین، موی حکومت کی صد سالہ سیاسی و علمی و تمدنی تاریخ کی تفصیل ہے،
ضخامت ۴۳۲ صفحے، قیمت: ۴ر

تاریخ اسلام حصۂ سوم (تاریخ بنی عباس جلد اول)
اس مین خلیفہ ابوالعباس سفاح ۱۳۲ھ سے خلیفہ ابو اسحٰق متقی للہ ۳۳۳ھ تک دو صدیون کی بہت مفصل سیاسی تاریخ ہے، ضخامت ۵۰۴ صفحے، قیمت: للعہ

تاریخ اسلام حصۂ چہارم (تاریخ بنی عباس جلد دوم)
اس مین خلیفہ مستکفی باللہ کے عہد ۳۳۳ھ سے آخری خلیفہ مستعصم باللہ ۶۵۶ھ تک خلافت عباسیہ کے زوال و خاتمہ کی سیاسی تاریخ ہے،
ضخامت ۴۳۲ صفحے قیمت: ۵ر

(مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی)
تاریخ دولت عثمانیہ حصۂ اوّل، اس مین عثمان اوّل سے مصطفےٰ رابع تک سلطنت عثمانیہ کے چھ سو برس کے کارنامون کی تفصیل ہے، ضخامت: ۵۰۰ صفحے،
قیمت:- ۴ر

تاریخ دولت عثمانیہ حصۂ دوم، سلطنت عثمانیہ کے عروج و زوال کی تاریخ اور اس کے نظامی اور تمدنی کارنامون کی تفصیل، از محمود ثانی ۱۲۲۳ھ تا جنگ عظیم ۱۳۴۸ھ / ۱۹۲۹ء
ضخامت: ۴۶۸ صفحے: قیمت:- ۵ر
مرتبہ مولوی محمد عزیر صاحب ایم اے علیگ سابق رفیق دارالمصنفین، اعظم گڈھ،

تاریخ صقلیہ جلد اوّل، اس مین صقلیہ کے جغرافی حالات سسلی، اٹلی و جزائر سسلی پر اسلامی حملون کی ابتدا، حکومت کا قیام، اور عہد بعہد کی ترقیون اور عروج کی پوری اور مفصل داستان ہے۔
۵۴۶ صفحے، قیمت: للعہ

تاریخ صقلیہ حصۂ دوم، یہ سسلی کے تمدنی و علمی ترقیون کا مرقع ہے، جس مین عہد بعہد کے مفسرین، محدثین، فقہا، ادبا، و شعرا، کے مفصل حالات اور اُن کی تصنیفات کا ذکر ہے،
۵۰۰ صفحے، قیمت: للعہ
مرتبہ: مولانا سید ریاست علی ندوی،

مسعود علی ندوی — منیجر — دارالمصنفین اعظم گڈھ

جلد ۵۰ ماہ شعبان المعظم ۱۳۶۵ھ مطابق ماہ جولائی ۱۹۴۶ء عدد ۱

مضامین

شذرات	سید سلیمان ندوی	۲-۴
مسئلہ ربا مسلم و حربی میں	مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی صدر شعبۂ دینیات، ڈھاکہ یونیورسٹی،	۵-۲۳
علمائے اسلام کا اخلاق،	مولانا عبد السلام ندوی	۲۴،۳۶
سلسلۃ الذہب کی تاریخ تصنیف	جناب مولوی مسعود حسن صاحب شمسی ایم اے کلکتہ،	۳۷،۴۷
سرمد اور اس کی رباعیاں	مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دار المصنفین	۴۸-۶۵
صحت	ڈاکٹر میر ولی الدین ایم اے پی ایچ ڈی استاذ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن،	۶۶-۷۲
دیار مغرب سے ایک مسلمان مجاہد کا خط	از جناب محمد ولی خان (قاہرہ)	۷۳،۷۵
مطبوعاتِ جدیدہ	"م"	۷۶-۸۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

ہندوستان مین انگریزون نے انگریزی تعلیم کو جس غرض سے رواج دیا تھا، اس کو انھون نے راز نہین رکھا تھا، بلکہ یہ کہدیا تھا کہ اس سے مقصود ایسے ہندوستانیون کو پیدا کرنا ہی جو گو نسل اور وطن کے لحاظ سے ہندوستانی ہون، مگر دل و دماغ اور مذاق کے لحاظ سے انگریز ہون، تاکہ انگریزی سلطنت کے خلاف جو باغیانہ خیالات پیدا ہوتے ہین وہ ایک قلم دور ہوجائین، چنانچہ شروع شروع مین ایسا ہی ہوا، اور ایسے ہندوستانی پیدا ہوئے جو انگریزون سے بھی بڑھ کر انگریز ثابت ہوئے، انھون نے مشرقی تہذیب، مشرقی علوم اور مشرقی تعلیم کی ہر طرح مخالفت کی، اور وہ ہر چیز کو یورپ کی نظر سے دیکھنے اور ہر اچھائی اور برائی کا فیصلہ انگریز کی آنکھ سے کرنے لگے،

لیکن کیا عجیب بات ہی کہ وہی چیز جو ہندوستانیون کے باغیانہ خیالات کے مٹانے کے لئے بنائی گئی تھی، وہی دوسری قسم کے باغیانہ خیالات کی پیدایش کا ذریعہ بھی بن گئی یعنی جب ان ہندوستانی مصنوعی انگریزون نے یہ دیکھا کہ اپنی تہذیب و تمدن اور دین و مذہب اور قوم و وطن کے قیود سے نکلنے کے بعد بھی وہ نیٹو، ویسی، کالا آدمی، اور انگریزون سے بہرحال گھٹیا ہی رہے، تو پہلے، انھون نے برابری اور مساوات کا مطالبہ کیا، اور جب اس مین ناکامی ہوئی تو وہ جذبہ غم و غصہ اور انتقام کی صورت مین بدل گیا، اور اس سے ہندوستانی قومی اور وطنی تحریکون کا آغاز ہوا جو آج سیاسی انجمنون اور کانفرنسون، لیگون اور کانگریسون کی شکل مین ہمارے سامنے ہین،

ان اصلی اور مصنوعی انگریزون مین پوری آدھی صدی لڑائی ہوتی رہی، آخر ہندوؤن مین گاندھی جی

نے اگر مصنوعی انگریز ہندوؤن کے اندر پرانی ہندو تہذیب و تمدن کے زندہ کرنے کا شوق پیدا کر دیا، اور تیس برس کے عرصہ مین یہی مصنوعی انگریز ہندو جو اکثر بڑے بڑے تعلیم یافتہ اور بیرسٹر اور کیمبرج اور آکسفورڈ کے پڑھے ہوئے یا ہندوستانی یونیورسٹیون کی پیداوار ہین، اس تحریک کے علمبردار ہین، اور اس وقت انگریزی سیاست کے تازہ پوکے اوھیڑنے مین لگے ہین

اب ہندوؤن مین جوان سے لیکر بوڑھے تک پرانی ہندو تہذیب، سنسکرت تہذیب، سنسکرت زبان، سنسکرت علوم کے زندہ کرنے مین مصروف ہے، گاندھی جی کی شدھی کی پرارتھنا گرونانک وغیرہ کی طرح ایک نئی ہندو مذہبی دعوت کی بنیاد ڈال رہی ہے جس کے [illegible] دلون مین نیشنلزم اور وطنیت دوسرے رنگ مین جگہ پا رہی ہے، اور اب ہر ہندو اپنے ہر رنگ مین اپنی پرانی تہذیب و تمدن کو دوبارہ زندہ اور اپنے بزرگون کی پرانی بزرگی اور عظمت کو دوبارہ قائم کرنے مین لگا ہوا ہے، اور اسی کی خاطر ان کو اپنے ملک مین سیاسی آزادی اور خود مختاری کی ضرورت ہے،

لیکن یہین پر اب سوال یہ ہے کہ اے مسلمان تو کیا چاہتا ہے، کیا حقیقت مین اب ہماری قوم کے مصنوعی انگریزون مین بھی رجعت پیدا ہوئی ہے؟ یہ تو سچ ہے کہ ہندوؤن سے تو ان کو اختلاف پیدا ہے لیکن کیا انگریزون سے بھی اختلاف پیدا ہوگیا ہے اور انگریزی تمدن، انگریزی تہذیب، انگریزی لباس، انگریزی معاشرت سے ان کے دلون مین نفرت پیدا ہوگئی ہے اور ان کو بھی اپنے مذہبی علوم، مذہبی معاشرت اور مذہبی تہذیب نہ سہی تو اپنے قومی علوم، قومی زبان، قومی معاشرت اور قومی تعلیم سے محبت پیدا ہوئی ہے؟ اگر ہے تو مبارک! اور اگر نہین ہے تو افسوس!

کاش مسلمان اگر اپنی ایک غلطی کو محسوس کرلین تو ہر غلطی کو محسوس کرلین، اور وہ یہ کہ مسلمان دوسری قومون کی طرح نسل و وطن سے نہین بنے ہین، بلکہ اُن کی بنیاد ذہنی معتقدات، زندگی کے بعض اصولی اور معاشرت و اقتصاد کے خاص قوانین اور اس خیال پر ہے کہ موجودہ زندگی کا ہر کام آیندہ دوسری زندگی کی بہبود پر مبنی ہے، اصطلاح مین اسی کا نام دین ہے

ہمارا دین غیر قوموں کی طرح کسی علم الاصنام، دیومالا، اور میتھالوجی پر قائم نہیں ہے بلکہ وہ اسی دنیاوی زندگی کے ٹھوس معاملات کو احکام الٰہی کے مطابق اور قانونِ ربانی کے موافق سرانجام دینے کا نام ہے، یہ احکام اور یہ قانون جس طرح اپنے ماخذ کے لحاظ سے الٰہی اور آسمانی ہیں، اپنی حکمتوں اور مصلحتوں کے لحاظ سے سراسر عقلی ہیں،

عقلی ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہر شخص کی عقل میں ان کی مصلحت کا آجانا ضروری ہے۔ بلکہ یہ معنی ہیں کہ اُن میں عقلی حکمتیں اور مصلحتیں بھی ہیں۔ گو ہم میں سے بعض ان کو نہ سمجھ سکیں۔ جب دنیاوی سلطنتوں کے سارے قوانین کی مصلحتوں اور حکمتوں کا ہر وہ شخص کی سمجھ میں آجانا ضروری نہیں تو خدائی احکام کی مصلحتوں اور حکمتوں کا ہر کس و ناکس کی سمجھ میں آجانا کیوں ضروری ہو،

بات ذرا آگے بڑھ گئی پوچھنا تو یہ تھا کہ انگریزی خط و زبان سے ہٹ کر ہمارے نوجوان رجعت کر کے کہاں ٹھہرنا چاہتے ہیں اور اس کے لئے ان کے دلوں میں کیا خیالات برپا ہیں اور آخر پاکستان اور حکومت میں مساوات اور گروپ بندی وغیرہ کے تحفظات کی ضرورت کیا ہے اور ہندوؤں کی بنیادی تعلیم سے گھبراہٹ کیوں ہے، یہ جو کچھ ہو رہا ہے اگر وہ صرف سلبی ہے یعنی ہندو کی مخالفت تو اس سے مسلمانوں کی زندگی کیسے بنے گی، آیا مسلمان نوجوانوں اور رہنماؤں کے دلوں میں اس کے متعلق کچھ ایجابی اور اثباتی خیالات بھی ہیں یا نہیں،

مسلمانوں کو اپنے اصولِ حکومت، اصولِ اقتصاد، اصولِ معاشرت، معاملات، قانون اور احکام کے متعلق یہ سوچنا نہیں ہے کہ ان کی جگہ پر کیا ہو کیونکہ اس کے معنی تو یہ ہیں، کہ ان کا دین کیا ہو، بلکہ یہ سوچنا ہے کہ ان کو کس طرح رائج کیا جائے، اور نئی شکلوں کے لئے اسلامی اصول کے مطابق کیا فیصلہ کیا جا سکتا ہے،

مقالات

مسئلۂ ربا مسلم و حربی مین

از

مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی صدر شعبۂ دینیات ڈھاکہ یونیورسٹی

(۲)

اب مولانا کے ان دلائل کو دیکھنا چاہئے جو حربی و مسلم مین جواز عقد ربا کے لئے آپنے بیان فرمائے ہین:-

الف: سب سے پہلے آپ نے قرآن کے اشارہ سے استدلال کیا ہے، کہ تحریم ربوا کے ساتھ ایک طرف تو:-

ذروا ما بقی من الربوا، — چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود سے،

کا حکم دیا گیا لیکن اسی کے ساتھ قرآن ہی مین

فلہ ما سلف، — پس سود لینے والے کے لئے رہ گیا سود کا وہ حصہ جو پہلے لے چکا ہے،

کا فتوی بھی موجود ہے، مولانا سوال فرماتے ہین کہ جن لوگون کے پاس وصول شدہ رقوم سود کی موجود تھین کیا ان کی واپسی کا حکم نہین دیا جا سکتا تھا؟ جس طرح شراب کا حال ہوا، کہ آیندہ سے تو خیر لوگ تائب

ہی ہوگئے لیکن جن کے گھرون مین شراب کے ذخیرے موجود تھے، ان کا پینا بھی لوگون پر حرام کردیا گیا تھا لیکن سود کے معاملہ مین یہ طریقہ اختیار نہین کیا گیا، تو معلوم ہوا کہ تحریم ربا سے پہلے جن رقوم پر لوگون نے قبضہ کیا تھا ان پر اس وقت قبضہ کرنا حرام نہ تھا، اور قبضہ کی وجہ سے وہ اس کے مالک ہو چکے تھے، اس سے وہی اصول پیدا ہوتا ہے، کہ قبضۂ جائز سے مال حلال ہو جاتا ہے، مسئلہ مختلف فیہ مین بھی متامن مسلمان نے عقد ربا کے ذریعہ مال حربی پر قبضہ جائز کیا ہے، کیونکہ معاہدۂ امن کی وجہ سے غیر معصوم مال پر بلا رضامندی قبضہ کرنا ناجائز تھا لیکن رضامندی نے حرمت کی وجہ کو زائل کردیا، اب جائز ہوگیا، دونون صورتون مین صرف تقدم و تاخر کا فرق ہے کہ قرآن والے فتوی مین حرمت سے پہلے قبضہ کیا گیا تھا، حرمت کی کیفیت بعد کو اس مال پر طاری ہوئی، اور امام والے فتوی مین حرمت کی کیفیت معاہدہ کی وجہ سے پہلے طاری تھی، رضامندی کے ثبوت کے بعد جواز کی کیفیت اس مین پیدا ہوگئی'' (انتہا ملخصاً ص ۳۴۷) حیرت ہے کہ مولانا نے تقدم و تاخر کو ایسا معمولی فرق سمجھ لیا ہے، کہ گویا کچھ ہے ہی نہین، حالانکہ یہی وہ چیز ہے، جس پر انسان کے مکلف اور غیر مکلف ہونے، گنہگار یا نیکوکار ہونے کا مدار ہے، جو کام نزول حرمت سے پہلے کیا جائے وہ جائز ہے، جو نزول حرمت کے بعد کیا جائے وہ ناجائز ہے، پہلی صورت مین انسان گنہگار نہین، دوسری صورت مین گنہگار ہے، پس حرمت ربا کا حکم نازل ہونے سے پہلے جو معاملہ ربا کا کیا گیا، وہ حرام نہ تھا، اور اس عقد کی بنا پر جس مال کو قبضہ مین لایا گیا، وہ قبضہ کرنے والے کی ملک ہے، اس لئے اس کی واپسی کا حکم نہین دیا گیا، مگر آیندہ اس رقم کو سود پر چلانا حرام ہوگیا، اسی طرح حرمت شراب سے پہلے جن لوگون نے شراب خرید کر گھر مین بھر لی تھی، وہ اون کی ملک تھی، حرمت نازل ہونے کے بعد ان کو یہ حکم نہین دیا گیا کہ جس سے خریدی ہے، اوس کو واپس کردو، نہ بیچنے والون کو رقم کی واپسی کا حکم ہوا، بلکہ آیندہ کے لئے شراب کا پینا حرام کردیا گیا، اور ابتدا مین لوگون کو سختی کے ساتھ روکنے کے لئے شراب کے بہا دینے کا حکم ہوا، مگر اب یہ بھی جائز ہے، کہ اگر کسی مسلمان کو اپنے وارث کافر کے ترکہ سے شراب ملے، تو اس کو سرکہ بنا لے،

واپسی کا حکم نہ سود کی رقوم مین دیا گیا، نہ شراب کے ذخیرون مین، آیندہ کے لئے جس طرح شراب کے ذخیرہ کا بیچنا، اور پینا حرام کر دیا گیا، اسی طرح سود سے وصول شدہ رقوم کو سود پر چلانا حرام کر دیا گیا،

مولانا تو ماشاء اللہ فقیہ ہین، اگر مان لیا جائے، کہ شراب کے ذخیرون کا بہانا امت پر پہلے بھی فرض تھا، اور اب بھی فرض ہے، اور رقوم سود کی واپسی فرض نہین کی گئی، جب بھی دونون مین بڑا فرق ہے، جو اُن جیسے فقیہ کی نظر سے مخفی نہ رہنا چاہئے، وہ یہ کہ اگر نزول حرمت سے پہلے جس طرح سودی رقم حلال اور اس پر قبضہ جائز تھا، اسی طرح شراب کی خرید و فروخت اور اس پر قبضہ بھی جائز تھا، مگر نزول حرمت کے بعد سود کی رقوم جو مسلمانون کے قبضہ مین تھین، حرام لعینہ نہین تھین، کیونکہ رقم مین جو کچھ حرمت اور خبث آتا ہے، بسبب ملک کی وجہ سے آتا ہے، اور بسبب ملک کا وجود نزول حرمت سے پہلے ہوا تھا، اب نہین ہوا، اس لئے یہ رقم نزول حرمت کے بعد حلال اور جائز رہی اور شراب (یعنی خمر) حرام لعینہ ہے[1]، اس مین صرف عقد ہی کی وجہ سے حرمت نہین، بلکہ اس کی ذات مین حرمت ہے، اسی لئے شراب کو ناپاک چیزون مین شمار کیا گیا ہے، تو اگرچہ نزول حرمت سے پہلے اس کی خرید و فروخت جائز اور اس پر قبضہ بھی جائز تھا مگر نزول حرمت کے بعد جو شراب مسلمان کے قبضہ مین ہے، وہ اپنی ذات سے حرام اور ناپاک ہے، اس لئے اس کے بہانے کا حکم دیا گیا، مگر یہ حکم نہین دیا گیا کہ جس شخص نے نزول حرمت سے پہلے شراب فروخت کی ہو اور وہ رقم اس کے پاس محفوظ ہو اسے خریدار کو واپس کر دے، شراب کو بہانے اور گرانے کا حکم دینا اور رقوم حاصل شدہ کی واپسی کا حکم نہ دینا اس بات کو واضح کر رہا ہے، کہ رقوم ربوا کے ساتھ وہی معاملہ کیا گیا ہے، جو رقوم خمر کے ساتھ کیا گیا تھا، رقوم کو عین خمر پر قیاس کرنا یہ ہمارے مولانا کا نیا اجتہاد ہے، مولانا کا یہ ارشاد بھی عجیب ہے کہ قرآن والے فتوی مین حرمت سے پہلے قبضہ کیا گیا تھا، اور حرمت کی کیفیت بعد کو طاری ہوئی، اس کا تو کوئی بھی قائل نہین، جب قبضہ حرمت سے پہلے ہو چکا ہے، تو بعد مین بھی اوس پر حرمت طاری نہین ہوئی کیونکہ اس کی ذات مین تو حرمت نہین ہے، صرف عقد یا سبب سے اس مین حرمت آسکتی تھی، اور عقد

[1] لحدیث ابن عباس فی النسائی بطرق مختلفۃ حرمت الخمر لعینھا والسکر من کل شراب،

حرمت سے پہلے ہوا ہے، تو بعد مین حرمت کیون طاری ہو؟ گے چل کر فرماتے ہین :-

"اور امام والے فتوی مین حرمت کی کیفیت معاہدہ کی وجہ سے پہلے طاری تھی، (مولانا نے اس جملہ مین معاہدہ امن کی وجہ سے مال حربی کا معصوم ہونا تسلیم کر لیا، ورنہ حرمت کی کیفیت طاری ہونے کا کیا مطلب ؟) پھر عقد ربا پایا گیا، (جس کا یہ مسلمان مذہبًا مجاز نہین تھا، اس کو بھی مولانا اوپر تسلیم کر چکے ہین) اور اسی عقد کی بنا پر مسلمان نے حربی کے مال پر قبضہ کیا ہے"

تو ہم کہتے ہین کہ یہ قبضہ بھی حرام اور عقد بھی حرام اور مولانا فرماتے ہین کہ

"عقد تو حرام ہے، مگر قبضہ حلال ہے، کیونکہ عقد کے ضمن مین رضامندی ثابت ہو گئی اور مال حربی غیر معصوم ہے"

ہم کہتے ہین یہ دونون دعوی بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل ہین، قرآن نے ان مقدمات کو اصلًا نہین بیان کیا، نہ کسی حدیث متواتر و مشہور یا اجماع سے آپ ان کا ثبوت دے سکتے ہین پس قرآن کا فتوی فَلَہٗ مَا سَلَفَ آپ کی دلیل کسی درجہ مین بھی نہین، اور ذروا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا (چھوڑ دو بقایا کو سود مین سے) عام ہے خواہ مسلمانون پر بقایا ہو یا کفار پر اور کفار ذمی ہون یا حربی سب ہی کا چھوڑنا فرض کیا گیا، اور ہر صورت سے فرض کیا گیا، خواہ دار الاسلام مین رہ کر وصول کرین، یا دار الحرب جا کر وصول کرین، تو جب اس ربا کا جو نزول حرمت سے پہلے کسی پر لازم ہوا تھا، وصول کرنا مطلقًا حرام ہوا، اور اس کا چھوڑنا فرض ہوا، تو جو ربا نزول حرمت کے بعد عقد کرنے سے لازم ہوا ہو خواہ مسلمان پر لازم ہوا ہو، یا کافر حربی اور کافر خواہ ذمی ہو یا حربی اس کا وصول کرنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے ؟

کتب احادیث و تفاسیر کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ جس بقایا سود کے چھوڑنے کا یہان حکم ہے وہ کفار مکہ پر مسلمانون کا واجب تھا، اب بتلایا جائے کہ یہ لفظ کفار کے ساتھ عقد ربا کرنے اور ان سے سود کی رقم لینے کی حرمت پر حال ہوا یا نہین ؟ مگر مولانا کے پاس ان سب دلائل کا ایک ہی جواب ہے جس کو

وہ بار بار دہرائے چلے جاتے ہین کہ

"یہان سرے سے معاملہ ہی منعقد نہین ہوتا، اس کی وجہ سے حق کیا واجب ہوگا، معاملہ تو صرف رضا کی دلیل بن کر ختم ہو گیا"

مگر مین بار بار عرض کر چکا ہون کہ یہ سب مقدمات بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل ہین،

ب :- قرآن کے بعد مولانا نے بخاری کی حدیث فتح مکہ والی بیان فرمائی ہے جس مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اعلان ہے،

ان کل الربوا کان فی الجاھلیۃ	قطعًا ہر قسم کا سود جو جاہلیت مین تھا، وہ
فھو موضوع واوّل ربًا یوضع	ساقط کر دیا گیا اور سب سے پہلے جس کے سود
ھو ربوا العباس بن عبد المطلب	کی رقم ساقط کی جاتی ہے، وہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم) حضرت عباس رض
	ابن عبد المطلب کی سودی رقم ہے،

اس حدیث کو نقل کر کے مولانا نے دعوی کیا ہے کہ "حضرت عباس رض فتح خیبر سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے، جو فتح مکہ سے دو سال مقدم ہے، اور فتح خیبر سے پہلے ربا حرام ہو چکا تھا، اور حضرت عباس رض کے سود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد ساقط کیا ہے، تو اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ اس سے پہلے حضرت عباس رض کا سود لوگون سے ساقط نہین ہوا تھا، پس ثابت ہو گیا کہ مسلمان کو دار الحرب مین معاہدۂ امن کے ساتھ رہتے ہوے بھی حربی سے سود لینا جائز ہے"، مین کیا کہون کہ یہ استدلال کس قدر کمزور ہے، اوّل تو حضرت عباس رض کا فتح خیبر سے پہلے اسلام لانا صحیح طور سے ثابت نہین، ان کے اسلام کے زمانہ مین بڑا اختلاف ہے، ظاہر یہ ہے کہ وہ فتح مکہ سے کچھ ہی پہلے اسلام لائے تھے جس کے بعد مہاجرت کر گئے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راستہ مین ملاقات کی جب کہ آپ مکہ فتح کرنے آرہے تھے،

یہ ظاہر اس لئے ہے کہ فتح مکہ سے پہلے ہجرت فرض تھی، ترک ہجرت پر سخت وعید تھی، اور حضرت عباسؓ مستضعفین مین سے تھے، کیونکہ بخاری ہی مین حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا یہ قول مذکور ہے،

کنت انا و امی من المستضعفین، — مین اور میری ماں مستضعفین (کمزورون) مین سے تھے،

جن پر ہجرت فرض نہ تھی، اگر حضرت عباسؓ بھی معذور ہوتے، تو ان کا ذکر بھی ضرور کرتے، ماں کا ذکر کرنا باپ کا ذکر نہ کرنا اس بات کو تبلا رہا ہے، کہ ان کی ماں پہلے اسلام لائی تھین، اور عبداللہ بن عباسؓ بوجہ نابالغ ہونے کے خیر الابوین یعنی اپنی ماں کے تابع ہوکر مسلمان قرار پائے تھے، مگر جس کے تابع تھے، وہ عورت ذات تھی، اس لئے دونون مستضعفین مین داخل ہوئے، جو لوگ حضرت عباسؓ کا اسلام غزوۂ بدر مین یا قبل خیبر تبلاتے ہین، وہ ان کو ترک ہجرت کا سبب بھی تو بیان کرین اور یہ بھی تو تبلائین، کہ عبداللہ بن عباسؓ نے اپنی ماں کا عذر بیان کرتے ہوئے، باپ کا عذر کیون نہین بیان کیا؟ اگر کہا جائے کہ حضرت عباسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مکہ مین قیام کرلینے کی اجازت لے لی تھی، جیسا شرح سیر کبیر مین بلا سند مذکور ہے، تو اس صورت مین ابن عباسؓ کو یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی، کہ مین اور میری ماں مستضعفین مین سے تھے جب حضرت عباسؓ کو مکہ مین رہنے کی اجازت تھی، تو ان کی بیوی اور نابالغ اولاد کو بھی یقیناً ترک ہجرت کی اجازت تھی غرض جب حضرت عباسؓ کا اسلام ہی فتح مکہ سے زیادہ پہلے نہین، بلکہ اوس کے قریب ہی تھا، تو اس بنیاد پر جو عمارت قائم کی گئی ہے، وہ خود ہی منہدم ہوگئی،

اچھا مان لو کہ حضرت عباسؓ کا اسلام فتح خیبر سے پہلے تھا، مگر اس کا کیا ثبوت ہے کہ ان کو مکہ مین رہتے ہوئے حرمت ربا کا حکم بھی معلوم ہوگیا تھا، ممکن ہے کہ یہ سب کچھ لاعلمی کی وجہ سے ہوا ہو، اور دار الحرب مین جہل عذر ہے، اگرچہ دار الاسلام مین عذر نہین، حنفیہ نے اس کی تصریح کی ہے" پس کہہ سکتے ہین کہ یہ ربا قبل فتح مکہ اس لئے باقی رہا، کہ ان کو حرمت ربا کا علم نہ تھا، پھر یہ طرز استدلال بھی کتنا عجیب ہے

کہ چونکہ حضرت عباسؓ کا ربا فتح مکہ مین ساقط کیا گیا ہی، اس لئے فتح مکہ سے پہلے ان کا ربا جائز تھا، مین کہتا ہون کہ اسی حدیث مین یہ بھی تو ہے

وددماء الجاهلية	زمانۂ جاہلیت کی سب خونریزیان ساقط
موضوعة كلها واول دم	کی جاتی ہین، اور سب سے پہلے جو خونریزی
اضعه دم ربيعة بن عبد	ساقط کی جاتی ہے، وہ عبد المطلب کے بیٹے
المطلب،	ربیعہ کا خون ہے،

تو کیا مولانا اس سے بھی یہ استنباط کرین گے، کہ جاہلیت کی خونریزیان سب جائز تھین، ورنہ ساقط کرنے کے کیا معنی؟ جس مذہب مین مفہوم مخالف حجت نہ ہو، اس کے مقلدین کا وضع ربا سے جواز پر استدلال کرنا کس قدر حیرتناک ہے"،

ج :- تیسری دلیل حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ جنگِ روم و ایران کے سلسلہ مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور مشورہ سے انھون نے بعض کفار مکہ کے ساتھ شرط لگائی تھی، جس مین حضرت ابو بکرؓ کی جیت ہوئی، اور کہتے ہین، کہ ان کے ہاتھ سو اونٹ آئے، ان کو لے کر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضر ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اونٹون کو صدقہ کر دینے کا حکم دیا، جس سے یہ ثابت کیا گیا ہے، کہ دار الحرب مین حربی سے سود اور قمار جائز ہے، مولانا کو معلوم ہے کہ اس روایت کے ثبوت و عدم ثبوت مین کس قدر کلام ہے، پھر اس سے میرے اس قول کا جواب کیونکر ہوا، کہ امام ابو حنیفہ کے پاس ایک ضعیف روایت کے سوا کچھ نہین؟ آخر یہ بھی تو ضعیف ہی ہے؟ پھر اس کو امام کے قول کی دلیل بنانا بھی صحیح نہین، کیونکہ یہ شرط قبل ہجرت نزول حرمتِ ربا و قمار سے بہت پہلے ہوئی تھی، اور حضرت صدیقؓ غزوۂ بدر مین جیتے ہین کہ اسی وقت روم کو ایران پر غلبہ حاصل ہوا تھا، اگر حضرت صدیقؓ نے اسی موقع پر یہ اونٹ وصول کئے تو شرط اور وصول دونون قبل تحریم ہین، اور اگر بعد مین وصول کئے

تو شرط حرمت سے پہلے اور وصول بعد مین ہوا، اور مین اس کا قائل ہون، کہ جب معاملہ کے وقت حرمت موجود نہ ہو تو رقم کا بعد حرمت کے وصول کرنا جائز ہے، اور امام والے فتوی مین حرمت کی کیفیت معاہدہ کی وجہ سے پہلے ہی موجود ہے، جیسا آپ فلہ ما سلف کی تفسیر مین اقرار فرما چکے ہین، اور اس سے پہلے یہ بھی مان چکے ہین کہ مسلمان ایسے فعل کے کرنے کا مذہبًا مجاز نہین، تو حرمت مع العقد یا قبل العقد کو حرمت بعد العقد پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق نہین، تو اور کیا ہے، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان اونٹون کو خیرات کر دینا اس بات کی تعلیم ہے کہ اگر عقد کے وقت حرمت نہ ہو بعد مین حرمت آجائے، تو اس معاملہ کے نفع کو خیرات کر دینا چاہئے، اور حکم ذروا ما بقی من الربوا صرف ربا کے ساتھ مخصوص ہے قمار اور دیگر عقود فاسدہ کو عام نہین اس لئے یہ نہین کہہ سکتے کہ یہ آیت بقایا قمار کے چھوڑنے کو بھی فرض کر رہی ہے، ربا اور قمار کا فرق تمہیدی مقدمات سے واضح ہو چکا ہے،

۵- چوتھی دلیل حضرت ابن رکانہ کے اسلام کی حدیث ہے، کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرط لگا کر کشتی لڑے تھے تین بار لڑے اور ہر دفعہ چت ہوے، اور اس شرط مین وہ اپنی بھیڑ بکریون کے گلہ کا ایک ایک تہائی حصہ ہر کشتی مین ہارتے گئے، پھر حضورؐ نے بکریان واپس کر دین، اور وہ اسلام لے آئے" اس واقعہ سے بھی استدلال کیا گیا ہے، کہ دار الحرب مین حربی سے عقد ربا و قمار جائز ہے کیونکہ اگر یہ معاملہ ناجائز ہوتا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شروع ہی سے اس معاملہ مین داخل نہ ہوتے" مگر اس واقعہ سے استدلال دو مقدمات کے ثبوت پر موقوف ہے، ایک یہ کہ واقعۂ مذکورہ نزول حرمت ربا و قمار کے بعد کا ہے، دوسرے یہ کہ شرط دونون طرف سے ہوئی تھی، کیونکہ اگر صرف ایک طرف سے شرط ہو تو وہ قمار مین داخل نہین، بلکہ اب بھی جائز ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کے مال کو واپس کر دینا بہر حال مکارم اخلاق اور کرم و احسان کی وجہ سے تھا، اور ظاہر یہ ہے کہ واقعہ قبل ہجرت کا ہے، جب کہ حرمت ربا و قمار کا نزول نہ ہوا تھا،

کا پانچوین دلیل یہود بنی قینقاع اور بنی نضیر کی جلاوطنی کا واقعہ ہے، کہ جب ان کو مدینہ منورہ سے نکل جانے کا حکم ہوا، تو انھون نے یہ عذر پیش کیا کہ ہمارا قرض لوگون کے ذمہ بقایا ہے اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

ضعوا وتعجلوا، کچھ قرض ساقط کر دو، اور جلدی کرو،

حنفیہ کہتے ہین کہ اس قسم کا معاملہ مسلمانون کے درمیان جائز نہین، کہ قرضخواہ مدیون سے یون کہے کہ اگر مدت مقررہ سے پہلے قرض ادا کردے تو مین قرض مین سے اتنی مقدار کم کرون گا، مگر حضورؐ نے یہود بنی قینقاع و بنی نضیر کے لئے اس کو جائز کیا، تو معلوم ہوا کہ حربی اور مسلم کے درمیان ایسے معاملات جائز نہین جو خود مسلمانون مین جائز نہین"، مگر اس واقعہ سے استدلال کرنے والے یہ نہین سوچتے کہ بنو قینقاع اور بنو نضیر مدینہ مین تھے، ان کا قرض بھی مدینہ کے مسلمانون پر تھا، اور مدینہ دارالاسلام تھا، اگر یہ صورت ربا مین داخل ہو تو دارالاسلام کے اندر حربی اور مسلمان کے درمیان جواز ربا لازم آئے گا، جو کسی کے نزدیک بھی جائز نہین، امام ابوحنیفہ کا قول بھی دارالحرب کی ساتھ مقید ہے، دارالاسلام مین وہ بھی مسلم و حربی کے درمیان عقد ربا کو جائز نہین رکھتے،

پس یا تو کہا جائے کہ یہ واقعہ نزول حرمت ربا سے پہلے کا ہے، یا اس کو ایسی صورت پر محمول کیا جائے جس سے ربا لازم نہ آئے، واقعہ یہ ہے کہ ان لوگون کو چند روز کی مہلت دی گئی تھی، کہ اس مدت کے اندر انکو مدینہ سے نکل جانا چاہئے، جب انھون نے بقایا قرض کا عذر پیش کیا، تو اُن سے صاف کہدیا گیا کہ مدت مہلت مین اضافہ نہین ہوسکتا، اس مدت کے اندر اندر اونے پونے جس قدر وصول ہوسکے اپنا قرض وصول کرلو، اور جلدی یہان سے چلدو، بتلائیے اس کو ربا سے کیا تعلق؟ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مدت مقررہ کے بعد تمھاری جان و مال محفوظ نہین رہین گے، اب تم کو اختیار ہے خواہ دیر کرکے اپنی جانون سے اور اس مال سے بھی ہاتھ دھولو جو اس وقت تمھارے قبضہ مین ہے، یا

جلدی کرو، اور مدتِ معینہ میں جتنا قرض وصول ہو سکے، اسی کو غنیمت سمجھو، یہ صورت، ربا میں ہرگز داخل نہیں، آج بھی اگر کوئی حربی دارالاسلام میں ایک سال کے واسطے معاہدۂ امن کے ساتھ تجارت کرنے آئے، اور جب سال ختم ہونے لگے، وہ اپنے قرضداروں سے کہے کہ میری مدت امن ختم ہو رہی ہے، اب میں یہاں نہیں ٹھہر سکتا، تم جس قدر بھی ادا کر سکو ادا کر دو، بقیہ میں نے معاف کیا، تو اس کو کوئی بھی ربا میں داخل نہ کرے گا،

د: چھٹی دلیل وہی مکحولؒ والی روایت ہے، مولانا گیلانیؒ کو اعتراف ہے، کہ اس حدیث کو امام شافعیؒ نے مشہور کیا، وہ قاضی ابو یوسفؒ کے حوالہ سے کہتے ہیں کہ اُن سے امام ابوحنیفہؒ نے یہ کہا تھا، کہ انھوں نے اپنے بعض مشائخ سے سنا کہ مکحول ان سے یہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

لا ربوا بین اھل الحرب، اہلِ حرب کے درمیان ربا نہیں،

قاضی ابو یوسفؒ کہتے ہیں کہ مجھے خیال آتا ہے کہ اس کے بعد شاید اہل الاسلام کا لفظ بھی وہ بولے تھے، جس کے ملانے کے بعد حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ اہلِ حرب اور اہلِ اسلام کے درمیان ربا نہیں، مولانا گیلانیؒ فرماتے ہیں:-

کوئی شبہ نہیں کہ سنداً اس روایت کے متعلق گفتگو کا بہت کچھ موقع ہے"

میں کہتا ہوں کہ اب تو اس کا متن بھی مخدوش ہو گیا، کیونکہ اس کا جتنا حصہ امام ابو یوسفؒ کو اچھی طرح یاد ہے، اس کا تو حاصل یہ ہے کہ اہلِ حرب آپس میں جو معاملات ربا کرتے ہیں، اور اس طرح مال کے مالک بنتے ہیں، مسلمانوں کے لئے وہ مال حلال ہے، یہ شبہ نہ کرو کہ اہلِ حرب سے جو مال ہم نے لیا ہے چونکہ وہ اُن کے پاس سودی کاروبار سے آیا تھا، اسلئے ہمارے واسطے حلال نہیں ہوگا، کیونکہ کفار مکلف بالفروع نہیں، ان کے باہمی معاملات سے اُن کے رواج و آئین کے مطابق جو مال ان کی ملک ہے، وہ تمہارے واسطے حلال ہے حتیٰ کہ وہ کفار بھی اگر کسی وقت اسلام لائیں تو یہ سودی کاروبار کا روپیہ اُن کے لئے حلال ہوگا،

اس جزو مین کسی کا بھی اختلاف نہین، اور جس جزو مین اختلاف ہے، کہ حربی اور مسلم کے درمیان سودی معاملہ جائز ہے، یہ جزو امام ابو یوسفؒ کو پوری طرح محفوظ نہین، اب آپ ہی فرمایئے ایسی حالت مین اس سے کیونکر استدلال ہوسکتا ہے، پھر حنفیہ کا اصول ہے کہ راوی کا اپنی روایت کے خلاف عمل کرنا یا فتوی دینا صحت روایت مین قادح ہے، اور ظاہر ہے کہ امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ دونون کا عمل اور فتوی اس روایت کے خلاف ہے، تو حنفیہ کو اپنے اصول کے موافق اس سے استدلال کا کیا حق ہے! مرسل اور موصول ہونے سے تو بعد مین بحث کی جائے گی، پہلے اس اشکال کو دفع کرنا لازم ہے، کہ اس حدیث کے متن مین راوی کو شبہہ ہے، اور خود راوی کا عمل اور فتوی اس کے خلاف ہے، ان سب باتون سے پہلوتہی کرکے مولاناؒ کا یہ فرمانا کہ

"آخر کچھ نہین تو جو مسئلہ قرآن و حدیث کی بینات سے ثابت ہو رہا ہو اس کی مزید تائید و تقویت بھی کیا اس سے نہین حاصل ہوتی"

کس قدر دلفریب سوال ہے، بینات کی بھی ایک ہی کہی، بندہ نے ان بینات کے چہرہ سے نقاب الٹ کر دکھلا دیا ہے، کہ ان سے کسی درجہ مین بھی آپ کا مدعا ثابت نہین ہوتا، رہا سہا کچھ سہارا یہ حدیث مکحولؒ تھی، مگر افسوس وہ بھی سنداً و متناً ہر طرح مخدوش ہے، اچھا مان لیجئے کہ حدیث کے الفاظ وہی ہین، جو ہمارے فقہاء بے تکلف اپنی کتابون مین لکھتے آرہے ہین کہ

لا ربوا بین المسلم والحربی فی دار الحرب،	مسلمان اور حربی کے درمیان دار الحرب مین ربا نہین،

تو اس مین یہ بھی احتمال ہے کہ نفی بمعنی نہی ہو اور مطلب یہ ہو کہ مسلمان کو حربی کے ساتھ دار الحرب مین بھی ربا کا معاملہ نہ کرنا چاہئے، پہلے بھی مین اس احتمال کو ظاہر کرچکا ہون اور بتلا چکا ہون کہ حدیث مین اس کی نظیرین بہ کثرت موجود ہین، دوسرا احتمال اور بھی ہے جس کی تفصیل آگے آئے گی، کہ مسلم سے مراد وہ مسلمان ہو جو دار الحرب مین بلا معاہدہ امن داخل ہوا ہو، امام سفیان ثوریؒ نے حدیث کا یہی مطلب سمجھا ہے، اس

احتمال نے تو حنیفہ کا سارا قلعہ ہی منہدم کر دیا،

۲، ساتوین دلیل یہ بیان کی گئی ہے کہ قبیلہ اشجع کا ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، اور اپنی حاجت پیش کی، حضورؐ نے فرمایا، ذرا صبر کر، وہ چلا گیا، اور دشمن سے غنیمت کا مال حاصل کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر حاضر ہوا، آپ نے اس مال کو اس کے لئے پاک اور حلال قرار دیا، اس پر قرآن کی آیت نازل ہوئی،

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا	اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس
وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ،	کے لئے نجات کی شکل نکال دیتا ہے، اور
	اوس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے، جہان
	اس کا گمان بھی نہین ہوتا،

مولانا گیلانیؒ فرماتے ہین "یعنی دار الحرب کا یہ مال چونکہ غیر معصوم مال تھا، اس لئے اشجعیؓ قبضہ کرنے کے بعد اس کا مالک ہو گیا"

مین نہین سمجھا کہ مسئلہ اختلافی سے اس کو کیا واسطہ، حدیث مین تصریح ہے، کہ صحابی نے دشمن سے غنیمت کا مال حاصل کیا، جس سے صاف معلوم ہوا کہ وہ حربی معصوم الدم نہ تھا، تو اس کا مال بھی معصوم نہ تھا، اس سے یہ کہان ثابت ہوا کہ مسلم معاہدۂ امن کے ساتھ دار الحرب مین داخل ہو تو اہل حرب کا مال اس کے حق مین غیر معصوم ہے، اور وہ قبضہ سے اس کا مالک بن سکتا ہے

میرے خیال مین مولانا گیلانیؒ کو خلط ہو گیا ہے، وہ میری ایک دوسری بات کا جواب اس حدیث سے دینا چاہتے ہین، سہواً مسلم و حربی کے درمیان جواز ربا کی دلیلون مین اس کو بیان کر گئے، مین نے اپنے مضمون کے حاشیہ مین لکھا تھا کہ یہان سے انکا بھی رد ہو گیا، جو دار الحرب مین مال حربی کو فئی قرار دیتے ہین، اور کہتے ہین کہ مسلمان حربی سے عقد ربا کر کے مال فئی پر قبضہ کرتا ہے، ان کو جاننا چاہئے کہ مال فئی

عامہ مسلمین کا حق ہے، نہ کسی خاص شخص کا (ماخذ نمبر ۵ جلد ۶ ص ۵۰۹ معارف)

مولانا گیلانی نے تمہیدی مقدمات مین نمبر ۲ اسی کے جواب مین بڑھایا ہے، یہ حدیث اوسی جگہ اُن کو لکھنا چاہئے تھی، مولانا کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ "مال فئی پر قبضہ اگر حکومت کی پشت پناہی اور فوجی قوت کے زور سے ہوا ہو تو تقسیم سے پہلے یہ مقبوضہ مال اس کے لئے جائز ہوگا، اور اگر حکومت اور حکومت کی پشت پناہی کے بغیر حاصل ہوا ہو، تو وہ قبضہ کرنے والے کی مخصوص ملکیت ہوگی، اور اس مال مین خمس یعنی پانچوان حصہ حکومت کا نہ ہوگا" مولانا کا یہ ارشاد درست ہے، مگر دوسری صورت مین ایک قید بڑھانے کی ضرورت ہے، وہ یہ کہ اگر مال فئی پر قبضہ بدون حکومت کی پشت پناہی اور فوجی قوت کے ہوا ہو، تو دیکھنا چاہئے کہ اس قبضہ کرنے والے نے اپنی قوت اور طاقت مقابلہ سے اوس پر قبضہ کیا ہے، یا بدون مشقت وتعب کے قبضہ ہوگیا ہے، پہلی صورت مین حکومت اوس سے خمس نہ لے گی، گو اوسے خود ادا کر دینا مستحب ہے، پھر امام کو اختیار ہے، خواہ اوس سے خمس لے، یا محتاج سمجھ کر معاف کر دے، جیسا شعبی کی حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک صحابی مال غنیمت لے کر حضورؐ کے پاس حاضر ہوئے، مگر آپ نے ان کی حاجت کے پیش نظر اون سے خمس نہین لیا، اور اگر یہ قبضہ بدون مشقت اور تعب کے ہوگیا جیسے کسی کو دار الحرب مین مدفون خزانہ مل گیا، تو اس پر خمس واجب ہے، صحیح حدیث مین ہے،

المعدن جبار والبئر جبار و	کانون اور کنوون پر کوئی ٹیکس نہین اور
فی الرکاز الخمس،	دفینہ مین حکومت کا پانچوان حصہ ہے،

اب بتلایا جائے کہ اگر مسلمان دار الحرب مین عقد ربا کے ذریعہ مال فئی پر قبضہ کرتا ہے، تو یہ قبضہ طاقت مقابلہ سے ہے، یا بلا مشقت ہے؟ یقیناً بلا مشقت ہے، تو اس پر خمس لازم ہونا چاہئے، یہ مطلب نہین کہ مین اس صورت مین خمس کو واجب کرتا ہون، میرے نزدیک تو یہ قبضہ ہی ناجائز ہے، مطلب یہ ہے کہ جو حضرات اوس کو مال فئی پر قبضہ قرار دیتے ہین، ان کو وجوب خمس کا قائل ہونا چاہئے،

ح :- آٹھوین دلیل حضرت عباسؓ کے فعل کو قرار دیا گیا ہے، کہ وہ مکہ مین فتح مکہ تک سودی کاروبار کرتے رہے، حالانکہ ربوا فتح مکہ سے پہلے حرام ہو چکا تھا، تو امام کے فتوی کی تائید آثار صحابہ سے بھی ہوتی ہے، مگر دلیل کا تمام ہونا اس پر موقوف ہے کہ اس وقت حضرت عباسؓ کا مسلمان ہونا ثابت کر دیا جائے، کہ اس کے بعد ہی وہ زمرۂ صحابہ مین شامل ہو سکتے ہین، اور ہنوز یہی محل کلام ہے، پھر یہ بھی ثابت کر دیا جائے کہ حرمتِ ربا کا حکم معلوم کرنے کے بعد انھون نے ایسا کیا ہے، مولانا اس کو بھی ثابت نہین کر سکتے، پھر یہ دلیل ہی کیا ہوئی ؟ علاوہ ازین اسی حدیث کے بعض الفاظ مین صحیح سند سے یہ بھی وارد ہے،

وَاما ربوا العباس فموضوع کلّه،	لیکن عباس کا ربا تو وہ تو سب کا سب ساقط ہے،

کہا جاتا ہے یعنی سود بھی اور اصل بھی،

پس اگر ثابت ہو جائے کہ انھون نے اسلام لانے اور حرمتِ ربا کا حکم معلوم کرنے کے بعد سودی کاروبار کیا تھا، تو فریق مخالف کہہ سکتا ہے کہ حضورؐ نے اسی واسطے اُن کے اصل مال کو بھی بطور سزا کے ساقط کر دیا، پھر تو آپ کے لئے استدلال کی کچھ گنجایش باقی نہ رہے گی،

ط نوین دلیل ابراہیم نخعیؒ کا قول ہے کہ اس مین کوئی مضائقہ نہین، کہ ایک اشرفی کے عوض دو اشرفیون کا معاملہ مسلمانون اور اہلِ حرب کے درمیان ہو، مگر اس کو قول امام کی دلیل نہین بنا سکتے، کیونکہ اول تو یہ ربا کی خاص صورت ہے، جو ربا حقیقی نہین، بلکہ ربا البیع اور ربا الفضل ہے، اور تمہیدی مقدمات مین بتلا دیا گیا ہے کہ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ربا قرآنی کے ساتھ ملحق فرمایا ہے، اور اس کی حرمت ربا قرآنی کی برابر قطعی نہین، تو ربا کی ایک خاص صورت کے جواز سے مطلقاً ہر قسم کی ربا کا جواز جیسا امام ابو حنیفہ کیطرف منسوب کیا جا رہا ہے ثابت نہین ہو سکتا، دوسرے ابراہیم نخعیؒ کے قول مین لفظ "المسلمین" اور "اہل الحرب" مطلق ہے، ممکن ہے کہ ان کی مراد وہ مسلمان ہون جو بلا معاہدہ و استیمان کے دار الحرب

مین جائین اور اہلِ حرب سے وہ حربی مراد ہون جو معصوم الدم نہ ہون، اس احتمال کی تائید سفیان ثوری کے قول سے ہوتی ہے، جو آیندہ آتا ہے، اور یہ صورت محلِ نزاع نہین، گفتگو اس صورت مین ہے، کہ مسلمان معاہدۂ امن کے ساتھ دارالحرب مین ہو، جس کی وجہ سے اہلِ حرب کی جانین اس کے حق مین معصوم ہوجاتین، اس کے لئے کہ اہل حرب کے اموال معصوم ہین یا نہین، اور اس کو ان کے ساتھ عقد ربا کرکے مال حاصل کرنا ..... جائز ہے یا نہین؟ ابراہیم نخعیؒ کا قول اس باب مین واضح نہین،

ی، دوسوین دلیل امام سفیانؒ ثوری کا قول ہے کہ طحاویؒ نے ابراہیم نخعیؒ کا قول بیان کرکے اپنی سند کے ساتھ عبداللہ بنؒ مبارک سے روایت کیا ہے کہ سفیانؒ بھی یہی کہتے تھے، (جو ابراہیم نخعی نے کہا) اوپر معلوم ہوچکا ہے کہ ابراہیم نخعی کے قول مین مطلق ربا کا ذکر نہین صرف ربا الفضل کا ذکر ہے، تو وہی سفیان ثوریؒ کے قول مین ہونا چاہئے، اب اس کو امام ابوحنیفہؒ کے قول کی دلیل بنانا جن کی طرف مسلم و حربی کے درمیان دارالحرب مین مطلق ربا کا جواز منسوب کیا جارہا ہے، صحیح نہین، پھر سفیانؒ ثوری کے نزدیک لادبوا بین المسلم والحربی مین المسلم سے مراد وہ مسلمان ہے جو بغیر کسی معاہدہ کے غیر اسلامی حکومت مین داخل ہوکر وہان کے غیر مسلم باشندون سے اس قسم کا معاملہ کرتا ہو لیکن جو امن امان کے ساتھ رہنے کا معاہدہ کرکے غیر اسلامی ملک مین داخل ہو یعنی مسلم مستامن کو وہ اس کی اجازت نہین دیتے، شرح السیر اور مبسوط سرخسیؒ سے مولانا گیلانیؒ نے خود ہی یہ تفصیل بیان فرمائی ہے، ہمی مین کہہ رہا تھا، کہ مکحولؒ والی حدیث مین الحربی سے مراد غیر معصوم الدم ہو تو پھر کچھ اشکال ہی نہین، مین پہلے بھی عرض کرچکا ہون اور اب پھر کہتا ہون کہ اباحتِ مال اہلِ حرب کا حکم مطلق نہین ہے، بلکہ خاص حالات کے ساتھ مخصوص ہے، جب کہ حربی غیر معصوم الدم ہو خواہ مقابلہ کی وجہ سے یا مصالحت نہ ہونے کی وجہ سے پس جب لشکر اسلام دارالحرب پر حملہ آور ہو یا کوئی مسلمان تلصص (جاسوسی) یا قید کی حالت مین دارالحرب جائے ان صورتون مین مسلم کو حربی سے عقد ربا جائز ہوسکتا ہے، کیونکہ ان حالات مین بدون رضا کے جبراً بھی وہ

اس کا مال لے سکتا ہے، تو بذریعہ عقد ربا تراضی کے ساتھ بدرجۂ اولیٰ لے لیگا اور غالباً حدیث مکول مین حربی سے ایسا ہی حربی غیر معصوم الدم مراد ہے کہ وہی حربی کامل ہے، اور لفظ مطلق سے فرد کامل ہی مراد ہوا کرتا ہے۔ الحمد للہ میرے اس قول کی تائید سفیان ثوریؒ کے قول سے ہوگئی، اور جب سفیان کا قول وہی ہے، جو ابراہیم نخعیؒ کا ہے تو ان کے قول مین بھی مسلم سے مراد مسلم غیر مستامن اور حربی سے مراد حربی غیر معصوم الدم ہوگا، اور یقیناً جاننے والون سے یہ امر مخفی نہین کہ علماے کوفہ کا مذہب ابراہیم نخعیؒ اور سفیان ثوری پر عموماً منتہی ہوتا ہے، تو یہ کہا جا سکتا ہے، کہ فقہاے کوفہ کا فتوی وہ نہین جو امام صاحب کی طرف منسوب کیا جا رہا، کہ مسلم مستامن کو بھی حربی کے ساتھ دار الحرب مین عقد ربا مطلقاً جائز ہے، بلکہ وہ ہے جو سفیان ثوریؒ اور ابراہیم نخعیؒ کی طرف منسوب ہے کہ مسلم غیر مستامن کو حربی غیر معصوم الدم کے ساتھ ایسا کرنا جائز ہے، اب میرا یہ قول بہت موکد ہوگیا کہ عجب نہین امام صاحب کی بھی یہی مراد ہو جو ابراہیم نخعیؒ اور سفیان ثوریؒ سے منقول ہے، بہرحال ہے، جس تفصیل اور اطلاق کے ساتھ مسلم وحربی کے درمیان عقد ربا کا جواز کتب حنفیہ مین امام صاحب کی طرف منسوب کیا جا رہا ہے، وہ اس مین منفرد ہین، اور ان کے اس قول کی بجز ایک ضعیف اور محتمل حدیث یا ضعیف قیاس کے کوئی قوی دلیل نہین، مولانا گیلانی نے جس قدر دلیلین پیش کی ہین، مین عرض کر چکا ہون کہ ان مین سے ایک بھی دلیل بننے کے قابل نہین،

آخر مین اتنا اور عرض کر دون کہ مولانا نے میرے مضمون مین کامل غور کئے بغیر میری طرف یہ دعوی منسوب کر دیا ہے کہ

"اموالِ اہلِ حرب کے غیر معصوم و مباح ہونے کے لئے اہلِ حرب کا مسلمانون اور مسلمانون کی حکومت سے بالفعل برسرِ جنگ ہونا ضروری ہے"

حالانکہ میری عبارت مین یہ الفاظ موجود ہین، کہ

"اباحتِ مال اہلِ حرب کا حکم مطلق نہیں، بلکہ خاص حالات سے مخصوص ہے جب کہ حربی غیر معصوم الدم ہو، خواہ مقابلہ و مقاتلہ کی وجہ سے یا مصالحت نہ ہونے کی وجہ سے، جس سے صاف معلوم ہو گیا، کہ بالفعل برسرِ جنگ ہونا ضروری نہیں، بلکہ مصالحت و معاہدہ نہ ہونا بھی ان کے اموال کے غیر معصوم اور مُباح ہونے کے لئے کافی ہے"

اسی لئے میں مسلم متلصص[1] کے لئے جواز عقد ربا کا قائل ہوں، حالانکہ اہلِ حرب اس سے بالفعل برسرِ جنگ نہیں ہوتے، مگر چونکہ اُن سے نہ حکومتِ اسلام کا معاہدہ ہے نہ جاسوس نے معاہدۂ امن کیا ہے اس کے حق میں اہلِ حرب کے نفوس و اموال دونوں غیر معصوم اور مُباح ہیں، اور اس کے لئے اہلِ حرب کے وہ اموال بھی حلال ہیں، جو عقد ربا کے ذریعہ حاصل کرے،

میرا دعویٰ یہ ہے کہ جو مسلمان دارالحرب میں کسی معاہدۂ قولی یا حالی کے ماتحت امن کی زندگی گذار رہے ہیں، جب اس معاہدہ کی وجہ سے نفوس اہلِ حرب اس کے حق میں معصوم قرار دیدیے گئے تو ان کے اموال بھی معصوم ہوں گے، ان کے ساتھ عقد ربا اس دلیل سے کہ یہ اموال غیر معصومہ ہیں جائز نہیں ہو سکتا، کیونکہ عصمت نفوس کے ساتھ عصمت اموال لازم ہے، آپ دیکھ رہے ہیں، کہ امام سفیان ثوری اس حالت میں مسلم و حربی کے درمیان عقد ربا کی اجازت نہیں دیتے، اور یہی ظاہراً قول ابراہیم نخعی کا ہے اس پر مولانا کا یہ فرمانا کہ

"بہرحال اتنی بات کہ الحربی و المسلم میں ربوا کا معاملہ بعض صورتوں میں ربوا اور سود باقی نہیں رہتا، اس کے قائل یقیناً سفیان ثوری بھی ہیں، اور انجات کے لئے یہ کافی ہے"

موضوعِ بحث سے الگ ہو جانا ہے، کیونکہ جس صورت میں سفیان ثوری جواز عقد ربا درمیان حربی و مسلم کے قائل ہیں، اس میں نزاع اور گفتگو نہیں ہے، میں معارف ص ۱۱۲ پر صاف عرض کر چکا ہوں کہ

---

[1] وہ مسلمان جو جاسوسی کے طور پر دارالحرب میں جائے،

" اگر ان کی (حنفیہ کی) مراد حربی سے غیر معصوم الدم ہے تو اس صورت میں دوسرے ائمہ کا اختلاف محض تورع و احتیاط پر مبنی ہے حقیقی اختلاف نہیں"

اور ابراہیم نخعی کے قول میں لفظ لا باس الدینار بالدینارین خود بتلا رہا ہے، کہ گو وہ اس کو جائز کہتے ہیں مگر خلاف احتیاط بھی سمجھتے ہیں، فقہاء کے کلام پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں، کہ لفظ لا باس کیسے موقع پر بولا جاتا ہے، پس یوں کیوں نہ کہا جائے، کہ امام صاحب کے قول کی بھی تفصیل وہی ہے، جو سفیان ثوری کے قول کی ہے، میں صرف لفظ رہا سے ہرگز متاثر نہیں ہوں، بلکہ میری نظر میں جہاں حق تعالیٰ کا یہ ارشاد

اِنَّ اللّٰہَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ، کہ اللہ تعالیٰ مشرکین سے بری الذمہ ہے،

ہے، وہیں یہ ارشاد بھی پیش نظر ہے،

اِلَّا الَّذِیْنَ عٰھَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ، مگر جن مشرکین سے تم عہد کر لو (تو ان کے جان و مال سے اللہ تعالیٰ بری الذمہ نہیں ہیں)

مولانا گیلانی ایک آیت کو دیکھتے ہیں، اور دوسری کو نہیں دیکھتے، اور اگر دیکھتے ہیں تو پھر یہ دعویٰ کس بنا پر کیا جاتا ہے، کہ مسلم متامن جو معاہدۂ امن کے ساتھ دار الحرب میں داخل ہوا ہے، اس کے حق میں اہل حرب کے اموال معصوم نہیں، حالانکہ نفوس معصوم ہیں، اس دعویٰ کی دلیل میں صرف علامہ سرخسی کا قول کافی نہیں، دلیل قطعی کی حاجت ہے، بدون دلیل کے یہ کہنا کہ واقع میں جو حلال ہے، اس کے حلال ہونے کا فتویٰ امام صاحب دے رہے ہیں، مقام تقلید میں کافی ہو سکتا ہے، مقام تحقیق میں کافی نہیں ہو سکتا، امید ہے کہ مولانا ان معروضات پر تحقیقی نظر ڈال کر اپنے مقالہ پر نظر ثانی فرمائیں گے،

وَلَعَلَّ اللّٰہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا،

پس میں نصوص قرآنیہ پر نظر کر کے بے تکلف کہتا ہوں، اور آپ کو بھی بے تکلف یہی کہنا چاہئے

کہ اس باب مین حنفیہ کا مذہب وہ ہے؟ امام ابو یوسف نے فرمایا ہے، کہ وہی ساری امت کا قول ہے، اور طرفین کا قول مذہب نہین، بلکہ مذہب کی ایک ضعیف روایت ہے، اور اگر ان کا مطلب وہ ہے جو سفیان ثوری کا قول ہے، اور بظاہر وہی فقہ کوفہ کا عام فتوی ہے تو پھر کچھ اختلاف نہین محض تورع و احتیاط کا درجہ باقی رہ جاتا ہے،

واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم و صلی اللہ تعالی و سلم علی افضل بنی آدم سید الانبیاء و علی آلہ و اصحابہ و شرف و کرم،

عائشہ صدیقہ

نیا اڈیشن

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے حالات زندگی، تعلیم و تربیت و خانہ داری، اور ان کے مناقب و فضائل و اخلاق اور ان کے علمی کارنامے، اور ان کے اجتہادات اور صنف نسوانی پر ان کے احسانات، اسلام کے متعلق ان کی نکتہ سنجیان اور معترضین کے جوابات، (طبع سوم)

ضخامت :- ۳۵۰ صفحے،

قیمت :- ۸ ہے

"منیجر"

علمائے اسلام کا اخلاق

از

مولانا عبدالسلام ندوی

(۳)

استغنا و قناعت کے ساتھ ہمارے علماء کا ایک خاص اخلاقی وصف فیاضی ہے، ہمارے امرا وسلاطین نے اگرچہ فیاضیوں کے دریا بہا دیئے تھے لیکن ان کی فیاضیوں کا ایک حصہ غیر معتدل اور قابلِ اعتراض تھا لیکن ہمارے علما نے جو فیاضیاں کیں، وہ اس قدر صحیح و بجا تھیں، کہ ان پر مطلق حرف رکھنے کی گنجایش نہیں، علم، مذہب، اور اخلاق تین چیزیں اُن کے پیشِ نظر تھیں، اور انہی پر وہ اپنا سرمایہ صرف کرتے تھے،

حماد بن مسلم (المتوفی سنہ ۱۲۰ھ) رمضان کے مہینے میں روزانہ پچاس آدمیوں کو افطار کراتے تھے، پھر عید کے دن ہر ایک کو کپڑا اور سو درہم دیتے تھے،

ابن زیاد کوفہ کا عامل صدقہ ہو کر آیا، تو ایک شخص نے ملازمت کے لئے حماد سے اس کی خدمت میں سفارش کرانی چاہی، بولے اُس خدمت سے تمھیں کس قدر مالی فائدے کی توقع ہے؟ اس نے کہا "ہزار درہم" بولے میں تم کو پانچ ہزار درہم خود دلوا دیتا ہوں، اس کے سامنے اپنی آبروریزی نہیں کروانا چاہتا،[۱]

---

[۱] الجواہر المضیہ جلد اول ص ۲۲۶،

ربیعۃ الرائے (المتوفی ۱۳۶ھ) نہایت فیاض تھے، انھون نے اپنے رفقا و تلامذہ پر چالیس ہزار دینار صرف کیے،[1]

امام لیث مصری (المتوفی ۱۷۵ھ) کی سالانہ آمدنی پچاس ہزار یا اسی ہزار دینار تھی لیکن باوجود اس آمدنی کے اُن پر سال مین زکوٰۃ کبھی فرض نہین ہوئی، بلکہ سال کے ختم ہونے سے پہلے ہی یہ کل رقم ان کی فیاضی کے نذر ہو جاتی تھی، امام مالک کے پاس ایک بار ہزار اشرفیان بھیجین، ایک بار امام مالک نے ان کو لکھا کہ وہ مقروض ہو گئے ہین، انھون نے ان کی خدمت مین پانچسو اشرفیان بھیجدین،

ایک بار امام مالک نے ان کی خدمت مین ایک سینی کھجورین بھیجین، لیکن انھون نے اوس سینی مین سونا بھر کر واپس کیا، ایک بار امام مالک کے پاس زعفران کی بوریان ہدیۃً روانہ کین، ان متفرق عطیون کے علاوہ امام مالک کو سالانہ سو اشرفیان دیتے تھے، ان کے علاوہ اور علما بھی ان کے مال و دولت سے فیضیاب ہوتے تھے، ایک بار منصور بن عمار کو ایک ہزار دینار دیئے اور فرمایا کہ خدا نے تم کو جو حکمت عطا کی ہے، ان کے ذریعہ سے اس کو محفوظ رکھو، ابن لہیعہ کے گھر مین آگ لگ گئی، تو ہزار دینار سے اوس مصیبت مین ان کی مدد کی، وہ اپنے اصحاب کے لئے فالودہ تیار کرواتے تھے، اور ان مین اشرفیان بھر دیتے تھے تاکہ جو شخص جس قدر زیادہ کھائے، اس کے حصہ مین اسی قدر زیادہ اشرفیان آئین،[2]

ایک حدیث مین ہے کہ انسان کے ہر جوڑ پر روزانہ صدقہ واجب ہے، چونکہ انسان کے جسم مین تین سو ساٹھ جوڑ ہوتے ہین، اس لئے غالبًا اسی حدیث کی تعمیل مین جب تک وہ ہر روز تین سو ساٹھ مسکینون کو کھانا نہ کھلا لیتے خود کھانا نہ کھاتے،[3]

امام معافی بن عمران (المتوفی ۱۸۵ھ) نہایت دولت مند اور صاحب جائداد تھے، ان کے تلامذہ

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۱۴۱ [2] ابن خلکان جلد اول ص ۴۳۸ و تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۲۰۳، ۲۰۴،
[3] شذرات الذہب جلد اول ص ۲۸۵،

کی تعداد ۳۴ تھی، اور جب ان کی جائداد کا منافع آتا تو اس سے ان سب کی کفالت کرتے تھے[۱]

امام حفص بن غیاث (المتوفی ۱۹۴ھ) اس قدر فیاض تھے، کہ فرماتے تھے، کہ جو شخص میرا کھانا نہ کھائے گا، میں اس کے سامنے حدیث نہ بیان کرون گا، جب وہ عام دعوت دیتے، تو کوئی شخص ایسا نہ تھا، جو اس میں شریک نہ ہوتا تھا[۲]

حافظ عبدالوہاب ثقفی (المتوفی ۱۹۴ھ) کی جائداد کا منافع ۴ ہزار تھا، اور وہ یہ کل رقم محدثین پر صرف کر دیتے تھے[۳]

حسین بن حفص (المتوفی ۲۱۲ھ) کی سالانہ آمدنی ایک لاکھ درہم تھی لیکن اس پر زکوٰۃ کبھی واجب نہیں ہوئی، وہ یہ کل رقم محدثین فقہاء اور اہل فضل پر صرف کر دیتے تھے[۴]

حافظ یحییٰ بن معین بغدادی (المتوفی ۲۳۳ھ) کے باپ نے اپنے مرنے کے بعد لاکھوں روپیے چھوڑے تھے لیکن یحییٰ بن معین نے یہ کل رقم علم حدیث پر صرف کر دی[۵]

حافظ احمد بن مہدی (المتوفی ۲۷۲ھ) نہایت دولت مند تھے اور انھوں نے اپنی دولت میں سے تین لاکھ درہم اہل علم پر صرف کئے تھے[۶]

بعض علماء کی فیاضیاں اگرچہ بظاہر حقیر تھیں، لیکن ندرت و اعجوبگی کے لحاظ سے وہ بھی قابل ذکر ہیں، حافظ نجاد (المتوفی ۳۴۸ھ) ہمیشہ صائم الدہر رہتے تھے، اور صرف ایک روٹی سے افطار کرتے تھے لیکن اس روٹی میں سے روزانہ ایک ٹکڑا بچا لیتے تھے، جب جمعرات آتی تھی، تو اس دن کی پوری روٹی صدقہ کر دیتے تھے، اور ہفتہ بھر جو ٹکڑے بچاتے تھے، اونہی سے افطار کر لیتے تھے[۷]

امام دعلج بن احمد (المتوفی ۳۵۱ھ) نہایت دولت مند محدث تھے، اور مکہ، عراق اور سجستان کے

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۲۹۲ [۲] ایضاً ص ۲۷۲ [۳] الجواہر المضیۃ جلد اول ص ۲۱۰ [۴] ابن خلکان جلد دوم ص ۲۱۵ [۵] تذکرۃ الحفاظ جلد ثانی ص ۱۷۴ [۶] تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ ص ۵، [۷] تذکرۃ الحفاظ ۲۹۳

اہلِ حدیث کے لئے مستقل اوقاف کر رکھے تھے، ابن جیوبہ کا بیان ہے کہ وہ مجھ کو اپنے گھر کے اندر لے گئے، اور سروپیون کے توڑے دکھا کر کہا کہ جس قدر جی چاہے لے لو[1]

حافظ ابو عبداللہ بن ابی الذہل (المتوفی ۳۷۸ھ) نہایت دولت مند اور فیاض تھے، اور محدثین واخیار پر بہت زیادہ احسانات کرتے تھے، وہ ہرات مین جن لوگون کی کفالت کرتے تھے، ان کی تعداد پانچسو سے زیادہ تھی[2]

ابراہیم بن الحسین (المتوفی ۳۹۰ھ) حنفی المذہب فقیہ تھے، اور اپنے ہم مذہب لوگون پر اپنی دولت صرف کرتے تھے، اور ان کے لئے عمدہ عمدہ اوقاف کئے تھے[3]

استاد ابو منصور عبدالقاہر بن طاہر بغدادی (المتوفی ۴۲۹ھ) نہایت دولت مند تھے، اور اپنی دولت اہلِ علم اور اہلِ حدیث پر صرف کرتے تھے[4]

خطیب بغدادی (المتوفی ۴۶۳ھ) نے اپنے مرض الموت مین اپنا کل سرمایہ جس کی تعداد دوسو دینار تھی، اہلِ حدیث، فقہاء اور فقراء کو تقسیم کر دیا، اور اپنی تمام کتابین مسلمانون کے لئے وقف کر دین[5]

محدث ابو عبداللہ محمد بن یوسف (المتوفی ۵۳۰ھ) نہایت مسافر نواز تھے، اور ان کے پاس جو مسافر آتے تھے، باوجود پیرانہ سالی کے ان کا کھانا خود ان کے پاس لے جاتے تھے، اور بذاتِ خود ان کی خدمت کرتے تھے[6]

حافظ ابو العلاء ہمدانی (المتوفی ۵۶۹ھ) اپنے شاگردون کا خاص طور پر لحاظ رکھتے تھے، لوگون سے ان کی مالی اعانت کی درخواست کرتے تھے، اور خود ان کو جو کچھ مال و دولت ملتا تھا، اس کو جمع نہین کرتے تھے، بلکہ ان پر صرف کر دیتے تھے، کسی دعوت مین اس وقت تک شریک نہین ہوتے تھے، جب تک

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ ص ۹۰، ۹۱ [2] ایضاً ص ۲۱۳ [3] الجواہر المضیہ جلد اول ص ۳۰ [4] ابن خلکان جلد اول ص ۲۵۸ [5] ایضاً ص ۲۷۵ [6] ایضاً ص ۲۸۵

ان کے تلامذہ اس مین شریک نہ ہون، بہت سے لوگون کے وظائف مقرر کر رکھے تھے، اور باوجودیکہ ان کی فتوحات کا دائرہ نہایت وسیع تھا لیکن ہمیشہ ہزارون دینار کے مقروض رہتے تھے[۱]

حافظ قاسم (المتوفی ۶۰۰ھ) نے کبھی اپنی تنخواہ نہیں لی، بلکہ جو طلبہ اُن کے پاس آتے تھے اُن کے لئے اس کو محفوظ رکھتے تھے[۲]

حافظ عبدالغنی المقدسی (المتوفی ۶۰۰ھ) اس قدر فیاض تھے، کہ اپنے پاس کوئی چیز جمع نہین کرتے تھے، راتون کو آٹے کی بوریان لے کر نکلتے تھے، اور جب لوگ دروازہ کھولتے تھے، تو ان کو رکھکر فوراً چلے جاتے تھے تاکہ لوگ ان کو پہچان نہ سکین، ایک شخص کا بیان ہے کہ مین نے اُن سے زیادہ فیاض کسی کو نہین دیکھا، انھون نے میری جانب سے متعدد بار قرض ادا کئے، ایک شخص نے ان کے پاس کچھ روپئے اور بہت سے گیہون بھیجے، انھون نے سب تقسیم کر دیا، انھون نے ایک بار متصل تین دن تک اپنا رات کا کھانا دوسرون کو دیدیا، اور خود بھوکے رہے[۳]

مولیٰ سنان الدین (المتوفی ۸۵۱ھ) کی فیاضی حد اسراف تک پہونچ گئی تھی، یہان تک کہ جب ان کا انتقال ہوا، تو اُن کے گھر مین ایندھن بھی نہ تھا کہ نہلانے کے لئے پانی گرم کیا جائے[۴]

پیر محمد جمال (المتوفی ۹۲۰ھ) علم و فضل کے ساتھ منصب وزارت پر ممتاز تھے، اور دو مسجدین دو مدرسے اور دو مسافر خانے تعمیر کروائے تھے[۵]

مولا ابراہیم پاشا نے ابتدا مین نہایت عسرت کے ساتھ زندگی بسر کی تھی لیکن اخیر مین درجہ وزارت تک پہونچ گئے، اور لوگون کے ساتھ نہایت فیاضانہ برتاؤ کئے یہان تک کہ ان کے باورچی خانہ سے روزانہ قسطنطنیہ کے چھ سو فقراء کو کھانا ملتا تھا، اس فیاضی کا نتیجہ یہ ہوا، کہ مرنے کے بعد ان کے پاس اٹھارہ

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ جلد ۴ ص ۱۳۰ [۲] ایضاً صفحہ ۱۶۱ [۳] ایضاً صفحہ ۱۷۰،
[۴] الشقائق النعمانیہ برحاشیہ ابن خلکان جلد ۱ ص ۱۹۷، [۵] ایضاً ص ۳۵۱،

ہزار درہم سے زیادہ نہ نکلے[1]

ہمارے علماء کی ایک خاص اخلاقی خصوصیت یہ ہے کہ باوجود زہد و قناعت اور مجاہدہ و ریاضت کے ان میں رہبانیت کبھی نہیں پیدا ہوئی، اس لئے ان کی اخلاقی حالت عیسائی راہبوں سے بالکل مختلف رہی ابتداء میں مسیحیت کا یہ قانون تھا کہ کسی مسیحی کو مسلح نہیں رہنا چاہئے، بعد کو اگرچہ مسیحیوں کا داخلہ فوج میں حرام نہیں رہا تاہم مذہبی حلقوں میں اسے پسندیدگی سے اب بھی نہیں دیکھا جاتا تھا، کیونکہ مسیحی دشرکانہ تخیل اخلاق ہی میں زمین و آسمان کا فرق تھا، مشرکوں کا مطمح نظر وطن تھا، اور ان کے نزدیک وطن پرستی و سپہ گری زبدۃ الفضائل تھے، بخلاف اس کے مسیحی نصب العین ثواب آخرت تھا، اور اس نقطۂ خیال سے ترک دنیا اور رہبانیت کو راس الحسنات کا مرتبہ حاصل تھا، چنانچہ چوتھی، اور پانچویں صدی میں جوانان صالح کی تعداد کثیر برابر فوج سے منتقل ہو ہو کر زاہدوں اور راہبوں کی صف میں شامل ہوتی جاتی تھی، لیکن اسلام کی حالت اس سے بالکل مختلف تھی، اس نے ابتدا ہی سے جہاد کو راس الفضائل قرار دیا، اس لئے اسلام میں برگزیدگی و سپہ گری کے ڈانڈے باہم مل گئے[2] صحابۂ کرام کے بعد متعدد برگزیدہ علماء نے اپنے گوشۂ خلوت سے نکل کر جہاد میں شرکت کی شیخ الاسلام ابوسعید بصری (المتوفی ۱۱۰ھ) عمر بھر مصروف جہاد رہے، مسلمانوں کی اخلاقی تاریخ میں خارجیوں کی شجاعت مشہور ہے، اور خارجیوں میں فطری بن الفجاۃ شجاعت میں تمام خارجیوں سے ممتاز سمجھا جاتا تھا لیکن شیخ الاسلام ابوسعید بصری اس وصف میں فطری بن الفجاۃ کے ہم پایہ تھے، اور ان کا نام اس کے ساتھ لیا جاتا تھا[3] امام احمد بن شبویہ (المتوفی ۲۳۰ھ) ہمیشہ جہاد کرتے، اور قیدیوں کو چھڑاتے رہے[4]

امام مروزی المتوفی ۲۷۵ھ اسلام کی حمایت و مدافعت میں نہایت مشہور تھے، ایک بار وہ جہاد کے لئے روانہ ہوئے تو لوگوں نے سامرا تک ان کی مشایعت کی، وہ ان کو واپس کرتے تھے لیکن لوگ واپس نہیں

---

[1] شقائق النعمانیہ برحاشیہ ابن خلکان جلد اول ص ۲۲۱، ۲۲۲، [2] تاریخ اخلاقی یورپ جلد دوم ص ۱۵۰، ۱۵۹،
[3] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۱۶۷ [4] ایضاً جلد دوم ص ۴۹،

ہوتے تھے، چنانچہ جو لوگ ان کے ساتھ سامراگئے، اُن کا شمار کیا گیا، تو ان کی تعداد پچاس ہزار تک پہونچی،[1]

حافظ ابو احمد قصاب کی زندگی کا خاص مشغلہ جہاد تھا، چونکہ انھوں نے غزوات مین کثرت سے کافروں کو قتل کیا تھا اسلئے انکا لقب قصاب ہوگیا[2]

حافظ حسینک (المتوفی ۳۷۵ھ) نے متعدد بار خود جہاد مین شرکت کی، اور ایک بار دس آدمیون کو اپنا قائم مقام بنایا، اور ان کو مسلح کرکے جہاد کی شرکت کے لئے بھیجا، اور ان کے مصارف خود برداشت کئے[3]

یوسف بن درناس الغذلادی المغربی دمشق مین حدیث کا درس دیتے تھے، ۵۴۳ھ مین عیسائیون نے دمشق پر حملہ کیا، تو اہل دمشق ان سے لڑنے کیلئے نکلے یوسف بن درناس بھی ان لوگون کے ساتھ شریک جہاد ہوئے، ابھی جنگ شروع نہین ہوئی تھی، کہ مسلمانون کے سپہ سالار سے ان کی ملاقات ہوگئی، وہ پیدل چلنے کی وجہ سے نہایت خستہ ہوگئے تھے، سپہ سالار نے یہ حالت دیکھی تو کہا کہ آپ واپس جائیے، بڑھاپے کی وجہ سے آپ معذور ہین، بولے "مین واپس نہ جاؤن گا، ہم نے بیچ دیا، اور خدا نے ہم سے خرید لیا،، اس سے اُن کا اشارہ اس آیت کی طرف تھا،

ان اللہ اشتری من المؤمنین	خدا نے مسلمانون سے ان کی جان و مال کو
انفسھم واموالھم بان لھم	جنت کے معاوضے مین خرید لیا، وہ لوگ
الجنۃ یقاتلون فی سبیل اللہ،	خدا کی راہ مین لڑتے ہین

چنانچہ لڑے اور شہید ہوئے[4]

علامہ ابن تیمیہ (المتوفی ۷۲۸ھ) نے بڑی بڑی پُرخطر مہمات مین حصہ لیا، ۶۹۹ھ مین غازان خان نے شام پر حملہ کرنا چاہا اور قتلوشاہ اور تولائے جو اس کے سپہ سالار تھے، فوجین لے کر آگے بڑھے تو علامہ ابن تیمیہ نے جاکر ان سے گفتگو کی، اور ان کو اس ارادہ سے روکا ساتھ ہی جہاد کا سامان کیا، اور ہر قسم

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد دوم ص ۲۰۷، [2] ایضاً جلد ۳ ص ۱۵۰ [3] ایضاً ص ۱۷۰ [4] معجم البلدان جلد ۶ ص ۳۷۹،

کی تیاریاں شروع کین، اوس وقت تو یہ فتنہ فرو ہوگیا، لیکن سال بھر کے بعد تاتاریون کا سیلاب پھر امنڈا تو علامہ ڈاک مین بیٹھ کر مصر گئے، اور اعیانِ سلطنت سے مل کر ان کو جہاد کی ترغیب دی، اور دمشق مین واپس جاکر خود جہاد کی تیاریان کین،

مولیٰ محی الدین محمد بن عمر (المتوفی ۹۳۸ھ) نے مختلف بادشاہون سے تعلقات رکھے، اور سب کے ساتھ شریک جہاد ہوئے، سلطان بایزید خان ان کا نہایت معتقد تھا، وہ اس کے ساتھ ایک جہاد مین شریک ہوئے، اور قلعہ مشون کو فتح کیا، قسطنطنیہ مین وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض نہایت بیباکانہ طور پر ادا کرتے تھے، اور ملاحدہ اور صوفیہ ان کی زد مین آتے تھے، وہ سلطان سلیم خان کے زمانہ مین روم مین آئے، اور اس کو قزلباش کے ساتھ جہاد کرنے پر آمادہ کیا، اور اس کے لئے جہاد اور اس کے فضائل پر ایک عمدہ کتاب لکھی، وہ اس گروہ کے ساتھ جہاد کرنے کے لئے روانہ ہوا، تو وہ اس کے ہمراہ تھے، اور راستے مین فوج کو وعظ و پند کرتے تھے، اور اس کو جہاد کا ثواب بتاتے تھے، جب دونون فوجون مین گھمسان کی لڑائی ہوئی، تو بادشاہ نے ان کو دعا کرنے کا حکم دیا، انھون نے دعا کی، اور خدا کے فضل سے دشمن کو شکست ہوئی، اس کے بعد وہ ۹۳۲ھ مین ایک اور جہاد مین شریک ہوئے اور خدا نے فتح دی،[۱]

ان محاسن اخلاق کے علاوہ ہمارے علماء مین اور بھی سینکڑون قسم کے فضائل اخلاق پائے جاتے تھے، مثلاً علامہ خرقی (المتوفی ۳۴۴ھ) کے زہد و ورع کا یہ حال تھا، کہ وہ سال کی ہر فصل مین صرف پیتل کے کوزے کا پانی پیتے تھے، ان سے اس کی وجہ دریافت کی گئی، تو بولے کہ مٹی کے کوزے اوپلے سے پکائے جاتے ہین، اور آگ ان کو پاک نہین کرتی،[۲]

ابوجعفر محمد بن احمد بن نصر ترمذی (المتوفی ۲۹۵ھ) نے اپنے زہد و ورع اور صبر کی وجہ سے ستر دن صرف پانچ دانون پر بسر کئے، ان کو مہینے مین صرف چار درہم ملتے تھے، لیکن وہ اس کے علاوہ اور کسی سے کچھ

---

[۱] شقائق النعمانیہ بر حاشیہ ابن خلکان جلد اول ص ۴۶۳، ۴۶۴ [۲] ابن خلکان جلد اول ص ۱۷،

نہین مانگتے تھے[۱]

شیخ مصلح الدین قوجوی اس قدر زاہد و متورع تھے، کہ ایک بار انھون نے اپنے ایک شاگرد کو گیہون پسوانے کے لئے دیئے، وہ گیہون لے کر گئے تو لوگون نے محض شیخ کی خاطر سے ان کو اپنے آپ سے پہلے گیہون پسوانے کا موقع دیا، وہ گیہون پسوا کر پلٹے، تو انھون نے اس قدر جلد پلٹنے کی وجہ پوچھی، انھون نے واقعہ بیان کیا تو خاموش ہو گئے، اور گھر کے صحن کے ایک گوشے مین جا کر ایک گڑھا کھودا، اور اس مین آٹے کو دفن کر دیا، شاگرد نے اس کی وجہ پوچھی تو بولے کہ اس آٹے کا کھانا جائز نہین، اور مین نے اس کو اس لئے دفن کر دیا کہ اس کو میرے کتے بھی کھانے نہ پائین[۲]

تمام محاسن اخلاق کا سرچشمہ صبر و ضبط ہے، اور ہمارے علماء مین زہد و قناعت، استغنا اور حق گوئی کے جو اوصاف پیدا ہو گئے تھے، وہ اسی صبر و ضبط کا نتیجہ تھے، محمد بن عبد اللہ بن دینار (المتوفی ۳۲۸ھ) دن کو روزہ رکھتے تھے، رات کو عبادت کرتے تھے، فقر و فاقہ پر صابر رہتے تھے، صرف اپنے دست و بازو کی کمائی پر گذر اوقات کرتے تھے، اور کھانے پینے سے جو کچھ بچ رہتا تھا، اس کو صدقہ کر دیتے تھے[۳]

ابو زید محمد بن احمد قاشانی (المتوفی ۳۷۱ھ) کے وطن مین سخت سردی پڑتی تھی لیکن فقر و فاقہ کی وجہ سے پورا جاڑا بغیر جبے کے بسر کر دیتے تھے، لوگون نے اس کی وجہ پوچھی، تو بولے کہ مجھے ایک ایسا مرض ہے جس کی وجہ سے مین ردی دار کپڑا نہین پہن سکتا، یہ مرض کیا تھا؟ ان کا فقر و فاقہ، لیکن انھون نے اس کا اظہار صراحتہً اس لئے نہین کیا کہ وہ اپنے اندرونی حالات کو لوگون سے چھپاتے تھے[۴]

ابو محمد القاسم بن فیرہ المقری (المتوفی ۵۹۰ھ) سخت سے سخت امراض مین مبتلا ہوتے تھے، لیکن نہ کراہتے تھے، نہ حرف شکایت ان کی زبان پر آتا تھا جب ان کا حال پوچھا جاتا تھا، تو بجز اس کے کہ

---

[۱] ابن خلکان جلد اول ص، ۴۵ [۲] شقائق النعمانیہ بر حاشیہ ابن خلکان جلد اول ص، ۲۰۰ [۳] الجواہر المضیہ جلد ۲ ص ۶۶
[۴] ابن خلکان جلد اول ص ۴۶۱

اچھا ہون" اور کچھ نہین کہتے تھے[۱]

عبداللہ بن داؤد خریبی (المتوفی ۲۱۳ھ) اس قدر سچے تھے، کہ ان کا بیان ہے کہ مین بچپن مین صرف ایک بار جھوٹ بولا تھا، میرے باپ نے کہا کہ تم مکتب مین گئے تھے، مین نے کہا ہان حالانکہ مین مکتب مین نہین گیا تھا"[۲]

مولی حمید الدین بن افضل الدین (المتوفی ۹۰۸ھ) سلطان محمد خان کے زمانہ مین قاضی تھے، لیکن ان کے حلم کا یہ حال تھا، کہ ایک بار ایک عورت نے ایک مرد کے خلاف اُن کے اجلاس مین دعوی دائر کیا، انھون نے مرد کے حق مین فیصلہ کیا، تو عورت نے ان کو بُرا بھلا کہنا شروع کیا لیکن انھون نے اس سے زیادہ اور کچھ نہین کہا کہ اپنی جان کو زحمت مین نہ ڈالو، خدا کا حکم بدل نہین سکتا اگر تمھارا یہ مقصد ہے، کہ مین تم پر غصہ کرون تو اس کی توقع نہ رکھو"[۳]

مولی محی الدین (المتوفی ۹۵۰ھ) اس قدر متواضع و خاکسار تھے، کہ بازار سے اپنا سودا خود خرید کر لاتے تھے، حالانکہ لوگ ان کی خدمت کے لئے تیار رہتے تھے، لیکن وہ محض تواضع و خاکساری سے اُن کی خدمات کو قبول نہین کرتے تھے"[۴]

حضرت یوسف علیہ السلام کی عفت و پاکدامنی کا قصہ مشہور ہے لیکن علمائے اسلام مین بھی بعض بزرگون نے اسی قسم کی عفت و پاکدامنی کی مثال قائم کی، سلیمان بن یسار مدنی (المتوفی ۱۰۷ھ) نہایت حسین و جمیل تھے، ایک بار ایک عورت اُن کے پاس آئی، اور ان کو اپنی طرف مائل کرنا چاہا، لیکن وہ گھر سے بھاگ گئے"[۵]

---

[۱] ابن خلکان جلد اول ص ۴۲۲ [۲] الجواہر المضیۃ جلد اول ص ۲۷۵ [۳] شقائق النعمانیہ، برحاشیہ ابن خلکان جلد اول ص ۱۹۳-۱۹۴ [۴] شقائق النعمانیہ برحاشیہ ابن خلکان جلد اول ص ۴۵۷،

[۵] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۸۰،

حضرت سعید بن جبیر (المتوفی ۹۵ھ) اپنے پاس کسی کو غیبت کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے[1]

واقدی (المتوفی ۲۰۷ھ) اسلام کے ایک مشہور عالم ہیں، ان کا بیان ہے کہ میرے دو دوست تھے جن میں ایک ہاشمی تھا، ہم میں اس قدر اتحاد تھا کہ یک جان سہ قالب ہو گئے تھے، ایک بار میں سخت تنگدستی میں مبتلا ہو گیا، اسی حالت میں عید کا زمانہ آگیا، اور میری بی بی نے کہا کہ ہم لوگ تو خود صبر کر سکتے ہیں لیکن بچوں کی حالت دیکھ کر میرا کلیجہ پھٹا جاتا ہے، کیونکہ وہ ہمسایوں کے بچوں کو دیکھیں گے کہ وہ عمدہ کپڑے پہنے ہوئے ہیں، اور وہ اس پھٹے حال میں ہیں، تو ان کا کیا حال ہوگا؟ اگر کسی حیلہ سے کچھ روپیہ پیدا کر سکتے تو میں ان کے لئے کپڑے بنوا دیتی، میں نے اپنے ہاشمی دوست کو لکھا، اور اعانت کی درخواست کی تو اس نے ایک مہر بند تھیلی جس میں ہزار درہم تھے بھیجدی، اسی حالت میں میرے دوسرے دوست نے مجھ کو ایک خط لکھا، اور وہی احتیاج ظاہر کی جس کا اظہار میں اپنے ہاشمی دوست سے کر چکا تھا، میں نے وہ مہر بند تھیلی اس کے پاس بھیج دی، اور خود مسجد میں چلا گیا، اور اسی میں رات بسر کی، کیونکہ مجھے بی بی کے پاس جاتے ہوئے شرم آتی تھی لیکن جب میں بی بی کے پاس گیا، تو اس نے میرے اس فعل کو پسند کیا، اور مجھ کو سرزنش نہیں کی، اسی حالت میں میرا ہاشمی دوست تھیلی کو اسی مہر بند حالت میں لے کر آیا، اور کہا کہ سچ سچ بتاؤ کہ تم نے میری بھیجی ہوئی تھیلی کیا کی؟ میں نے اصلی واقعہ بیان کر دیا، تو اوس نے کہا کہ جب تم نے مجھ سے اعانت کی درخواست کی تو میرے پاس اس تھیلی کے سوا اور کچھ نہ تھا، اس لئے میں نے اپنے دوسرے دوست سے اعانت کی درخواست کی، تو اس نے میرے پاس خود میری ہی مہر بند تھیلی بھیجدی، غرض ہم نے پہلے اپنی بی بی کے لئے سو درہم نکال دیئے پھر اور رقم کو باہم تقسیم کر لیا، اس واقعہ کی اطلاع مامون کو ہوئی تو اس نے مجھے بلا کر واقعہ کو دریافت کیا اور ہم سب کو سات ہزار دینار دلوائے، جن میں دو دو ہزار ہمارے اور ایک ہزار میری بی بی کا حصہ تھا،

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۷۰ [2] ابن خلکان جلد اول ص ۵۰۷،

امام ابو حنیفہ (المتوفی ۱۵۰ھ) کے پڑوس مین ایک موچی رہتا تھا، وہ دن بھر تو کام کرتا تھا، شام کو اپنے گھر گوشت یا مچھلی لے کر آتا تھا، اور ان کو بھون کر کھاتا تھا، اور شراب پیتا تھا، اور جب شراب کے نشے مین خوب چور ہو جاتا تھا، تو یہ شعر پڑھتا تھا،

اضاعونی وای فتی اضاعوا لیوم کریھۃ وسداد ثغر

لوگون نے مجھ کو ضائع کر دیا، اور کیسے بہادر کو ضائع کیا جو لڑائی مین ان کے کام آتا،

اسی طرح مستقل شراب پیتا جاتا تھا، اور بار بار یہی شعر پڑھتا تھا،

امام ابو حنیفہؒ رات کو نماز پڑھتے تو اس کا شور و شغب سنتے، ایک روز رات کو اُن کے کان مین اس کی آواز نہین آئی، تو لوگون سے دریافت کیا، معلوم ہوا کہ اس کو پولیس گرفتار کر لے گئی اور وہ قید خانے مین ہے، وہ دوسرے روز فجر کی نماز پڑھ کر امیر کی خدمت مین گئے، اور اس سے اوس کی رہائی کی درخواست کی، امیر نے اوس کو اور اس رات جتنے لوگ گرفتار ہوئے تھے، سب کو رہا کر دیا، اب امام ابو حنیفہؒ پلٹے تو موچی ساتھ ساتھ تھا، سواری سے اتر کر اس کے پاس گئے، اور پوچھا کہ کیا ہم نے تم کو ضائع کر دیا؟ بولا نہین آپ نے ہماری حفاظت کی اور حق ہمسایگی کا لحاظ رکھا، اس کے بعد اس نے شراب خواری سے توبہ کی، اور دوبارہ شراب نہین پی[1]

امام شعبی (المتوفی ۱۰۵ھ) اپنے غلامون اور رشتہ دارون کے ساتھ نہایت عمدہ سلوک کرتے تھے، ان کا بیان ہے کہ اگر میرا کوئی قریبی عزیز مقروض مرجاتا تھا، تو مین اس کا قرض ادا کرتا تھا، اور مین نے اپنے کسی غلام کو کبھی نہین مارا[2]

امام حسن بن زیاد (المتوفی ۲۰۴ھ) نہایت متبع سنت تھے، چونکہ حدیث مین آیا ہے کہ

---

[1] ابن خلکان جلد دوم ص ۱۶۴،

[2] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۷۰،

غلاموں کو وہی کپڑا پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو، اس لئے وہ اپنے غلاموں کو بھی وہی کپڑا پہناتے تھے جو خود پہنتے تھے[1]

مولی شمس الدین محمد بن حمزہ فناری (المتوفی ۸۳۴ھ) نہایت دولت مند عالم تھے، ان کے پاس بہت سے لونڈی غلام تھے جن کو نہایت عمدہ کپڑے پہناتے تھے، لیکن خود معمولی درجہ کا کپڑا پہنتے تھے[2]

---

[1] الجواہر المضیہ جلد اول ص ۱۹۳ [2] تذکرۃ النعمانیہ برحاشیہ ابن خلکان جلد اول ص ۷۰

تاریخ اخلاق اسلام

اس میں اسلامی اخلاق کی پوری تاریخ، قرآن پاک اور احادیث کے اخلاقی تعلیمات اور پھر اسلام اسلام کی اخلاقی تعلیمات پر مختلف حیثیتوں سے نقد و تبصرہ ہے،

مصنفہ مولانا عبدالسلام ندوی ضخامت ۲۷۰ صفحے، قیمت :- ۱۲ عہ

سیرت عمر بن عبدالعزیز رضؓ

حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ اموی کے سوانح حیات اور ان کے مجددانہ کارنامے،

از مولانا عبدالسلام ندوی، ضخامت ۲۰۲ صفحے،

لغاتِ جدیدہ

چار ہزار جدید عربی الفاظ کی ڈکشنری، ضخامت :- ۲۵۰ صفحے، قیمت :- ۴ عہ

"نیچر"

سلسلۃ الذہب کی تاریخ تصنیف

از

جناب مولوی مسعود حسن صاحب شمسی ایم۔ اے، کلکتہ

مولانا نورالدین عبدالرحمن جامی (۸۱۷-۸۹۸ھ) کی بعض مثنویوں اور خاص طور پر اُن کی سلسلۃ الذہب کے متعلق یقین کے ساتھ یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ کب تصنیف ہوئی، دولت شاہ، تحفۂ سامی آتشکدۂ آذر[1]، مجالس النفائس، مجمع الفصحا، اور دوسرے تذکرے اس ذکر سے خالی ہیں، خود مثنوی مذکور میں ایک جگہ تاریخ تصنیف ضرور درج ہے، مگر وہ مبہم اور غیر واضح ہونے کے علاوہ زیادہ سے زیادہ کتاب کے ایک خاص حصے کی تاریخ قرار دی جاسکتی ہے، دوسری طرف کتاب کے قلمی نسخوں سے خواہ وہ مولانا کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہوں، یا دوسروں کے ہاتھ کے جو شہادتیں ملتی ہیں، وہ اس سلسلے میں اطمینان بخش فیصلہ کرنے کے لئے بالکل ناکافی ہیں، بہرحال اب تک جن ذرائع سے اس مسئلہ پر تھوڑی یا بہت روشنی پڑسکی ہے، وہ یہ ہیں :-

(۱) مولانا کا ایک شعر جس سے تاریخ تصنیف نکلتی ہے،

(۲) لینن گراڈ کا قلمی نسخہ (روسن مخطوطہ نمبر ۸۰)

(۳) پٹنہ لائبریری کا قلمی نسخہ (مخطوطہ نمبر ۱۸۵)

---

[1] آتشکدہ میں صرف اس قدر ہے کہ "دیوان غزلیات و رباعیات تمام کرد ہفت مثنوی بسلک نظم درآوردہ مشہور بسبعۃ الاحق" طبع بمبئی ص ۲۷۳،

(۴) انڈیا آفس کا قلمی نسخہ (ایتھے محفوظ نمبر ۱۳۲۳)

(۱) شعر | سلسلۃ الذہب دفتر دوم کے خاتمہ پر آخری چند شعروں میں مولانا نے یہ معذرت پیش کی ہے کہ وہ زمانہ کی سرد مہریوں کی بنا پر اس دفتر کو دفتر اول کی طرح طول نہ دے سکے اور پھر انھوں نے ایک شعر میں ابجد کے قاعدے سے تاریخ تصنیف بتائی ہے، جو ۸۹۰ھ ہے، چنانچہ اسی شہادت کی بنا پر رو[۵۱] سن پروفیسر براؤن[۵۲] پروفیسر محفوظ الحق[۵۳] مولوی عبد المقتدر[۵۴] اور دیگر مستشرقین اور محققین نے مثنوی کی تاریخ تصنیف ۸۹۰ھ قرار دی ہے،

مولینا فرماتے ہیں :-

بود در دل چنان کہ این دفتر — بنود از نصف اولین کمتر

لیک خامہ زجنبش بیوست — چون بدین جا رسید سر بشکست

چرخ اگر باز بگذرد زستیز — سازدم کلک عزیمت تیز

دہم از سر تراش آن خامہ — برسانم بقطع این نامہ

ورنہ آنرا کہ خاطر صافی ست — این قدر ہم کہ گفتہ شد کافی ست

داشت جہدی دبیر چرخ برین — در رقم کردن حروف سنین

چون رقومش بصاد وضاد رسید[۵۵] — خامہ را حکم ایستادن رسید

۹۰۰ = ۹۰ + ض = ۸۰۰ = ص

---

۵۱ فہرست مخطوطات فارسی سینٹ پیٹرس برگ، ص ۵۰۸ ۵۲ تاریخ ادبیات ایران جلد سوم ص ۵۱۶،

۵۳ اسلامک کلچر حیدرآباد ۱۹۲۷ء ص ۸۰۶ ۵۴ فہرست مخطوطات عربی و فارسی، پٹنہ لائبریری، جلد دوم ص ۱۳۴

۵۵ مولانا کے یہاں اس طرح کی تاریخ گوئی کی اور مثالیں بھی ملتی ہیں، خاتمۃ الشباب کی تاریخ تصنیف ملاحظہ فرمائیے

از گو ہر سال نظم این عقد درر — بر روے صدف نہادیکیانہ گہر

(صدف = ۹۰۰)

ہم برین حرف ایں نخستہ کلام ختم شد والسلام والاکرام

(۲) لینن گراڈ کا نسخہ | مولانا کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخون مین لینن گراڈ کا نسخہ اس لحاظ سے بہت قیمتی ہے، کہ اس مین سلسلۃ الذہب کے تینون دفتر موجود ہین، سب سے پہلے وہ ساتون مثنویان ہین جو ہفت اورنگ کے نام سے مشہور ہین، اوران مین سب سے پہلے سلسلۃ الذہب کو جگہ دی گئی ہے، اس کے بعد وہ تینون دیوان ہین، جو فاتحۃ الشباب واسطۃ العقد اور خاتمۃ الحیوٰۃ کہلاتے ہین، اس نسخے مین دفتر دوم کے خاتمہ پر مندرجہ ذیل تحریر ثبت ہے، جس سے نہ صرف یقینی طور پر یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ یہ نسخہ مولانا کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، بلکہ دفتر دوم کی تاریخ تصنیف پر بھی روشنی پڑتی ہے،

(۱) تم الکتاب ناظمہٗ وھُوَ الفقیر عبد الرحمن الجامی عفی عنہ فی الحادی عشر من ذی الحجۃ سنۃ ۸۸۰ھ[1]

(۳) پٹنہ لائبریری کا نسخہ | پٹنہ لائبریری کا یہ نسخہ لینن گراڈ کے نسخے کی طرح مولانا کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، اس مین پہلے دفتر کے علاوہ جامی کی وہ غزلین بھی ملتی ہین، جو انھون نے پچاس سال کی عمر مین سلطان ابوسعید (المتوفی ۸۷۳ھ) کے لئے کہی تھین: درجن کو بعد مین یعنی ۸۸۴ھ مین انھون نے اپنے پہلے دیوان فاتحۃ الشباب مین شامل کر لیا تھا، اس نسخہ پر گو سال کتابت درج نہین ہے، مگر سرورق پر مولانا کی مندرجہ ذیل تحریر ہے، جس مین انھون نے اپنے منجھلے صاحبزادے ضیاء الدین یوسف کی تاریخ ولادت قلمبند کی ہے، جو ۹ شوال ۸۸۳ھ کو پیدا ہوئے تھے:-

"ولادت فرزند ارجمند ضیاء الدین یوسف ابقہ اللہ تعالیٰ بناءً حسناً فی نصف الاخیرین

---

[1] فہرست مخطوطات فارسی سینٹ پیٹرس برگ ص ۵۹، ۲۱۵، اس نسخہ مین مثنویون کے خاتمہ پر ایک عبارت تمّ فی ۷ من ذی الحجۃ ۸۸۰ھ پائی جاتی ہے، جسے عام طور پر نسخہ کا سنہ کتابت سمجھا جاتا ہے، مگر خاکسار کی ناچیز رائے مین یہ مثنوی خردنامہ سکندری کی تاریخ تصنیف ہے،

لیلۃ الاربعاء التاسع من شہر شوال سنۃ اثنین وثمانین وثمانمائۃ والکاتب ابوہ الفقیر عبدالرحمٰن ابن احمد الجامی"

اس عبارت کے علاوہ اسی صفحہ پر مولانا سری، مولانا نظام الدین بن مولانا شمس الدین خوافی اور مولانا صبوری کے چند اشعار بھی لکھے ہوئے ملتے ہین جن سے صاحبزادے کی پیدایش کی تاریخ نکلتی ہے[۱] یہ سب تحریرین بلاشبہہ مولانا جامی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہین، کیونکہ اصل کتاب کی تحریرین اوران مین بڑی مشابہت پائی جاتی ہے، اس کے علاوہ مولانا کے ہم زلف وہم عصر مولانا فخرالدین علی بن الحسین الواعظ الکاشفی (المتوفی ۹۳۹ھ) مصنف رشحات عین الحیوٰۃ[۲] کے بیان سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ تحریر ان کی نظر سے گذر چکی ہے، اور وہ بھی اسے مولانا ہی کی تحریر سمجھتے ہین[۳]

۴- انڈیا آفس کا نسخہ | پٹنہ لائبریری کے نسخے کی طرح اس پر بھی تاریخ کتابت درج نہین ہے اگر پہلے اور دوسرے دفتر کے اختتام پر دو عبارتین ملتی ہین، جو ایک ہی شخص کے ہاتھ کی لکھی ہوئی معلوم ہوتی ہین، اور چونکہ یہ اصل کتاب کی تحریر سے نہین ملتین، اور دوسرے ان کے لئے جگہ بھی نہین چھوڑی گئی ہے، اس لئے معلوم ہوتا ہے، کہ غالباً بعد مین بڑھا دی گئی ہین، پہلے دفتر کے آخر مین یہ عبارت ہے:

---

[۱] فہرست مخطوطات عربی وفارسی پٹنہ لائبریری جلد دوم ص ۷۱ - ۷۲ [۲] جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی گریٹ برٹین آئرلینڈ کی تازہ اشاعت (۱۹۴۵ء جزء سوم وچہارم) سے یہ اطلاع ملی کہ رشحات کانپور مین چھپ گئی ہے، مگر اب تک میری نظر سے نہین گذری ہے مین نے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے تین قلمی نسخون (نمبر پی ۲۵۲، پی ۲۵۳، پی ۲۵۴) سے استفادہ کیا ہے، ان مین پہلا نسخہ جس پر سنہ کتابت ۹۹۵ھ درج ہے سب سے قدیم ہے، اس لئے اس مقالہ مین حوالے اسی سے دیئے گئے ہین [۳] رشحات قلمی نسخہ، ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ورق ۱۱۱ آ نیز ملاحظہ فرمائیے پروفیسر محمد فاضل حق کا مقالہ "جامی اور ان کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخے" جو اسلامک کلچر حیدرآباد (۱۹۳۷ء ص ۱۶۰ - ۱۶۱) مین شائع ہوا تھا، موصوف نے اس مقالہ کے ساتھ مولانا کی ان تحریرون کا فوٹو گراف بھی شائع کیا تھا

"چون سابقًا اشارت بتاریخ نظم این دفتر شده بود اینجا تاریخ نوشته نه شد،

پیشتر زین ہشتصد و ہشتاد بد عایشش رسول دست کناد

دوسرے دفتر کے آخر میں یہ تحریر ہے :-

"از ہجرت نبوت ہشتصد و نود سال بود کہ این دفتر ختم شد"[1]

دفتر دوم کی تاریخ | ان چار شہادتوں کو سامنے رکھ کر صرف اس قدر وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ دفتر دوم کی تاریخ تصنیف ۸۹۰ھ ہے، اور دفتر اول اس سے بہت پہلے مکمل ہو چکا تھا، گو تاریخ کی تعیین مشکل ہے، ۸۸۰ھ کو دفتر اول کا سال تصنیف تصور کرنا بالکل مستبعد معلوم ہوتا ہے، کیونکہ ایک طرف پٹنہ لائبریری کے نسخے پر مولانا کی ۸۸۲ھ کی تحریر یہ ثابت کرتی ہے، کہ دفتر اول ۸۸۲ھ میں موجود تھا، دوسری طرف انڈیا آفس کے دفتر اول پر جو تحریر ہے، اس کے سنہ کو تاریخ تصنیف تسلیم کیا جائے، یا تاریخ کتابت دونوں صورتوں میں یہ ماننا پڑے گا، کہ دفتر اول ۸۸۰ھ میں یا اس سے پہلے تمام ہو چکا تھا، چنانچہ اسی شہادت کی بنا پر ایتھے نے فہرست مخطوطات فارسی بوڈلین لائبریری[2] میں اکثر مستشرقین اور اہل علم کے خلاف سلسلۃ الذہب کی تاریخ تصنیف ۸۸۹ھ یا ۸۸۸ھ لکھی ہے، ۸۹۰ھ کو دفتر دوم کے علاوہ دفتر اول کی تاریخ قرار دینے میں سب سے بڑی دقت مولانا کے سفر حج کے اس واقعہ سے پیدا ہوتی ہے، جو انھیں بغداد میں پیش آیا، مولانا کا یہ سفر بالاتفاق ۸۷۷ھ میں ہوا، اور مولانا کاشفی نے رشحات میں جو ۹۰۷ھ میں یعنی مولانا جامی کی وفات کے کل دس[3] سال

---

[1] فہرست مخطوطات فارسی انڈیا آفس لائبریری جلد اول کالم ۵۶۷ مطبوعہ ۱۹۰۳ء، نیز مقالہ جامی کے سلسلۃ الذہب کی تاریخ از مسٹر رو برٹسن جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی گریٹ بریٹین و آئرلینڈ ۱۹۴۵ء جزء سوم و چہارم ص ۱۶۶ [2] جلد دوم کالم ۱۵۶۹ مطبوعہ ۱۹۳۰ء،

[3] مسٹر روبرٹسن نے رشحات کی تاریخ تصنیف ۹۱۹ھ بتائی ہے، اور اس حساب سے یہ مدت بیس سال

بعد لکھی گئی، یہ تصریح کی ہے، کہ جامی کے جو اشعار ان پر حضرت علیؓ کی توہین کا الزام قائم کرنے کے لئے پیش کئے گئے تھے، وہ سلسلۃ الذہب کے دفتر اول سے لئے گئے تھے[۵۱] اس لئے ظاہر ہے کہ دفتر اول اس واقعہ سے پہلے مکمل ہو چکا تھا،

اب اس سلسلہ کی ایک اور شہادت سامنے رکھئے،

مسٹر رو برٹسن کا نسخہ سلسلۃ الذہب دفتر اول کے ایک خطی نسخے میں جو پہلے ایڈورڈ ہرن ایلن کی ملک تھا، اور اب مشہور روسی مستشرق پروفیسر مینورسکی کے شاگرد مسٹر ڈی ایلن رو برٹسن کے پاس محفوظ ہے، کتاب کے خاتمے پر مولانا جامی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک عبارت پائی جاتی ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دفتر اول یکم ذی قعدہ ۸۷۶ھ کو مکمل ہوا عبارت کی نقل یہ ہے :-

"فرغ الناظم عفا اللہ عنہ من نظم ھذا الکتاب بعد صلوٰۃ یوم الجمعۃ غرۃ ذی القعدۃ سنۃ ست وسبعین وثمانمائۃ تمام شد کتابہ ششم ذی الحجہ اربع وثمانین وثمانمائۃ"[۵۲]

دفتر اول کی تاریخ مسٹر رو برٹسن کے نسخہ پر جو عبارت درج ہے اس کی پیروی کرتے ہوئے اگر دفتر اول کی تاریخ تصنیف ۸۷۶ھ مان لی جائے، تو ایک طرف کسی اہم دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑتا ہے، اور دوسری طرف متعدد شہادتوں کی تائید ہو جاتی ہے، سلطان حسین بن بیقرا کی طرف

(بقیہ حاشیہ ص ۴۱) قرار دی ہے، (جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی گریٹ برٹین و آئرلینڈ ۱۹۴۵ء جزء سوم و چہارم ص ۶۷، حالانکہ یہ غلط ہے، رشحات ۹۰۹ھ میں لکھی گئی، (براؤن، تاریخ ادبیات ایران جلد سوم، ص ۴۴۱) خود "رشحات" سے یہی تاریخ نکلتی ہے ۵۱ ورق ۱۰۰، ب،

۵۲ جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی گریٹ برٹین و آئرلینڈ ۱۹۴۵ء، جزء سوم و چہارم ص ۶۸ - ۱۶۵، "مقالہ جامی کے سلسلۃ الذہب کی تاریخ از مسٹر رو برٹسن، فاضل مقالہ نگار نے اس اہم عبارت کا عکس بھی اس مقالہ کے ساتھ شائع کیا ہے،

دفتر اول کا انتساب جیسا کہ تذکروں میں بیان کیا جاتا ہے، بڑی آسانی سے ہو سکتا ہے، کیونکہ اس کا عہد حکومت ۸۷۲ھ سے ہو کر ۹۱۱ھ میں ختم ہوتا ہے۔ انڈیا آفس کے دفتر اول پر ۸۸۰ھ کی تاریخ بظاہر متعارض معلوم ہوتی ہے لیکن اولاً تو اس عبارت کا مفہوم سمجھ میں نہیں آتا ہے۔ اور پھر یہ پتہ نہیں چلتا، کہ اس کا لکھنے والا کون ہے۔ اس لئے وہ زیادہ سے زیادہ سال کتابت قرار دی جا سکتی ہے۔ ضرف ایک بات ذرا بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے، اور وہ دفتر اول اور دفتر ثانی کی تکمیل کے درمیان ۱۴ سال کا طویل وقفہ ہے، افسوس ہے کہ ۸۷۲ھ اور ۸۸۹ھ کے درمیان مولانا کی زندگی کے تفصیلی حالات تذکروں میں نہیں ملتے، مگر اس قدر مسلّم ہے کہ وہ ۱۶ ربیع الاول ۸۷۷ھ کو یعنی دفتر اول کے انجام پانے کے صرف ۴ ماہ بعد حج کے لئے روانہ ہوئے، اور ۱۸ شعبان ۸۷۸ھ کو اپنے وطن ہرات واپس آئے[۵۱]، اس لئے قرینہ یہ ہے کہ اس عرصہ میں سلسلۃ الذہب کا کام ضرور موقوف رہا ہوگا[۵۲]، پھر مولانا کی تصانیف کی تاریخوں پر نظر ڈالنے سے یہ پتہ چلتا ہے، کہ انھوں نے ۱۴ سال کی اس مدت میں سلسلۃ الذہب کے علاوہ ایک درجن کتابیں جن میں ہفت اورنگ کی اور مثنویاں بھی شامل ہیں لکھیں[۵۳]، اس لئے کیا عجب ہے کہ دفتر اول کی تکمیل کے بعد وہ دوسری کتابوں کی طرف متوجہ ہو گئے اور دفتر ثانی کی ترتیب ایک عرصہ تک معرض التوا میں رہی،

---

۵۱ رشحات عین الحیوٰۃ ورق ۱۰۳ ب ۵۲ میں یہ نہیں کہتا کہ تصنیف و تالیف کا کام یک قلم موقوف رہا، کیونکہ مناسک حج کے متعلق یہ تصریح موجود ہے، کہ مولانا نے اسے اسی سفر میں لکھا (فہرست کتب خانۂ بانکی پور جلد دوم ص ۵۲) میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ سفر کی حالت میں سلسلۃ الذہب یا اس طرح کے اور کام جو چنداں ضروری نہ تھے، قرین قیاس نہیں معلوم ہوتے ۵۳ ان کتابوں کے نام اور تاریخہائے تصنیف یہ ہیں، مناسک حج (۸۸۷ھ) نفحات الانس (۸۸۳ھ) سلامان و ابسال (۸۸۳ھ) فاتحۃ الشباب (۸۸۴ھ) شواہد النبوۃ (۸۸۵ھ) اشعۃ اللمعات (۸۸۵ھ) تحفۃ الاحرار (۸۸۶ھ) ترجمہ اربعین حدیث (۸۸۶ھ) سبحۃ الابرار (۸۸۶ھ)

تائیدی شہادتون مین سب سے اہم سفرنج کا واقعہ ہے، جس کا ذکر اوپر آچکا ہے، ۸۸۸ھ مین دفتر اوّل کے اشعار کا الزام کے طور پر پیش کیا جانا، اسی صورت مین صحیح ہو سکتا ہے کہ اس کی تاریخ تصنیف اس تاریخ سے پہلے مانی جائے، دوسری سند جو اپنی جگہ پر حد درجہ اہم ہے، وہ مثنونون کی ترتیب ہے جو خود مولانا کی قائم کی ہوئی ہے، اور جس مین سلسلۃ الذہب کو پہلے جگہ دی گئی ہے[۱] ہفت اورنگ کا ذکر جس جگہ بھی آتا ہے اور اس کے مجموعے جس قدر بھی ملتے ہین، ان مین یہ ترتیب بدلنے نہین پاتی ہے[۲]،

اگرچہ مولانا نے کسی جگہ یہ ظاہر نہین کیا ہے، کہ انھون نے ان مثنویون کو کن اصول پر مرتب کیا ہے لیکن انکی ترتیب اور ان کی تاریخہاے تصنیف پر غور کیا جائے، تو ماننا پڑے گا کہ یہ تقدم تاخر صرف تاریخ تصنیف کے لحاظ سے ہی ملاحظہ فرمائیے،

(مثنوی)	(سال تصنیف)
۱- سلسلۃ الذہب	؟
۲- سلامان و ابسال	۸۸۳ھ
۳- تحفۃ الاحرار	۸۸۶ھ

(بقیہ حاشیہ ص ۴۳) یوسف زلیخا (۸۸۸ھ) لیلی مجنون (۸۸۹ھ) خردنامہ سکندری (۸۸۹ھ) یہان یہ کہدینا نامناسب نہ ہوگا کہ مولانا جامی کی متعدد تصانیف کے متعلق اب تک یہ تحقیق نہین ہو سکی ہے، کہ وہ کب لکھی گئین، اس لئے کیا عجب ہے کہ مذکورۂ بالا کتابون کے علاوہ اور کتابین بھی اس مدت مین لکھی گئی ہون،

[۱] ملاحظہ فرمائیے ہفت اورنگ کا دیباچہ (فہرست مخطوطات فارسی سینٹ پیٹرس برگ ص ۱۸-۲۱۶) نیز صاحب آتشکدہ کا بیان "واسامی کتب سبعہ بدین موجب است، سلسلۃ الذہب، سلامان و ابسال، تحفۃ الاحرار، سبحۃ الابرار، یوسف زلیخا، لیلی مجنون، خردنامۂ سکندری" ص ۴۷۳،

[۲] اب تک مجھے صرف ایک نسخہ کا پتہ چل سکا ہے جس مین مثنویون کی ترتیب بدلی ہوئی ہے، اور وہ برٹش میوزیم مین ہے، فہرست مخطوطات فارسی جلد دوم ص ۴۵۸-۴۶۰،

(۴) سبحۃ الابرار ۸۸۳ھ[۵۱]

(۵) یوسف زلیخا ۸۸۸ھ

(۶) لیلی مجنون ۸۸۹ھ

(۷) خردنامۂ سکندری ۸۸۹ھ[۵۲]

اس فہرست مین دوسری مثنوی سلامان وابسال ہے، جو ۸۸۳ھ مین لکھی گئی، اس لئے قائم کردہ اصول کے مطابق سلسلۃ الذہب صرف اسی صورت مین پہلی جگہ حاصل کر سکتی ہے کہ کم از کم اس کا کچھ حصہ اس تاریخ سے پہلے لکھا جا چکا ہو، پٹنہ لائبریری کے دفتر اول کے ساتھ ان اشعار کا پایا جانا جو ۸۸۲ھ مین لکھے گئے تھے، مزید تائید کا باعث ہے، یکم ذی قعدہ ۸۸۲ھ مطابق ۱۰ اپریل ۱۴۷۸ء کو پروفیسر مینورسکی کی تحقیق کے رو سے واقعی جمعہ کا دن تھا[۵۳] اس لئے تاریخ اور دن کی عدم مطابقت کا عذر پیش کر کے بھی اس کی صحت سے انکار نہین کیا جا سکتا ہے،

دفتر سوم کی تاریخ | تیسرے دفتر کی تاریخ تصنیف ہی دراصل مثنوی کی تاریخ تصنیف ہے، مگر افسوس ہے، کہ پانچ چھ ماہ کی مسلسل چھان بین کے باوجود مجھے اب تک کوئی چیز ایسی نہین مل سکی ہے جس سے اس

---

۵۱ تعجب ہے کہ سبحۃ الابرار کی تاریخ تصنیف اکثر کتابون مین نہین ملتی حالانکہ خود مثنوی مین اس کا ذکر موجود ہے، مولانا نے مثنوی کے خاتمہ پر اپنے صاحبزادے ضیاء الدین یوسف کے لئے چند نصیحتین لکھی ہین، اور تصریح کی ہے کہ اس وقت صاحبزادے کی عمر پانچ سال تھی،

سالِ تو پنج و درین دیر پنج — از دہ پنجاہ و فزون باد این پنج

صاحبزادے کا سنہ ولادت ۸۸۲ھ ہے، اس حساب سے سبحۃ الابرار ۸۸۳ھ مین ختم ہوئی،

۵۲ فہرست مخطوطات فارسی سینٹ پیٹرس برگ ص ۲۵۸، اور تاریخین، براؤن کی تاریخ ادبیات ایران، اور فہرست کتب خانۂ بانکی پور سے لی گئی ہین ۵۳ جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی صفحہ ۱۶۷،

دفتر کے متعلق کوئی فیصلہ کیا جا سکے، اوپر کی شہادتین اس مسئلہ مین ہماری مشکل کشائی کرنے سے بالکل قاصر ہین، دوسری طرف جہانتک مین تحقیق کر سکا ہون، سلسلۃ الذہب کا کوئی نسخہ جس مین دفتر سوم بھی موجود ہو ۹۰۰ھ سے پہلے کا نہین ملتا ہے[۱] البتہ رقعات جامی مین مولانا کا ایک خط سلطان روم بایزید ثانی (۸۸۶ھ ۔ ۹۱۸ھ) کے نام موجود ہے[۲] جس کی طرف یہ دفتر منسوب ہے، اور جس کا تذکرہ دفتر کی ابتدا اور خاتمہ دونون جگہون مین درج ہے، یہ مختصر تحریر ہفت اورنگ کے ایک نسخے کی پشت پر لکھی ہوئی پائی گئی تھی، جسے مولانا نے سلطان مذکور کے پاس تحفۃً بھیجا تھا، ہرچند اس مین یہ تصریح موجود نہین ہے، کہ اس نسخہ مین سلسلۃ الذہب کے تینون دفتر تھے، مگر چونکہ مولینا نے اس کا کوئی ذکر نہین کیا ہے، اس لئے قرینہ ہے کہ مثنویان سب کی سب مکمل تھین، مگر افسوس ہے کہ اس خط پر جو تاریخ درج ہے یعنی جمادی الثانی ۸۹۶ھ وہ بہت بعد کی ہے، اس لئے اس سے بھی کوئی مدد نہین ملتی ہے، ایک آخری شہادت جو اس سلسلہ مین پیش کی جا سکتی ہے، وہ یہ ہے کہ خاتمۃ الحیوٰۃ جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے مولانا کی آخری تصنیف ہے، اور یہ ۸۹۶ھ مین مرتب ہوئی، اس لئے دفتر سوم سنہ ۸۹۰ھ اور ۸۹۶ھ کے درمیان تصنیف ہوا ہوگا، مگر سلسلۃ الذہب جیسی مثنوی کا اس قدر اخیر زندگی مین انجام پانا، اور دفتر دوم اور سوم کے درمیان کئی سال کا وقفہ تا وقتیکہ کوئی قطعی شہادت تائید مین نہ مل جائے، قابل قبول نہین معلوم ہوتا، ہی تعجب ہے کہ ایک طرف شہادتون کا یہ عالم ہے، کہ کوئی شہادت دفتر سوم کا وجود ۸۹۶ھ یا ۸۹۰ھ سے پہلے ثابت نہین کرتی ہے، اور دوسری طرف ہمارے محققین سنہ ۸۹۰ھ کو بالاتفاق

---

[۱] دفتر سوم کے سب سے قدیم نسخے برٹش میوزیم (ضمیمہ فہرست مخطوطات فارسی ص ۱۸۹، نمبر ۲۸۹) اور بانکی پور لائبریری (فہرست مخطوطات فارسی و عربی ص ۴۶۷ نمبر ۱۸۲) مین ہین، برٹش میوزیم کے نسخہ کا سنہ کتابت ربیع الاول ۹۰۰ھ، جمادی الاول سنہ ۹۰۰ھ ہے، اور بانکی پور کا ۹۰۰ھ [۲] رقعات جامی مطبع قدوسی کلکتہ ۱۲۷۰ھ ص ۱۴۹، ایضاً قلمی نسخہ کتب خانہ مدرسۂ عالیہ کلکتہ نمبر ۲۶ ص ۱۷۵ ندارد،

سلسلۃ الذہب کی تاریخ تصنیف قرار دیتے ہین،

خاتمہ | آخر مین قارئین کرام سے اس قدر گذارش کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ مندرجۂ بالا سطرون مین نقلی اور عقلی دلیلون سے استناد کرکے جو کچھ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے، وہ سلسلۃ الذہب کی تاریخ تصنیف کے متعلق آخری قطعی اور ناقابل ترمیم فیصلہ نہین ہے، سچ پوچھئے تو راقم الحروف خود اس فیصلے سے مطمئن نہین ہے، خصوصًا دفتر سوم کے سلسلے مین اس کی تحقیق بالکل ناکافی اور مزید تلاش وجستجو کی محتاج ہے، مگر اب تک اس سلسلے مین جو ذرائع معلومات دستیاب ہوئے ہین، ان کی روشنی مین اور جامی کی زندگی کے بعض دوسرے واقعات کو سامنے رکھکر پہلے دو دفترون کی تصنیف کی وہی تاریخین متعین کی جاسکتی ہین، جو اوپر بیان کی گئین اور تیسرے دفتر یا یون کہئے کہ پوری مثنوی کی تاریخ تصنیف جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، بالکل مشتبہ اور غیر متعین رہجاتی ہے،

ضمیمہ | راقم الحروف اس مقالہ کی آخری سطرون پر نظر ثانی کر رہا تھا کہ جامی پر ایک نئی کتاب جو دو ڈھائی سال ہوئے ایران سے شائع ہوئی تھی پہلی مرتبہ اس کی نگاہ سے گذری، یہ جامی کے حالات زندگی اور اون کی شاعری پر ایک سیر حاصل تبصرہ ہے، اور کم وبیش ۴۰۰ صفحات پر مشتمل ہے، پروفیسر علی اصغر حکمت جنھون نے گذشتہ سال میر علی شیر نوائی کی مجالس النفائس کا فارسی ترجمہ بڑے اہتمام سے ایڈٹ کیا، اس کے مصنف ہین، انھون نے اس کتاب مین سلسلۃ الذہب کی تاریخ تصنیف سے بھی بحث کی ہے، مگر افسوس ہو کہ دفتر سوم کی تاریخ تصنیف کے متعلق وہ بھی یہ کہکر خاموش ہوجاتے ہین، کہ

"تاریخ انجام این مثنوی تصریح نشدہ و لے از آنجا کہ دفتر دوم را در ۸۹۰ بپایان رسانیدہ بقاعدہ می بایست نظم این دفتر بعد از تاریخ مذکورہ بپایان آمدہ باشد..."

(جامی ص ۱۸۹)

سرمد اور اس کی رباعیان

از

مولوی مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

(۳)

شراب معرفت | اہل ہوس کے نزدیک شراب و ساقی، جام و سبو، شیشہ و صراحی و بادہ فروشی وغیرہ کا جو مفہوم ہے، اور اس سے رندی و ہوسناکی کے جو خیالات پیدا ہوتے ہیں، تصوف کی اصطلاح میں اس کا مفہوم اس سے بالکل مختلف ہے، اہل ہوس کے نزدیک پیر مغان یا ساقی بادہ فروش اور شراب پلانے کو کہتے ہیں، مگر تصوف کی زبان میں اس سے مراد مرشد کامل ہے، ہمارے نزدیک جام ایک مادی شے کا نام ہے، مگر صوفیہ کے نزدیک یہ ایک لطیفہ روحانی ہے، جس میں نورانی کا ظہور ہوتا ہے،

اسی طریقہ سے شراب اور اس کے لوازم مثلاً میکدہ، جام، سبو، صراحی، شیشہ، درد، صاف وغیرہ کی صوفیانہ تعبیریں بالکل مختلف ہیں، اہل دل کی شراب بھٹی والی شراب نہیں، بلکہ وہ مطلوب حقیقی کا بادۂ محبت ہے، اسی مناسبت سے اس کے دوسرے لوازم بھی عرفان و محبت کے مختلف مدارج ہیں،

حافظ کی طرح سرمد نے بھی محبت الٰہی کو شراب اور اس کی کیفیات اور واردات کو اس کے لوازم سے تعبیر کیا ہے، اب اس کی مختلف مثالیں ملاحظہ ہوں،

زاہد بہ نصیحتم تو بسیار مکوش — از آتش عشق او ستیزان تو مجوش
ہشیار شو و ببین کہ خمخانۂ دل — از بادۂ کیست در جوش و خروش

اسرار مئے و جام بہ کس دشمن نیست | این راز بہر مردہ و مے گفتن نیست
زاہد بخدا کہ از خدا بیخبری | سررشتۂ این بدست ہر کودن نیست

جز بادۂ شوق دوست عشرت نبود | بے درد گمے نشہ وحدت نبود
میخانۂ عالم کہ پر از درد سراست | خالی ز خمار و رنج و محنت نبود

ہر کس بخیال او ہم آغوش بود | دیوانہ نماید ہمہ سرہوش بود
کیفیت این نشہ بکس ظاہر نیست | این بادہ نہان ہمیشہ در جوش بود

زاہد تو بخور بادہ کہ بسیار نکوست | از خرقہ کشی خمار صد فتنہ دروست
بے شبہہ حلال است بگوئی تو حرام | کیفیت این ہر کہ بیابد ہمہ اوست

ہر کس کہ ز مے توبہ کند نادان است | انسان نتوان گفت بگو حیوان است
این سلسلہ جنبان غم جانان نیست | ہم آتش افسردہ دلی دامان است

تصوف کے تمام اہم مقامات ۔ مثلاً مشاہدہ فکر، حیرت، بقاء فناء الفناء، جمع، توکل وغیرہ سب سرمد کی رباعیون مین موجود ہین، ان کے علاوہ قرآن و حدیث کے مفہوم کو بھی بکثرت اپنی رباعیون مین ادا کیا ہے، اور اس طرح کہ بالکل نئی بات معلوم ہونے لگتی ہے،

چند مثالین ملاحظہ ہون :-

کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِیْ شَانٍ

کردی تو علم بد لربائی خود را | ہم در فن و ہم در آشنائی خود را
این دیدہ کہ بینا ست تماشائی تست | ہر لحظہ بصد رنگ نمائی خود را

تنہا نہ ہمین جان و دل ایمانی | آنجا کہ تو ہر لحظہ بچندین آنی
بیرون ز تصور و خیالت دیدم | آن چیز کہ در فہم نیاید آنی

ما اصابك من حسنة فمن الله وما اصابك من سيئة فمن نفسك

۱ شد بر تن من غرق گنه هر سر مو — از من همه زشتی ست و نیکی ز تو

الست بربکم؟ قالوا بلی!

از بهر خدا به یاد، دل شاد بکن — هر وعده که کرده همه یاد بکن

انصاف عزیزاست فراموش مکن — از دام همه بخویش آزاد بکن

کُلّ نفسٍ ذائقة الموت

اینَ ما تکونوا یدرکم الموت

بنگر عزیزان همه در خاک شدند — در صید گه فنا بفتراک شدند

آخر همه را خاک نشین باید شد — گیرم! بر رفعت همه افلاک شدند

نحن اقرب الیه من حبل الورید

یارے بگزین که بیوفائی نکند — دل خسته ترا در آشنائی نکند

پیوسته در آغوش کنارت گردد — هرگز ز تو یک گام جدائی نکند

ربّنا وسعت کل شئ رحمة وعلمًا

سبقت رحمتی علی غضبی

عمریکه شدست صرف در لهو و لعب — بے پرسش اگر عفو کند بست عجب

کے زشتی افعال در آرد بنظر — آنرا که کرم بود فزون تر ز غضب

از معصیتم بیش بود فضل ترا — هر لحظه بجود حساب دارم همه جا

هر چند که سرتا بقدم عصیانم — از بخشش تو نیست فزون جرم مرا

الایمان بین الرجاء والخوف

ہر چند کہ از جرم فزون احسان است — دل در غم و اندیشۂ این حیران است
اما چہ بود مآل کارے کہ نہ شد — در خوف و رجا دیدۂ من گریان است

ہر چند کہ عصیان مرا می داند — بر خوان کرم ہر نفسے می خواند
در خوف و رجا بسے تامل کردم — بیش از ہمہ مائل بکرم می ماند

اَلْھَمُّ الْنفسکم | دوسروں کے نہیں بلکہ اپنے عیب و ہنر پیش نظر رکھنا چاہیے،

ہرگاہ بہ بینی ز کسے عیب و ہنر — عیب و ہنر خویش در آر و بنظر
این ست ہنر بہتر ازین نیست دگر — خود را بنگر بعیب مردم منگر

انا عند المنکسرۃ قلوبھم | مین خستہ دلون کے پاس ہون، (حدیث قدسی)

ہر چند کہ کم لطف و دل آزار توئی — بیش از ہمہ غمخوار و وفادار توئی
در عالم امتحان چو گشتم دیدم — ہر جا کہ بود خستہ دلے یار توئی

دنیا کی بے ثباتی | دنیا کی بے ثباتی، ناپائداری، اور اس کے آرام و آسایش کی بے بضاعتی اور یہ کہ انسان کو دنیا سے کتنا تعلق رکھنا چاہیئے اور اس سے زیادہ تعلق رکھنے مین کیا نقصانات ہین، ان تمام چیزون کو سرمد نے نہایت ہی موثر انداز مین بیان کیا ہے،

دنیا ہمگی اگر بہ کام تو بود — وین سکۂ ہر دو مہ بنام تو بود
آخر ز جہان بے بقا باید رفت — گر قیصر و فغفور غلام تو بود

بر روے زمین اگر بمانی دو سہ دم — مینائے فلک گر دہدت ساغر جم
زنہار مکن قبول دل خوش نبری — بسیار خمار دارد این نشۂ کم

پابند مشو بہ رنج دنیا گفتم — دلشاد مکن بکوہ و صحرا گفتم
عالم ہمہ پابند سرابست بہین — اے جوش حباب و موج دریا گفتم

باید نہ کشی ز خلق منت، گفتم گر صاحبِ فطرتی و ہمت گفتم
این ست خیال خام ہرگز نہ کشی بر پردۂ عنکبوت صورت گفتم

دنیا بہ کسے روے فراغت ننمود سود است چنین خیال بیہودہ چہ سود
امروز چنین ہست سوے دامن تو تا بود چنین بود چنین خواہد بود

سرمد دنیا کے تعلقات وابستگی، اور اس کی محبت سے اسی وقت منع کرتا ہے، جب دنیا کی محبت دین پر غالب آجائے، اور مخلوق کو خالق سے غافل کر دے، مگر اعتدال کے ساتھ تعلق کی وہ اجازت دیتا ہے، اور شرع کا منشا بھی یہی ہے،

ہر کس بخیال اوست حالش خوب است ہم اول کار و ہم مآلش خوب ست
بسیار مبند دل بدنیا، گفتم ہر چند کہ ہست اعتدالش خوب ست

اس کے نزدیک اگر صرف دنیا ہی کی زندگی پیشِ نظر ہو، اور مآلِ کار کی کوئی فکر نہ ہو، تو انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں ہے،

فارغ ز ہوا و حرص یکدم نشدی از فکر مآل کار دو از غم نشدی
ہرگاہ خرے کہ ہست در فکر وجود کمتر تو ز سگ شدی دآدم نشدی

اہلِ دنیا کا حال | اہلِ دنیا کی حالت اور ان کے عیوب پر ایک عام خطاب میں اس طرح توجہ دلائی ہے،

چندان دلِ نادان نعم سیم و زر است کو وقت نماز ہم بفکر دگر است
در وہم خیال این و آن بیشتر است از فکر مآل کار خود بے خبر است

این مردم دنیا کہ گرفتار غم اند دیوانہ بسے دیدم و ہشیار کم اند
از بہر دو روز غم از شامتِ نفس از حرص و ہوا اسیر و بدخواہم اند

مال کی محبت اور اس کی کشمکش اور بے مروتی،

ابنائے زمانہ یکدگر دل تنگ اند — پیوستہ بخود چو مختلف آہنگ اند
قانون وفا و مہر برداشتہ اند — دائم بمقام آشتی در جنگ اند

این مردم دنیا ز خدا بے خبر اند — ہر شام و سحر در طلب سیم و زر اند
از پہلوے ہم دگر جگر ریش تر اند — ہر چند کہ چون باد صبا در گذر اند

برون کی کثرت اور نیکون کی قلت،

این مردم دنیا ہمہ بدخواہ ہم اند — یاران نکو کار چہ بسیار کم اند
خوش وقتی دل بہ بوالہوس بسیار است — آنہا کہ عزیز اند گرفتار غم اند

انسان عالم صغیر ہے، وہ عالم کی ہر چیز کا آئینہ ہے، اسے چاہئے کہ اپنے دریاے دل کی غواصی کرے

دریاست دلت گر تو شناور بشوی — غواص محیط ہفت کشور بشوی
در بحر وجودت ہمہ موجود ہمہ — طوفان بکنی و خواہ لنگر بشوی

ریاکار زاہدون کی پردہ دری | کھلے ہوئے عیوب اور برائیون پر سب کی نظر پڑتی ہے، لیکن دقیق مخفی اور سربستہ عیوب تک ہر شخص کی نگاہ نہین پہنچ سکتی، کھلی ہوئی برائیون کے شکار زیادہ تر عوام ہوتے ہین مگر پیشہ ور زاہدون اور واعظون کی برائیان زیادہ تر مخفی ہوتی ہین، ان برائیون کی شناخت کے لئے نظر کی نکتہ شناسی ضروری ہے،

علما مین امام غزالی نے اور شعرا مین خیام و حافظ نے ایسے ریاکارون کی پوری پردہ دری کی ہے، سرمد نے بھی اس گروہ کے اسرار درون پردہ فاش کئے ہین، اور اگلون کی طرح اسے بھی اس کے بدلہ مین بہت کچھ سننا پڑا ہے، بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے، کہ اس کے قتل کے اسباب مین ایک سبب یہ بھی تھا، پیشہ ور زہاد اور واعظین کا ایک بڑا عیب ریا ہے، سرمد کہتا ہے،

زاہد تو چہ لذت ز ریا یافتہ — صد خرقۂ پشمینہ بہم تافتہ

از رشتہ تسبیح کہ باریک زموست محکم رسنے برائے خود بافتۂ

مطلب یہ ہے کہ زاہد جو تونے یہ ریائی فرقہ پہن رکھا ہے، اور باریک رشتہ کی تسبیح لے کر جو سبحہ گردانی مین مصروف ہے، اس مین تجھے کیا لذت مل رہی ہے، یہ پشمینہ پوشی دینی احساس اور سبحہ گردانی اخفاے حال کی وجہ سے ہوتی تو یقیناً لذت کی بات ہے، مگر تونے تو اُسے لوگون کے پھنسانے کا ایک غیر مرئی جال بنایا ہے، ایک دوسرے موقع پر کہتا ہے،

در کوے مغان موسم گل منزل کن خود را بہ درخنون بزن غافل کن

این خرقۂ پشمینہ کہ بارست وبال از دوش بنہ فراغتے حاصل کن

این خرقہ پشمینہ کہ زنار دروست مکرست وریا، فتنہ بسیار دروست

بر دوش مکش دست بکش تا نہ کشی این بار ندامت کہ صد آزار دروست

اس کو ریا کار زاہد کی ہر بات بُری معلوم ہوتی ہے، اس لئے اس کی نصیحت کا بھی اس پر اثر نہین ہوتا، اور وہ ان سے کہتا ہے کہ یہ نصیحتین اس شخص کو کر و جو تمھارے ریا سے واقف نہ ہو،

آن کیست؟ کہ او ز ہد ریا نشناسد در مکر و دغا خدا چو ما نشناسد

گفتی مخور باده چو من زاهد شو این را بہ کسے گو کہ ترا نشناسد

اکثر علم و زہد کے مسند نشینون مین عوام کی عقیدت مندی کی وجہ سے عُجب و غرور پیدا ہو جاتا ہے، وہ اس کی طرف اشارہ کرتا ہے،

اے زاہد خود فروش ہرگز مغرور باید نشنوی کہ تا نگردی رنجور

گویند ترا زاہد و ہستی فاستی برعکس نہند نام زنگی کافور

وہ زاہد ریا کار کو کبھی سمجھاتا ہے، کہ مین جس حال مین ہون، اس حالت کی تجھے خبر نہین، اگر تیری نظر مین کوئی بات کھٹکتی ہے، تو مجھے اپنے حال پر چھوڑ دے مین تجھ سے ان اسرار کو نہین کہہ سکتا کہ وہ تجھ جیسے

مردہ دل غافل خدا سے کہنے کے نہیں ہیں،

الفت بہ غمِ یار گرفت ست دلم — بر دوش گرانبار گرفت است دلم
زاہد بہ نصیحتم تو بسیار مکوش — در پیش دگر کار گرفت ست دلم

اسرار مئے و جام بکس دشمن نیست — این راز بہر مردہ دلے گفتن نیست

اخلاق سرمد کی رباعیوں میں اخلاقی تعلیمات کا حصہ بھی کافی ہے مگر زیادہ تر شخصی اخلاق کی تعلیم ہے اجتماعی اخلاق پر مشکل سے دو چار رباعیاں ملیں گی، اور اس میں سرمد کا کوئی تصور نہیں شخصی حکومت میں اجتماعی اخلاق و نصائح کی اہمیت ہمیشہ کم رہی ہے، ہندوستان میں حالی و اکبر سے پہلے اجتماعی اخلاق کی تعلیم مشکل ہی سے کسی شاعر کے کلام میں ملے گی، پھر سرمد ایک صوفی شاعر تھا، اور صوفیہ شخصی اخلاق اور اس کی اصلاح کو اجتماعی اخلاق کے مقابلہ میں زیادہ ضروری سمجھتے اور اسی پر زور دیتے ہیں، گو اسی شخصی حکومت کے دور میں بھی بعض مجددین ملت، مثلاً حضرت مجدد الف ثانیؒ، سید احمد بریلوی شاہ ولی اللہ دہلوی ایسے گذرے ہیں جن کے پیش نظر شخصی اخلاق کی اصلاح کے ساتھ اجتماعی اخلاق کی اصلاح بھی رہی ہے، موجودہ دور میں مولانا الیاس صاحب رحمہ اللہ کی تحریک کا مقصد بھی یہی ہے، مگر یہ رنگ اس صدی سے پہلے اتنا عام نہیں تھا،

بہر حال سرمد کے کلام میں جو اخلاقی رباعیاں ملتی ہیں، ان کی جلی سرخیاں حسب ذیل ہیں :-

خود پسندی کی برائی

فارغ نہ شدی ز خود پسندی ہرگز — آگہ نہ شدی ز سود مندی ہرگز
خواہی دو جہان بیک طرف راغب شو — غیر از طرفے طرف نہ بندی ہرگز

آسودہ دلے ز خود پسندی مطلب — زین ہمت پست خود بلندی مطلب
سودائے جہان سود ندارد چندان — نقصان پذیر سود مندی مطلب

تکبر و تواضع از دیدۂ دل حسن دو عالم دیدم — میزان شدم و نیک و بدش سنجیدم

ہر سر کہ گرانبار بود سنگ دل ست — ہر خستہ سرے سبک بود فہمید م

ہر چند غرور دستگاہت اینجا — بر خود پیچیدن غرد جاہت اینجا
در سایۂ شکستگی حضور دگرست — از سرمہ شدن سنگ نگاہت اینجا

از مال و منال خویش مغرور مشو — در اندیشۂ این شراب مسرور مشو
در آمد و رفت این تفاوت نبود — دل شاد ازین مباش در بخور مشو

افسوس کہ غافل تو ز ہستی ہستی — پیوستہ ز صہبائے رعونت ہستی
ہر چند شوی بلند چون شعلہ خسی — از شامت سرکشی در آخر پستی

قناعت و استغنا

تا چند در اندیشۂ دنیا باشی — آوارۂ کوہ و دشت و صحرا باشی
دامان قناعت است بسیار وسیع — از دست مدہ درین جہاں تا باشی

خواہی کہ رسی بکام تلخی نہ چشی — آسودہ شوی یا ز ندامت نہ کشی
با صبر بساز با قناعت خو کن — از دست ہوا و حرص در کشمکشی

اے نفس تمگار سراپا حسرت — جز شکر ترا نیست ہزاران نعمت
قانع نہ شدی گاہ گہ گشتی خورسند — دنیا نہ بود بقدر طول ملت

حرص و آز کی مذمت

آنرا کہ ہوس بیش بود نا کام است — مرغے کہ پئے دانہ رود دد ام است
این مال پر از ملال بسیار و بال — ہر چند کم و بیش درد آرام است

ہر جا کہ گرفتار ہوا و ہوس ست — گر سلطنتش دہی نگوید کہ بس است
سر رشتۂ زندگی بسے کوتاہ است — از طول امل حذر کہ دام نفس است

انسان کہ ز شکم سیری از یک نان است — از حرص و ہوا شام و سحر حیران است
در بحر وجودش بنگر طوفان است — آخر چو حباب یک نفس مہمان است

بادام ہوا و حرص تا ہم نفسی — پابند خودی شام و سحر در قفسی
آزاد چو سرو باش در گلشن دہر — گر سنبل و نسترن نئی تو در خار و خسی

عیب پوشی

ہرگاہ بہ بینی تو کسے عیب و ہنر — عیب و ہنر خویش در آور بنظر
این ست ہنر بہتر ازین نیست دگر — خود را بنگر بعیب مردم منگر

عزت نفس

سرمد تو ہیچ خلق را دہی مطلب — از شاخ برہنہ سایہ داری مطلب
عزت ز قناعت است خواری ز طمع — با عزت خویش باش خواری مطلب

خود غرضی کی مذمت

ہر کس پے نانے بجہان دوست بود — یک دوست ندیدیم ز جان دوست بود
چون سنگ ز پے لقمہ بہر در بدوند — این ست نشان کہ نام شان دوست بود

حب جاہ کی مذمت

از بہر چہ حب جاہ باید کردن — عمر خود را تباہ باید کردن،
مانند نگین چہ لازم است از پے نام — جان کندن در سیاہ باید کردن

اختلاف حال

سرمد کے کلام میں اکثر تناقض نظر آتا ہے، مثلاً کبھی وہ کہتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ ہماری طرف نظر کرم نہیں کرتا،

آن شوخ بمن نظر نمی دارد چہ کنم — آہ دل من اثر نمی دارد چہ کنم
با نکہ ہمیشہ در دلم می ماند — از حال دلم خبر نمی دارد چہ کنم

کبھی وہ کہتا ہے کہ

صد شکر کہ دلدار زمن خوشنود است ہر دم بکرم و ہر نفس در جود است

یارب کرم و لطف کشودی بر من صد رنگ دلم شگفت و شد ترک چمن

لیکن حقیقت میں یہ تناقض نہیں ہے اختلافِ احوال ہے جس طرح عام انسانوں پر مختلف اوقات میں مختلف بلکہ بعض اوقات متضاد حالتیں طاری ہوتی ہیں، اسی طرح سالک پر بھی قبض و بسط، سکر و صحو، خوف و رجاء، وغیرہ کی مختلف حالتیں طاری ہوتی ہیں اور ہر حالت میں جو کچھ پیش آتا ہے، اس کی زبان سے ادا ہو جاتا ہے،

سرمد بھی جن جن مقامات سے گذرا ہے، اس کو اس نے ادا کر دیا ہے، اس اختلاف حال کی نسبت مجازاً زمانہ کی طرف کر کے کہتا ہے،

گہ مقیم کنشت گہ پیر مغان احوال جہان گاہ نہ دیدم یکسان

چون نخل گہے سبز گہے عریانم بے موسم گل، بہار ہنگام خزان

اختلافِ حال کی چند رباعیاں درج ذیل ہیں،

سرمد اگرش وفاست خودمی آید گر آمدنش رواست خودمی آید

بیہودہ چرا در پئے او می گردی بنشین گر او خداست خودمی آید

سرمد غم عشق بوالہوس را ندہند سوز دل پروانہ مگس را ندہند

عمرے باید کہ یار آید بکنار این دولت سرمد ہمہ کس را ندہند

شاہ شاہانیم زاہد چون تو عریان نیستم شوق و ذوق شور شم لیکن پریشان نیستم

بت پرستم کافرم از اہل ایمان نیستم سوے مسجد میروم از اہل ایمان نیستم

سرمد تو حدیث کعبہ و دیر مکن در دادی شک چو گریبان سیر مکن

ہان بشیوۂ بندگی ز شیطان آموز یک قبلہ گزین سجدہ بر غیر مکن

چیزے کہ گمے بکار ناید مائیم — آن نخل کزو بار نیاید مائیم
کردیم حساب بیش خود سنجیدیم — آن ذرہ کہ در شمار ناید مائیم

اے دوست مرا بعلم و نظرت ننگر — در ہر دو نما دو در محبت بنگر
من صاحب معنیم دصوت تعظیم — در من چو کتاب ہر دو صورت بنگر

سرمد کی شاعری اگر سرمد کی غزلون کا کوئی مجموعہ مل جاتا، تو اس کی شاعری کے متعلق کچھ تفصیل سے لکھا جا سکتا، مگر جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے وہ چند غزلون کے سوا نہین، رباعیون کا رنگ عموماً فلسفیانہ حکیمانہ اور اخلاقی ہے، ایسے خشک مضامین ہین گل و بلبل، سرو قمری اور فصاحت و بلاغت، تشبیہ و استعارہ، صنائع و بدائع کی گنجایش بہت کم ہے، تاہم سرمد نے اس خشک زمین مین بھی کچھ اپنی شاعری کے جوہر دکھائے ہین،

جدت اسلوب سرمد کی رباعیان یون تو بہت ہین، مگر وہ سب چند مضامین مین محدود ہین، مثلاً دنیا کی بے ثباتی، ہمہ اوست، مسئلہ جبر و قدر، رجا، و خوف، جام و شراب، فضل الٰہی کی امید، رضا بالقضا، ذکر الٰہی وغیرہ کے مضامین کو مختلف پیرایون مین ادا کیا ہے، لیکن اس کا کمال یہ ہے کہ خیالات کی اس تکرار، اور مضامین کی خشکی کے باوجود اسلوب بیان کی دلآویزی تمام رباعیون مین موجود ہے، اور ہر رباعی کے انداز بیان مین ایک ندرت و جدت نظر آتی ہے، مثلاً اس مضمون کو کہ عشق الٰہی ہر شخص کو نہین ملتا، اس کی پہلی شرط یہ ہے کہ انسان اپنی رضا و رغبت کو رضاے الٰہی مین فنا کر دے، سرمد نے مختلف طریقون سے ادا کیا ہے،

سرمد غم عشق بوالہوس را ندہند — سوز دل پروانہ مگس را ندہند
عمرے باید کہ یار آید بکنار — این دولت سرمد ہمہ کس را ندہند

دوسری جگہ کہتا ہے :-

در مسلخ عشق جز نکو را نکشند — لاغر صفتان وزشت خو را نکشند
تو عاشق صادقی ز کشتن مگریز — مردار بود هر آنکه او را نکشند

ایک اور رباعی مین اسی مضمون کو اس طرح ادا کرتا ہے،

تا نیست نگردی ره هستت ندهند — این مرتبه با همت پستت ندهند
چون شمع قرار سوختن تا ندهی — سر رشته این روشنی بدستت ندهند

عنایات الٰہی اور محبت الٰہی مین کامیابی کے تخیل کی نیرنگیان ملاحظہ ہون،

صد شکر که دلدار ز من خشنود است — هر دم بکرم و هر نفس در جود است
نقصان بمن از هر دو محبت نرسید — سودا که دلم کرد تمام مش سود است

صد شکر که از یار ترحم دیدم — احسان و کرم بحال خود نهیدم
نخلی که نشانید ثمر می بخشد — آخر گلی از باغ محبت چیدم

یارب کرم و لطف کشودی بر من — صد رنگ دلم شگفت و شد رشک چمن
یک فضل تو از هزار ناید به بیان — هر چند زبان شوم بشکرت همه تن

جدت تشبیہ | سرمد نے بعض نئی تشبیہیں بھی ایجاد کی ہین، ذیل کی رباعیون سے اس کا اندازہ ہوگا

اہل دنیا آپس مین جو بغض و حسد کینہ و کدورت رکھتے ہین، اور دولت کے لئے لڑتے رہتے ہین اس کو ایک نئی مثال کے ذریعہ کس موثر اور دلنشین انداز سے سمجھایا ہے،

اے بے خبر دنے که از خدا بیخبری — آشفته و دیوانه چو سیمی و زری
بیش و کم دنیا به کف جود خداست — در بخشش حق بید گر کینه وری

این قوم که در دوستی سیم و زر اند — غافل ز خدا و دشمن یکدیگر اند
هر چند نصیب همه پیوسته جداست — در بخشش حق بیکدگر کینه ور اند

مطلب یہ ہے کہ دنیا کی دولت وحشمت کا مدار خدا کے جود وکرم پر ہے، وہ اپنی مرضی کے مطابق ہر شخص کو جو چاہتا ہے، اور جتنا چاہتا ہے، عطا کرتا ہے، یہ کتنی احمقانہ بات ہے، کہ اللہ کی بخشش وجود جو انسان کے اختیار میں نہیں ہے، اس کے لئے وہ آپس میں بغض حسد اور کینہ وعداوت رکھتے ہیں،

اسی مضمون کو ذیل کی رباعی میں ایک دوسرے انداز اور ایک نئی تشبیہ سے ادا کیا ہے،

این مردم دنیا ز خدا بے خبر اند ہر شام وسحر در طلب سیم وزر اند
از پہلوے ہمدگر چو جگر ریش تر اند ہر چند کہ چوں باد صبا در گزر اند

یعنی جس طرح باد صبا تیزی سے گذر رہی ہے، انسان بھی دنیا سے اسی طرح بہ سرعت گذر رہا ہے پھر ایسی سرسری گذرگاہ میں دولت وحشمت کے لئے سرگرداں رہنا اور آپس میں بغض وحسد کرنا کتنی بڑی ناخدا شناسی ہے،

قرآن کریم نے منافقوں کے بارے میں کہا ہے،

تحسبھم جمیعا وقلوبھم شتی ان کو تم مجتمع سمجھتے ہو، حالانکہ ان کے دل آپس میں ملے ہوئے نہیں ہیں،

اس مضمون کو سرمد نے عام خطاب کے ذریعہ ایسی انوکھی تشبیہ اور اچھوتے پیرایۂ بیان سے ادا کیا ہے کہ نئی بات معلوم ہوتی ہے

یاران چہ قدر راہ دو رنگی دارند مصحف بہ بغل دین فرنگی دارند
پیوستہ بہم چو مہرہ ہاے شطرنج در دل ہمہ فکر خانہ جنگی دارند

توبہ واستغفار اور طلب رحمت ایک پامال اور فرسودہ مضمون ہے، مگر جب سرمد اسے کہتا ہے تو معلوم ہوتا ہے، کہ رحمت کے سارے دروازے ابھی کھل جائیں گے،

شد بر تن من غرق گنہ ہر سر مو از من ہمہ زشتی است و نیکی است ز تو

تا چند کنم گناہ او فضل کند شرمندۂ جرم خود م و رحمت تو

وہ کہتا ہے کہ اے خدا! میں جس قدر گناہ کرتا ہوں تو اپنا فضل و کرم اتنا ہی زیادہ کرتا ہے، اب مجھے اپنے اعمالِ سیاہ اور تیری رحمت سے شرم آنے لگی ہے، دیکھئے ع

شرمندۂ جرم خود م و رحمتِ تو

کہکر کس اچھوتے انداز سے رحمتِ الٰہی کی طلب کی ہے،

عصیان من احسان تو نا یدبشمار بیحد و حساب کے بیاید بشمار
گر پیش خود این حساب صد سال کنم تے فضل تو نے جرم من آید بشمار

یارب ز کرم ازگرداب برار از بحر گناہ کشتیم گیر کنار
جرم من و احسانِ تو بے حد و حساب این طرفہ حساب است کہ نا یدبشمار

اپنے گناہ کی زیادتی اور رحمت کی بے پایانی کا ذکر کرکے کس طرح مزید رحمت کی درخواست کی ہے اور دونوں رباعیوں میں اسلوب نیا اختیار کیا ہے،

اسی مضمون کو ایک دوسری جگہ اس طرح ادا کیا ہے،

جرم من و فضل بار افزون ز شمار این ہیچ حسابیت کہ من دانم و یار
چشم کرمش عاشق حسن گنہ ست زنہار ز کردار بد اندیشہ مدار

در ہر گنہے فزود و بخشایش وجود شرمندۂ این قسم نہ کردار نمود
خضرہ من گناہ شد آخر کار این فضل و کرم چہ بود این جرم چہ بود

کہتا ہے کہ گناہ ہی میرا خضر راہ ہے، اگر میں گناہ نہ کرتا، تو فضلِ الٰہی کی طرف مجھے راہ نہیں ملتی، اس طلبِ رحمت کے مضمون کو خیام و نظامی نے بھی ادا کیا ہے،

آنم کہ پدید گشتم از قدرتِ تو صد سالہ شدم نیاز و نعمت تو

صد سال بہ امتحان گنہ خواہم کرد تا جرم من است بیش یا رحمت تو

نظامی کہتے ہین ،

گنہ من ار نامدے در شمار
ترا نام کے بودے آمرزگار

مگر سرمد نے جس حسن و خوبی سے اس مضمون کو ادا کیا ہے، خیام و نظامی کے یہان وہ بات نہین، اس کے علاوہ خیام و نظامی کے کلام مین شوخی و بیباکی ہے، جو طلب رحمت کے خلاف ہے لیکن سرمد اسی طرح مانگتا ہے، جو طلب رحمت کا اقتضا ہے،

روزمرہ اور کلام کی اصل ترتیب | سرمد کی رباعیون کی ایک خاص خصوصیت یہ ہو کہ ان مین عموماً روزمرہ اور عام بول چال کے الفاظ استعمال کئے گئے ہین، وہ دقیق سے دقیق مسائل کو بھی نہایت ہی سادہ اور سہل اسلوب مین بیان کرتا ہے،

شعر کی یہ بڑی خوبی سمجھی جاتی ہے، کہ اگر اس کو نثر کرنا چاہین، تو الفاظ کی ترتیب مین فرق نہ آئے جو ترتیب نظم کی صورت مین تھی، وہ نثر کی صورت مین بھی باقی رہے، سرمد کے کلام مین یہ خوبی بدرجۂ اتم موجود ہے اور یہ خصوصیت صرف دو چار رباعیون مین نہین، بلکہ اس کے کلام کے اکثر و بیشتر حصہ مین ہے،

ذیل کی رباعیون اور غزل سے اس کا اندازہ ہوگا ،

سوخت بے دہم تماشارا ببین کشت بے جرم مسیحا ببین
زندہ کش جان نباشد دیدہ گر ندیدستی بیا ما را ببین
اے کہ از دیدار یوسف غافلی داغ یعقوب و زلیخا را ببین
اے کہ از روز بدم در حیرتی یکزمان این روے زیبا را ببین
شاہ و درویش و قلندر دیدہ سرمد سرمست رسوا را ببین

سرمد تو ز ہیچ خلق یاری مطلب — از شاخ برہنہ سایہ داری مطلب
عزت ز قناعت است و خواری ز طمع — با عزت خویش باش خواری مطلب

اسرار مئے و جام بہ کس دون نیست — این راز بہر مردہ دلے گفتن نیست
زاہد بخدا کہ از خدا بیخبری — سررشتۂ این بدست ہر کودن نیست

نابود شدم بود نمی دانم چیست — افگر شدہ ام دود نمی دانم چیست
دل دادم و جان دادم و ایمان دادم — سوداست مگر سود نمی دانم چیست

سرمد اگر ش دفاست خود می آید — گر آمدنش رواست خود می آید
بیہودہ چرا در پے او میگردی — بنشین گر او خداست خود می آید

سرمد غم عشق بوالہوس را ندہند — سوز دل پروانہ مگس را ندہند
عمرے باید کہ یار آید بکنار — این دولت سرمد ہمہ کس را ندہند

یاران چہ قدر راہ دورنگی دارند — مصحف بہ بغل دین فرنگی دارند
پیوستہ بہم چو مہرہ ہای شطرنج — در دل ہمہ فکر خانہ جنگی دارند

سرمد گلہ اختصار می باید کرد — یک کار ازین دو کار می باید کرد
یا تن برضاے دوست می باید داد — یا جان بہ پیش نثار می باید کرد

دل را بخیال یار خوشنود بدار — سررشتۂ این دولت سرمد بکف آر
گنج است کہ رنجش نبود آخر کار — سوداست کہ سودش بود افزون ز شمار

چون معنی لفظ ما و اور اسبنگر — چون چشم و نگہ جدا و یکجا بنگر
یکدم ز کسے جدا نیابی ہرگز — مانند گل و بوست بہ ہر جا بنگر

سرمد رویین عجب شکستی کردی — ایمان بفداے چشم مستی کردی

با عجز و نیاز جملہ نقد خود را — رفتی و نثار بت پرستی کردی

گہ سرو گہے سنبل و گہ یاسمنی — گہ کوہ و بیابانی و گہ باغ چمنی
گہ نور چراغی و گہے بوے گلی — گہ در چمنی و گہ در انجمنی

آن شوخ بمن نظر نہ دارد چہ کنم — آہ دل من اثر نہ دارد چہ کنم
با آنکہ ہمیشہ در دلم می ماند — از حال دلم خبر نہ دارد چہ کنم

ممکن نہ بود کہ یار آید بکنار — خود را ز خیال خام واندیشہ برآر
ہر چیز کہ غیر اوست در سینہ تست — بسیار حجابی است میان تو و یار

اعتبار وعدہ ہاے مردم دنیا غلط — ہاں غلط آرے غلط امشب غلط فردا غلط
نسخہ بنیائی دیوان عمر ما مپرس — خط غلط معنی غلط انشا غلط املا غلط

از نقش حباب ہر چہ گفتم گفتم — واز گوش حباب ہر چہ گفتم گفتم
این عالم پیری و زبانم خاموش — ایام شباب ہر چہ گفتم گفتم

شعر العجم حصہ اوّل

فارسی شاعری کی تاریخ جس مین شاعری کی ابتدا عہد بعہد کی ترقی اور ان کے خصوصیات و واسباب سے مفصل بحث کی گئی ہے، اور اسی کے ساتھ تمام مشہور شعراء (عباس مروزی سے نظامی تک) کے تذکرے اور ان کے کلام پر تنقید و تبصرہ ہے۔

قیمت :- عہ

"مدینہ"

صحت[1]

از

ڈاکٹر میر ولی الدین ایم اے، پی، ایچ، ڈی استاذ جامعہ عثمانیہ

تجدید ایمان کی وجہ سے میرے جسم کی تجدید عمل میں آرہی ہے، میرے جسم کا ہر ذرہ بدل رہا ہے، مجھے نئی ہستی، نیا وجود مل رہا ہے، ضعف کی جگہ قوت، مرض کی بجائے صحت، توانائی اور حیات حاصل ہو رہی ہے، میں نے اپنا رُخ مبدء نور کی طرف کر لیا ہے،!

اللّٰھُمَّ عافنی فی بَدَنی، اللّٰھُمَّ	اے اللہ میرے بدن کو عافیت عطا کیجئے،
عافنی فی سمعی، اللّٰھُمَّ عافنی فی	میرے کانوں کو عافیت عطا کیجئے، میری
بصری، لا الٰہ الا انتَ[2]	آنکھوں کو عافیت عطا کیجئے، آپ کے سوا
(تین مرتبہ)	میرا کوئی معبود و رب نہیں،!

میں جانتا ہوں کہ میرا حقیقی نفس (جس کو میں روح سے تعبیر کرتا ہوں) بیمار نہیں ہو سکتا! میری روح نور مقید ہے، قطرۂ نور ہے، سراپا سرور ہے، صحت و قوت کا مبدء ہے،

قطرۂ نوری سراپا نور باش
بگذر از غم دائماً مسرور باش (رومی)

---

[1] ان مراقبات کو صبح کے وقت اور رات میں سونے سے پیشتر آہستہ آہستہ پڑھا جائے اور دن میں بھی جب فرصت ہو ان کی تکرار کی جائے حصول صحت کا یہ ایک نفسیاتی اور روحانی طریقہ ہے، اور مجرب ہے اور مؤثر!

ہر دن ہر گھڑی میری زندگی تازہ و توانا ہوتی جارہی ہے، میرے جسم کے ہر ذرہ سے توانائیوں کا چشمہ اُبل رہا ہے، ہر روز میں جامِ صحت نوش کر رہا ہوں، اور حق تعالیٰ کا حکم و کرم مجھے عافیت عطا فرما رہا ہے،

یا حلیمُ یا کریمُ اشفنی،	اے حلیم و کریم خدا مجھے شفا عطا کیجئے،

میرے قلب میں جذباتِ ایمانی زندہ ہیں، حق تعالیٰ کی محبت سے میرا سینہ معمور ہے، اسی محبت کے نور نے میرے قلب و بدن کو نورانی کر دیا ہے، میرے وجود کا ہر ذرہ نورانی ہو گیا ہے، نور ہو گیا ہے، یہ نتیجہ ہے میری اس دعا کا،

اللّٰھُمَّ اجْعَلْ فِی نَفْسِیْ نُوْرًا وَ	اے اللہ میرے نفس کو نورانی کر دیجئے
اجْعَلْنِیْ نُوْرًا،	اور مجھے نور کر دیجئے،

اس نور نے میرے قلب کو سکون، میرے نفس کو اطمینان، میرے بدن کو راحت عطا کی ہے میں اب سراپا نور ہوں، دائماً مسرور ہوں، قلب و نفس و بدن کی اس راحت و سرور کا نتیجہ صحت ہے، عافیت ہے، سلامتی ہے، نجات ہے، بیماری سے، آزار سے، ضعف اور کمزوری سے،

لَا بَاْسَ اذْھِبِ الْبَاْسَ، رَبَّ	کچھ خوف نہیں اے خلق کے پالنہار
النَّاسِ اشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا	صحت عطا کر تو ہی صحت دینے والا ہے
شِفَآءَ اِلَّا شِفَاءُکَ فَاشْفِنِیْ شِفَآءً	صحت تیری ہی دی ہوئی ہے تو مجھ کو
لَا یُغَادِرُ سُقْمًا،	ایسی صحت دے کہ کوئی بیماری باقی نہ رہے،

اب خلق کی طرف سے میرے قلب میں نہ غیظ و غضب ہے، نہ حزن و غم، ایمان کی آنکھ نے دیکھ لیا، کہ وہ نافع ہیں نہ ضار، نفع و ضرر، سود و زیان، منع و عطا حق کی جانب سے ہے، خلق کی طرف سے ہرگز نہیں، بلا و آزار کے وقت خلق و اسباب کو حق تعالیٰ کی طرف سے وہ تازیانہ تصور کرتا ہوں، جو طلب و تقرب کے لئے

مجھ کو لگایا جاتا ہے تاکہ مین خوابِ غفلت سے جاگ جاؤن"،

اللّٰھُمَّ اغفرْ لی ذنبی واذھبْ	اے اللہ میرے گناہ بخش دے اور میرے دل
غیظ قلبی واجرنی مِنْ مضلّات	سے غصّہ نکال دے، اور گمراہ کرنے والے
الفتن ما احییتنی،	فتنون سے بچا دے،

اذیت و بلا حق تعالیٰ کی طرف سے ہے، مبتلا کرنے والے حق تعالیٰ ہین، مین ان لوگون مین سے نہین کہ درد و بلا کے وقت سست ہو جاؤن اور حق سے روگردان اور حق تعالیٰ کی اس تہدید کا نشانہ بنوں[1] وَاِنْ اَصَابتْہ فتنۃ انقلب علیٰ وجھہٖ اور خسرَ الدنیا والآخرۃ کا مصداق بن جاؤن دنیا اور آخرت دونون کو کھو بیٹھون، اور کھلے نقصان مین رہون،

ناخوشِ تو خوش بود برجان من

دل فدائے یارِ دل رنجان من! (رومی)

اور جب مجھے نعمت و عطا حاصل ہوتی ہے، تو مین خلق و اسباب دنیوی کو ایک ہاتھ تصور کرتا ہون جو منہ مین لقمہ ڈالتا ہے، ظاہر ہے کہ ہاتھ ایک آلہ ہے اور آلہ مین بذاتِ خود تاثیر کہان،

---

[1] پوری آیت یہ ہے :-

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَعْبُدُ اللّٰہَ علیٰ	یعنی بعض آدمی اللہ کی عبادت کرتے ہین کنارہ
حَرْفٍ فَاِنْ اصابہ خیرٌ اطمانّ	پر، پھر اگر اوس کو کوئی نقصان پہنچتا
بہ وان اصابتہ فتنۃٌ انقلب علیٰ	ہے، تو اس کی وجہ سے قرار پا لیا، اور
وجھہ خسر الدنیا والآخرۃ	اگر اس پر کوئی آزمایش ہو گئی، تو منہ
ذٰلک ھو الخسران المبین	اٹھا کر چل دیا دنیا اور آخرت دونون کو
(ب ۱۷ ع ۹)	کھو بیٹھا، یہی کھلا نقصان ہے،

مَالَكُمْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ — تمھارا اللہ کے سوا نہ کوئی دوست ہے اور

وَلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ — نہ کوئی مددگار،

منعم و معطی حق تعالیٰ ہی ہین،

حق فاعل و ہرچہ جز حق آلات بود — تاثیر ز آلت از محالات بود

ہستی کہ موثر حقیقی ست یکست — باقی ہمہ اوہام و خیالات بود (جامی)

اس یقین کے بعد کہ سود و زیان حق تعالیٰ کی جانب سے ہے، اور میرے دشمن کی طرف سے نہین، وہ مثل میت کے ہے، غسال کے ہاتھ مین، یا گیند کی طرح ہے چوگان کے تصرف مین، میرا قلب عداوت کے غم سے بالکل آزاد ہوجاتا ہے، اور مین اپنے عدو کو قطعاً معاف کردیتا ہون،

لمّا عفوت وَلم احقد علیٰ احدٍ — ارحت نفسی مِنْ ھَمّ العداوۃ

جب مین نے معاف کردیا، اور کسی کے متعلق اپنے دل مین دشمنی نہین رکھی تو میرے نفس نے غم عداوت سے راحت پائی،

اور بفحوائے

وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا، — اور سب سے قطع کرکے اسی کی طرف

(مزمل - ع ۱) — متوجہ رہو،

مین خلق سے کٹ کر حق تعالیٰ کی قدمون پر اپنا سر رکھ دیتا ہون، انھین راضی کرتے دیر کتنی لگتی ہے، وہ رؤف و رحیم ہین، غفور و کریم ہین، ذوالفضل العظیم ہین، ان ہی کا تو یہ قول ہے ان کے ایک عاشق کے الفاظ مین:

درحضرتِ ما دوستی یکدلہ کن — ہر چیز کہ غیر ماست آزا یلہ کن

یک صبح باخلاص بیا بر درمن — گر کار تو بر نیاید آنگہ گلہ کن (ابوسعید مہنہ)

افکار نے میری صحت برباد کر رکھی تھی، ایمان کی روشنی نے افکار کی ظلمت کو دور کر دیا، اب صحت کی تجلیات میرے جسم کے ہر رگ و ریشہ سے ہو رہی ہیں، راحت و سرور کا دور ہے، جان و تن آرام سے ہیں، فللہ الحمد،

در ہجر تو بودہ اندوہ و آزارم — از وصل تو رفت ہستی و پندارم
شادی آمد و نصیب جانم شد — اکنون جان و تن خویش براحت دارم (لا علم)

(۲)

"میرے اندر ایک قوت الٰہیہ موجود ہے، جو صحت بخشتی ہے، اور صحت کو قائم و برقرار رکھتی ہے"۔

طمانیت و سکون کے ساتھ میں مذکورۂ بالا صداقت کو ذہن نشین کرتا ہوں، فکر و تردد، غم و حزن، بیم و ہراس کو اپنے قلب سے دور کرتا ہوں اور ان تمام خیالات کو بھی اپنے دماغ سے دفع کرتا ہوں، جو ایجابی نہیں، جو ربانی نہیں، میری آنکھوں کی ٹھنڈک حق تعالیٰ کی محبت اور ان پر ایمان ہے، اسی لذت و حلاوت سے میرا قلب کیف اندوز ہے، آہستہ اور طمانیت کے ساتھ میں ان الفاظ کو دہراتا ہوں:-

"میرے اندر ایک قوت الٰہیہ موجود ہے، جو صحت بخشتی ہے، اور صحت کو قائم و برقرار رکھتی ہے" (خموشی)

پر سکون و طمانیت کے ساتھ میں ان الفاظ کی تکرار کرتا ہوں:-

"میرے اندر ایک قوت الٰہیہ موجود ہے، جو صحت بخشتی ہے، اور صحت کو قائم و برقرار رکھتی ہے (خموشی)

پھر سکون و برد قلبی کے ساتھ میں ان الفاظ کی تکرار کرتا ہوں:-

"میرے اندر ایک قوت الٰہیہ موجود ہے، جو صحت بخشتی ہے، اور صحت کو قائم و برقرار رکھتی ہے، (خموشی)

ہاں پر سکون اور یقین کے ساتھ میں ان الفاظ کو دہراتا ہوں،

"میرے اندر ایک قوت الٰہیہ موجود ہے جو صحت بخشتی ہے اور صحت کو قائم و برقرار رکھتی ہے، (خموشی)

پھر میں انہی الفاظ کی تکرار کرتا ہوں، (خموشی)

اور اسی طرح مسلسل

اسی صداقت پر میرا یقین ہے، ایمان ہے، یہی میرے قلب پر چھائی ہوئی ہے، اسی مراقبہ کے دوران مین قوۃ الٰہیہ جو ہمہ توان اور قادر مطلق ہے، اور جو میرے اندر موجود ہے، میری صحت کی تکمیل کر رہی ہے، مجھے کامل شفا عطا کر رہی ہے، کیونکہ میرے جسم کا ہر ذرہ اس قوتِ الٰہیہ کی طرف متوجہ ہے اور زبانِ حال سے کہہ رہا ہے،

اسئل اللہ العظیم رب العرش	مین خدائے بزرگ و برتر سے جو عرشِ عظیم
العظیم ان یشفینی۔	کے رب ہین، عرض کرتا ہون کہ مجھے شفا بخشین۔

(یہ حدیث کے الفاظ ہین)

جون جون اس صداقت پر غور کرتا جاتا ہون، میری عقل سے ظلمت دور ہوتی جاتی ہے، اور اس حقیقت کا انکشاف ہوتا جاتا ہے، جو مجھے حیرت تامہ عطا کرتی ہے، بہر صورت مین اپنے آپ کو اچھا نہین کر سکتا، شفا دینا حق تعالیٰ کا کام ہے، اسی لئے ابراہیم خلیل اللہ نے فرمایا تھا،

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ۔	جب بیمار ہو جاتا ہون تو وہی مجھے
(پ ۱۹ ع ۹)	شفا بخشتے ہین،

جب مین اس قوتِ الٰہیہ کو جو میرے اندر موجود ہے، جو مجھ پر محیط ہے، وجداناً اپنے اندر پاتا ہون تو مجھے شفا عطا ہوتی ہے، عاجلاً و کاملاً! مین اپنے آپ کو تندرست و توانا پاتا ہون اور مجھے معلوم تک نہین ہونے پاتا، کہ یہ معجزہ کس طرح وقوع پذیر ہوا،

آن کہ شد انبازش بشاہ فرد خویش
یافت درمان ہاے جملہ درد خویش

(رومی)

ذاتی کوششون پر سے جب بھروسہ اٹھ جاتا ہے اور قوتِ الٰہیہ کے سوا اور کوئی آسرا نہین رہتا اور حق تعالیٰ کے رحیم وحلیم ہونے کا یقین پیدا ہو جاتا ہے، تو شفا کی بجلی کوندتی ہے، اور ساری بیماریون کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے، پھر اپنے عاشق رنجور کو صبر کا ثمرہ عطا ہوتا ہے،

اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ، — صبر کرنے والون کو ان کا صلہ بے شمار ہی ملے گا،

اسی لئے ہر عاشق رنجور کی زبان سے یہ الفاظ نکلتے ہین،

عاشقم بر رنجِ خویش و دردِ خویش — بہر خوشنودی شاہ فردِ خویش

(رومی علیہ الرحمۃ)

جو بادشاہ ایک جان کے معاوضہ مین سو جان عطا کرتا ہے، ایک پھول لے کر سارا گلستان بخش دیتا ہے، اس کے دئے ہوئے آزار پر اس کی لگائی ہوئی ضرب پر کون خوش نہ ہوگا، کون اپنی جان فدا نہ کریگا کس کی زبان سے فرطِ مسرت سے یہ الفاظ نہ نکلین گے،

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت — سر دوستان سلامت کہ تو خنجر آزمائی

کس کی آرزو نہ ہوگی،

نکل جائے دم تیرے قدمون کے نیچے — یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے،

شفا بخشی کا روحانی عمل نتیجہ ہے حبِ الٰہی کا، رضا بالعطا کا توافق بالقضاء کا حفظ حال کا، اعراض عن الاعتراض کا یعنی حق تعالیٰ کے فعل سے راضی ہو جانے کا، کیونکہ جب ہم اُن سے راضی ہو جاتے ہین، تو وہ ہم سے راضی ہو جاتے ہین، اور ہم سے راضی ہو کر ہمین وہ سب کچھ عطا کرتے ہین جو ہمارے مطالبات یا مطلوبات ہین،

رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ — اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی،

دیارِ مغرب سے ایک مسلمان مجاہد کا خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

مکرمی معظمی جناب سید ندوی صاحب سلمہ ودام لطفہ،

السلام علیکم،

بعد تحیات واضح رائے مبارک باد کہ راقم سطور آپ کے قدیم خاکساروں میں سے ہے، مولانا مرحوم مغفور محمد علی (برادر مرحوم شوکت علی صاحب) میرے ہم سبق ہم نفس اور ہمعصر تھے یعنی Comrade اور ہمدرد اخبار میں ہم شریک کار تھے، اس کے بعد وطن عزیز چھوڑنا پڑا، اور آجتک دنیا کے ہر حصے اور گوشے کی خاک چھانی، مرحوم مولانا برکت اللہ صاحب جو کالیفورنیا امریکہ میں مدفون ہیں، وہ بھی اس دیوانے کے یارانِ طریقت میں سے تھے، قصہ کوتاہ ۱۹۲۳ء سے اخباری دنیا کے خارستان میں قدم رکھا، اسی زمانہ میں آپ کو یاد ہوگا، ترک غازیوں نے یونانیوں اور اُن کے سرپرست وحامی لائیڈ جارج اور متکبر وفرعون مزاج لارڈ کرزن سابق وایسرائے ہند، اور اس وقت کے برطانی وزیر خارجہ کی سخت گوشمالی کی تھی، بمصداق

نزلہ بر عضو ضعیف می ریزد

میرا مجلہ "مسلم اسٹنڈرڈ" اس جبار عنید کی زد میں آگیا، زان بعد یورپ کے مختلف مقامات سے مسلم گزٹ نکلی" نام کا پرچہ نکالتا رہا جب علی برادران اور گاندھی جی کو یہودی وائسرائے ریڈنگ نے نظر بند کیا تو اس

عاجز نے اپنے ٹوٹے پھوٹے قلم سے اس مستبد کی ظالمانہ حرکت پر مسلسل مضامین شائع کئے، جس کا نتیجہ معلوم مذا اس کے اس وقت کے ہمعصر فارورڈ (Forward) نام اخبار نے میرے پرچے کی ضبطی کے متعلق مقالہ لکھا تھا، بعدہ آغاز جنگ دویم تک "الہلال" (Crescent) کے عنوان سے پرچہ جاری رہا، اب چونکہ قتل عام ختم ہو چکا ہے، اس لئے پھر اس عاجز نے پرچے کو شائع کرنے کا ارادہ کیا ہے، یہ تھی مختصر کیفیت جو آپ کی خدمتِ مبارک میں تقدیم ہے، ایک اور حق شفع آپ پر ہے، وہ یہ کہ مولانا شبلی مرحوم مغفور میرے سرپرست، مربی اور استاد خاص تھے، مرحوم محمد علی صاحب سے بارہا آپ کا ذکر خیر ہوا کرتا تھا لیکن افسوس آپ سے کبھی نیاز حاصل نہ ہوا،

ع حسابِ دوستان در دل

اب اس نیاز نامہ کے ذریعہ آپ سے خط و کتابت کا شرف حاصل کرتا ہوں، آپنے غالباً تازہ شائع شدہ "انسائیکلوپیڈیا برطانیکا" (Encyclopedia Britannica) میں وہ دو تراش فقرے ملاحظہ فرمائے ہونگے، جو ان کٹے پادریوں اور پادرانیوں نے اپنی کور چشمی، کور دلی اور مجنونانہ تعصب کی وجہ سے حضورِ پرنور کی ذات مبارک کے متعلق سراسر غلط اور خلافِ حقیقت تراشے ہیں، ان دل کے اندھے اور اندھیوں نے سرکارِ دوجہان کو (Despot of Yathrib) کے گستاخانہ لقب سے دنیا میں پیش کیا ہے، خاکسار نے انگریزی اخبار کی نقلیں جس میں یہ اقتباس شائع ہوا تھا، یہاں کل ارکانِ حکومت شیخ الازہر، اور رئیس دیوانِ ملک کو بھیجدیا تھیں، لیکن بعد انتظار مدید و شدید اس الم ناک حقیقت کا پتہ چلا کہ یہ سب کے سب سیاسیات اور آپس کی تُو تُو مَیں مَیں میں ایسے محو و گرفتار ہیں، کہ انھیں باوجود عرب کہلانے کے رسولِ عربی کی قدر و قیمت اور درجہ کا احساس کہاں، یہ سطور نہایت رنج و الم سے لکھ رہا ہوں، انھیں اپنے تک ہی رہنے دیجئے،

بہرحال عین اضطراب و قلق کی حالت میں خاکسار نے ایک مقالہ ازہر شریف کے مجلہ میں لکھ کر

اپنی ناچیز عقیدتمندی کا ثبوت دیا ہے، جو اسی ڈاک سے علٰحدہ پیکٹ کی صورت مین آپ کی خدمت مین ارسال ہے، امید ہے کہ اسے آپ غور و خوض سے مطالعہ فرما کر اپنی قیمتی رائے کا اظہار اپنے بیش قیمت رسالہ معارف مین شائع فرمائین گے بعض علماے کرام اور مدیر فاضل ازہر نے خاکسار کی قدر دانی فرما کر تحسین افزائی کی ہے، باقی آپ اگر مناسب سمجھین تو جمعیت علماء ہند کی خدمتِ مبارک مین بھی اسے پیش کر دین اگرچہ مین خائف ہون کہ ان کی بھی مصریون کی طرح سیاسی مصروفیتین مانع کار خیر نہ ہون،

غرض یہ ہے کہ لطفاً معارف و دیگر اسلامی رسالجات و کتب وغیرہ سے اس عاجز کو یاد فرما کر ممنون و مشکور فرمائین، باقی دعا،

مخلص و دعاگوے قدیم "محمد ولی خان" (قاہرہ)

۱۰ ربیع الاول ۱۳۶۵ھ مطابق ۹ فروری ۱۹۴۶ء

تابعین رضی اللہ عنہم

علم و عمل اور مذہب و اخلاق مین صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سچے جانشین اور ان کے تربیت یافتہ تابعین کرام رضی اللہ عنہم تھے، اور صحابہ کرام کے بعد ان ہی کی زندگی مسلمانون کے لئے نمونۂ عمل ہے، اس لئے سیر الصحابہ کی تکمیل کے بعد دار المصنفین نے ایک مقدس گروہ کے حالات کا یہ تازہ مرقع مرتب کیا ہے، اس مین حضرت عمر بن عبد العزیز، حضرت حسن بصری، حضرت اویس قرنی، حضرت امام زین العابدین، حضرت امام باقر، حضرت امام جعفر صادق، حضرت محمد بن حنفیہ، حضرت سعید بن مسیب، حضرت سعید بن جبیر، حضرت محمد بن سیرین، حضرت ابن شہاب زہری، امام ربیعہ رائی، امام مکحول شامی، قاضی شریح وغیرہ چھیانوے اکابر تابعین کے سوانح، اور ان کے علمی مذہبی کارنامون کی تفصیل ہے، قیمت للعہ

"منیجر"

مطبوعاتِ جدیدہ

قائدِ ملت مؤلفہ جناب غلام محمد صاحب بی اے عثمانیہ تقطیع اوسط ضخامت ۲۴۴ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد:- عہ کلدار، ہے سکہ عثمانیہ، پتہ نفیس اکیڈمی عابد روڈ حیدرآباد دکن،

قائدِ ملت نواب بہادر یار جنگ مرحوم ان نقید المثال ہستیون مین تھے جن کی مثالین کہین مدتون مین پیدا ہوتی ہین، ان کی زندگی کیا بلحاظ ذاتی اوصاف وخصوصیات اور کیا بہ لحاظ قومی وملی خدمات ہر حیثیت سے مسلمانون کے لئے نمونہ تھی، وہ ایک سچے مومن تھے، ان کے دل مین دین وملت کی فلاح کی تڑپ تھی، ان کی ساری زندگی اسی کی جد وجہد مین گذری، اللہ تعالیٰ نے ان کو اخلاص وعمل کے ساتھ خطابت کی ایسی قوت عطا فرمائی تھی کہ اپنی سحر بیانی سے دلون کو مسحور کر لیتے، اور بڑے بڑے مخالف مجمعون کا رنگ پلٹ دیتے تھے، ان کی خدمات کا دائرہ نہایت وسیع تھا مسلمانون کی جملہ دینی اور سیاسی ضروریات مین ان کی سرگرمی یکسان تھی، وہ دکنی تھے، اس لئے قدرتہً ان کی ذات سے دہان کے مسلمانون کو زیادہ فائدہ پہنچا، وہ ریاست ورعایا، دونون کے ہوا خواہ تھے، ایک طرف انھون نے ریاست حیدرآباد کو مخالفین کی سازشون سے بچایا، دوسری طرف حیدرآباد کے باشندون مین ایک روح پھونک دی، لیکن ان کے فیض سے ہندوستان کا کوئی خطہ محروم نہ تھا، اور وہ زندگی کے آخری لمحہ تک ایک جانباز مجاہد کی طرح قوم وملت کی خدمت انجام دیتے رہے، لیکن افسوس کل چالیس سال کی عمر مین اپنے رب سے جا ملے، ان کی ذات

سے ملک وملت کی بہت سی امیدیں وابستہ تھیں تاہم انھوں نے اس مختصر عمر میں جو قومی زندگی کے لئے نوجوانی کی عمر ہے، جو کارنامے انجام دیئے وہ بہتوں سے طویل عمر میں بھی انجام نہ پا سکے، ان کی پوری زندگی مسلمانوں کے لئے اسوۂ عمل تھی، لائق مؤلف نے اس کتاب میں اس کی تفصیل قلمبند کی ہے، اور صاحب سوانح کے ذاتی اوصاف اور قومی وملی کارنامون کو اس طرح پیش کیا ہے جس سے ان کی زندگی کا ہر رُخ سامنے آجاتا ہے، زبان صاف اور سلیس اور انداز بیان دلکش و موثر ہے،

علامہ راشد الخیری مرتبہ جناب وقار عظیم بی اے، تقطیع اوسط ضخامت ۲۸۸ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد عہ، پتہ: مکتبہ کتاب گھر اردو بازار دہلی،

مولانا راشد الخیری مرحوم نے اردو زبان کی جو گوناگون خدمات انجام دین وہ محتاج بیان نہیں، ان کی وفات کے بعد ان کی ادبی خدمات پر بہت سے مضامین لکھے گئے لیکن کوئی ایسی کتاب نہ تھی جس میں ان کی تحریری خصوصیات کی تفصیل ہوتی، یہ کتاب اسی مقصد کے ماتحت مرتب کی گئی ہے، اس میں مختلف اصحاب قلم نے مرحوم کی تحریر و انشا، کے مختلف پہلوؤں پر تبصرہ کیا ہے، ڈاکٹر اعظم کریوی نے افسانہ نگاری، پرنیڈت برجموہن دتاتریہ کیفی نے ناول نگاری سید محمود مورخ نے تاریخی ناولوں، ڈاکٹر نصیر الدین احمد نے ٹریجڈی، نصیر الدین صاحب ہاشمی نے سفرنامون، ڈاکٹر عابد حسین نے تصنیفی خصوصیات، ڈاکٹر شائستہ اختر سہروردیہ نے ان کے ادب کی مشرقیت، شاہد احمد صاحب نے شاعری، عابد علی خان اڈیٹر ہمایوں نے انشا پردازی اور پروفیسر وقار عظیم نے ادبی ظرافت پر تبصرہ کیا ہے، جس سے مولانا مرحوم کی انشا کے مختلف پہلوؤں اور ان کی ادبی جامعیت کا اندازہ ہو جاتا ہے، امید ہے کہ یہ کتاب ادبی حلقوں میں پسند کیجائیگی،

بصائر قرآنی مرتبہ جناب ایم عبد الرحمٰن خان صاحب، تقطیع اوسط ضخامت ۲۰۵ صفحے، کاغذ کتابت، وطباعت بہتر، قیمت مجلد عار، پتہ ایم عبد اللہ خان پبلشر ویک سیلر ریلوے روڈ لاہور،

اردو میں ایسی متعدد کتابیں موجود ہیں جن میں کلام مجید کے اوامر و نواہی اور دوسری تعلیمات کی

آیتون کو موضوع کے اعتبار سے تقسیم کرکے الگ الگ عنوانون کے ماتحت مع ترجمہ کے جمع کردیا گیا ہے، اس سے قرآنی احکام کا خلاصہ اور ہر موضوع سے متعلق آیات ایک جگہ مل جاتی ہین، مذکورہ بالا کتاب بھی اسی قسم کی ہے لیکن اس مین موضوع و معنی کے اعتبار سے تقسیم کے بجائے آیات کو ان کے الفاظ کے لحاظ سے بہ ترتیب حروف تہجی جمع کیا گیا ہے، اور اس کا ترجمہ بھی دیدیا گیا ہے، اس سے یہ فائدہ تو ضرور ہوا کہ مختلف آیتین ایک جگہ ملجاتی ہین لیکن اکثر مقامات پر ان مین باہم کوئی معنوی ربط نہین، تاہم کتاب فائدہ سے خالی نہین ہے۔

مجموعہ نشری تقاریر مولوی عبدالرحمن خان صاحب سابق پرنسپل عثمانیہ تقطیع اوسط ضخامت ۱۵۴ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت ۱۲ عہ، کلدار پتہ سکہ عثمانیہ، پتہ ادارۂ نشریات اردو حیدرآباد دکن،

مصنف کا نام نہ صرف ہندوستان بلکہ یورپ تک کے علمی حلقون مین متعارف ہے، وہ وہان کی متعدد علمی وتحقیقاتی مجالس کے رکن ہین، مسلمانون کی قدیم علمی تحقیقاتون یورپ مین ان کی اشاعت اور جدید سائنس وہیئت پر ان کی نظر بہت وسیع ہے، ان علوم مین انگریزی اور اردو دونون زبانون مین ان کی تصنیفات شائع ہوچکی ہین، وہ جامعہ عثمانیہ کے پرنسپل بھی تھے، اس لئے ان کو تعلیم کا بھی تجربہ ہے، مذکورہ بالا کتاب ان کی ان علمی وتعلیمی تقریرون کا مجموعہ ہے، جو حیدرآباد ریڈیو سے نشر ہوئین، اس مین حسب ذیل تقریرین ہین، سیارون پر زندگی کے امکانات، زمین کا کرۂ ہوائی، طبقیات پر ایک طائرانہ نظر، دکن کی سرزمین اور آثار ستارے، اسلامی سائنس، اردو مین سائنس کی تعلیم، سائنس اور روزمرہ زندگی، میرے کلیاتی تجربے تاروں کی بستی، بچپن کے بعد، وقت، فاقفاسا اور حیدرآباد کے نوجوان، سائنس کی تحقیقات کے طریقے، جنگ اور سائنس کی ترقی، پراسرار روشنی، یہ تمام تقریرین اپنے موضوع سے متعلق مفید معلومات پر مشتمل ہین،

عہد آصفی کی قدیم تعلیم از جناب نصیرالدین صاحب ہاشمی تقطیع اوسط ضخامت ۱۸۶ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد ۱۲ عہ، غیر مجلد ۸ عہ، پتہ حیدرآباد، ریویو بک ڈپو عابد روڈ، حیدرآباد دکن،

حیدرآباد کی قدیم علمی و ادبی تاریخ مصنف کا خاص موضوع ہے، اور اس موضوع پر ان کے قلم سے متعدد کتابیں نکل چکی ہیں، اس کتاب میں انھوں نے دولت آصفیہ کی قدیم علمی تاریخ لکھی ہے، اس .... میں بہمنی اور قطب شاہی سلاطین کے دور کے مختصر تعلیمی حالات اور آصفی عہد کی تعلیم کی بڑی مفصل تاریخ مسلمانوں میں علم و تعلیم کی خدمت و اشاعت کار خیر اور حصول اجر و ثواب کا ذریعہ سمجھا جاتا رہا ہے، اس نے ہر زمانہ میں سلاطین اور حکومتوں کے علاوہ مخیر امراء و علماء قیام مدارس میں مسابقت کرتے تھے، ان کے علاوہ ہر بڑے عالم کا آستانہ بجائے خود ایک مستقل درس گاہ کی حیثیت رکھتا تھا، یہ خصوصیت آصفی عہد میں بھی قائم تھی، اور دکن میں حکومت کے مدارس کے علاوہ امراء و علماء کے بکثرت مدارس تھے، اس کتاب میں علیحدہ علیحدہ ان تمام مدارس کے حالات لکھے گئے ہیں، ان کے علاوہ ہندوؤں کی تعلیم اور تعلیم نسواں پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے اس طرح اس کتاب میں عہد آصفی کے آغاز سے جدید تعلیم کے ابتدائی دور تک حیدرآباد کی تعلیمی سرگذشت آگئی ہے،

اردو کے ہندو شعراء، از جناب عبدالسلام خورشید تقطیع بڑی ضخامت ۹۰ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت معمولی قیمت مرقوم نہیں، پتہ:- مرکزی دفتر تحریک رفاقت پنجاب، ٹھنڈی سڑک لاہور،

جب تک ہندو مسلمانوں میں تقسیم زبان کا نعرہ بلند نہ ہوا تھا، اردو دونوں قوموں کی مشترکہ زبان سمجھی جاتی تھی، اور اس کی تعمیر اور ترقی میں دونوں کی کوششیں برابر کی شریک تھیں، چنانچہ اردو کی تاریخ کا کوئی دور ایسا نہیں ہے جس میں مسلمان شعراء اور ادیبوں کے ساتھ ہندو ادبا اور شعراء کی خاصی تعداد موجود نہ رہی ہو، تذکرہ نگاروں کی یہ فروگذاشت ایک حد تک ماننا پڑے گی، کہ انھوں نے تذکروں میں ہندو شعراء کو ان کے استحقاق سے کم جگہ دی، پھر بھی کوئی تذکرہ ہندو شعراء کے ذکر سے خالی نہیں ہے، مؤلف نے اس کتاب میں سترہویں صدی سے لے کر موجودہ دور تک کے ڈھائی سو سے اوپر اردو کے ہندو شعراء کے مختصر حالات لکھے ہیں، اور ان کے کلام کا نمونہ دیا ہے، معلوم نہیں انھوں نے موجودہ زمانہ کے صرف

ان شعراء کے تذکرہ پر کیون اکتفا کی، جو وفات پا چکے ہین، حالانکہ موجودہ شعراء مین اچھے اور ممتاز شاعرون کی بڑی تعداد ہے، مثلاً پنڈت وتاترید کیفی، پنڈت جگموہن ناتھ شوق رام پرشاد کھوسلہ ناشاد تلوک چند محروم، کرشن سہائے وحشی، شیام موہن لال جگر، اندرجیت شرما، پنڈت میلارام وفا، رگھوپتی سہائے فراق، انند نرائن ملا، بشیشر ناتھ منور، سورج نرائن مہر، اور سکھدیو پرشاد بسمل وغیرہ امید ہے کہ آیندہ اڈیشن مین اس فروگذاشت کی تلافی کر دیجائیگی،

باغ نشاط از دیوان پنڈت رادھے ناتھ کول تقطیع بڑی ضخامت ۱۰۰ صفحے کاغذ، کتابت وطباعت نفیس، قیمت مرقوم نہین، پتہ غالباً انڈین پریس الہ آباد سے ملے گی،

پنڈت رادھے ناتھ کول پرانی تہذیب کے اُن باوضع ہندوؤن مین ہین جس کے نمونے اب بہت کم باقی ہین، وہ پنجاب کے ایک قدیم کشمیری برہمن خاندان سے تعلق رکھتے ہین، جو علم و دولت دونون مین ممتاز رہا ہے، اب وہ الہ آباد مین متوطن ہوگئے ہین اردو شاعری کا ذوق ان کو بزرگون سے ترکہ مین ملا ہے، وہ ایک کہنہ مشق شاعر ہین، باغ نشاط ان کے کلام کا مجموعہ ہے، یہ مجموعہ ظاہری اور معنوی دونون محاسن سے آراستہ اور دو حصون مین تقسیم ہے، پہلے حصہ مین غزلین اور دوسرے مین قطعات مخمس، قصیدے تاریخین، اور دوسری اصناف شاعری ہین کلام کا عام رنگ عارفانہ اور اخلاقی ہے، غزلون مین بھی یہ رنگ نمایان ہے، اور دوسری اصناف کی نظمین تمامتر اخلاقی صوفیانہ، اور حکیمانہ ہین، خیالات کی متانت و سنجیدگی اور مشق کی پختگی کل نظمون مین مشترک ہے، اس اعتبار سے اس مجموعہ کو شاعری کے بجائے اخلاق و تصوف کی کتاب کہنا زیادہ موزون ہے، کتاب مین ہندوستان کے متعدد مشاہیر اور ادیبون کے قلم سے شاعر کے حالات اور اس کے کلام پر نقد و تبصرے ہین، امید ہے کہ یہ مجموعہ اصحاب مذاق خصوصاً اردو کے بہی خواہون مین قدر کی نگاہون سے دیکھا جائے گا،

"م"

جلد ۵ ماہ رمضان المبارک ۱۳۶۵ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۴۶ء عدد ۲

مقالات

شذرات	شاہ معین الدین احمد ندوی	۸۲ - ۸۴
مرزا بیدل کیا عظیم آبادی نہ تھے؟	سید سلیمان ندوی،	۸۵ ۹۵
اسلامی نظریۂ سیاست	مولانا حیدر زمان صاحب صدیقی فاضل دیوبند پٹھان کوٹ،	۹۶-۱۲۰
رفع خوف وحزن،	ڈاکٹر میر ولی الدین ایم اے پی ایچ ڈی استاذ جامعہ عثمانیہ،	۱۲۱-۱۲۹
مثنوی گلزار نسیم کے ماخذ	جناب سید ظہور حسن صاحب رام پوری	۱۳۰،۱۳۹
سیام کے مسلمان	جناب طاہر دلاور حسین صاحب ناظم جمعیۃ الاسلام بینکاک، سیام،	۱۴۰،۱۴۲

ادبیات

سیل تخیل	جناب شفق جوالاپوری	۱۴۳
گلبانگ سرخوشی	جناب سید انور کرمانی،	۱۴۴
خشر جذبات،	جناب ثاقب کانپوری	"

باب التقریظ والانتقاد

"مجمع فواد الاولی للغۃ العربیہ"	مولانا محمد ناظم صاحب ندوی استاذ ادب دار العلوم ندوہ،	۱۴۵ - ۱۵۴
مطبوعات جدیدہ	"م"	۱۵۵ - ۱۶۰

شذرات

فلسطین سے انگریزوں کے اتنے مختلف اغراض وابستہ ہیں، اور اس سے متعلق ان کے سامنے اتنے پیچیدہ مسائل ہیں کہ اس کا حل ان کے لئے دشوار ہوگیا ہے، وہ اپنے ذاتی مصالح کی بنا پر بھی فلسطین کو نہیں چھوڑ سکتے، اور یہودیوں کی دولت و ثروت، ان کے غیر محدود وسائل، ان کی قوت اور سینہ زوری اور امریکہ کے دباؤ سے بھی ان کی حمایت پر مجبور ہیں، لیکن مجاہد عربوں کا دبانا بھی آسان نہیں ہے، انھیں نظر انداز کر دینے سے نہ صرف فلسطین میں امن و سکون قائم نہیں رہ سکتا، بلکہ سارے عرب ممالک میں انگریزوں کے خلاف سخت برہمی پھیل جائے گی، اور عربوں کی مخالفت سے مشرق وسطیٰ میں روسی اثرات کا خطرہ جو پہلے سے موجود ہے، زیادہ نازک صورت اختیار کرلے گا، اس کے انسداد کے لئے مصر و سویز سے انگریزی فوجوں کے ہٹنے کے بعد فلسطین ہی میں مورچہ قائم کیا جا سکتا ہے، شرق اردن کی "آزاد حکومت" کو آزادی کی سند بھی اسی غرض کے لئے دی گئی ہے،

ان مشکلات کو حل کرنے کے لئے برطانوی اور امریکی ماہرین کی کمیٹی نے سفارش کی ہے، کہ فلسطین کو عرب اور یہودی صوبوں میں تقسیم کرکے ان کا وفاق قائم کیا جائے، اور مرکز میں انگریزوں کی زیر نگرانی ان کی اور عرب و یہودیوں کی مشترک حکومت ہو، گو ابھی یہ صرف سفارش ہے، لیکن یقین ہے کہ رسمی کارروائیوں کے بعد انھی بنیادوں پر فلسطین کا مسئلہ حل کیا جائے گا،

اس سے قطع نظر کہ فلسطین جیسے چھوٹے علاقہ کی تقسیم جو شکل سے ہندوستان کے ایک ضلع کی برابر ہے، اور وہاں وفاقی حکومت کا قیام کہاں تک مناسب ہے، یہ تجویز عربوں کے مفاد کے سراسر خلاف ہے، اور اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ فلسطین میں امریکہ اور برطانیہ کی زیر نگرانی یہودی

ریاست کی بنیاد قائم کرکے عربون کی قوت کمزور کردی جائے، چنانچہ مجوزہ دستور مین اصل اختلافی مسئلہ یعنی فلسطین مین یہودیون کے داخلہ کو مستقل کردیا گیا ہے، اس بارہ مین وفاقی حکومت کے اختیارات حسب ذیل ہون گے :-

"مرکزی حکومت صوبائی حکومت کی مرضی کے خلاف یہودیون کے داخلہ کے معاملات مین دخل نہ دے گی، اور اتنے ہی یہودیون کے داخلہ کی اجازت دے گی، جتنی کہ صوبائی حکومت خواہش کرے گی، عرب صوبہ کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنے صوبہ مین یہودیون کو نہ داخل ہونے دے، لیکن یہودی صوبہ کو عام حالات مین اختیار ہوگا، کہ وہ جتنے یہودیون کو چاہے اپنے صوبہ مین داخلہ کی اجازت دیدے"

ہاوس آف کامنس کے لیڈر اور موجودہ قائم مقام وزیر اعظم سر رابرٹ مارین نے اس کی مزید وضاحت کی ہے کہ

"صوبائی خود مختاری کی اس تجویز کے ذریعہ فلسطین مین یہودی مہاجرین کا داخلہ بہت آسان ہوجائے گا، گو داخلہ کی نگرانی مرکزی حکومت کرے گی لیکن اس نگرانی کی بنیاد صوبائی حکومت کی سفارش پر ہوگی، اور جہان تک صوبہ کے معاشی حالات ان کی اجازت دین گے وہان تک مرکزی حکومت صوبائی حکومت کی سفارش پر عمل کرے گی"

گویا اس مجوزہ دستور مین یہودیون کے داخلہ کو باضابطہ قانونی شکل دیدی گئی ہے، اس لئے کہ یہودیون کو اپنے صوبہ مین اپنے ہم جنسون کو آباد کرنے کا پورا اختیار ہوگا، مرکزی حکومت گو بظاہر عرب یہود اور انگریزون مین مشترک ہوگی، لیکن درحقیقت انگریزون کی نگرانی مین ہوگی، یہودیون کی دولت اور ثروت کے سامنے معاشی مشکلات کا سوال ہی نہین پیدا ہوسکتا، اس لئے اس دستور کی رو سے یہودیون کے لئے فلسطین کا دروازہ بالکل کھل جائے گا، اور اس وقت جو تھوڑی بہت رکاوٹ ہے وہ بھی جاتی رہیگی

اسی کے ساتھ عربون کے پھانسنے کے لئے زرین دام الگ بچھایا جارہا ہے، چنانچہ ایلگزامریکی کانفرنس نے عرب ممالک کی ترقی کی اسکیمون کو عملی جامہ پہنانے کے دلفریب نام سے امریکہ کی حکومت سے

تیس لاکھ ڈالر کی سفارش کی ہے، جس مین سے پچیس لاکھ عربی ممالک کی اقتصادی ترقی کے لئے بطور قرض دیئے جائین گے، اور پانچ لاکھ کا عطیہ خالص فلسطین کے عربون کی فلاح وبہبود پر صرف کیا جائے گا، یہ گویا فلسطین کی قیمت ہے، لیکن عرب اس قسم کی امداد واعانت کے نتائج بہت بھگت چکے ہین، اب وہ اس فریب مین نہین آسکتے،

فلسطین کے مسئلہ کے حل کی اس کے سوا کوئی صورت نہین ہے، کہ اسے عربونکا وطن مان کر یہودیون کا داخلہ بالکل بند کردیا جائے، اب دنیا کے حالات ایسے ہین، کہ برطانوی شہنشاہیت کو نہ فریب سیاست بچاسکتا ہے، نہ امریکہ کی امداد واعانت اور نہ یہودیون کا سرمایہ، اگر کسی شکل مین برطانوی حکومت کا وجود باقی رہ سکتا ہے، تو صرف سچائی اور اخلاص کے ساتھ دوسری قومون اور ملکون کے اعتماد کے ذریعہ،

آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے شائع کردہ ایک پمفلٹ سے یہ معلوم کرکے مسرت ہوئی کہ اس کی زیر نگرانی ادارہ تحقیقات علوم اسلامیہ کا قیام عمل مین آگیا، اس کی مجلس انتظامیہ بھی بن گئی ہے، کانفرنس نے ادارہ کے کامون کی ابتدا کے لئے اس سال کے بجٹ مین دس ہزار کی رقم منظور کی ہے، سات ہزار کتابون کا ایک کتبخانہ اور نادر قلمی کتابون کا معتدبہ ذخیرہ بھی فراہم ہوگیا ہے، لیکن ادارہ کے پیش نظر جو عظیم الشان کام ہین، اُن کے لئے یہ رقم کوئی حقیقت نہین رکھتی، اس لئے اس کے محترم صدر نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمن خان شروانی نے قوم سے پانچ لاکھ کی اپیل کی ہے،

ادارۂ مذکور بشرطیکہ اپنے مجوزہ نقشہ کے مطابق قائم ہوجائے، مسلم یونیورسٹی یا میڈیکل کالج سے کم اہم نہین ہے، جس قوم نے اس کے لئے دو سال کے اندر پچاس لاکھ کی رقم مہیا کردی کیا وہ پانچ لاکھ کی رقم ادارہ کے لئے فراہم نہین کرسکتی، اگر اس کے لئے بھی پوری جدوجہد کی جائے، تو یہ رقم آسانی کے ساتھ چند دنون مین جمع ہوسکتی ہے، لیکن صرف اپیل سے کام نہین چل سکتا، یہ دیکھ کر البتہ تعجب ہوا کہ ارکان انتظامی کی طویل فہرست مین علوم اسلامیہ کے ماہرین کے صرف دو چار ہی نام ہین اور اگر دینی علوم کو بھی علوم اسلامیہ مین شامل سمجھا جائے، تو یہ تعداد اور بھی گھٹ جاتی ہے،

مقالات

مرزا بیدل کیا عظیم آبادی نہ تھے؟

مرزا عبدالقادر بیدل ۱۰۵۴ھ مین پیدا ہوے، اور ۱۱۳۳ھ مین دلی مین وفات پائی، ان کو طاہر نصرآبادی نے اپنے تذکرہ مین جس کو اس نے ۱۰۸۳ھ مین بیدل کی زندگی مین ایران مین بیٹھکر ترتیب دیا لاہوری لکھا ہے،

بندرابن خوشگو جس نے بیدل سے ان کی آخر زندگی مین دلی مین بارہا ملاقاتین کی ہین، ان کو اکبرآبادی الوطن لکھا ہے، میر غلام علی آزاد نے جو بیدل کی وفات کے وقت، ابرس کے تھے، اور جن کے سامنے خوشگو کا بیان موجود تھا[1] اپنے تینون تذکرون، ید بیضا، سرو آزاد، خزانۂ عامرہ مین ان کی جاے پیدایش تصریح کے ساتھ پٹنہ عظیم آباد لکھی ہے، سب سے عجیب بیان مجموعۂ نغز کے مصنف میر قدرت اللہ قاسم کا ہے، جس نے اپنا تذکرہ ۱۱۷۲ھ مین ختم کیا ہے، اس نے بیدل کو بخاری المولد بتایا ہے، اعلیٰ قلی ہدایت نے جس کا تذکرہ ریاض العارفین ۱۲۶۰ھ مین ترتیب پایا ہے، ان کو دہلوی لکھا ہے،

ان بیانات پر نظر ڈالنے سے بیدل کے مولد و منشا کی تعیین مین بڑا اختلاف نظر آتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ بیدل اپنی زندگی کے مختلف حصون مین مختلف شہرون مین اقامت پذیر رہے، اس لئے ہر ایک نے ایک مقام کی طرف انھین منسوب کر دیا، بخاری المولد کہنا البتہ صحیح نہین ہے، کہ وہ ان کے آبا و جدا

---

[1] ونسل لائبریری پٹنہ مین سفینۂ خوشگو کا جو نسخہ ہے وہ آزاد بلگرامی کی ملک مین رہ چکا ہے، اس پر ان کے دستخط ثبت ہین،

کا مولد ہو تو ہو، مگر ان کا تو قطعاً نہیں، نصر آبادی کے اس بیان کی کہ بیدل لاہوری تھے، خوش گو نے اپنے سفینہ میں اسی زمانہ میں تردید کر دی تھی لیکن خود خوشگو کا یہ بیان کہ بیدل اکبر آبادی الوطن تھے، اس تصریح سے خالی ہے کہ اکبر آباد ان کی جاے پیدائش بھی تھی، ہو سکتا ہے کہ ان کے بزرگوں نے ترکستان چھوڑنے کے بعد اکبر آباد کو وطن بنایا ہو، لیکن بیدل کی پیدائش وہاں نہیں ہوئی، کیونکہ ہر موطن کا مولد ہونا ضروری نہیں، ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ بیدل کا مولد و منشا صوبہ بہار تھا جس کا دار الحکومت عظیم آباد پٹنہ تھا، اور ہے، اس دعوی کی شہادت میں اولاً میر غلام علی آزاد جیسے محقق کا بیان ہے جس نے تین تین جگہ اس کی تصریح کی ہے، ثانیاً خود بیدل کے اشارات ہیں جن سے قیاس میں یہی آتا ہے کہ ان کا مولد و منشا، یا کم از کم ان کی طفولیت اور آغاز شباب کا زمانہ بہار ہی میں گذرا ہے، چنانچہ میر غلام علی آزاد مدیہ بیضا میں لکھتے ہیں :-

"اصلش از قوم ارلاس[1] در بلدۂ پٹنہ متولد شد و بہندوستان نشو و نما یافت"

سرو آزاد میں ہے :-

"از نژاد قوم ارلاس است، در بلدۂ عظیم آباد پٹنہ از نہان خانۂ عدم بشہرستان وجود خرامید و در ہندوستان نشو و نما یافت"

خزانۂ عامرہ کی عبارت یہ ہے :-

"اصلش از گروہ ارلاس در بلدۂ عظیم آباد پٹنہ از شبستان عدم بہ صبح کدۂ ہستی در رسید و در بلاد ہندوستان نشو و نما یافت، و در جگر لہ بشیر بسری کرد"

عبد الوہاب افتی نے بھی اپنے تذکرہ بے نظیر میں اپنے استاذ آزاد کی تقلید میں اُن کو عظیم آبادی کہا ہے،

بیدل کی کچھ جوانی کا اور بڑھاپے کا بڑا حصہ دہلی میں گذرا، اور وہیں وفات بھی پائی، اس لئے

---

[1] ایک ترک قبیلہ،

اگر کسی نے انھین دہلوی کہا تو اعتراض کا موقع نہین ہے، بیدل بطریق سیاحت لاہور بھی جاتے رہے ہون، جیساکہ باباحسن ابدال ان کا جانا خود چہار عنصر مین ہے جس کے راستہ مین لاہور پڑتا ہے، لاہور کا آخری سفر اپنی وفات سے دو سال پہلے کیا تھا، ۱۱۳۱ھ مین جب سادات بارہہ نے فرخ سیر کے ساتھ زیادتی کی تو بیدل نے اس کی تاریخ "سادات بوے نمکحرامی کردند" کہی، اور اس کی شہرت ہوئی، تو بیدل نے دہلی سے بھاگ کر لاہور عبدالصمد خان ناظم لاہور کے یہان پناہ لی، اور سال دو سال بعد سادات کے فتنہ کے فرو ہونے کے بعد پھر دہلی لوٹ آئے، اور وہین ۱۱۳۳ھ مین وفات پاکر اپنے گھر کے صحن مین مدفون ہوے، اس بنا پر اگر ایران مین ان کے قیام لاہور کی خبر پہنچی، اور وہان کسی نے ان کو لاہوری لکھدیا، تو مغالطہ ہو سکتا تھا،

اصل اختلاف بیان خوشگو اور میر غلام علی آزاد کے درمیان ہے، اور دونون مصنفون کا زمانہ بھی قریب ہے یعنی بیدل کی وفات کے وقت خوشگو آدھیڑ ہون گے، تو آزاد نوخیز، اس لئے ان دونون کے بیانات مین تطبیق یون ہو سکتی ہے، کہ یہ مان لیا جائے کہ خوشگو کے بیان کے مطابق بیدل اکبرآبادی الوطن، اور آزاد کے بیان کے مطابق عظیم آبادی المولد تھے،

یہ بات کہ پٹنہ اُن کی جاے پیدایش تھی یا نہ تھی، خواہ مشتبہ ہی ہو لیکن اس مین کچھ شبہہ نہین، کہ انھون نے اپنا ایک اچھا خاصا زمانہ پورب کے شہرون اور قصبون مین گذارا، چنانچہ معتبر راوی خوشگو اپنے سفینہ مین رقم طراز ہے :-

"پس آنحضرت بطریق سیاحی روبہ مشرق نہاد، عزیمت فرمودہ مدتے در حدود ممالک بنگالہ[1] وبہار و اڑیسہ بآزادگی و بے تعینی بسر بردہ دشت و بیابان پیمودہ عجائب قدرت الٰہی تماشا نمودہ اکثر از خصوصیات آن ہنگام در چہار عنصر نگاشتہ قلم راست رقم اوست و ہم دران ایام بسیار نعمت درویشی نیز نصیب او گردید، از آنجا بتکلیف پیر کامگار بہندوستان رسید و چند سال

---

[1] بنگالہ،

اکبرآباد اقامت ورزید، و باز بدارالخلافۃ شاہجہان آباد رسیدہ کنج عزلت گزید"

خوش گو کی اس عبارت سے ظاہر ہے، کہ بیدل ایک مدت تک پورب مین رہے، اس لئے اُن کا عظیم آبادی مشتہر ہونا بے اصل نہین ہے، اب ہم ان کی کتاب چہار عنصر سے ان شہرون کا پتہ لگاتے ہین، جہان جہان ان کا قیام رہا یا ان کی آمد و رفت رہی، اور اس سلسلہ مین خود ان کے کچھ ذاتی حالات بھی زیر قلم آئین گے،

بیدل صوفی منش اور مشائخ اور بزرگون کی ملاقات کے مشتاق رہتے تھے، ان کی تصنیفات مین چہار عنصر[1] ان کے صوفیانہ ذوق و شوق اور نکتہ شناسی اور بزرگون کی ملاقاتون اور باتون کے تذکرون سے معمور ہے، بیدل کے والد قادری المشرب تھے، اور حضرت قطب ربانی شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی روحانیت سے فیضیاب تھے، اور عجب نہین کہ انھون نے اپنے بیٹے کا نام عبدالقادر اسی مناسبت سے رکھا ہو، بیدل لکھتے ہین،

"تلقین والد شریف فقیر از روح مقدس حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ بوساطت آن ذات تقدس آیات بود (ص ۳۰۱)

بیدل کے چچا مرزا قلندر بھی اسی چشمہ سے فیضیاب تھے،

"مرزا قلندر عم من از نسبت ہم رنگیش کلاہ مباہات بر عرش عزت می سود آوازہ سلسلہ قادریہ از رسائی قدرتش مشتہر گردون کمندے و پایہ مدارج سلوک باستقامت ہمتش مفتخر سربلندی (ص ۳۰۱)

بیدل کا آبائی پیشہ سپہ گری تھا، باپ کا انتقال تو ان کے بچپن مین ہو چکا تھا، مگر چچا کا سایہ مدت تک اُن کے سر پر رہا، اور انہی کی تربیت مین یہ پل کر جوان ہوئے اس لئے سپاہیانہ اور صوفیانہ ذوق ترکہ

---

[1] کتاب مذکور نولکشور لکھنو مین چھپی ہے،

مین پایا، بیدل نے اپنے چچا کی شہزوری اور پرخوری ص ۳۳۳، اور اپنی شہسواری ص ۳۳۲ کے اور خوشگو نے اپنے سفینہ مین بیدل کی پرخوری کے واقعات لکھے ہین، جوانی مین اپنے صوفیانہ ورع و تقویٰ کی پردہ داری کے لئے سپاہیانہ ملازمت کا پیشہ اختیار کیا،

"ناچار تتبع سنت آبا کردیدو طریقہ سپاہ گزید تا طبیعت بہیچ خورسند از آفات تعین ورع چندے درسایہ تیغ امان داشتہ باشد، درجم غرور تقوی بسر داری، این وضع دامن ناموس بے تعینی نخراشد (ص ۳۳۰)

بیدل کو بچپن سے تعویذ و عملیات کا شوق تھا، اور اسی راہ سے وہ تصوف کے کوچہ سے آشنا ہوئے اور گو وہ موروثی طور سے قادری تھے، مگر اپنے علوم و معارف کے لحاظ سے ان پر نقشبندیت اور مجددیت کے اثرات غالب معلوم ہوتے ہین، وہ اپنی نثر و نظم مین جو نکتے بیان اور جن حقیقتون کو ظاہر کرتے ہین، وہ تمامتر وحدت شہود، ظہور اسماء و صفات تعین، بے تعینی، فنا، تجرد، استغنا، کے مضامین ہین، جو ان کے اشعار و نکات مین جا بجا آتے رہتے ہین،

بہرحال سپاہیانہ طور سے مختلف صوبون مین ملازمت کے خیال سے یا تجرد کے عالم مین بزرگون سے ملاقات کے شوق مین وہ مختلف شہرون مین پھرتے رہے ہین، ان کی مسافرت کا مغربی سلسلہ چچا عنصر کے تفحص سے باباحسن ابدال کے قصبہ پر جو پشاور کے قریب واقع ہے ختم ہوتا ہے، یہان اُن کے نیف تلقین سے ایک جوگی جو وحدت شہود کے مسلک مین ان کا ہم عقیدہ تھا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا قائل ہوکر اسلام لایا، اور ان کی سیاحت کا مشرقی نقطہ اڑیسہ کا شہر کٹک ہے، جہان اوس زمانہ مین مولانا یعقوب چرخی کے پوتے خاندوران سید محمود صوبہ دار تھے (ص ۳۴۹)

بیدل کے سفر کے مقامات مین مغرب مین باباحسن ابدال اور پورب مین اڑیسہ کے علاوہ زیادہ تر یوپی اور بہار کے شہر اور قصبے ہین، متھرا اور بندرابن مین کئی سال رہے ہین، اکبرآباد آئے گئے ہین، اور بہار

کے مختلف شہرون مین اُن کی آمد و رفت رہی ہے، مگر از تمام مقامات پر اشتقصار کی نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ بچپن سے جوانی تک ان کا تعلق زیادہ تر بہار سے رہا اور جوانی سے بوڑھاپے تک اور اخیر زمانہ دہلی مین گذرا،

اوپر گذر چکا کہ ان کے والد اور چچا قادری المشرب صوفی تھے، مگر یہ فیض ان کو بہار ہی مین ایک شیخ وقت سے حاصل ہوا، بیدل نے عنصر اول مین اپنی ظاہری و باطنی ابتدائی تعلیم کا حال اس طرح بیان کیا ہے:-

"وہ بچہ ہی تھے، کہ ان کے والد نے وفات پائی، ماں نے اپنے بچہ کو چھٹے سال چھٹے مہینے (رجب مین) پڑھانے کو بٹھایا، دسویں برس کی عمر مین قرآن پاک ختم کرکے فارسی نظم و نثر اور عربی صرف و نحو کی کتابین تمام کین، اور یہی ان کی رسمی تعلیم کی آخری حد ہے، اس کے بعد جو کچھ پایا وہ معلم فطرت کی تعلیم کا نتیجہ ہے (ص ۳۰۰ و ص ۱۰۴)"

اس ظاہری تعلیم کے اختتام کے بعد ہی، وہ صوبہ بہار کے ایک بزرگ شاہ کمال قدس سرہٗ کی خدمت مین پہنچ گئے، جو ان کے والد اور چچا کے پیر تھے (ص ۱۰۱)

"اکنون از کمال تعلیمی استادہ معنوی کہ بہ جمال توجہ شان نسخہ آرائے تفاصیل حقائق است، سطرے چند بی نگارد و ذکر صحبت فیض منقبت ایشان از مغتنمات توفیق بیان می شمارد، استفادہ صحبت صافی گوہر دریائے یقین رونق انجمن شرع مبین، ہادی عالم نیض، توفیق خضر، سرچشمہ رمز تحقیق، آئینہ حقائق تمثال، مولانا شیخ کمال کہ تلقین والد شریف فقیر از روح مقدس حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ بوساطت آن ذات تقدس آیات بود، مزار قلندر عظیم من از نسبت ہم جرگیش کلاہ مباہات بر عرش عزت می سود آوازہ سلسلہ قادریہ از رسائی قدرتش مشتہر گردون کمندی و پایہ مدارج سلوک باستقامت ہمتش، صفحہ سربلندی، حقیقت اخلاق از آئینہ سیمایش چون نور از آفتاب روشن و معنی عظمت از دفتر سراپایش چون

رفعت از افلاک میبرین، ہم در آداب قواعد شریعت نسق زمانہ وہم در علوم ارشاد طریقت استادیگانہ ..... در ممالک بہار بہ یمن نگاہ ہدایت پناہ جمیع از وادی ضلالت در گذشتند و موصول سرمنزل توفیق صلاح گشتند..... (ص ۳۰۳)

اس عبارت سے ظاہر ہے کہ بیدل کے والد بزرگوار جو بیدل کے بچپن ہی میں جب وہ چھ برس کے بھی نہ تھے، وفات پا چکے تھے، اور ان کے والد حضرت شاہ کمال بہاری کے صحبت پروردہ تھے اور ان کے چچا مرزا قلندر بھی جو بعد کو اپنے یتیم بھتیجے کے ولی تھے، انہی بزرگ کے خوشہ چین تھے۔

یہ بزرگ کہاں رہتے تھے، بیدل کے یہاں سے صاف نہیں معلوم ہوتا، مگر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سرائے بنارس بہار میں ایک مقام تھا، یہاں ان کا قیام تھا۔

"سرائے بنارس کہ موضعے است از نواح ممالک بہار (ص ۳۰۰)

سرائے بنارس نام کا کوئی مقام مجھے ابھی تک معلوم نہیں ہوا،

آگے چل کر لکھتے ہیں :-

"مرزا قلندر راچندے در قصبہ رانی ساگر کہ بین قوطن مولانا شیخ کمال افتخار مدینۃ الاولیا داشت، اتفاق اقامت بود ..... از بنارس تا رانی ساگر فرسخے بیش نبود" (ص ۳۰۰)

یہاں چھپا ہوا بنارس ہے مگر غالباً صحیح سرائے بنارس ہے، جس کا ذکر پہلے گذرا، مرزا قلندر رانی ساگر جا کر شیخ کے پاس مہینوں مقیم رہتے تھے (ص ۳۰۲) رانی ساگر میں خوشنما تالاب تھا (ص ۳۰۳)

بیدل شیخ کمال کی صحبتوں سے آغاز شباب ہی سے مانوس تھے، اور چچا کے ساتھ اس بارگاہ قدس میں پہنچتے تھے، اور ان کے معارف وحقائق سے بہرہ مند ہوتے تھے، (۳۱۵)

رانی ساگر صوبہ بہار میں آرہ شاہ آباد سے اٹھارہ میل اور پٹنہ سے پچاس ساٹھ میل پچھم اب بھی آباد ہے اور تالاب بھی موجود ہے، یہی وہ مقام ہے، جہاں بیدل کے باپ اور چچا نے تلقین کا فیض پایا، اور بیدل

کے دل و دماغ نے وہاں سے آبیاری پائی، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ بیدل کا مولد اگر پٹنہ نہ بھی ہو تو ان کا منشا یعنی ان کی ابتدائی نشو و نما کی جگہ بہار ہی کا کوئی مقام ہے،

شاہ کمال صاحب قدس سرہ سے ایک اور ملاقات کا ذکر بہار کے قصبہ آرہ مین جواب ضلع ہے بیدل نے کیا ہے،

"در آیام کہ قصبہ آرہ اقامتگاہ مرا اتفاقی بود، ادیم افسر زمین سبیل قدمش رائحہ سعادت می اندوخت" (ص ۳۱۹)

دوسرے حلقہ شوق کے ساتھ مرزا قلندر بھی شاہ صاحب کے ہمرکاب تھے،

"خصوص مرزا قلندر کہ در سرمن موے زبانے داشت، مرہون ستایش کمالش، و در ہر جنبش نفس بیانی مصروف تذکرہ احوالش" (ص ۳۱۹)

سنہ ۱۰۷۱ھ مین جس سال شاہ شجاع نے شاہ جہان کی بیماری کے زمانہ مین بنگال اور بہار مین اپنی سلطنت کا علم کھڑا کیا، بیدل پٹنہ مین یا پٹنہ کے پاس ہی کہین مقیم تھے، اوس زمانہ مین اس ملک کی جو کیفیت تھی، اور آس پاس کے راجے اور زمیندار جس طرح ملک مین ہنگامہ برپا کر رہے تھے، اور اس سے ملک مین جو بدامنی پیدا ہو رہی تھی، اور راستے جیسے خطرناک ہو گئے تھے، اس کا پورا حال عنصر چہارم مین کئی صفحون مین لکھا ہے، اور صوبہ بہار و پٹنہ کا حال جس طریقہ سے لکھا ہے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس صوبہ سے پوری طرح آشنا تھے، اور یہان کے نہ صرف شہرون بلکہ گاؤن سے بھی واقف تھے، بلکہ کہین کہین جاکر رہے بھی تھے، لکھتے ہین،

"سالے کہ شاہ شجاع بن شاہ جہان بیماری پدر را سکۂ مضمون سلطنت اندیشیدہ از خطۂ بنگالہ تا سرحد ممالک بہار..... و از انجملہ تسخیر نواح ترہت کہ شمالی حدود پٹنہ ملکے است عظیم و کوہستانی مشتمل بر چندین عقبات (ص ۵۵)

شاہ شجاع کی طرف سے بیدل کے چچا مرزا قلندر کے ایک عزیز مرزا عبداللطیف ترہت مین فوج کے افسر تھے، (ص ۵۵۱) بیدل بھی ترہت مین کمین رہ نورد تھے، ایک مقام پر پہنچے جس کا نام چاند چور بتایا ہے، اور وہان کے عجائبات خیالی کا ایک واقعہ حوالۂ قلم کیا ہے (ص ۵۵۲) اور آخر وہ کسی طرح،

"بسواد امن آباد پٹنہ رسید" (ص ۵۵۲)

ایک اور موقع پر پٹنہ کا ذکر کرتے ہین،

در بلدہ پٹنہ وفاق معارف اتفاق مرزا ظریف (ص ۵۵۵)

پٹنہ سے پچاس ساٹھ کوس دریاے گنگا کے اوس طرف مظفر پور اور موتیہاری کے بیچ مین مسی نام ایک قصبہ تھا جو اب بھی ہے، اس قصبہ مین بیدل کے چچا مرزا قلندر کبھی سکونت پذیر تھے، اور بیدل ان کے ساتھ تھے،

(سنہ ۱۰۶۶ھ) سنہ ۱۰۶۰ھ مین جب شاہ شجاع کا ہنگامہ سرد پڑ رہا تھا، مرزا قلندر نے اسی مسی کے راستہ سے بنگال کا رُخ کیا اور اپنا سامان واسباب یہین چھوڑ دیا، (۵۶۶)

مسی مین اس وقت کوئی بزرگ خواجہ شاہ محمد تھے، ان کے تابعون مین جان محمد تھے، انہی کے پڑوس مین مرزا قلندر کی سکونت تھی، (ص ۵۶۶)

اسی بدامنی کے زمانہ مین بیدل کو اس قصبہ مین جانے کی ضرورت پیش آئی (ص ۵۶۶) جمعیت کے بجاے تنہا ایک ملازم کو لیکر پا پیادہ چل پڑے، پیادہ چلنے کی عادت نہ تھی، راہ مین بے حد تکلیف ہوئی، گنگا سے پار اُتر کر تین کوس ہی گئے تھے، کہ تھک گئے، کسی طرح جمنا پور تک پہونچے، پھر تین کوس اور چلے تھے، کہ بالکل بے بس ہو کر پڑ گئے، اتنے مین دیکھا کہ ایک پیر مرد ایک گھوڑی پر سوار سامنے آئے، قریب آکر بڑی گرمجوشی سے سلام کیا، اور اس تباہ حالی کے ساتھ سفر کا سبب دریافت کیا بیدل کے وہ پرانے ملنے والے تھے، مگر بیدل ان کو پہچان نہ سکے، اُنھون نے کہا،

"من جان محمد م از تابعان خواجہ شاہ محمد کہ در نسبی با مرزا قلندر شش نسبت ہمسایگی دیوار

بدیوار است" (ص ۵۶۶)

انھون نے بڑے اصرار کے ساتھ بیدل کو اپنی گھوڑی پر سوار کیا، اور خود پیادہ ساتھ ہوئے اور

دونون مسی کی طرف چلے،

"ہنگام نماز عصر محل تردد بسواد معمورۂ مسی رسید، پیرانت تخمیر بر دروازہ خواجہ شاہ محمد

ایستادہ بود" (ص ۵۶۶)

لوگون کو بیدل کی آمد کی خبر ہوئی، تو سب خوش ہوے،

"فردائے آن کہ پسران خواجہ برسم قدیم صحبت فقیر دریافتند" (ص ۵۶۶)

ان لفظون کو پھر پڑھئے کہ خواجہ صاحب کے لڑکون نے رسم قدیم کے مطابق بیدل سے ملاقات کی، اور

صحبت رہی۔ رقعات بیدل کے آخر مین ایک رقعہ بہار کے کسی بزرگ کے نام کا ہے جس کا آغاز ان

لفظون سے ہوا ہے،

"نعیم عیش صوبہ بہار میارکبا و قبلہ آرزوے بیدلان ہرچند عبودیت قدیم ہیچ جاے ازادے

خدمات سر برنمی آرد"

ان اقتباسات اور حالات سے ظاہر ہوگا کہ بیدل کو صوبہ بہار سے مورد ثی تعلق تھا، اور اگر

اس کو عظیم آبادی کہنے مین تامل ہو تو بہاری کہنے مین تو مطلق تامل نہین، اور اکثر قصباتی لوگ بہاری

کے بجاے عظیم آبادی ہی کہلاتے ہین،

آخر مین عظیم آباد پٹنہ کے شرفا کی زبان پر بیدل کے متوطن عظیم آباد ہونے کی جو کہانی سینہ بسینہ

نقل ہوتی چلی آئی ہے، ہم اس کو ذکر کرتے ہین، شاد عظیم آبادی اپنی تاریخ صوبہ بہار مین جس کو انھون نے

۱۳۰۸ھ مین لکھا ہے، لکھتے ہین :-

"مرزا عبد القادر تخلص بیدل خاص عظیم آباد پٹنہ کے متوطن تھے، نا قدر دانیٔ ابنائے روزگار کے سبب سے وطن کو چھوڑ کر عہد دولت شاہجہان مین دلی گئے، اور وہان نہایت معزز و مکرم ہوئے، ..... اگلے لوگون سے سنا ہے کہ مرزا محلہ پٹن ڈیوی مین رہتے تھے لیکن کسی تاریخ مین نہین دیکھا" (ص ۲۲۰)

چہار عنصر مین میری تلاش مین دو دفعہ اکبر آباد کا ذکر آیا ہے،

"در بلدۂ اکبر آباد منظور ابرار امیر کامگار کہ بدلیل سعادت ازلی اوقات گرامی مصروف خدمت فقرا داشت، و در احترامیکہ لائق حال این طائفہ است ..... بحکم حسن اعتقاد فقیر انیز ازین فرقہ تصور فرمودہ (ص ۴۹۲)

دوسرا موقع :-

"تا بستانے در گوشۂ ارزوایاے اکبر آباد گرمی ہاے صحبت تنہائیم، بساط عافیتے پرداختہ بود" (ص ۵۴۹)

مگر اُن کے ان فقرون مین سے کسی سے بھی بوے وطن نہین آتی،

کلیاتِ شبلی اردو

مولانا شبلی کی تمام اردو نظمون کا مجموعہ جس مین مثنوی صبح اُمید قصائد جو مختلف مجلسون مین پڑھے گئے اور وہ تمام اخلاقی سیاسی، مذہبی، اور تاریخی نظمین جو کان پور، ٹرکی، طرابلس، بلقان مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہین یہ نظمین درحقیقت مسلمانون کی چل سالہ جد وجہد کی ایک مکمل تاریخ ہے۔

قیمت :- عہ سر

"منیجر"

اسلامی نظریۂ سیاست

از

جناب مولانا حید رزمان صاحب صدیقی، فاضل دیوبند، ٹھانکوٹ

"موجودہ بین الاقوامی کشمکش اور عالمگیر بدامنی کے تین بڑے اسباب ہیں، ایک جغرافی حدود اور نسلی اعتبار سے قوموں کی تقسیم اور ان میں باہم تفوق و برتری کا جذبہ، دوسرے اخلاق و روحانیت سے محروم غیر عادلانہ نظام حکومت، تیسرے مختلف قوموں اور طبقوں میں دولت کی غیر مساوی تقسیم، انہی خرابیوں نے دنیا کو امن و سکون سے محروم کر رکھا ہے، بڑے بڑے عقلاء اور مفکرین امن عالم کی تدبیریں کرتے ہیں لیکن کوئی کامیابی نہیں ہوتی، اور جب تک ان بنیادی خرابیوں کی اصلاح نہ ہوگی، دنیا کو امن و سکون نصیب نہیں ہو سکتا، بہت سے مسلمان علماء و مفکرین نے بھی ان مسائل کے متعلق اسلامی نقطۂ نظر کو پیش کیا ہے، اس مضمون میں بھی اسلامی سیاسیات پر بحث کی گئی ہے، ایسے مضامین میں عموماً یہ بے اعتدالی پائی جاتی ہے، کہ ان میں اسلامی سیاست کو اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت و سیاست ہی اسلام کا نصب العین ہے، حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ اسلام کا اصل مقصد توحید الٰہی، ایمان و عمل، تزکیۂ اخلاق، اور تجلیۂ روح وغیرہ ہے، حکومت و سیاست تو اس کا ایک نتیجہ اور اسلامی قوانین کے نفاذ کا ذریعہ اور وسیلہ ہے جسے غلطی سے اصل قرار دیدیا جاتا ہے، گو یہ مضمون بھی الفاظ کی بے احتیاطی سے یکسر پاک نہیں ہے تاہم اس میں بڑی حد تک صحیح اسلامی نقطۂ نظر کو پیش کیا گیا ہے، اس لئے اس کو شائع کیا جاتا ہے"

اسلام کا تصور اجتماع نفس جذبۂ اجتماعیت انسان کی اصل سرشت میں داخل ہے، اس لئے یہ کہنا کچھ مشکل نہیں کہ جذبۂ اجتماع کسی جدید داعیۂ انسانی کی پیداوار نہیں بلکہ انسانی فطرت کا ایک جزو لاینفک ہے، یہ دوسری بات ہے کہ مختلف انسانی وحدتیں محرکات اجتماع واتحاد کے اعتبار سے متضاد نظریے رکھتی ہیں، ہر وحدت کا نظریۂ اجتماع دوسروں سے مختلف ہے، اور ہر نظریے میں ہر لحظہ تدریجی یا فوری تبدیلی کا امکان ہے، کیونکہ جب سے انسان نے انفرادیت سے اجتماعیت کی طرف قدم اٹھایا، تدریجی طور پر اس کے تصور اجتماع واشتراک میں تبدیلی پیدا ہوتی چلی گئی، اجتماعیت کا ہر نیا دور پہلے دور کی نسبت وسیع تر ہوتا چلا گیا، انسانی عقل وشعور کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ حیاتِ اجتماعی کے دائرے بھی بدلتے رہے، تاریخ کے ابتدائی دور میں اجتماع واتحاد کا تصور نہایت تنگ دائرہ میں محدود تھا، یعنی چند افراد کا ایک کنبہ بجائے خود ایک مستقل وحدت شمار ہوتا تھا، دوسرے دور میں جب کہ علائق میں نسبتہً توسیع پیدا ہوگئی، کنبہ سے آگے خاندان کا تصور پیدا ہوگیا، جو پہلے دور کی نسبت اک گونہ وسعت رکھتا ہے، اسی طرز پر قبیلوی علائق اور وطنی تعلق کی بنا پر افراد انسانی کے تصور اجتماع واتحاد میں پہلے کی نسبت توسیع ہوتی چلی گئی، نظریۂ اجتماع کی یہ وسعت درحقیقت انسان کی بڑھتی ہوئی ضروریات اور اس کے فکر ونظر کے تدریجی ارتقاء کا قدرتی ردِّعمل (ری ایکشن) ہے، مگر اس کی تشخیص اور حدبندی میں انسان کے ذاتی عواطف حب النفس اور غرض پرستی کے مکروہ جذبات کو بہت بڑا دخل ہے، یہی وجہ ہے کہ جذبۂ اجتماع اپنے اثر ونتیجہ کے اعتبار سے دنیا وانسانیت کے لئے ہمیشہ رنجدہ ثابت ہوا ہے، اگر اس کے منشاء کی تحدید قانون قدرت کے ماتحت ہوتی، تو عالم انسانی ان نامساعد واقعات وحوادث سے یقیناً محفوظ ہوتا،

قدرت الٰہی کا ہرگز یہ منشاء نہ تھا کہ اجتماعیت کے اس مقدس جذبہ کو رنگ ونسل کے امتیاز، خاندانی اور قبیلوی عصبیت لسانی اور ثقافتی اختلاف، وطنیت وقومیت کی تحدید اور امارت وغربت کی طبقاتی تقسیم کے لئے وقف کر دیا جائے، اور انہی بنیادوں پر افراد انسانی کی ہیئتِ اجتماعیہ کی تشکیل ہو

اور پھران غیر فطری محرکات و دواعی کی بنا پر عالم انسانی کو ہزارہا طبقوں میں تقسیم کر دیا جائے، یہانتک کہ ان خود ساختہ امتیازی خطوط کے نام پر جنگ و قتال کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جائے، غرض انسانوں نے اجتماعیت کے مقدس جذبہ کو قدرت کی حدود و اقدار کے ماتحت استعمال نہیں کیا، بلکہ اس کو ہوائے نفس کے خبث سے ملوث کر دیا،

یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ فیاضی، شجاعت، اور تمام ایسی صفات انسان کے لئے مایۂ عزو شرف ہیں، مگر ان کے غلط اور بے محل استعمال اور حد اعتدال سے متجاوز ہونے کی صورت میں یہی اعلیٰ صفات انسانی سوسائٹی کے لئے تباہ کن ثابت ہو سکتی ہیں، سرمایہ و دولت فی ذاتہٖ بری چیز نہیں لیکن اس کے ناجائز صرف میں ہزارہا ہلاکت آفرینیاں پوشیدہ ہیں، اسی طرح اجتماعیت کا داعیہ انسانی فطرت کا قدرتی نتیجہ ہے، مگر اس کے منشار کے تعیین و تحدید میں انسانی عقل نے ہمیشہ ٹھوکر کھائی ہے،

خالق ارض و سما نے جہاں انسان کو پیدا کیا، وہاں اس کی ہدایت و رہنمائی کے لئے ارسال رسل اور انزال کتب کا سلسلہ بھی شروع کر دیا ہے، اور ایسا ہی ہونا چاہئے تھا، کیونکہ خدائے قدوس کا علم انسانی فطرت کے تضاد داعیات کو محیط ہے، اور اسی کا بھیجا ہوا ضابطۂ حیات انسان کے انفرادی اور اجتماعی تقاضوں کو پورا کر سکتا ہے، خود انسان کی کم مائگی اور بے بسی کا تو یہ حال ہے کہ وہ خود اپنے ہی نفع و نقصان اور سود و زیان سے آگاہ نہیں، چہ جائیکہ وہ عالم انسانی کی اصلاح و بہبود کے لئے کوئی جامع دستور حیات مرتب کر سکے،

راہبر ہو ظن و تخمین تو زبوں کار حیات

گذشتہ جنگ و فساد اسی عقلیت محضہ کا نتیجہ ہے جس نے عالم انسانی کو اضطراب و بدامنی کے جہنم میں ڈھکیل دیا،

وبالعقل تزدحم العوم علی العشا فالعقل عند ی ان تزول عقول

اسلام جو ایک خدائی ضابطۂ حیات ہے، درحقیقت انسان کی طبعی حرکت کے نشو و نما مقتضا و فطرت کے انسداد و حیات انسانی کے متضاد و قوی مین توازن اور نظم و ضبط قائم رکھنے کے لئے ایک قانون طبعی اور جامع دستور حیات ہے، اور اس کے اصول و نظریات اٹل ناقابل تنسیخ اور غیر متبدل ہین، جب خالق کائنات نے انسان کو پیدا کیا، تو اس کو زندگی بسر کرنے کے لئے ہدایت و رہنمائی کی ضرورت محسوس ہوئی اس وقت انسان اول کو ان الفاظ مین یقین دلایا گیا،

اما یاتینکم منی ھدی فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون،

اس آیت مین "ھدی" کا لفظ اسی نظریۂ حیات کے لئے استعمال ہوا ہے، جو اسلام کے نام سے پہچانا جاتا ہے، اور یہی سب سے پہلا اور آخری خدائی لائحہ عمل ہے،

مگر انسان کچھ ایسا جدت طراز اور غرض پرست واقع ہوا ہے کہ وہ ہر چیز کو اپنے ذاتی مفاد کی عینک سے دیکھنا چاہتا ہے، کسی بات کے ذاتی حسن و قبح پر غور کرنے سے پہلے ہوائے نفس کی بارگاہ سے اجازت طلب کرنا ضروری خیال کرتا ہے، ظاہر ہے کہ جذبۂ نفسانیت کسی ایسے امر کو پسند نہین کرتا، جس مین اس کے لئے کوئی سامان راحت و تعیش موجود نہ ہو، اور نہ کسی پابندی کو برداشت کرسکتا ہے، تا وقتیکہ اپنے لئے فرار کا کوئی راستہ متعین نہ کرلے، یا اوس کو اپنے منشاء کے مطابق نہ بنالے ایک نبی کے بعد دوسرے نبی کی ضرورت اسی وقت پیش آتی ہے، جب کہ انسانون مین ہوائے نفس کے جذبات رذیلہ ترتیب پاکر انتہا تک پہنچ جاتے ہین یہانتک کہ خدا کے مقدس دین مین بھی، ردوبدل کرکے اس کو اہوائے نفس کے قالب مین ڈھال لیتے ہین،

فخلف من بعد ھم خلف	ان کے بعد ایسے لوگ کتاب اللہ کے
ورثوا الکتاب یاخذون	وارث بنے جو متاع دنیا پر ٹوٹنے لگے،
عرض ھذا الادنی ویقولون	اور دعوی یہ کہ ہمین مزید بخش
سیغفر لنا (اعراف - ۲۱)	دیا جائے گا،

فخلف من بعدھم خلف اضاعوا ان کے بعد ایسے نااہل ناخلف پیدا ہوے جنھوں
الصلوٰۃ واتبعوا الشھوات نے فریضۂ نماز چھوڑ دیا، اور خواہشات کی
(مریم - ۲) پیروی کرنے لگے،

ہر نبی کی آمد درحقیقت دین کے اخلاص اور تجدید و اصلاح کی غرض سے ہوتی ہے، اور دین میں غیر دین کی آمیزش سے جس قدر تحریف ہو جاتی ہے، نبی کا کام یہ ہے، کہ وہ اس کو ان آمیزشوں سے منقح اور صاف کرکے دنیا کے سامنے پیش کرے، اور اس کو اپنے ماننے والوں کے دلوں میں اتار دے،

یزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ان کو پاک کرتا اور ان کو کتاب و حکمت سکھاتا ہے،

یعنی تزکیۂ قلوب اور کتاب و حکمت کی تعلیم انبیاء علیہم السلام کا فریضۂ حیات ہے،

نبی کی عظیم الشان اور مقدس شخصیت نظری اور عملی دونوں قوتوں کی حامل ہوتی ہے، انسانوں میں فکری اور ذہنی انقلاب پیدا کرنے کے لئے اس کی پراسرار صلاحیتیں مشکل کو آسان اور ناممکن کو ممکن بنا دیتی ہیں اپنی دعوت حقہ سے دلوں کی اقلیم کو حیرت انگیز طریقوں پر فتح کر سکتا ہے،

تیغے کہ آسمانش از فیض خود دہد آب
تنہا جہان بگیرد، بے منت سپاہی

یہانتک کہ بہت تھوڑے عرصہ میں وہ اپنے ساتھ ایک زبردست، فعال اور سراپا عمل جماعت پیدا کر لیتا ہے، اس جماعت کے افراد میں مابہ الاشتراک وہ نظریۂ حیات ہوتا ہے، جو نبی کے توسط سے اس کو ملتا ہے، یہی وہ وصف خاص ہے، جو اس کو دوسروں سے ممتاز کرتا ہے، اور اسی کو طبعی یا فطری داعیۂ اتحاد کا نام دیا جا سکتا ہے،

سید الاولین والآخرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس وقت مبعوث کیا گیا، جب کہ تمام عالم انسانی پر جہالت و غوایت کے گھٹاٹوپ بادل چھا رہے تھے، ہر قوم اور قوم کا ہر فرد دین الٰہی سے کلیتہً بیگانہ ہو رہا تھا،

اور اس ساری کائنات میں خالص دین کا کہیں نام و نشان تک نہیں ملتا تھا، خدائی فلسفہ، اجتماع و سیاست اور صحیح طریق عبادت پر خود غرضی، جاہ پسندی اور ضلالت و گمراہی کے تہ در تہ پردے پڑے ہوئے تھے، حریت و آزادی، و جمہوریت و مساوات کے نام سے بھی کوئی روشناس نہ تھا، ملوکیت و شہنشاہیت کا ہر طرف سکہ روان تھا، غریب طبقے ملوکیت کے سفاک ہاتھوں سے پامال ہو رہے تھے، اُس زمانہ کی کیفیت خود افصح العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنئے،

وان اللہ نظر الی اھل الارض	خدائے عزوجل نے اہل زمین پر نگاہ ڈالی
فمقتھم عربھم وعجمھم الا	تو اہل کتاب کے چند افراد کے سوا عرب و عجم
بقایا من اھل الکتاب وقال	سب کو (ان کی بداعمالی کی وجہ سے) نگاہ
انما بعثتک لابتلیک وابتلی	غضب سے دیکھا اور فرمایا، میں نے آپ کو اس لئے
بک وانزلت علیک کتابا لا یغسلہ الماء	مبعوث کیا ہے، کہ آپ کے صبر کا امتحان
(اخرجہ مسلم عن عیاض بن	کروں، اور آپ کے ذریعہ دوسرے لوگوں
حمار المجاشعی)	کا بھی اور میں نے آپ پر ایک ایسی کتاب نازل
	کی ہے جس کو پانی نہیں دھو سکتا

الا بقایا من اھل الکتاب سے یہود و نصاریٰ کے وہ چند افراد مراد ہیں، جو اس زمانہ میں بھی کتاب اللہ کی ہدایت پر قائم تھے، ورنہ اکثر اہل کتاب ضلالت و گمراہی میں مبتلا تھے، اس کے لئے قرآن کریم کی شہادت کافی ہوگی،

ولئن اتبعت اھوائھم	اے نبی اگر آپ یہود و نصاریٰ کی ملت
بعد الذی جاءک من العلم	(جس کو قرآن کریم اہوا سے تعبیر کرتا ہے)
مالک من اللہ من ولی ولا نصیر	کا اتباع کریں گے، تو خدا کے مقابلہ میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت قلیل عرصہ مین انسانی فکر و عمل مین حیرت انگیز انقلاب پیدا کر دیا، اور ایمانداروں کی ایک ایسی جماعت تیار کر دی، جو ایمان و عمل اور سیرت و کردار کے اعتبار سے نوع انسانی کے لئے بہترین نمونہ بنی، جس نے اطراف عالم مین پھیل کر عظیم الشان فکری انقلاب پیدا کیا، اس طرح پر اسلام عرب سے اٹھا، اور کائنات انسانی کے دل و دماغ پر چھا گیا، اور اسلامی نظریۂ حیات کی بنیادون پر ایک نئی جماعت عالم وجود مین آگئی، جس مین بلا لحاظ ملک و نسب ہر خاندان ہر قبیلہ اور ہر ملک کے انسان شامل ہوتے گئے، یہانتک کہ یہ نئے طرز کی جماعت دنیا کی عظیم الشان قوم بن گئی، جو نظریۂ اجتماع و سیاست، اقتصاد و معیشت تمدن و ثقافت اور مخصوص فکر و عمل کے اعتبار سے اپنا بالکل جداگانہ اور مستقل بالذات وجود رکھتی ہے،

ملۃ ابیکم ابراھیم ھو سماکم	تم اپنے باپ ابراہیم کی ملت پر قائم رہو اللہ نے
المسلمین، (الآیہ)	تمھارا نام مسلمان رکھا،

اسلام مین اجتماع و اتحاد کا تصور فلسفۂ مابعد الطبیعی ایک فکری اساس پر مبنی ہے، کسی جغرافی قبیلوی اور نسلی بنیاد پر نہین، اور اسلام کی انقلابی دعوت حیات انسانی کے تمام فکری ذہنی اور عملی قوی کو ایک مخصوص اور متعین شاہراہ عمل پر چلانا چاہتی ہے، اور اس کا منشا یہ ہے کہ رنگ و نسل کی تفریق، لسانی و ثقافتی امتیاز، امارت و غربت کی طبقاتی تقسیم اور مرز و بوم کی جغرافی حد بندیون کے علی الرغم عالم انسانی کو ایک عالمگیر وحدت اور بین الاقوامی جماعت مین تبدیل کر کے انسانون کے خود ساختہ غیر فطری معیار تفوق و امتیاز کو کلیۃً ختم کر دے، نسلی اور قبیلوی برادریان ایک عظیم الشان برادری مین گم ہو جائین، وطنیت کی تحدید زبان اور رنگ کا اختلاف اس اخوت عمومی کے راستہ مین حائل نہ ہو، اس عالمگیر برادری کا نام ہے وحدت اسلامی،

خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل جتنے انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوے ان کی

نبوت وقتی اور کسی خاص خطۂ ارضی یا کسی خاص قوم کے لئے تھی، اس بنا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی عالمگیر اور جامع نظریۂ زندگی موجود نہ تھا، اور نہ کوئی بین الاقوامی حیثیت رکھنے والی جماعت یا قوم تھی، اس لئے قدرتی طور پر عالم انسانی کئی واحدون مین منقسم تھا، ہر واحدہ کی خصوصیاتِ قومی، اور شعائر ملی جداگانہ تھے، اور پھر ان مین سے ہر ایک کے خود ساختہ طرز و طریق اور رسم و رواج نے ایک مستقل تفریق پیدا کر رکھی تھی، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے درحقیقت عالم انسانی کو ایک عالمگیر وحدت مین تبدیل کرنے کی مہم کا آغاز ہوتا ہے،

هُوَ الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله،

مسند احمد بن حنبل مین ہے،

عن المقداد انه سمع رسول	روے زمین پر کوئی ایسا گھر نہین رہے گا
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لا یبقی علی	کہ اللہ تعالیٰ اس کو کلمۂ اسلام سے مشرف
اظهر الارض بیت مدر ولا وبر	نہ کرین گے. باعزت طریقہ پر یا ذلت کے
الا ادخله الله کلمة الاسلام	ساتھ، کسی کو عزت دیکر کلمۂ اسلام کا
بعز عزیز و ذل ذلیل اما یعزهم الله	اہل بنا دے گا، اور کسی کو ذلیل کرکے
فیجعلهم من اهلها او یذلهم فیدینون	اس کے آگے جھکا دے گا، راوی
لها قلت فیکون الدین کله لله	نے عرض کیا تو دین کل خدا کے لئے
(اخرجه احمد)	ہو جائے گا،

اسلام کی دعوتِ عمومی کا منتہاے نظر یہی ہے، کہ تمام چھوٹی بڑی وحدتین کلمۂ اسلام کی اساس پر ایک عالمگیر وحدت مین تبدیل ہو جائین، اور کائنات ارضی مین کسی دوسری وحدت کا وجود تک نظر نہ آئے، یہی وجہ ہے کہ احادیث نبوی مین تمام افراد انسانی کو ایک ہی اخوتِ بشری کے اعضاء و ارکان

قرار دیا گیا ہے،

کلکم من آدم وآدم من تراب	تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے
(مشکوٰۃ)	پیدا ہوئے،
عن زید ابن ارقم کان رسول	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے بعد
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول فی دبر کل	یہ دعا فرمایا کرتے، اے ہمارے اور ہر چیز
صلوٰۃ اللھم ربنا ورب کل شیی	کے پروردگار میں گواہی دیتا ہوں، کہ تو ہی
انا شھید انک الرب وحدک	رب ہے، اے ہمارے اور ہر چیز کے رب
اللھم ربنا ورب کل شیی انا شھید ان	میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد تیرا بندہ اور
محمدا عبدک ورسولک اللھم ربنا	رسول ہے، اے ہمارے اور ہر چیز کے رب
ورب کل شیئ انا شھید ان العباد	میں گواہی دیتا ہوں، کہ سارے انسان
کلھم اخوۃ (رواہ احمد وابوداؤد)	بھائی بھائی ہیں،

اس حدیث میں قابل غور بات یہ ہے کہ توحید ورسالت کی موکد شہادت کے بعد تیسرے درجہ میں اس عالمگیر اخوت انسانی کا تاکیدی اعلان کیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ اسلام کے تمام مابعد الطبیعی مسائل میں توحید ورسالت کے نظریے بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، اور ان پر ہی اسلام کی پوری عمارت تعمیر ہوئی ہے، یعنی اسلام کے تمام فکری اور عملی نظریے توحید ورسالت پر مبنی ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس حدیث میں سب سے پہلے توحید ورسالت کا اقرار کیا گیا ہے، اور اس کے بعد اسلام کی اخوت عمومی کا اظہار کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وحدت انسانی کا نظریہ بھی اسلام میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے،

اس عالمگیر برادری میں وجہ اتحاد صرف رب العالمین کی معبودیت کا اعتراف اور اس کی غیر مشروط اطاعت ہے، اس کی ربوبیت عامہ پر یقین رکھتے ہوئے اربابا من دون اللہ سے علانیہ اظہار بیزاری کرتا ہے،

اور پھر ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر کا ملا ایمان لانا ہے،

کونوا عباد اللہ اخوانا (بخاری) اللہ کے بندے اور باہم بھائی بھائی بنجاؤ،

قومیت و وطنیت کا تصور، رنگ و نسل کے امتیازی خطوط اور خاندان و قبیلہ کی عصبیت کو اس اخوتِ عمومی میں کوئی دخل نہیں، یہ مقدس برادری انسانوں کے بنائے ہوئے امتیازی تصورات سے بہت بلند ہے، مگر بدقسمتی سے انسان کی مصلحت کوشیوں اور غرض پرستیوں نے ہمیشہ اس میں رخنہ اندازی کی ہے، اور اس کو اپنے اغراض و مصالح کے تہ در تہ پردوں میں چھپا کر نوعِ انسانی میں غیر فطری حد بندیاں قائم کردیں، خود غرض اور طماع انسانوں نے کبھی یہ پسند نہیں کیا، کہ تمام انسانوں کو مساوی طور پر زندہ رہنے کا حق دیا جائے، بلکہ انھوں نے ہمیشہ یہی کوشش کی کہ ہزارہا بھولے بھالے انسانوں کے مجموعہ پر ناجائز تسلط قائم رکھیں، اور ان کے جائز حقوق کو بے دردی کے ساتھ پامال کرتے رہیں، یہ طبقاتی نظام اجتماع ان درندہ صفت انسانوں کا پیدا کردہ ہے، جو اخلاق و انسانیت کے لئے باعثِ ننگ ہیں، جو اپنی حاکمانہ شان اور تعیش پسندانہ طرزِ زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے ہزاروں ناکردہ گناہ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں، اور اربابا من دون اللہ بن کر اپنی طرح کے انسانوں کو اپنے تختِ جلال و جبروت کے سامنے جھکانے کے لئے سب کچھ کر گذرتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں، جو سب سے پہلے ہر اصلاحی دعوت کے مقابلہ میں غرور و تمرد کا مظاہرہ کرتے ہیں، اس کو کچلنے کے لئے اپنی تمام مادی طاقتیں وقف کردیتے ہیں، سیم و زر کی تھیلیاں کھل جاتی ہیں، اور داعیانِ حق کو ڈرانے دھمکانے اور ایذا دینے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جاتا، قرآن کریم ان سفاک اور ناپاک انسانوں کو مترفین کی اصطلاح سے تعبیر کرتا ہے،

وَمَا اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَۃٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّا ہم نے جب بھی کسی بستی میں کوئی نبی بھیجا تو

قَالَ مُتْرَفُوْھَا اِنَّا بِمَا اُرْسِلْتُمْ وہاں کے خوشحال (دولت مند) لوگوں

بہ کافرون (الایہ) نے یہ کہدیا کہ تمھارے پیغام کو ہرگز تسلیم نہ کرین گے،

سرمایہ دارانہ نظام اجتماع اور اسلام

سرمایہ داری اگرچہ ایک جدید اصطلاح ہے، جو غریب اور دولت مند طبقون کے باہم طبقاتی نزاع و تصادم نے پیدا کی ہے، مگر جہانتک اس کے منشا، ومصداق کا تعلق ہے، یہ ایک نہایت پرانی حقیقت ہے،

نسل آدم مین جب اجتماع و تمدن کا ابتدائی شعور پیدا ہوا تو اس کے ساتھ ہی مختلف الطبائع انسانون مین نظم وضبط قائم رکھنے کے لئے ریاست کا تصور بھی عالم وجود مین آگیا، اس کی ابتدا بھی ابتدائی اجتماعیت و مدنیت کی طرح نیک مقاصد کی تکمیل کے لئے ہوئی تھی مگر آہستہ آہستہ اسی معصوم تصور ریاست نے خود غرضانہ ملوکیت، استبداد، شخصی اور مطلق العنان آمریت کی شکل اختیار کرلی، اور اب یہ چند برسر اقتدار افراد کے مصالح ذاتی، خود غرضانہ دواعی اور ہوس اقتدار کی تکمیل کے لئے ایک ذریعہ بن گئی، چند افراد جو نسبتہً زیادہ مکار، خود غرض اور سیاست کار تھے، انھون نے دوسرے لوگون پر حاکمانہ تسلط قائم کرلیا، اور اپنی اپنی قوت و طاقت کے زور سے غریب طبقون کے ذرائع آمدنی پر بھی دست تطاول بڑھانا شروع کردیا، یہانتک کہ انھون نے اپنے حاکمانہ وسائل کے بل بوتے پر زندگی کے ایسے ظالمانہ طرز وطریق ایجاد کرلئے کہ پس ماندہ طبقون پر عرصۂ حیات تنگ کردیا، دراصل یہی چیز نظام سرمایہ داری کا بنیادی پتھر ہے، اور اس نے حیات انسانی کے مرتب اور منضبط اجزا مین بدنظمی اور بے ترتیبی پیدا کردی ہے،

دراصل انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے مقاصد مین ایک مقصد یہ بھی ہے کہ وہ انسانی زندگی کے ان منتشر غیر منظم اور غیر منضبط اجزاء کی از سر نو شیرازہ بندی کرین، اور انسانون کی پیدا کی ہوئی غیر فطری طبقاتی تقسیم کو مٹا کر انسانون کو وحدت دینی مین شامل کردین جس مین ملک ونسب اور غربت وامارت کا کوئی امتیاز نہین، نظام سرمایہ داری کے پیدا کردہ رسم ورواج اور طرز وطریق کی جگہ اخوت ومساوات کے خدائی ضابطہ، عدل کے اجرا و نفاذ کی جد وجہد کرین،

ولقد ارسلنا رسلنا بالبینات	ہم نے رسولوں کو بیّن دلائل کے ساتھ بھیجا
وانزلنا معھم الکتاب والمیزان	اور ان کے ہمراہ کتاب اور میزان بھی اتاری
لیقوم الناس بالقسط (حدید)	تاکہ لوگ ایک نقطۂ عدل پر کھڑے ہو جائیں

'میزان' کا لفظ ایک محسوس چیز (ترازو) پر اطلاق ہوتا ہے، مگر اس جگہ ایک غیر محسوس معنی کے لئے استعمال ہوا ہے یعنی خدائی ضابطۂ عدل، کیونکہ یہ ضابطہ بھی مختلف انسانی طبقات اور حیات انسانی کے متفاوت اور غیر متوازن اجزاء میں توازن قائم کرنے والا ہے،

اس آیت سے صاف ظاہر ہے، کہ انبیاء کی بعثت کا ایک مقصد غیر مرتب اجزائے حیات میں ترتیب اور نظم پیدا کرنا ہے، مگر جو لوگ مطلق العنانہ اور تعیش پسندانہ طرز زندگی کے خوگر بن چکے ہیں وہ کسی ایسی پابندی کو آسانی کے ساتھ کس طرح برداشت کر سکتے ہیں جس میں ان کو اپنے حاکمانہ اقتدار اور سرمایہ پرستانہ اغراض سے دست بردار ہو کر ان الحکم الا للہ کی ابدی صداقت کے سامنے جھکنا پڑتا ہو، کیونکہ انسان کے لئے اور تو سب کچھ آسان ہے، مگر حاکمانہ اقتدار اور جاہ و حشمت کو از خود چھوڑ دینا سب سے زیادہ مشکل ہے، مگر انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا نقطۂ آغاز ہی انسانی مراکز اقتدار و حکومت کو ختم کر کے قوت و اقتدار کے مرکز اعلیٰ یعنی خدائے واحد کے سامنے تمام انسانوں کو جھکا دینا ہے، قبیلہ و نسب اور سرمایہ و دولت کے ناپاک بتوں کو توڑ کر صرف احکم الحاکمین کی معبودیت کا اعلان کرنا ہے، یعنی انبیاء کی تعلیمات کی اساس ہی یہ ہے کہ کسی انسان کو انسان پر حکومت کرنے کا حق حاصل نہیں، اور کسی انسان کو یہ اختیار ہرگز نہیں دیا جا سکتا، کہ وہ دوسروں سے اپنے احکام کی تعمیل کرائے، یہ منصب صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے،

یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ	اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی
سواء بیننا و بینکم ان لا نعبد الا	طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں مساوی طور پر
اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا	مسلّم ہے، کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت

نتخذ بعضنا بعضًا ارباباً من دون اللہ، نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بنائیں، اور بجز اللہ تعالیٰ کے ایک دوسرے

قرآن کریم میں ہر ایسی غیر مسئول شخصیت کو جس کے احکام میں انتقاد کی گنجایش نہ ہو رب سے تعبیر کیا گیا ہے،

یہود نے احبار کو اور نصاریٰ نے رہبان اور پوپ کو یہی حیثیت دے رکھی تھی کہ ان کے احکام کو خواہ وہ کتاب اللہ کے خلاف ہی ہوتے، الہام ربانی کی طرح بغیر کسی نقد و جرح کے تسلیم کر لیا کرتے تھے،

اتخذوا احبارھم ورھبانھم ارباباً من دون اللہ (الآیہ)

اسی طرح قدیم یونانی پادشاہت اور روما کی جابرانہ ملوکیت عوام کے سامنے جوابدہ نہ تھی، اور ان کو بھی غیر مسئولانہ درجہ حاصل تھا، جاپان کا بادشاہ تہذیب و تمدن کے موجودہ دور میں بھی خدائی قوت کا حامل اور مافوق الفطرۃ شخصیت تصور کیا جاتا ہے، قرآن کریم ان تمام باطل طاقتوں کو ارباباً من دون اللہ سے تعبیر کرتا ہے، کیونکہ اسلام میں یہ منصب صرف احکم الحاکمین کو ہی حاصل ہے، اور پھر تبعیت کے طور پر اس کے برگزیدہ انبیاء کو جو خدائی احکام کے مبلغ ہیں، اور جن کی معصومیت پر خود خدائے قدوس نے مہر تصدیق ثبت کر دی ہے خدا اور رسول کے سوا پوری کائنات میں کوئی ایسی طاقت نہیں جو غیر مسئولانہ مقام رکھتی ہو، اور اس کے احکام کی بغیر کسی خدائی سند کے پیروی کرنا ضروری ہو،

انما کان قول المؤمنین	ایمانداروں سے جب یہ کہا جاتا ہے کہ تم
اذا دعوا الی اللہ ورسولہ	اپنے نزاعات کے لئے خدا اور رسول کی جانب
لیحکم بینھم ان یقولوا	رجوع کرو تو ان کا ایک ہی جواب ہوتا
سمعنا واطعنا واولئک ھم	ہے، کہ ہم سمع و اطاعت کے لئے ہر وقت
المفلحون، (نور)	تیار ہیں، یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں

غرض اس باطل تصور حاکمیت کو ختم کرنا انبیاء علیہم السلام کی دعوتِ حقہ کا نقطۂ آغاز ہے، اور یہی وہ بنیادی حقیقت ہے، جو وقت کے برسر اقتدار عناصر کے لئے ناقابلِ برداشت ہوتی ہے، چنانچہ یہی اونچے طبقے کے لوگ نبی کے مقابلہ میں اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، اور آخر دم تک تمام امکانی ذرائع و وسائل سے اس کی مخالفت کرتے ہیں، کبھی نبی کی پر تقدس شخصیت کو لوگوں کی نگاہوں سے گرانے کی سعی کی جاتی ہے،

فقالوا انؤمن لبشرین مثلنا وقومھما لنا عابدون، (مومنون - ۳)	کیا ہم اپنی طرح کے دو انسانوں پر ایمان لائیں جن کی قوم صدیوں سے ہماری غلام چلی آتی ہے،

کبھی نبی کو کاہن اور ساحر کہکر لوگوں کو ان سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اور کبھی اقتدار و حکومت کی ساری مشینری حرکت میں آجاتی ہے، اور نبی کے قتل کی سازشیں ہونے لگتی ہیں، کبھی یہ لوگ نبی اور اس کی مقدس جماعت کو غربت و افلاس کا طعنہ دیتے ہیں، اور اپنی شانِ امارت کو صداقت کی سند قرار دیتے ہیں،

لَوْ كَانَ خَيْرًا مَا سَبَقُوْنَا اِلَيْهِ،	اگر دین اسلام بھی کوئی بہتر چیز ہوتی تو یہ گھٹیا درجہ کے لوگ ہم سے سبقت نہ لے جاتے،

یعنی خدا نے جس طرح ہمیں ہر طرح کا سامانِ راحت و تعیش دے رکھا ہے، اگر اسلام بھی کوئی اچھی چیز ہوتی، تو اس سے ہم کس طرح محروم رہ سکتے تھے؟ یہ بھی ہمارے ہی حصہ میں آتی، اور یہ مفلس لوگ جس طرح ہر طرح کے اسباب عشرت سے محروم ہیں، اسی طرح اسلام سے بھی محروم ہوتے مال و دولت کی بہتات اور اولاد کی کثرت نے ان کو عذابِ الٰہی سے مطمئن کر دیا تھا،

نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا فَمَا نَحْنُ	ہم مال و اولاد میں تم سے زیادہ ہیں، اور

بمُعَذبین، (الآیہ) ہم کو عذاب بھی نہ ہوگا،

غرض حق و باطل کی یہ کشمکش آج سے نہیں، بلکہ ہمیشہ سے چلی آتی ہے، سرمایہ و دولت کے پرستاروں نے ہر زمانہ میں اپنے مخصوص مفاد کے تحفظ کے لیے اہلِ حق کا مقابلہ کیا، اخلاق اور انسانیت ہمیشہ ان کی وحشت ناکیوں پر ماتم کرتی رہے گی، مگر اس قسم کے جبر و تشدد اور غصب حقوق انسانی کے واقعات اگر زمانہ مظلمہ تک ہی محدود رہتے، تو کوئی بات نہ تھی، مگر سب سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ عہد حاضر کی اقوام جو تہذیب و تمدن اور علم و حکمت کے اعتبار سے بہت آگے جا چکی ہیں، سفاکی، بربریت، قتل و غارت، اور غصب و نہب میں اقوام سابقہ سے کسی طرح کم نہیں، بلکہ موجودہ سائنس کے ہلاکت انگیز وسائل نے ان ناپاک مقاصد کے لئے ہر طرح کی آسانیاں پیدا کر دی ہیں، جو گذشتہ زمانوں میں میسر نہ تھیں، مذہب و آئین کی پابندیوں کے باوجود گذشتہ جنگ میں نسل انسانی جن ہولناک مصائب و آلام سے دوچار ہوتی رہی، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، استعمار پرستی اور زرگری کے کتنے ہی معرکے اس زمین پر دیکھے جا چکے ہیں، کروڑہا معصوم اور بے کس انسان غرور و تعلّی کے ان دیوتاؤں کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں، نسلوں کی نسلیں تباہ و برباد ہو گئیں، سیکڑوں گھرانے اجڑ گئے، اور ملک کے ملک ویران ہو گئے، مگر اقتدار پسندی، اور دولت پرستی کا عیب دیو آج بھی کروڑہا انسانوں کو نگلنے کے لئے منتظر بیٹھا ہے، مذہبی اور اخلاقی پابندیوں کو تو جانتا ہی کون ہے؟ لیکن ان کے اپنے بنائے ہوئے قوانین بھی ہوس استعمار کی نذر ہو رہے ہیں، جمعیۃ الاقوام کے آئین دھرے کے دھرے رہ گئے، بین الاقوامی معاہدات کوردی کی ٹوکری میں پھینک دیا گیا، اور ملک گیری کی ہوس کو پورا کرنے کے لئے بے شمار بے گناہ انسانوں کو خاک و خون میں تڑپا پایا گیا، معلوم نہیں نسل انسانی کی بدبختی کے دن کب ختم ہونگے اور یہ کب تک ان وحشتناک اور زہرہ گداز مصائب کا شکار بنی رہے گی،

ان تنج منها تنج من ذی عظیمة

وإلا فانی لا اخالک ناجیا

اسلام کا نظریہ سیاست اور فلسفہ اجتماع اس سرمایہ دارانہ نظام حکومت اور آمرانہ طرز اجتماع و سیاست کے خلاف اعلان جنگ ہے، اس کی پہلی ضرب ملوکیت و آمریت، نامنصفانہ تقسیم دولت، ضبط حریت، سلب حقوق اور انسانی آئین سازی پر پڑتی ہے، دنیا کے آخری ہادی رسول ہاشمی صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ایسے زمانہ میں ہوا، جب کہ ہر طرف جہالت و غوایت کی تیرہ و تار گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں، اس وقت کے خود غرض لوگوں نے جبر و تشدد اور غصب حقوق انسانی کے لئے عجیب و غریب طرز و طریق ایجاد کر رکھے تھے نسلی شرافت اور معاشی و اقتصادی تفوق کی بنا پر غریب اور مفلوک الحال انسانوں پر طالمانہ تسلط جما رکھا تھا، کمزور اور ضعیف انسانوں کے گاڑھے پسینہ کی کمائی مختلف ذرائع سے غصب کر لیتے اور پھر اربابا من دون اللہ بن کر ان سے اپنے تخت غرور کی پرستش کراتے، غرض یہ دنیا غریب و بیکس انسانوں کے لئے جہنم سے کم نہ تھی، کروڑوں انسانوں کی آبادی میں چند مکار اور عیاش اشخاص نے ساری آبادی کے عیش و آرام پر قبضہ جما رکھا تھا، خدا کی زمین ظلم و ستم، کشت و خون، قتل و غارت اور غصب حقوق کے بے شمار مناظر دیکھ چکی تھی، آخر غریبوں کی آہیں آسمان کی جانب بڑھیں، بیکسوں کے نالے عرش کے کنگروں سے جا ٹکرائے اور رب العرش نے کائنات ارضی کے قلب (مکہ معظمہ) میں عالم انسانی کے سب سے بڑے محسن نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا جنہوں نے لا الہ الا اللہ کی ایک ضرب سے بتان باطل کے پرزے اڑا دیئے، ان الحکم الا للہ کے ایک ہی نعرہ سے دنیا کی مطلق العنانہ آمریتوں کو چیلنج کیا، اور شخصی، نسلی، ملکی اور قومی تفاخر کے جاہلی تصورات کو مٹا کر مساوات عامہ کا اعلان کیا، گداؤں کو شاہوں کے ساتھ کھڑا کر دیا، اور غریب کو امیر کے پہلو میں بٹھا دیا،

ای بود کہ از اثر حکمت او ۔۔۔ واقف سر نہانخانہ تقدیر شدیم
اصل مایک شرر باختہ رنگے بود است ۔۔۔ یک نظر کرد کہ خورشید جہانگیر شدیم

آپ سے پہلے ہزاروں نبی اور مصلح پیدا ہوئے، مگر دنیا کی غریب اور مفلوک الحال آبادی کے لئے امن و راحت

کی تردید کر کس نے نظام عالم مین ایک نیا انقلاب پیدا کیا، ملکی قومی اور لسانی تفاخر کے بتون کو کس نے پاش پاش کیا؟ امارت و غربت اور نسلی شرافت و دنائت کے امتیازی نشانات کو کس نے پاؤن تلے روندا؟ اس کے جواب مین صرف ہادی عالم سرور کائناتؐ ہی کا نام نامی لیا جائے گا،

طبقۂ امرا کو مخاطب کرتے ہوئے، غریبون کی عظمتِ شان کا ان الفاظ مین اظہار فرمایا،

هَل تنصرون وترزقون الا	دولت مند و! کمزور اور غریب لوگون کے
بضعفاءکم،	توسط سے تمھین ہر قسم کی مدد اور خوراک میسر
(رواہ البخاری عن سعد بن وقاص)	آتی ہے،

ایک موقع پر آپ نے فرمایا کہ جن لوگون کو تم غلام کہکر پکارتے ہو، وہ تمھارے بھائی ہین، ان کو ذلیل مت خیال کرو، جو خود کھاؤ ان کو بھی کھلاؤ، جیسا لباس خود پہنو ان کو بھی پہناؤ،

ایک فہ حضرت عمرو بن العاص کے بیٹے نے اپنے قبطی غلام کو سخت پیٹا، اتنے مین سرور دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم کا وہان سے گذر ہوا، آپ نے برہمی کے لہجہ مین فرمایا،

مذ کم تعبدتم الناس وقد	تم نے ان لوگون کو کب سے غلام بنالیا ہے،
ولدتهم امهاتهم احراراً،	حالانکہ یہ ماؤن کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوئے ہین

آپ نے بھرے مجمع مین حضرت عمرو بن العاص کے صاحبزادے کو اسی غلام کے ہاتھون پٹوایا،

اہلِ عرب دورِ جاہلیت مین نسلی و قومی تفاخر اور خاندانی عصبیت کے لئے ساری دنیا مین شہرت رکھتے تھے، ان کے زورِ سخن، فصاحت و بلاغت اور ادب و شاعری کا منتہا ے نظر آبا و اجداد کے کارنامون پر فخر کرنا تھا، مگر رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جاہلی معتقدات کو نہایت قلیل عرصہ مین ختم کر دیا، عربون کے افکار مین عظیم الشان انقلاب پیدا ہوگیا، ایک موقع پر آپ نے فرمایا،

لیس منا من دعا الی عصبیۃ	وہ شخص ہماری جماعت سے نہین جو عصبیت

وَلیسَ مَنا من قاتل عصبیۃ ولیس کی طرف دعوت دے یا عصبیت کے لئے جنگ

منا من مات علیٰ عصبیۃ (صحاح) کرے یا عصبیت پر مرجائے،

احادیث نبوی میں لیس منا کا تہدیدی فقرہ آپ صرف ایسی حالت کے لئے ارشاد فرمایا کرتے تھے، جو کفر سے قریب تر اور جماعت مومنین کی رکنیت، و عضویت کے منافی ہوتی تھی، اس کی بہت سی مثالیں احادیث میں ملتی ہیں،

ایک موقع پر کسی شخص نے قومیت و نسب کا نعرہ لگایا، تو آپ نے فوراً اس کو تنبیہ فرمائی،

دعوھا فانھا خبیثۃ (بخاری) اس نعرہ کو ترک کردو کہ بہت برا نعرہ ہے،

قبل اس کے کہ موجودہ نظام جمہوریت کے اجزاء ترکیبی اور آٹھ نکات کی بنا پر اس طرز جمہوریت کے آٹھ بنیادی نقائص کا تذکرہ کیا جائے، اور پھر ان نکات کے اعتبار سے اسلامی نظام سیاست کے جزئیات پر بحث کی جائے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی طرز سیاست کی لامثالی حیثیت پر سرسری تبصرہ کردیا جائے، تاکہ قارئین کو اندازہ ہوسکے، کہ موجودہ دور جمہوریت و مساوات کی نظر فریب تابانی دراصل اسی مرکزیت کی ہلکی سی جھلک ہے،

یک چراغیست درین خانہ کہ از پرتو آن ہر کجای نگری انجمنے ساختہ اند

اسلامی نظریۂ سیاست کی نوعیت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل دنیا ملوکیت کے سلاسل میں جکڑی ہوئی تھی، زمین کا کوئی خطہ ایسا نہ تھا، جو اس لعنت میں مبتلا نہ ہو اور اس ساری کائنات میں کوئی ایک انسان جمہوریت کے نام سے آشنا نہ تھا، مگر ظہور اسلام کے ساتھ ہی اس کی سب سے پہلی ضرب ملوکیت کے باطل نظام پر پڑی، کلمۂ توحید کی ایک ہی گونج نے مشرق و مغرب میں شہنشاہیت کی گرفت کو ڈھیلا کردیا، اور چند دنوں میں خالص اسلامی نظریۂ سیاست کی بنیادوں پر ایک معیاری حکومت قائم کرکے دکھادی، اس اسلامی نظریۂ حکومت کی نوعیت کیا ہے؟ اس کے لئے ہمیں دیگر سیاسی نظریات

کی طرف جانے کی ہرگز ضرورت نہیں، موجودہ دنیا میں تمہارے سامنے کوئی ایسا سیاسی نظام نہیں جو اسلام کے نظریہ سیاست کے لئے بطور مثال پیش کیا جاسکے، اور نہ کسی خاص نظریہ کو اسلام کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے، اشتراکیت (کمیونزم) جمہوریت (ڈیموکریسی) آمرانہ طرز حکومت (ڈکٹیٹرشپ) یا کسی دوسرے انسانی نظریہ سیاست کو اسلام سے کوئی ادنی مناسبت بھی نہیں، اسلام اپنی مثال آپ ہے، اور خود اپنے مخصوص نظریہ سیاست و اجتماع کا شارح ہے، اسلام کی نسبت بس اتنا ہی کہا جاسکتا ہے،

"الاسلام ھو الاسلام"

یعنی اسلام چونکہ اپنی طبیعت اور مزاج کے اعتبار سے بالکل جداگانہ اور مستقل بالذات وجود رکھتا ہے اس لئے ہم اسلام کو صرف اسلام کی اصطلاح سے پہچان سکتے ہیں، مگر صرف اس بنا پر کہ اس کا طرز حکومت طریق شوریٰ پر مبنی ہے، اس لئے اس کے نظریہ سیاست کو جمہوریت سے قریب تر کہہ سکتے ہیں، مگر اسلام کی جمہوریت، موجودہ جمہوریت سے بالکل مختلف ہے، جمہوریت کا ایک بنیادی مسئلہ یہ ہے، کہ قانون ساز خود جماعت ہوتی ہے لیکن اسلام کا قانون الٰہی ہے، اس میں کسی بندے کو تغیر و تبدل کرنے کا اختیار نہیں، لطیفہ وقت صرف اسکا نافذ کرنے والا ہے، پھر اسلام کا طریق شوری اور طرز انتخاب بھی جداگانہ حیثیت رکھتا ہے، لہذا جمہوریت کے اطلاق سے کسی کو یہ شبہ نہیں ہونا چاہئے، کہ اسلام بھی موجودہ نظام جمہوریت (ڈیموکریسی) کی طرح کا کوئی نظام ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس شخصیت جامع الشخصیات تھی، آپ کے قول و فعل میں خطا کا احتمال نہ تھا کیونکہ آپ مؤید من اللہ تھے، مگر اس کے باوجود آپ کو واضح الفاظ میں حکم دیا گیا، کہ آپ حکومت کے کاروبار اور دیگر معاملات میں مومنین سے مشورہ کر لیا کریں،

"وشاورھم فی الامر" (الایۃ)

نیز اہل ایمان کے اوصاف میں ایک بڑا وصف ارشاد فرمایا، کہ وہ امور خلافت اور دوسرے

معاملات کو باہم مشورہ سے طے کرتے ہیں،

"وامرھم شوریٰ بینھم"

امر کا لفظ کتاب وسنت میں حکومت وخلافت کے لئے اکثر استعمال ہوا ہے، چنانچہ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ میں باتفاق مفسرین اولاً وبالذات حکام سیاست مراد ہیں،

انا لا نولی ھذا الامر من سألہ (بخاری) ہم اس شخص کو حاکم نہیں بنا سکتے، جو اس کا خواہش مند ہو،

میں امر سے مراد منصب حکومت ہے،

بے شمار آیات واحادیث میں امر کا لفظ ان معنوں میں وارد ہوا ہے، لہذا آیات مذکورہ شاورھم فی الامر، اور امرھم شوریٰ بینھم میں یہی معنی مراد لئے جائیں گے، ان آیات سے قطعی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے، کہ اسلام میں حکومت وخلافت کی بنیاد طریق شوریٰ پر ہے، اور اس میں نظام ملوکیت کی طرح استبداد شخصی، وراثت وولیعہدی کا کوئی شائبہ موجود نہیں،

اس باب میں احادیث نبوی اور آثار صحابہ اس کثرت سے ہیں، کہ ان کا احاطہ ہمارے لئے بہت مشکل ہے، یہاں صرف چند احادیث وآثار پیش کئے جاتے ہیں جن میں طریق شوریٰ کو شعار اسلامی قرار دیا گیا ہے،

عن ابی عبیدۃ ابن الجراح ومعاذ ابن جبل عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم) انہ بدء ھذا الامر نبوۃ ورحمۃ ثم کائن خلافۃ ورحمۃ ثم کائن ملکاً عضوضاً ثم کائن عتواً و جبریۃ الحدیث (اخرجہ ابو یعلیٰ)

اسلام کی ابتدا نبوت اور رحمت سے ہوئی ہے، اس کے بعد خلافت علی منہاج النبوۃ اور رحمت کا دور آئے گا، پھر ظالمانہ طرز حکومت، اور آخر میں خالص ظلم اور جبروت کی حکومت ہوگی،

شاطبی نے "موافقات" میں اسی قسم کی ایک روایت ذکر کی ہے، جس میں کچھ لفظی اختلاف کے علاوہ ایک پانچویں دور کی بھی خبر دی گئی ہے،

انّ اوّل دینکم نبوۃ ورحمۃ وتکون	تمھارے دین (اسلام) کا آغاز نبوت اور
فیکم ماشاء اللہ ان تکون ثم یرفعھا	رحمت سے ہے، اور جب تک خدا کو منظور
اللہ جل جلالہ ثم تکون خلافۃ	ہوگا، یہ تم میں رہے گی، پھر خدا اس کو اٹھا لیگا،
علی منھاج النبوۃ ماشاء اللہ ان	اس کے بعد خلافت علی منہاج النبوۃ ہوگی
تکون ثم یرفعھا اللہ جل جلالہ	اور یہ بھی جب تک خدا کو منظور ہوگا، رہے گی
ثم یکون ملکاً عاضاً فیکون ماشاء اللہ	پھر خدا اس کو اٹھا لے گا، پھر ظالمانہ ملوکیت
ان یکون ثم یرفعہ اللہ جل جلالہ	کا دور آئے گا، اور جب تک خدا کی مرضی
ثم تکون ملکاً جبریۃ فتکون ماشاء اللہ	ہوگی رہے گا، اور پھر اٹھا لیا جائے گا، پھر
ان تکون ثم یرفعھا اللہ جل جلالہ	خالص جبر و قہر کی حکومت ہوگی، جو مشیت
ثم تکون خلافۃ علی منھاج النبوۃ	ایزدی کے مطابق ایک عرصہ تک رہے گی
تعمل فی الناس بسنۃ النبی ویلقی	اور پھر اٹھ جائے گی، آخر میں، ایک دفعہ پھر
الاسلام بجرانہ فی الارض	خلافت علی منہاج النبوۃ کا مقدس دور
یرضی عنھا ساکن السماء وساکن	آئے گا، جس کے اعمال سنت کے طریق پر
الارض لاتدع السماء من قطر الا	ہونگے، اور اس دور میں اسلام کو زمین میں استحکام
صبّہ مدراراً ولا تدع الارض	حاصل ہوگا آسمان والے اور زمین والے اس دور
من نباتھا وبرکاتھا شیئاً الا	سعید سے خوش ہوں گے، آسمان رحمت خداوندی
اخرجتہ،	کی موسلا دھار بارش برسائے گا اور زمین اپنے

موسلا دھار بارش برسائے گا اور زمین اپنے

ان دونوں روایتوں میں خلافتِ اسلامی ملوکیتِ جابرہ کے بالمقابل ذکر ہوئی ہے، اور پھر دورِ نبوت اور دورِ خلافت کو یکساں طور پر رحمت سے تعبیر کیا گیا ہے، اور دورِ ملوکیت کو جبر و قہر اور ظلم و تشدد سے، ملوکیت کی حقیقت کیا ہے؟ ہر شخص جانتا ہے کہ یہ حکم ذاتی اور استبداد شخصی کا دوسرا نام ہے، لہٰذا اسلامی حکومت و خلافت وہی ہو سکتی ہے، جو حکم ذاتی کی جگہ طریق شوریٰ پر مبنی ہو،

حضرت صدیق اکبرؓ نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد جو پہلا خطبہ ارشاد فرمایا، اس کے ایک ایک لفظ سے اسلام کے طرزِ سیاست و جمہوریت کا پتہ چلتا ہے،

ثم قام ابو بکرؓ فخطب الناس واعتذر	خدا کی قسم میں نے کسی دن اور رات
الیھم وقال واللہ ما کنت حریصًا	میں امارت کی ہوس نہیں کی، اور نہ مجھے اس
علی الامارۃ یومًا ولا لیلۃً قط	کی کوئی خواہش ہے میں نے کبھی تنہائی میں
ولا کنت راغبًا فیھا ولا سألتھا	یا علانیہ طور پر خدا سے بھی امارت کے لئے سوال
اللہ عز وجل فی سر ولا علانیۃ	نہیں کیا، لیکن اختلاف میں المسلمین سے ڈر کر
ولکنی اشفقت من الفتنۃ ومالی	میں نے اُسے قبول کر لیا ہے، امارت میں میرے
فی ھذہ الامارۃ من راحۃ	لئے کوئی راحت کا سامان نہیں، بلکہ مجھ پر
ولکنی قلدت امرًا عظیمًا (اخرجہ ابن سعد)	تو بہت بڑا بوجھ ڈال دیا گیا ہے،

انتخاب عام اور طریقِ شوریٰ کا منشا اسی وقت پورا ہو سکتا ہے، جب کہ امارت و خلافت اور نمایندگی کے لئے کوئی شخص خود اپنے آپ کو پیش نہ کرے، بلکہ جمہور اصحاب علم و عمل اور فکر و دانش خود کسی مسلمان کو اس کے اوصاف کے لحاظ سے منتخب کریں، اس طرح ان کو اظہارِ خیال کی پوری آزادی مل سکتی ہے، اور حریت رائے عامہ ہر قسم کے جبر و اکراہ اور ترغیب و ترہیب سے محفوظ رہ سکتی ہے، اس کے عکس جب ایک یا چند اشخاص خود ہی امارت و نمایندگی کے لئے بطور امیدوار کھڑے ہو جائیں تو رائے عامہ بیرونی اثر سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی، کیونکہ

ہر ایک امیدوار (کانڈیڈیٹ) ووٹ حاصل کرنے کے لئے ترغیب وترہیب کے امکانی وسائل استعمال کرنے سے دریغ نہیں کرے گا، جس سے آزادی رائے پر نہایت بُرا اثر پڑتا ہے، اسلامی جمہوریت کی یہی سب سے بڑی خصوصیت ہے، جو موجودہ جمہوریت میں کلی طور پر ناپید ہے، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ان الفاظ سے ظاہر ہے کہ وہ خلیفہ بنے نہیں بلکہ بنائے گئے، اور انھوں نے بادل ناخواستہ ملت کو انتشار وطوائف الملوکی سے بچانے کی خاطر یہ منصب قبول کیا،

حضرت عمر فاروقؓ نے وفات سے قبل جو خطبہ ارشاد فرمایا، اس میں بھی اسی طریق شوریٰ کا اظہار کیا گیا،

فان عجّل بی امر فالخلافۃ شوریٰ	اگر مجھے موت آجائے تو خلافت کے لئے
بین ھؤلاء النفر الذین توفی	ان اشخاص میں سے کسی ایک کو انتخاب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	کر لیا جائے، جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
وھو عنھم راضٍ،	اس حال میں رخصت ہوئے کہ آپ اُن
(اخرجہ مسلم وابو یعلی)	سے راضی تھے،

اس کے بعد آپ نے چھ اصحاب کے نام لئے، الفاظ سے ظاہر ہے کہ آپ نے ان چھ حضرات کے لئے سفارش کی، کیونکہ یہ سبقت فی الاسلام اور خدمات ملی کے اعتبار سے مستحق خلافت تھے، مگر آپ نے کسی کو نامزد نہیں کیا، بلکہ اس کا فیصلہ رائے عامہ کے سپرد کیا،

حضرت عمرؓ کا یہ قول مشہور ہے :-

لا خلافۃ الا عن مشورۃ (کنز العمال)

خلافت کا صحیح انعقاد امت کے مشورہ سے ہی طے ہو سکتا ہے،

حضرت علیؓ کو جب حضرت امیر معاویہؓ نے ایک خط میں لکھا کہ آپ کو کس نے خلیفہ بنایا ہے تو

آپ نے نہایت جامع اور مدلل جواب دیا جس سے اسلامی جمہوریت کے تمام اجزا معلوم ہو جاتے ہیں، آپ کے اس جواب کے چند فقرے یہ ہیں،

وانما الشوریٰ للمهاجرین	حق رائے صرف مہاجرین اور انصار کو حاصل
والانصار فان اجتمعوا علیٰ رجلٍ	ہے، وہ جس شخص پر متفق ہو جائیں، اور اس
وسموہ اماماً کان ذلک رضی	کو اپنا امام تسلیم کر لیں، تو یہ جمہور اُمت کا
فان خرج من امرهم خارج	ناطق فیصلہ متصور ہوگا، اگر کوئی شخص طعن
بطعنٍ او بدعةٍ ردّوہ الیٰ	یا بدعت کی بنا پر اس فیصلہ کو تسلیم نہ کرے
ماخرج منه فان ابیٰ قاتلوہ	تو اس کو اس کے لئے مجبور کرنا چاہئے، اور
علیٰ اتباعه غیر سبیل المومنین	اگر وہ پھر بھی انکار کرے، تو اس سے جنگ
(نہج البلاغۃ مطبوعہ مصر)	کی جائے کیونکہ اس نے سبیل المومنین کو ترک

حضرت علیؓ کے ان الفاظ سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں رائے دہندگی کا معیار علم و عمل ہے، اور علم و عمل کے اعتبار سے انصار و مہاجرین سب سے زیادہ ممتاز تھے، مگر موجودہ طرزِ جمہوریت میں علم و عمل اور اخلاق و سیرت کو کسی بعید سے بعید کونے میں بھی جگہ حاصل نہیں، اس کی تفصیل انشاء اللہ آگے چل کر آئے گی،

سلیمان بن عبدالملک نے اپنے بعد محی السنہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو اپنا جانشین بنایا تھا مگر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مجمع عام میں یہ اعلان کیا کہ میں غیر اسلامی طرز پر مسلمانوں کا حاکم بنایا گیا ہوں، اس لئے خلافت سے دستبردار ہوتا ہوں، مسلمانوں کو اختیار ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ جس کو چاہیں امیر منتخب کر لیں،

ایها الناس انی ابتلیتُ بهذا الامر	اے لوگو! مجھے میری رائے اور خواہش نیز
من غیر رای منی ولا طلبة ولا مشورة	مسلمانوں سے مشورہ کیے بغیر حاکم بنا دیا گیا ہے،

من المسلمین وانی قد خلعت مافی اعناقکم من بیعتی فاختاروا لانفسکم غیری،

اس لئے میں اپنی بیعت سے تمھیں آزاد کرتا ہوں اب تم میرے سوا جس کو چاہو، اپنا امیر بنالو،

دنیا میں شاید کوئی ایسی مثال نہ مل سکے، کہ ایک عظیم الشان سلطنت کو صرف اس لئے ٹھکرا دیا گیا، کہ یہ جائز طریق سے حاصل نہیں ہوئی تھی، حضرت عمرؒ بن عبد العزیز ہی وہ بلند پایہ انسان ہیں، جنھوں نے شاہانہ وقار اور مسندِ حکومت کو اصولِ اسلامی کے لئے قربان کر دیا،

آپ شاہی خاندان کے چشم وچراغ تھے، اور ناز ونعم میں زندگی گذاری تھی، ان کے والد مصر کے گورنر تھے، نیز ان کی اپنی جائداد کی آمدنی پچاس ہزار اشرفی سالانہ تھی، عیش وعشرت کے وسائل کی ہر طرح فراوانی تھی، اور اس پر سلیمان بن عبد الملک ایسے باجبروت بادشاہ کی مسند حکومت اور حشمت ودولت بھی ان کے حصہ میں آئی، مگر خدائے قدوس کو ان سے کچھ اور ہی کام لینا تھا، چنانچہ اس مردِ خدا نے اپنی زندگی کے قلیل عرصہ میں تجدید دین کا فریضہ کماحقہ انجام دیا،

آپ نے بالکل طریق سنت اور منہاج نبوت پر خلافت کا نظام چلایا، بنو امیہ کے روایتی ٹھاٹھ کو ترک کر کے فقیرانہ زندگی بسر کی، یہاں تک کہ خلیفہ بننے کے بعد ان کی ذاتی آمدنی پچاس ہزار کے بجائے صرف دو سو اشرفی سالانہ رہ گئی،

تا ابد بوے محبت بہ مشامش نہ رسد
ہر کہ خاکِ درمیخانہ برخسار نرفت

بہرحال خلیفہ عمر بن عبد العزیزؒ نے اپنے طرزِ عمل سے یہ دکھا دیا، کہ اسلام کا نظامِ سیاست وراثت وجانشینی کے ملوکانہ تصور سے بالکل الگ ہے، اسلام اس جاہلی تصور کو کسی حال میں برداشت نہیں کرتا،

رفعِ خوف وحزن

از

ڈاکٹر میر ولی الدین (جامعہ عثمانیہ)

(۱)

حق تعالیٰ میرے مولیٰ و نصیر ہیں، میرے محسن و منعم و مکرم ہیں، میری قوت بازو اور میری پناہ گاہ ہیں! ان ہی پر مجھے بھروسہ ہے! میری زندگی کی قوت و حرکت حق تعالیٰ ہی ہیں، ان ہی پر مجھے اعتماد ہے، وہی میرا سہارا ہیں!

حَسْبِیَ اللہ ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر!

اللّٰھُمَّ اِنِّی اَسئلک یا اللہ یا رحمٰنُ	اے اللہ میں تجھ سے مانگتا ہوں، اے اللہ
یا رحیمُ یا جارَ المستجیرین یا اَمانَ	اے رحمٰن، اے رحیم، اے پناہ مانگنے والوں
الخائفین یا عمادَ مَنْ لَا عمادَ لہٗ یا	کی پناہ، اے ڈرنے والوں کو امان دینے والے،
سَنَدَ مَنْ لَا سَنَدَ لہٗ یا ذُخرَ مَنْ	سہارا اس کا جس کا کوئی سہارا نہیں، تکیہ اس
لَا ذُخرَ لہٗ یا حِرزَ الضعفاء یا	کا جس کا کوئی تکیہ نہیں، اے بخشایش اس
یا کنزَ الفقراء یا عظیمَ الرجاء	کی جس کی کوئی بخشایش نہیں، اے ضعیفوں
یا منقذَ الھلکیٰ یا منجی الغرقیٰ	کے بچانے والے، اے فقیروں کا خزانہ،
یا محسنُ یا مکرمُ یا منعمُ یا مفضلُ	اے بڑی امید، اے ہلاک ہونے والوں کو

یا جبارُ یا مُنیرُ انت الذی سجد
لکَ سوادُ اللیل وضوءُ النهار و
شعاعُ الشمس ونورُ القمر و
خفیقُ الشجر ودوی الماء یا اللہ
انت اللہ لا شریک لک اسئلک
ان تصلی علی محمد عبدک ورسولک
وعلی آلِ محمد،!

بچانے والے، اے ڈوبنے والوں کو نجات
دینے والے، اے محسن، اے کرم کرنے والے
اے انعام والے، اے فضل والے آقا،
اے جبار، اے روشن کرنے والے، تیری
وہ ذات ہے کہ سجدہ کیا تجھکو رات کی
سیاہی نے اور دن کی روشنی نے آفتاب
کی شعاع نے اور چاند کے نور نے، درخت
کے جاندار اور پانی کے حیوانوں نے، یا اللہ
تیرا کوئی شریک نہیں، تجھ سے چاہتا ہوں
کہ رحمت بھیجے تو اپنے بندے اور رسول
محمدؐ پر، اور آلِ محمدؐ پر،

خوف کا تسلط میرے قلب پر کیسے ہو سکتا ہے، جب میرے مولیٰ میرے قریب ہیں، میرے ساتھ ہیں، مجھ پر محیط ہیں! کسی قسم کی پریشانیوں سے مجھے کیا غم، جب ان کی قوت میرے اندر موجود اور سرگرم عمل ہے!؟

"اللہ حاضری اللہ ناظری اللہ معی"

"اِنَّ رَبِّی قَرِیبٌ مُّجِیبٌ، (ھود ع ۵)

سخن[1] اقرب از کتاب حق بخوان — نسبت خود را بحق نیکو بدان
ہست حق از ما بما نزدیک تر — ما ز دوری گشتہ حیران دربدر

---

[1] اشارہ بجانب آیۂ شریفہ، نحنُ اقربُ الیہ من حبل الورید،

قربِ حق کے اس احساس کو قلب میں لئے ہوئے میں اپنے روزمرہ زندگی کے فرائض کو بے فکری اور خوش دلی کے ساتھ ادا کرتا رہوں گا، سکون و طمانیت میرے ہر فعل و حرکت سے ظاہر!

"لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا"

سوے نومیدی مرد کا میدہا ست
سوے تاریکی مرد خورشیدہا ست (رومی)

مجھ پر کون غالب آسکتا ہے، حق تعالیٰ میری قوتِ بازو ہیں، میرے مولیٰ اور ناصر حقیقی!

وما النصر الا من عند اللہ! اللّٰھم انت عضدی و ناصری،

دامن او گیر اے یار دلیر! کو منزہ باشد از بالا و زیر! (رومی)

مجھ پر کوئی غالب نہیں آسکتا، کیونکہ میرے قلب سے ہر آن محبت اور خیر خواہی کی شعاعیں نکل رہی ہیں، اُن کے مقابلہ میں غیظ و غضب، طنز و تعریض سب فنا ہو جاتے ہیں، وجود ہی میں نہیں آسکتے!

دشنامِ خلق را نہ دہم جز دعا جواب
ابرم کہ تلخ گیرم و شیریں عوض دہم! (صائب)

اب میں ہر خوف ہر شبہہ اور وسواس ہر فکر و غم سے ماورا رہوں، کوئی سلبی خیال، کوئی باطل خطرہ، میرے قلب میں جگہ نہیں پا سکتا، میں قطرۂ نور ہوں، سراپا نور ہوں، حزن و غم سے دور ہوں، دائماً مسرور ہوں،!

واکشیدم لذت و غم را بردن کردم نزدل
چون تہی از مغز گردید استخوان انداختم (ناصر علی)

خوف کا تسلط اب میرے قلب پر ممکن نہیں، کیونکہ حق تعالیٰ میرے ساتھ ہیں، فکر و تردد کا بار میرے سینہ پر نہیں، کیونکہ حق تعالیٰ میرے تمام کاروبار کے وکیل و کارساز ہیں!

قُلْ هُوَ رَبِّیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا هُوَ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ مَتَابِ! (پ ۱۳ ع ۱۰)

آپ فرما دیجئے کہ وہ میرا رب ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے قابل نہیں میں نے اسی پر بھروسہ کر لیا، اور اسی کے پاس مجھ کو جانا ہے

اے ناخدا ز مصلحت ما بشوی دست
ما با خدائے خویش بکشتی نشستہ ایم! (صائب)

میرا دل قوی ہے، خوش ہے، میں خوف سے بالکل آزاد ہوں، کیونکہ میں نے اپنا سارا بوجھ حق تعالیٰ کے کندھوں پر رکھ دیا ہے، اور ان کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے،!

فَاللّٰہُ خَیْرٌ حَافِظًا وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ — پس اللہ بہترین محافظ ہے، وہ ارحم الراحمین ہے

بِسْمِ اللّٰہِ اَفْتَتِحُ وَبِہٖ اَخْتِمُ اللّٰہَ اللّٰہَ اللّٰہَ! — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں اور اسی کے نام پر ختم کرتا ہوں، اللہ اللہ اللہ!

این ہمہ غمہا کہ اندر سینہا ست — از غبار دگر دو باد دو بود ما ست
این چنین و آن چنان وسواس ماست (رومی)

ڈروں کس چیز سے جب حق تعالیٰ ہر جگہ حاضر و موجود ہیں، وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطًا! غم و حزن سے مجھے کیا سروکار جب حق تعالیٰ میری رہبری فرما رہے ہیں، اور ہر روز میرے معاملات کو اپنی خاص توجہ سے درست فرما رہے ہیں؟ کیا وہ میرے لئے کافی نہیں؟ ان کے ہوتے ہوئے مجھے کسی کا کیا ڈر؟

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ — کیا اللہ اپنے بندوں کے لئے کافی نہیں!
یُخَوِّفُوْنَکَ بِالَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِہٖ — کیا تجھ کو یہ لوگ اُن سے ڈراتے ہیں جو خدا کے ماسوا ہیں: (درست) (پ ۲۴ ع ۱)

سینۂ افلاک سے اٹھتی ہے آہِ سوزناک

مردِ حق ہوتا ہے جب مرعوبِ سلطان و امیر (اقبال)

حق تعالیٰ میری راہ کو آسان بنا رہے ہیں، ان کے لئے ہر چیز آسان ہے! مومن کی تائید انھوں نے اپنا حق قرار دے لیا ہے!

كَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ،

اب مجھے ٹھوکر کا کوئی اندیشہ نہیں، کیونکہ حق تعالیٰ میرے راستہ کا نور ہیں!

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ! (پ ۳ ع ۲)

اللہ ساتھی ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے، اور ان کو تاریکیوں سے نکال کر یا بچا کر نور کی طرف لاتا ہے،

یارب ز کرم امید بے بیم دہ — ملکے کہ رضائے تست تعلیم دہ!

تاریکیٔ عقل در کشاکش دارد — از شمع رضا فروغ تسلیم دہ!

اب میں زندگی کے ہر واقعہ کو بلا خوف و ہراس خوش آمدید کہوں گا، اور مظاہرِ آثار سے قطعاً متردد نہ ہوں گا، ان میں تو ہر آن تغیر ہے، کوئی دوام یہ قائم نہیں رہتے اور میں نے ذاتِ ازلی و ابدی کو اپنا مقام بنا لیا ہے! ایمان کی مضبوط چٹان پہ کھڑا ہوں اور کوئی چیز میرے سکون و وقار کو متزلزل نہیں کر سکتی!

"كنتُ وتكون وأنت حيّ لا يموت تنام العيون وتتكور النجوم وأنت حيّ قيّوم لا تأخذك سنة ولا نوم يا حيّ يا قيوم"[1]!

---

[1] حضرت موسیٰؑ جب فرعون کے مقابلہ کو چلے اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حنین کی لڑائی کے لئے نکلے تو یہ دعا پڑھتے تھے اور ہر مصیبت زدہ کو یہ دعا پڑھنی چاہئے،

حاشا کہ دلم از تو جدا خواہد شد یا بکس دیگر آشنا خواہد شد

از مہر تو بگسلد کرا دارد دوست ور کوے تو بگذرد کجا خواہد شد

مین حق تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہون جو میرے مولا و ناصر ہین جنھون نے میرے قلب کو ہر غم و حزن خوف و فکر سے آزاد فرما دیا ہے، اور اس کو سکون و اطمینان سے معمور فرما دیا ہے، اَلحمدُ للّٰہ حمدًا کثیرًا طیبًا مُبارکًا فیہ،

(۲)

ہم پر کوئی حادثہ یا مصیبت نہین نازل ہو سکتی، مگر وہی جو حق تعالیٰ نے ہمارے لئے مقدر فرمائی ہی وہ ہمارے مولیٰ ہین، آقا ہین، ہمین اپنے سب کام ان ہی کے سپرد کر دینے چاہئین" ان ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے، ان ہی کا آسرا ڈھونڈھنا چاہیے، مجھے ان کے در کے سوا کہان پناہ مل سکتی ہے؟ اور کون مجھے پناہ دے سکتا ہے،؟!

قُلْ لَنْ یُّصِیْبَنَا اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَنَا ھُوَ مَوْلٰنَا وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ"

(پارہ ۱۰ ع ۱۲)

شاد و خنداں پیش تیغش سر بنہ!

ہمچو اسمٰعیل پیشش سر بنہ! (رومی)

میرا یہ پختہ ایمان ہے، کہ ہر غم و مصیبت کا مجھ پر پڑنا حق تعالیٰ ہی کی مشیت و ارادت سے ہوتا ہے،:

مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَۃٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ (پ ۲۸ ع ۱۵)

کوئی مصیبت بدون خدا کے حکم کے نہین آتی،

جب ہر مصیبت کا ورود حق تعالیٰ ہی کے حکم وارادہ سے ہوتا ہے، اور حق تعالیٰ مجھ پر بعد ایمان[1] رحیم ہیں، جیسا کہ ان کا ارشاد ہے، کان بالمومنین رحیما، تو اب جو کچھ بھی ان کی طرف سے پیش آئے گا، اس میں رحمت بھی ہوگی، اور حکمت بھی!

جامی از یار پسندیدہ ہر یدہ حاشا
کان پسندیدہ بجز کار پسندے نکند (رومی)

حواس کی آنکھ مظاہر و حقائق میں فرق نہیں کر سکتی، نمود و بود کے امتیاز سے قاصر ہوتی ہے! اسی لئے تاکید فرمادی گئی ہے،

عسیٰ ان تکرھوا شیئاً ویجعل اللہ فیہ خیراً کثیراً (پ ۴ ع ۱۲) شاید تم کسی چیز کو برا جانو اور حق تعالیٰ اس میں خیر کثیر رکھا ہو،

میری عقل بھی امروز و دوش کی زنجیروں میں پابستہ ہے تابع نفس ہے حقیقی اقدار سے غافل، حقیقت سے جاہل ہے، اسے منزل کی خبر نہیں، اس کو حقائق حیات کا علم نہیں!

زین خرد جاہل ہمی باید شدن دست در دیوانگی باید زدن،
ادست دیوانہ کہ دیوانہ نشد این عسس را دید و در خانہ نشد (رومی)

عاقل و بالغ تو وہی مرد ہے، جو ہوئی و ہوس سے آزاد ہے، علم اللہ کا تابع ہے، اس کے سوا سب ہی بچے ہیں نادان اور بے عقل!

خلق اطفال اند جز مست خدا
نیست بالغ جز رسیدہ از ہوئی (رومی)

بچہ ہی تو دودھ چھوٹتے وقت پریشان ہوتا ہے، سخت تکلیف محسوس کرتا ہے، اس کو ایک

---

[1] بہر صورت مجھے اپنے ایمان کی حفاظت ہے،

مصیبت خیال کرتا ہے لیکن وہی کچھ عرصہ بعد اپنی ماں کو دعا بھی دیتا ہے، کہ

ع جزاک اللہ چشم باز کردی!

اگر تو میرا دودھ نہ چھڑاتی، تو میں آج یہ لذیذ اور نفیس غذائیں کیونکر کھاتا!

بچہ ہی تو ضتہ کو ایک مصیبت عظمیٰ خیال کرتا ہے، اس سے پناہ مانگتا ہے، لیکن اس کی مہربان ماں اس کو مصیبت نہیں سمجھتی!

طفل می لرزد زنیش احتجام
مادر مشفق از ان غم شاد وکام! (رومی)

مجھ پر جو مصیبت آئی ہے، وہ حق تعالیٰ ہی کے ارادہ اور مشیت سے آئی ہے، اور حق تعالیٰ میرے آقا اور مولیٰ ہیں، اور مجھ پر رحیم وحلیم ہیں، ان کی طرف سے جو بات بھی آتی ہے، اس میں خیر ہی ہوتا ہے، وہ رحمت سے محو ہوتی ہے، ہرگز حکمت سے خالی نہیں ہوتی، اس لئے میں اپنی ارادت حق تعالیٰ کی ارادت اور مرضی کے تحت کر دیتا ہوں، ان کے فعل سے راضی ہو جاتا ہوں، ان کے حکم کے آگے سر جھکا دیتا ہوں لیکن ان کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں تھامے رکھتا ہوں، اور اب وہ جس تاریکی میں بھی مجھے لے چلنا چاہے، ذوق وشوق کے ساتھ قدم اٹھاتا ہوں یقیناً وہ مجھے بالآخر سرسبز وشاداب وادی ہی میں پہنچا دینگے، وہ میرے مولیٰ ہیں، میرے مالک ہیں، ستر ماؤں سے زیادہ مجھ پر رحیم ہیں! بے ضرورت وہ مجھے آزار میں کیوں مبتلا کریں گے؟!

آن کسے را کہ چنین شاہے کشد سوے بخت وبہترین جائے کشد
نیم جان بستاند وصد جان دہد آنچہ در وہمت نیاید آن دہد! (رومی)

ایسے کریم کا در چھوڑ کر کہاں جاؤں، کس کے آگے ہاتھ پھیلاؤں، کس کے قدم پکڑوں؟!

تو کریم مطلق و من گدا چہ کنی جزا نیکہ نخوانیم!
در دیگرے نبود کہ من بجبا روم چو برانیم!
نہ بنقش بستہ مشوشم نہ بحرف ساختہ سرخوشم!
نفسے بیاد تو می کشم چہ عبارت و چہ معانیم!
ہمہ عمر ہرزہ دویدہ ام خجلم کنون کہ خمیدہ ام!
من اگر بحلقہ تنیدہ ام تو برون در منشانیم (بیدل)

اللّٰھُمَّ لَکَ الحمد وانیک المشتکیٰ — یا اللہ تیرے ہی لئے تعریف ہے اور تجھی سے
وَبِکَ المستغاث وانت المستعانُ — لائق ہے شکایت، اور تجھ ہی سے فریاد ہے
وَلَا حَولَ ولَا قوۃ الّا باللّٰہِ، — اور تو ہی مستعان ہے، اور اللہ کے سوا نہ

(مرحومہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی دعا)

تابعینؓ

علم و عمل اور مذہب و اخلاق میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سچے جانشین اور ان کے تربیت یافتہ تابعین کرام رضی اللہ عنہم تھے، اور صحابۂ کرام کے بعد انہی کی زندگی مسلمانوں کے لئے نمونۂ عمل ہے، اس لئے سیر الصحابہ کی تکمیل کے بعد دار المصنفین نے اس مقدس گروہ کے حالات کا یہ تازہ مرتب کیا ہے اس میں حضرت عمر بن عبد العزیز، حضرت حسن بصری، حضرت اویس قرنی، حضرت امام زین العابدین، حضرت امام باقر، حضرت امام جعفر صادق، حضرت محمد بن حنفیہ، حضرت سعید بن مسیب، حضرت سعید بن جبیر، حضرت محمد بن سیرین، حضرت ابن شہاب زہری، امام ربیعہ رائی، امام مکحول شامیؒ قاضی شریحؒ وغیرہ چھیانوے اکابر تابعینؓ کے سوانح، ان کے علمی، مذہبی، اخلاقی اور علمی مجاہدات اور کارناموں کی تفصیل ہے، ضخامت ۶۰۰ صفحے، قیمت :- للعہ ر

"منیجر"

مثنوی گلزار نسیم کے ماخذ

از

جناب سید ظہور حسن صاحب رامپوری

بعض اوقات ردی مین ایسے غیر مطبوعہ پرانے قلمی نسخے ملجاتے ہین جن سے عجیب وغریب حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے، ہمارے پاس دو مثنویان قلمی ہین جنھین ہر طرح مثنوی گلزار نسیم کی اصل کہا جاسکتا ہے، ان مین کی ایک مثنوی اردو مین ہے جس کا تاریخی نام باغ بہار ہے، یہ ریحان الدین لکھنوی متخلص بہ ریحاؔن کی لکھی ہوئی ہے. دوسری مثنوی فارسی مین ہے، یہ رفعت لکھنوی کی تصنیف ہے، افسوس باوجود کوشش بسیار مکمل نہین مل سکی، لیکن جگہ جگہ تخلص کے آنے سے اس کے مصنف کا پتہ چلتا ہے،

ان تینون مثنویون کا ایک ہی قصہ سے تعلق ہے، ایک ہی بحر ہے اور نام اور مقام بھی ایک ہی ہین، اس کے علاوہ اکثر مصرعون اور شعرون کا لفظ بلفظ مثنوی گلزار نسیم مین موجود ہونا خود اس خیال کا بڑا مؤید ہے، کہ نسیم کی نظر سے پہلی یا دوسری یا دونون مثنویان ضرور گذری ہین لیکن حیرت یہ ہے کہ خود نسیم نے اس کا اقرار نہین کیا، بلکہ اپنی مثنوی کی اصل ایک نثری قصے کو بتایا ہے،

وہ نثر ہے، داد نظم دون مین

اس مے کو دو آتشہ کرون مین

مثنوی گلزار نسیم کا سنہ تصنیف ۱۲۵۳ھ خود نسیم ہی کے مصرع

توفیق قبول روز بیش باد

سے نکلتا ہے، اور باغ بہار کا سال تالیف ۱۲۱۵ھ ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ گلزار نسیم، باغ بہار سے ۴۴ سال بعد وجود مین آئی، ۴۴ سال مین زبان مین جتنی صناعی آسکتی ہے، وہ گلزار نسیم اور باغ بہار کے مقابلہ سے ظاہر بھی ہے، اگر اردو زبان نصف صدی گذر جانے پر بھی اسی نقطہ پہ موجود رہتی جہان نصف صدی پہلے تھی، تو یہ ایک مردہ زبان کے جانے کی مستحق تھی، لیکن ہر زندہ زبان ترقی کرتی ہے، اور دنیا کی کوئی زندہ زبان اگر کچھ قبل کی زبان سے مقابلہ کرکے دیکھی جائے گی، تو یہی صورت پیش آئے گی جو یہان نظر آرہی ہے،

رفعت لکھنوی نے اپنی فارسی مثنوی مین اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ یہ فسانہ انھین نثر مین ملا،

یعنی چو کہن بشد زمانہ — کم قدر شدہ است این فسانہ

خواہم کہ بگویمش دگر بار — یارب بکشا بہم بہ گفتار

اگرچہ اس مثنوی کا صحیح سنہ تصنیف نہین ملا لیکن اس کے بعض بعض مصرعون اور شعرون کا ہو بہو ترجمہ مثنوی گلزار نسیم مین پایا جاتا ہے، اس سے اتنا پتہ ضرور چلتا ہے کہ رفعت لکھنوی فارسی کے شاعر نسیم سے پہلے گزرے ہین،

ان تمام واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ نسیم کو کسی طرح یہ قلمی مثنویان مل گئی تھین، اور انھون نے ان سے فائدہ بھی اٹھایا ہے، ہم اس وقت ان مثنویون کے بعض بعض مقامات نقل کرتے ہین، جن کا طرز بیان وغیرہ گلزار نسیم سے ملتا ہے، ناظرین کی آسانی کے خیال سے ہم نے گلزار نسیم کے ہم مضمون اشعار بھی نقل کر دیئے ہین،

پہلے رفعت کی فارسی مثنوی اور گلزار نسیم کا تقابل مطالعہ فرمایئے،

رفعت	نسیم
چو ن مرد کمش نگاہ وارید	پتلی سا نگاہ رکھ کے پالا

	رفعت	نسیم
۲-	عازم بہ سفر شدند ہر چار	شہزادے ہوئے وہ چاروں تیار
	زیشان بہ برید شاہ ناچار	رخصت کئے شہ نے چار ناچار
۳-	گفتند کہ چشم شاہ شد کور	سلطان زین الملوک شہ زور
	ناچیز ز عارضِ پسر نور	دیدار پسر سے ہو گیا کور
	بارے چو رخش ترا بیاید	پیارا یہ وہ ہے کہ دیکھ اسی کو
	بینائی چشم تو رباید	پھر دیکھ نہ سکے گا وہ کسی کو
۴-	می گشت چو گرد رہ بدشتے	میدان مین خاک اڑا رہا تھا
۵-	در مشتِ تو باد پیما	مٹھی مین ہوا کا تھا منا کیا
۶-	در دیدہ کنم چو مردمک جا	ہے چشم پری میں جاے مردم
۷-	چون سرو بہ ہر طرف خرامان	شمشاد روان ہوا چمن مین
۸-	از بہر تو اے بت پری رُخ مشہور شدم بہ نام فرخ	فرخ ترے واسطے ہوئی مین
۹-	حالت بزبان تو شنیدم	سب مجھ سے سنی تری زبانی
۱۰-	اے شاہ ارم بت گل اندام	اے شاہ ارم کی دخت گلفام
	فرخ لقب و بکاولی نام	فرخ لقب و بکاولی نام
۱۱-	باز آمدہ آب رفتہ در جو	آیا پھر آبِ رفتہ جو مین
۱۲-	چون در تو بہ در کشادہ	توبہ کا سا در کھلا ہوا تھا
۱۳-	در جامہ خویشتن نگنجید	پھولا نہ وہ جامہ مین سمایا

اس مقابلہ سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ نسیم فصاحت کا کس درجہ زبردست استاد ہے، اس کے بعد باغ بہار اور گلزار نسیم کے اشعار پیش ہیں ان کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ جہاں تک لطف زبان، صفائی سادگی، روانی اور شستگی کا تعلق ہے باغ بہار نسیم کی مثنوی سے بہت بلند ہے، اس میں وہ مصنوعی صنعت گری بالکل نہیں پائی جاتی جس سے گلزار نسیم کے مصنف نے کام لے کر اپنے آپ کو ریحان سے آگے بڑھانے کی کوشش کی ہے

	نسیم	ریحان
۱۔	پورب میں ایک تھا شہنشاہ	تھا زین الملوک نام جس کا
	سلطان زین الملوک ذیجاہ	دوران فلک غلام جس کا
	لشکر کش و تاجدار تھا وہ	یوں کہتے ہیں راویان آگاہ
	دشمن کش و شہریار تھا وہ	تھا شرق کی سرزمین میں کوئی شاہ

ریحان تاج الملوک کی پیدایش نسیم

بالقصہ عنایت خدا سے	امید کے نخل نے دیا بار
بیٹا جنا اس پری لقا نے	خورشید حمل ہوا نمودار
بیٹا کہوں یا کہ ماہ یا را	وہ نور کہ صدقے تھے انور
یا ٹوٹ پڑا فلک سے تارا	وہ رخ کہ نہ ٹھہری آنکھ جس پر

تاج الملوک کا جوان ہونا

طفلی گئی آئی نوجوانی	جب نام خدا جوان ہوا وہ
غنچہ لگا کرنے گلستانی	مانند نظر ردان ہوا وہ

باپ بیٹے کی مڈبھیڑ اور زین الملوک کا نابینا ہونا

تقدیر سے شاہزادہ وشاہ	آتا تھا شکارگاہ سے شاہ

ریحان

باہم ہوئے دو بدو سر راہ
جب شاہ نے اس پسر کو دیکھا
آنکھوں تلے آگیا اندھیرا
گویا کہ تھی اس جواں کی تقدیر
اس پیر کی آنکھوں کے لئے تیر

نسیم

فطارہ کیا پسر کا ناگاہ
صاد آنکھوں کی دیکھ کر پسر کی
بینائی کے چہرے پر نظر کی
مُہرِ لب شہ ہوئی خموشی
کی نورِ بصر سے چشم پوشی

علاج کے لئے دوڑ دھوپ

۵- سو طرح کی ہو چکی تلافی
پہنچا نہ ادے علاج کافی
عاجز ہوئے سارے تجربہ کار
حاصل نہ ہوئی شفائے بیمار

تقدیر سے چل نہ سکا نہ کچھ زور
بینا نہ ہوا وہ دیدۂ کور

۶- تھا اک طبیب سن رسیدہ
دانائے جہان زمانہ دیدہ
آیا جو پئے علاجِ سلطان
کہنے لگا یوں کہ شاہ ذیشان
ہے ایک دوا بہت مجرب
بے سعی مگر ملے ہے وہ کب
اے سرو حدیقۂ تجمل
کہتے ہیں اُسے بھاؤلی گل

تھا ایک کہنسال پیر دیرین
عیسیٰ کی تھیں اُس نے آنکھیں دیکھیں
وہ مردِ خدا بہت کرا ہا
سلطان سے ملا کہ شاہا
ہے باغِ بکاؤلی میں اک گل
پلکوں سے اسی پہ مار چنگل

ریحان | نسیم

کر دیتی ہے کور کو وہ بنیا
یون لکھ گیا بو علی سینا

۷۔ القصہ وہ چار دن ہی بداختر | وہ ہاتھ مین چار دن اس نے لوٹے
صدقے ہوے بیوا کے گھر پر | پنجے مین پھنسے تو چھکے چھوٹے
وان آیا جو بیوا کا سرکوب | ملتی تھی کھلاڑونکے کی چوٹ
نقارہ پہ زور سے جڑی چوب | نقارہ و چوب مین چلی چوٹ
معمول تھا یہ کوئی جو آتا
چوب ایک نقارہ پر لگاتا
تھا یہ تو بڑا گھمنڈ والا
نقارہ کو دھر کے پیٹ ڈالا
ایسا کہ جو کانپ اٹھی حویلی
اور چونک پڑی وہ بیوا بھی
اندر سے نقارہ کی سُن آواز
کرنے لگی اپنے جی مین انداز
معلوم نہین یہ کون آیا
معمول سے کیون سوا بجایا

۸۔ چٹ پٹ لگی چٹکیان بجانے | وہ چشم و چراغ بیوا کے
چوہے کو اشارون مین بلانے | کرنے لگے تاک جھانک آکے

ریحان

شہ کی جو تھا آستین مین راسو
چٹکی کی صدا جو پہونچی اسکو
غرایا وہ آستین کے اندر
چوہا وہین دب گیا جو ڈر کر
۹- اک دن بزبان خود ہوگویا
کی شاہ سے عقد کی تمنا
۱۰- جانا ہی اگر ہے تم کو لانا
تو بہر خدا شتاب آنا
حق حافظ حال ہے سدھارو
دل سو منیا تمھین تمھین خدا کو
۱۱- اور کہنے لگا کہ واہ جی واہ
یہ تو کوئی اور شے ہے واللہ
۱۲ ہمشیر یہ میری ہے امانت
رکھنا تو اسے بہ مہر و شفقت
۱۳ جب تاج نے دیکھا وہ سراپا
سو دل سے ہوا پری پہ شیدا
پس کھو دیا صبر و طاقت و تاب
تھا جس پہ ہنوز فتنہ در خواب

نسیم

نیولا وہ کہ مار آستین تھا
چٹکی کے بجاتے ہی وہین تھا
بلی تو چراغ پا تھی خاموش
بل ہو گیا موش کو فراموش
لونڈی ہون نہیں عدول مجھکو
خدمت مین کرو قبول مجھکو
یہ کہہ کے اٹھا کہا کہ لو جان
جاتے ہین کہا خدا نگہبان
.....
.....
کہنے لگا کیا مزا ہے دلخواہ
اے آدمی زاد واہ واہ
پیارا یہ مرا ہے آدمی زاد
رکھیو اسے جس طرح مری یاد
سوچا کہ یہ زلف کف مین لینی
ہے سانپ کے منہ مین انگلی دینی
یہ پھول انہی اژدہون کا ہے من
یہ کالے چراغ کے ہین دشمن

ریحان

چاہے تھا کہ جی سے ہاتھ دھوکر
جا گر پڑے بے تحاشا اس پر

یاد آئی اسے پدر کی حالت
پھر آگئی دل مین استقامت
کہنے لگا کچھ نہین ہے یہ کام
معیوب ہے اس جگہ پہ اقدام
تجھ پاس ہے ایک کی امانت
مردون سے بعید ہے خیانت
گر تو نے یہ اس جگہ کیا کام
تو باپ کو ہو چکا بس آرام
بس لے کے انگوٹھی اس پری کی
پہنا دیا جھٹ انگوٹھی اپنی
لے ہاتھ مین گل دنگین وہ حامل
نکلا تو سہی پہ رہ گیا دل

۱۴- جس وقت سیاہ و زرد شب کا
شعلہ سے سحر گی کے دہکا

نسیم

گل چھین کر ہنسی ہنوے بالکل
خندہ نہ ہو برق حاصل گل
پھر سمجھین گے ہے جو زندگانی
کچھ نام کو رکھ چلو نشانی

انگشتری اپنی اس کو دیدی
مہر خط عاشقی سند لی
گل ہاتھ مین مثل دست بینا
اس نقب کی آستین سے نکلا

گلچین نے وہ پھول جب اڑایا
اور غنچہ صبح کھل کھلایا

ریحان	نسیم
روشن ہوئی شرق سے سحرگاہ	وہ سبزۂ باغ خواب آرام
نکلا شہِ خاوری کا خرگاہ	یعنی وہ بکاؤلی گل اندام
اٹھ بیٹھی بکاؤلی پلنگ پر	جاگی مُرغِ سحر کے غل سے
مانند طلوع مہرِ خاور	اٹھی نکہت سی فرشِ گل سے
جس جا کہ نہ ہو صبا کو جرأت	اپنوں میں سے پھول لے گیا کون
لیجائے چرا کے گل کو نکہت	بے گانہ تھا سبزہ کے سوا کون
مقدور نہیں کہ کوئی بلبل	شبنم کے سوا چرانے والا
اس باغ میں ہو وے عاشقِ گل	اوپر کا تھا کون آنے والا
یاں اور کو ہو گزر یہ معلوم	ہاتھوں کو ملا کیا کہ ہیہات
ہو گل سے جہان نسیم محروم	خاتم بھی بدل گیا ہے بدذات
ہے آدمی کیا لباط کیا مال	جس نے مجھے ہاتھ ہے لگایا
جلتے ہیں یہاں فرشتہ کے بال	وہ ہاتھ لگے کہیں خدایا
جب ہاتھ ملایا ہوگا ہیہات	
باقی رہی ہوگی کونسی بات	
اے کاش اسے پکڑنے پاتی	
کیا کیا مزے چوری کے چکھاتی	
(۱۵) فی الفور چلی تلاش کرنے	کہتی تھی پری کہ اُڑ کے جاتی
دل پھول کے چور کو پکڑنے	گلچین کا کہیں پتہ لگاتی

ریحان

ہر جا اُسے ڈھونڈتی پھری وہ
کوچہ کوچہ گلی گلی وہ
وہ ڈھونڈھ چکی جہان سارا
سارے عالم کو چھان مارا
دوڑی گئی بے تحاشا ہو کر
جا گر پڑی تاج کے قدم پر
محمودہ کو دیکھ وہ پری رو
کہنے لگی شہ سے مضطرب ہو
یہ کون ہیں کیا ہے ان کی تعریف
کچھ کیجئے بیان وصف توصیف
اس نے کہا اے نگار دلجو
کچھ پوچھ مت آپ کی صفت کو
ہے ان کی صفت بیان سے خارج
اوصاف مری زبان سے خارج
اس ملک میں ان کی ہی بدولت
مری رہی زندگی سلامت
گر ان کی نہ ہوتی درمیان ذات
ہرگز نہ برآتے میرے حاجات

نسیم

ہر باغ میں پھولتی پھری وہ
ہر شاخ پہ جھولتی پھری وہ
جس تختہ میں مثل باد جاتی
اُس رنگ کے گل کی بو نہ پاتی
چار آنکھیں ہوئیں تو تھی شناسا
قدموں پہ گری وہ سایہ آسا
صدقے ہو کر کہا خوشی سے
جس گل کی ہوا لگی تھی لب سے
ہمراہ یہ کون دوسری ہے
سایہ ہے کہ ہم قدم پری ہے
بولا شہزادہ شکر ہے ہاں
پُر ہے گل آرزو سے دامان
محمودہ نام ہیں جو یہ ساتھ
پھول ان کے سبب سے آگیا ہاتھ

(باقی)

سیام کے مسلمان

از

جناب طاہر دلاور حسین صاحب ناظم جمعیۃ الاسلام بنکوک سیام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

سیام مین مدت سے ہندوستانی مسلمان تاجرانہ حیثیت سے مقیم ہین بمبئی، گجرات، بڑودہ، پنجاب، یوپی، سرحد، مدراس، وغیرہ صوبون کے مسلمان ہین، پٹھان مسلمان تو پہرہ داری کا پیشہ کرتے ہین، ان مین تاجر بہت کم ہین، مگر عزت سے زندگی گذار رہے ہین، ہندی مسلمانون کی تعداد تقریباً ایک ہزار تک پہنچتی ہے، شیعہ سُنّی کے امتیازی نامون سے یہان کے مسلمان عموماً بیزار ہین، مسلمان کی حیثیت سے آپس مین ملتے ہین، شادی غمی مین بلا تفریق دل سے شریک ہوتے ہین، جمعیۃ الاسلام کے نام سے بارہ سال سے ایک انجمن سیام مین قائم ہے، جس مین مختلف خیال کے مسلمان متحد ہین، سب صوبون کے مسلمانون کے نمایندے اس کی انتظامیہ کمیٹی کے ممبر ہین، جمعیۃ الاسلام کے پیش نظر ہندوستان سے باہر رہنے والے مسلمانون مین دینی اسپرٹ قائم کرنا ایک اہم مقصد ہے اس مقصد مین جمعیت کو کسی حد تک کامیابی بھی ہوئی ہے، سیام مین مسلمان تقریباً دس لاکھ اور پوری آبادی مین چھ فی صدی ہین، ان مین غلط وطنیت کا جذبہ ضرورت سے زیادہ نمایان ہے، اسلامی نامون سے سیامی حکومت کی جانب سے کسی زمانے مین ناراضی ظاہر کی گئی تھی، مقامی مسلمان

نام تک بدل ڈالنے کے لئے تیار ہوگئے، چنانچہ مسلمان افسیرون مین سے اکثرون کے نام اسلامی نہ ہونے کی وجہ سے ان کا پہچاننا مشکل ہے، اسّی تین سو سال پہلے عرب مسلمانون کا کوئی وفد سیام آیا تھا، اُس یہان کے راجہ کو دعوتِ اسلام دی تھی، راجہ نے تو اسلام قبول نہین کیا مگر عوام مین سے چند اسلام کے گرویدہ ہوگئے، حسن اتفاق سے چند صوفیہ بھی اسی زمانہ مین آئے، اُن کے روحانی فیوض سے اشاعت اسلام مین تیزی ہوئی، جنوبی سیام مین مسلمان زیادہ ہین، اور چونکہ ملایا سے قریب ہین، اس لئے سیامی زبان کے ساتھ ساتھ ملائی زبان بھی جانتے ہین، خود شہر بنکوک مین ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان ہین، اور اسّی سے اوپر مساجد ہین، اکثر مسلمان کاشتکار اور دستکار ہین، لکڑی کے تاجر بھی چند ہین، وہی خوشحال ہین، چند حاجی بھی جابجا نظر آتے ہین، ہندوستانی مسلمان جس طرح حج کرکے فوراً وطن واپس آجاتے ہین، اس طرح سے سیامی حاجی واپس نہین آتے، بلکہ دس دس پندرہ پندرہ برس حجاز مین قیام کرتے ہیں اور سیام کے عام مسلمان ان کے سفرِ حج کے موقع پر اور اُن کے زمانۂ قیام مین بھی ان کی مدد کرتے رہتے ہین، چنانچہ اس طرح کے اچھے خاصے تعلیم یافتہ ملک بھر مین جابجا پھیلے نظر آتے ہین، تعلیم یافتہ سیامی مسلمان عربی زبان پر کافی عبور رکھتے ہین، اگر کوئی نووارد مسلمان عربی دان ہو تو تبادلۂ خیالات مین بڑی سہولت ہوتی ہے، ہندوستانی نسل کے مخلوط مسلمان بھی کہین کہین شاذ و نادر نظر آتے ہین، چونکہ ان مین ہندوستانی خون ہوتا ہے اس لئے وہ ہندوستانیون کے ساتھ زیادہ میل جول رکھتے ہین، مگر نسوانی آزادی قابلِ اصلاح ہے، لباس مین کوئی تمیز مسلم و غیر مسلم مین نہین ہے، مساجد مین اسلامی لباس مین ان نوجوانون کو دیکھ کر تعجب ہوتا ہے جن مین سے بہتون کو باہر غیر مسلم سمجھے ہوئے تھے، جمعیۃ الاسلام کی کوشش ہے کہ سیامی مسلمان اسلامی نقطۂ نظر سے اپنی پوزیشن سنبھالنے لگ جائین، اور بیرونی مسلمانون سے روابط و تعلقات قائم کرلین، سیامی مسلمانون مین الاصلاح نامی ایک انجمن اصلاحی کام کررہی ہے، غنیمت ہے کہ اس انجمن کے اراکین شوق سے اور سمجھ کر کام کررہے ہین، یون تو برائے نام اور دوسری انجمنین بھی قائم ہین، سب انجمنون کی شرکت سے ایک مرکزی

انجمن کے قیام کی تحریک جمعیۃ الاسلام کی جانب سے کی گئی ہے جو امید ہے کہ کامیاب ہو جائے گی، اس سے انشاء اللہ آیندہ سیامی مسلمان بہت کچھ کام آسانی سے کر سکیں گے،

ہندوستانی نسل کے مسلمان بچوں کے لئے تعلیم کا خاطر خواہ انتظام نہیں ہے، اور وہ موجودہ سیامی اسکولوں میں تعلیم پاتے ہیں، اس طرح سیامی طرز بود و باش کے عادی ہو گئے ہیں، ناواقفیت کے سبب اسلامی طرز سے ناآشنا ہیں، جمعیۃ الاسلام کا ارادہ ہے، کہ ایک انگریزی اور عربی دان نوجوان عالم کو ہندوستان سے بلا کر اس کے ماتحت ایک مدرسہ چلایا جائے، چنانچہ ابھی سے اس مدرسہ کی بنیاد پڑ گئی ہے، آپ سے ہماری استدعا ہے، کہ سیام میں تبلیغ و اشاعت کی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کے قابل مذکورالصدر اوصاف سے متصف کسی نوجوان عالم کی ہمیں اطلاع دیں، یہاں آنے کے بعد سیامی زبان پر دسترس حاصل کر لینا بہت آسان ہے، چند سال پیشتر ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹگور کے ایک شاگرد اور شانتی نکیتن کے تعلیم یافتہ سوامی ستیانند بودی نام ایک آدمی یہاں آیا تھا، اور قلیل زمانے میں سیامی زبان میں مہارت حاصل کر کے یہاں کے لوگوں میں کافی مقبولیت پیدا کر لی تھی، راجہ تک کے یہاں اس کا رسوخ بڑھ گیا تھا، اس نے اچھی اچھی کتابیں سیامی زبان میں لکھنا شروع کر دی تھیں، لیکن مسلمانوں کے خلاف درپردہ سازش بھی کر رہا تھا، جاپان کے غلبہ کے زمانہ میں جاپان جاتے ہوئے ہوائی حادثہ سے ہلاک ہو گیا، ہم چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں اس قسم کے آدمی نکل آئیں، جو سیام کے لوگوں اور ہندوستانی الاصل مسلمان نوجوانوں کو سنبھالیں، ہماری حوصلہ افزائی کے لئے آپ کی ہدایات ضروری ہیں، اور ہم کو توقع ہے کہ آپ سیام کے دور افتادہ ہندوستانی مسلمانوں کو خبر گیری و دستگیری سے محروم نہ فرمائیں گے، جمعیۃ الاسلام کے ماتحت ایک لائبریری کھولی گئی ہے، ہم چاہتے ہیں، کہ وہ تمام اسلامی رسائل اور کتابیں جو ہندوستان کی مختلف زبانوں میں شائع ہوتی ہیں، ان کو منگائیں، اس سلسلہ میں بھی آپ کی مدد کے منتظر ہیں،

ادبیات

سیلِ تخئیل

از جناب شفق جوالاپوری

ہر اک نقش بر آب ہر چیز فانی
مگر عشق کا ہر نفس جاودانی

رہی جو ہر و عرض کی سرگرانی
مگر آپ اپنی حقیقت نہ جانی

محبت کا قصۂ جنون کی کہانی
کسی نے نہ سمجھا کسی نے نہ جانی

بھڑکتے ہین شعلے سے قلب و جگر مین
نہ پوچھو کہ کیا شے ہے سوزِ نہانی

بجز اشکِ حسرت بجز نقشِ حیرت
محبت کی کس سے ہوئی ترجمانی

مٹایا مجھے کاہشِ غم نے لیکن
نشان بن گئی خود میری بےنشانی

خروشِ جنون مین سکون آچلا تھا
مزا دے گئی اور ہی بدگمانی

کوئی رازِ بےتابیٔ دل نہ سمجھا
بہت چشمِ حسرت نے کی خونفشانی

ہجوم حوادث مصائب کے طوفان
انھین سے عبارت ہو کیا زندگانی

تری ہر صدا باعثِ ساز و نغمہ
تری ہر ادا رقصِ حسن و جوانی

میرے سیلِ تخئیل کا ہے یہ عالم
کہ جیسے پہاڑی ندی کی روانی

شفق میرے ساقی کا فیضِ نظر ہے
یہ گل ہائے معنی، یہ رنگین بیانی

گلبانگِ سرخوشی

از جناب سیّد انور کرمانی

میسّر کہان اُن کو یہ دردِ دوری — فرشتے تیرے گو ہین نوری حضوری
ادب شرطِ اول ہے راہ وفا مین! — جنون کے لئے موت ہے بے شعوری
تڑپ دل کی تاثیرِ حسنِ نظر ہے — متاعِ گرانمایہ ہے ناصبوری
یہی سرِّ ہستی، یہی سرِّ ہستی! — دوام آگہی ہے مع اللہ حضوری
حجابِ تعین اٹھا دے نظر سے — کہانی نہ رہجائے دل کی ادھوری
فریبِ نظر ہین، حجاب آفرین ہین — یہ آنی یہ فانی، یہ خاکی یہ نوری

حشرِ جذبات

از ثاقب کانپوری

جب سے بے تابیٔ حیات گئی — مین نے سمجھا کہ کائنات گئی
دل مین اک ٹیس سی جو ہوتی تھی — عشق کے ساتھ اب وہ بات گئی
دردہی سے تھی زندگی مفہوم — یہ گیا ساری کائنات گئی
ختم قصّہ نہ ہو سکا دل کا — اس فسانے مین ساری رات گئی

محو جلوہ ہون رات دن ثاقبؔ
جب سے شرطِ تعینات گئی

باب التقريظ والانتقاد

مجمع فواد الاول للغة العربية

از

مولانا محمد ناظم صاحب ندوی استاد ادب دارالعلوم ندوہ لکھنؤ

جس طرح انسانی زندگی کا ہر شعبہ بدلتا رہتا ہے، یہی حال زبان کا بھی ہے، دنیا کی تمام زبانیں مختلف عوامل واسباب کی بنا پر بدلتی رہتی ہیں، عربی زبان بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں، گو عربی زبان میں عجمی الفاظ کے استعمال کی مثالیں اسلام سے قبل عہد جاہلیت سے ملتی ہیں، مگر یہ الفاظ بہت تھوڑے ہیں اور ان ہی قبائل کی زبان میں پائے جاتے ہیں، جو حکومت ایران یا حکومت روم کے زیر اقتدار علاقہ کے قریب آباد تھے، یا ان شعراء عرب کے کلام میں ملتے ہیں جو عجمی درباروں سے وابستہ تھے، جیسے اعشیٰ اور عدی بن زید العبادی وغیرہ کا کلام، عام عرب شعراء کا کلام اور عرب قبائل کی زبان عجمی الفاظ اور عجمی اسلوب ادا سے پاک تھی، قرآن شریف میں بعض لغویوں کے نزدیک فارسی سنسکرت یا حبشی کے جو الفاظ ہیں، وہ عربی زبان میں اس طرح مل گئے تھے کہ ان کی حیثیت عجمی نہیں رہی تھی اور وہ عربی الفاظ بن گئے تھے، تاہم ان کی تعداد بہت کم ہے،

طلوع اسلام کے بعد عربوں کی زندگی میں ایک ایسا عظیم الشان انقلاب پیدا ہوا، جس کے اثر سے اس کی زندگی کا ہر شعبہ متاثر ہوا، زبان بھی اس سے مستثنیٰ نہ رہی، اور عربی زبان میں سیکڑوں الفاظ جدید مفہوم میں بولے جانے لگے، ان کا قدیم مفہوم متروک یا مغلوب ہو گیا، صلوٰۃ، زکوٰۃ،

علوم اور اسی قسم کے دوسرے الفاظ پہلے سے موجود تھے، مگر ان معانی مین نہین بولے جاتے تھے جن مین ظہور اسلام کے بعد بولے جانے لگے، قرآن کریم اور نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور معجزانہ بلاغت سے طبیعتون مین جو تری، اخلاق مین جو بلندی اور کردار مین جو پختگی پیدا ہوئی اس کا اثر زبان پر بھی نمایان ہوا کیونکہ انسان کی زبان اس کے اخلاق کا آئینہ ہے، قرآن کریم کی روزانہ تلاوت، پانچ وقتون کی نماز مین اس کی قرأت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بلیغ و حکیمانہ گفتگو کا اثر صحابہ کرام کی زبان پر خصوصًا اور عام مسلمانون کی زبان پر عمومًا الفاظ کی سلاست، ترکیبون کی چستی اور جملون کی جامعیت کی شکل مین ظاہر ہوا، جس کا اندازہ صحابہ کرام کے خطوط، خطبون اور جاہلیت کی تقریرون کے موازنہ سے ہو سکتا ہے، این الثریا من الثری اس تغیر کے باوجود عربی زبان کا قالب وہی رہا، جو جاہلیت مین تھا، مگر اسلام کا دائرہ جس قدر پھیلتا گیا، اور عرب کے دور افتادہ قبائل جیسے جیسے حلقہ بگوش اسلام ہوتے گئے، زبان مین بھی تغیر ہوتا گیا، اور مختلف قسم کی لسانی اور صوتی غلطیان کرنے والے قبائل کا جب ایک دوسرے سے میل جول بڑھا، تو وہ غلطیان جو مخصوص علاقون مین محدود تھین، عام ہونے لگین، مگر یہ صوتی عیوب[1] جو بنی تمیم، ہذیل، اہل یمن اور دوسرے قبائل کی زبان مین پائے جاتے تھے ان کا عربی زبان کی اصل ہیئت اور مخصوص ساخت یا اسلوب ادا پر کوئی اثر نہین ہوا،

بنی امیہ کی حکومت خالص عربی حکومت تھی، اس لئے اس کے زمانہ مین عربی عصبیت کے ساتھ عربون کی دوسری خصوصیتین بھی باقی تھین، حکومت کے تمام عہدون پر عرب تھے، فوج سے لیکر

---

[1] بنی تمیم اگر کسی لفظ کے شروع میں ہمزہ ہوتا، تو اسے عین سے بدل دیتے تھے، مثلاً اسلم کو عسلم کہتے تھے، اس عیب کو عنعنہ کہا جاتا ہے، ہذیل ح کو عین سے بدلتے تھے، اس کو عحجہ کہا جاتا ہے، قضاعہ کلمہ کے آخر مین یا سے مشدد کو جیم سے بدلتے تھے، اس کو جحجہ کہا جاتا ہے، اس کے علاوہ اور دوسرے تغیرات بھی تھے، المزھر سیوطی جلد ۱ ص ۲۰۹ تاریخ ادب اللغۃ العربیہ جرجی زیدان جلد ۱، ص ۴۵،

دیوانی و قضا کے تمام بڑے اور چھوٹے منصب عربوں ہی کے ہاتھوں میں تھے، قرآن کریم کی بلاغت نے آغازِ اسلام میں گو عربوں کی توجہ شاعری کی جانب سے پھیر دی تھی، مگر اموی عہد میں پھر شعر و شاعری کی محفلیں گرم ہو گئی تھیں، عکاظ کا بازار گو ماند پڑ گیا تھا، مگر اس کی جگہ کوفہ و بصرہ کے بازار لگ گئے تھے، جہاں جریر و فرزدق کی ہجو گوئی، تغزل اور فخریہ اشعار پر مباحثہ ہوتا تھا، انہی بازاروں میں ابوالنجم اور الراعی جیسے رجز گو شعراء داد سخن دیا کرتے تھے، جمیل، عمر بن ربیعہ، کثیر، عزۃ، ذوالرمہ اور مجنون جیسے شعراء اپنے ترانوں سے خوش عیش اور بے فکر نوجوانوں کا دل بہلایا کرتے تھے، بنی ہاشم اور بنی امیہ کی سیاسی کشمکش، خوارج اور دوسرے فرقوں کے نزاعات سے عربی زبان میں خطابت، شاعری اور انشاء کا ایک نیا دور شروع ہوا، ہر فریق نے نقلی و عقلی دلائل کے ساتھ زبان و قلم کے اسلحہ بھی سنبھالے ان کی دعوت کی زبان بلیغ اور ان کا اسلوب بیان موثر و دلکش ہوتا تھا، اس طرح اس سیاسی کشمکش نے زبان کو بہت فائدہ پہنچایا، اموی دور میں اہل عجم گو اسلام قبول کر چکے تھے، مگر ان کا غلبہ و استیلاء نہیں ہوا تھا، اس لئے ان کے میل جول سے نہ زبان کا قوام بگڑا، اور نہ خالص ادبی اور لغوی نقطۂ نگاہ سے اس کا قالب بدلا، مگر عباسی حکومت چونکہ عجمیوں کی قوت بازو اور ان کی امداد سے قائم ہوئی تھی، اس لئے شروع ہی سے اس میں عجمی عنصر داخل ہو گیا تھا، اور رفتہ رفتہ حکومت کے تمام شعبوں پر چھا گیا عربی ان عجمیوں کی مادری زبان نہ تھی بلکہ انھوں نے اسکو سیکھا تھا، اس لئے ان کی گفتگو عجمی الفاظ، عجمی اسلوب ادا سے لبریز ہوتی، عجمی لونڈی اور غلاموں کی کثرت اور عجمیوں سے ازدواجی تعلقات کا شہروں کی زبان پر گہرا اثر پڑا، خلفاء، امراء اور رؤساء کی مجلسیں عجمی نژاد مرد و زن سے آباد تھیں، عربوں اور عجمیوں کے درمیان ازدواجی تعلقات کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے، کہ امین الرشید کی ماں کے سوا تمام عباسی خلفا کی مائیں عجمی نژاد تھیں، ان کی گود میں پلے ہوئے خلفاء، رؤساء اور امراء کی زبان کا جو حال ہو گا، اس کا اندازہ مشکل نہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ عباسی عہد میں غیر عربی الفاظ کا نہ تھمنے والا سیلاب آنے لگا

غیر عرب قوموں کے قبولِ اسلام سے عربی صرف عربوں کی زبان نہیں رہی تھی، بلکہ وہ تمام عالم اسلام کے مسلمانوں کی مذہبی اور بہت سے غیر عرب ممالک کی تمدنی اور مادری زبان بھی بن گئی تھی، اس وسعت اور پھیلاؤ سے جہاں عربی زبان کے طریقۂ ادا میں تنوع، اسلوبِ بیان میں دلکشی اور تاثیر اور بہت سے تمدنی افکار و خیالات ادا کرنے کی زبان میں صلاحیت پیدا ہو گئی تھی، وہاں ادبی اور لسانی حیثیت سے ایک بڑا نقصان یہ ہوا، کہ بہت سے غیر عربی الفاظ جن کے معانی ادا کرنے کے لئے خود عربی میں الفاظ موجود تھے، زبان میں داخل ہو گئے، رفتہ رفتہ ان الفاظ نے اصل عربی کی جگہ لے لی، اور بہت سے عربی الفاظ خود اہل عرب بھول گئے، خالص عربی الفاظ کو عجمیوں کے اختلاط سے عرب بھی غلط طریقہ پر ادا کرنے لگے، اس انفرادی سے عربی زبان کا مزاج بگڑ گیا اور اس کی اصلی ہیئت و ساخت میں نقص پیدا ہو گیا، اسی بنا پر دوسری صدی ہجری کے اخیر تک تو عرب کے شہروں کی زبان قابلِ اعتبار اور مستند رہی، لیکن اس کے بعد اہلِ لغت نے ان کی زبان کو پایۂ اعتبار سے ساقط کر دیا، البتہ عرب کے بدوی قبائل کی زبان عجمیوں سے عدم اختلاط کے باعث محفوظ تھی، اور چوتھی صدی ہجری تک جزیرہ عرب کے بدوی قبائل صحیح اور فصیح زبان بولتے تھے، اسی وجہ سے خلفاء عباسیہ اپنی اولاد کو صحیح زبان سیکھنے کے لئے ان میں صحیح لسانی ملکہ اور ذوق ادب پیدا کرنے کی غرض سے فصیح قبائل میں بھیج دیا کرتے تھے، چوتھی صدی ہجری جو علوم و فنون کی تدوین مصنفین و مولفین کی کثرت اور ادب و انشاء کے کمال اور تہذیب و تمدن کے اعتبار سے عربوں کا عہد زریں سمجھا جاتا ہے، لسانی و لغوی اعتبار سے انتہائی انحطاط کا زمانہ ہے، شہروں کی زبان کا مزاج تو دوسری صدی ہی سے بگڑنے لگا تھا اور سوائے اوبار شعراء اور اہلِ علم کے عام عربوں کی زبان اسی زمانہ میں بگڑ گئی تھی مگر چوتھی صدی ہجری کے بعد ہی قبائل عرب کی زبان بھی قابلِ اعتبار نہ رہی کیونکہ عجمیوں کا غلبہ ہر جگہ ہو گیا تھا اور تمدن کے ہمہ گیر اثر سے دیہات بھی محفوظ نہ رہ گئے تھے، چوتھی صدی ہجری کے بعد عربی زبان کا جو قوام بگڑا تو بگڑتا ہی چلا گیا، حجاز، نجد، عراق، شام، مصر، طرابلس، الجزائر، مراکش اور دوسرے عربی بولنے والے ممالک کی زبان عجمی الفاظ، غیر عربی اسلوب ادا،

نیز صوتی نقائص سے ایسی خراب ہوئی کہ اسے فصیح عربی سے کوئی مناسبت باقی نہ رہی، حق تو یہ ہے کہ اگر قرآن کریم نازل نہ ہوا ہوتا جس کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے، تو عربی زبان بھی دوسری سامی زبانوں کی طرح تاریخ کی ایک مردہ زبان ہو جاتی، مگر اللہ تعالیٰ نے جس طرح قرآن کریم کے الفاظ کو تحریف و تغیر سے محفوظ رکھنے کے اسباب مہیا کئے، اسی طرح اس کی لسان مبین کو بھی حوادث روزگار کے ہاتھوں مٹنے سے بچا لیا، نزول قرآن کے بعد ہی سے صحابۂ کرام کو جب کسی آیت یا لفظ کے سمجھنے میں دقت پیش آتی تو کلام عرب کی طرف رجوع کرتے، اور اس لفظ کے معنی کو اس کے محل استعمال سے متعین کرتے، اس طرح کلام مجید اور احادیث نبوی کے مشکل الفاظ کے حل کرنے کے سلسلہ میں علماء کی توجہ عربی زبان کی طرف ہوئی، اور قرآن حکیم اور حدیث نبوی کے طفیل میں عربی زبان کے الفاظ جمع کرنے اور ان کے معنی لکھنے کی داغ بیل پڑی، چنانچہ دوسری صدی ہجری میں باضابطہ لغت کی تدوین کا آغاز ہوا، اور خلیل بن احمد (متوفی ۱۷۰ھ) نے فن لغت میں کتاب العین کو مخارج حروف کے لحاظ سے مرتب کرنے کا کام شروع کیا، اور اسی دوسری صدی میں خلیل کے ہم عصر اور شاگرد مورج سدوسی (متوفی ۱۹۵ھ) نے غریب القرآن پر کتاب لکھی جو نایاب[1] ہے، اصل میں لغت کے جمع و ترتیب کا کام تیسری صدی میں کم اور چوتھی میں زیادہ ہوا، ابو عالی قالی متوفی ۳۵۶ھ کی کتاب البارع اور ابو غالب المعروف بابن تیانی (متوفی ۴۳۶ھ) کی کتاب الموعب، چوتھی پانچویں صدی ہجری میں فن لغت میں بہت اچھی سمجھی[2] جاتی تھیں، مگر دونوں نایاب ہیں، البتہ کتاب البارع کے کچھ متفرق اوراق پیرس[3] کے کسی کتب خانہ میں موجود ہیں، ابن درید (متوفی ۳۲۱ھ) کی کتاب الجمہرۃ مطبوعۂ دائرۃ المعارف حیدرآباد جس کا نام ابو عالی قالی کی کتاب البارع سے مقدم ہے، اس فن پر بہت ہی اعلیٰ کتاب ہے، اس کے بعد انہی کتابوں

---

[1] تاریخ آداب اللغۃ العربیہ جرجی زیدان جلد ۲ ص ۳۱۱ [2] مقدمہ تاج العروس ص ۱۲ [3] تاریخ آداب اللغۃ العربیہ، جرجی زیدان جلد ۳ ص ۳۱۱،

کو پیش نظر رکھکر فراز (متوفی ۴۱۲ھ) نے جامع، جوہری (المتوفی ۳۹۳ھ) نے صحاح اور ابن فارس متوفی ۳۹۵ھ)
نے مجمل لکھی، البتہ اس فن پر آخری تصنیف ابن سیدہ اندلسی (متوفی ۴۵۸ھ) کی کتاب المحکم سمجھی جاتی ہے، اس کی دوسری تصنیف کتاب المخصص
اس فن پر بہت ہی عمدہ اور بے مثال تصنیف ہے، اس کی ترتیب حروف تہجی کی ترتیب کے بجائے فقہ لغت کے
اصول پر معانی کے لحاظ سے ہے، اس لئے عام علماء و طلبہ اس سے کم مستفید ہوتے ہیں، اس کے بعد لغت
کی تدوین و ترتیب کا کام برابر جاری رہا، آخر میں جمال الدین ابن منظور (المتوفی ۷۱۱ھ) کی لسان العرب
اپنی جامعیت کے لحاظ سے اس فن کی تمام دوسری کتابوں سے زیادہ اہم ہے، اور سب سے اخیر میں صاحب
تاج العروس شارح قاموس نے گذشتہ تمام معاجم کو پیش نظر رکھ کر شرح قاموس مرتب کی،

لغت کے جمع و ترتیب کے اس اجمالی ذکر سے تدوین لغت کی تاریخ بیان کرنا مقصود نہیں ہے،
بلکہ صرف یہ ظاہر کرنا ہے، کہ قرآن کریم اور حدیث نبوی کے مشکل الفاظ کے حل کرنے کے سلسلہ میں مسلمانوں
کی توجہ اس فن کی طرف ہوئی، اور چونکہ مسلمانوں کے تمام اسلامی علوم و فنون کا محور قرآن حکیم رہا ہے
اس لئے غریب و مشکل الفاظ کو حل کرنے کے لئے فن لغت، اس کی قرأت کی تصحیح کے لئے علم نحو اور اس سے
مسائل استنباط کرنے کے لئے علم فقہ کی داغ بیل پڑی، اسی طرح اور بہت سے علوم کا آغاز بھی قرآن حکیم
سے ہوا، ایک طرف علماء لغت نے دوسری صدی ہجری سے لغت کے جمع و ترتیب کا کام شروع کر دیا
تھا، دوسری طرف ابو اسود دولی بانی علم نحو کے شاگردوں نے نحو کا حلقۂ درس قائم کیا تھا، گو سیبویہ سے
پہلے لغت و نحو ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوئے تھے، اور علم نحو کی حیثیت مستقل فن کی نہیں تھی،

سب سے اول سیبویہ متوفی ۱۸۳ھ نے اس فن کی پہلی اور آخری کتاب لکھکر اس فن کو مستقل بنا دیا،
یہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے، کہ دوسری صدی ہجری سے پہلے ہی خزیرۃ العرب کے شہروں کی عام زبان بگڑنے لگی
تھی، چنانچہ اسی صدی سے نحویوں نے باضابطہ نحو پر کتابیں لکھنا شروع کر دیں اور ادباء و لغویوں نے غلط
عوام پر کتابوں کی تصنیف کا سلسلہ شروع کر دیا، اور اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کی زبان کی صحت و فصاحت اور

بلاغت کی حفاظت کے لئے مہیا کر دیئے اور اغلاط عوام پر حسب ذیل کتابیں لکھی گئیں،

۱- کتاب لحن العامۃ مصنفہ حمزہ کسائی، (متوفی ۱۹۱ھ/۸۰۶ء)

۲- لحن العامۃ مصنفہ ابو عبید (متوفی ۲۰۹ھ/۸۲۴ء)

۲- لحن العامۃ مصنفہ ابو عثمان المازنی، (متوفی ۲۴۸ھ/۹۰۲ء)

۳- لحن العامۃ مصنفہ ابو حنیفہ الدینوری (متوفی ۲۷۰ھ/۹۰۲ء)

۵- لحن العامۃ مصنفہ ابو بکر محمد زبیدی اشبیلی تلمیذ ابو علی قالی (متوفی ۳۷۹ھ/۹۸۹ء)

۶- لحن الخاصہ مصنفہ ابو ہلال عسکری (متوفی ۳۹۵ھ/۱۰۰۴ء)

۷- التکملۃ فیما تلحن بہ العامۃ مصنفہ ابو منصور جوالیقی (متوفی ۴۶۵ھ/۱۰۷۲ء)

۸- المعرب فیما تکلمت بہ العرب من الکلام الاعجمی مصنفہ ابو منصور جوالیقی،
اس کا صرف ایک حصہ یورپ مین چھپا ہے،

۹- درۃ الخواص فی اوہام الخواص مصنفہ ابو القاسم حریری صاحب مقامات حریری (متوفی ۵۱۶ھ/۱۱۱۲ء) مصر اور یورپ مین چھپی ہے،

۱۰- لحن العامۃ مصنفہ ابو الفرج ابن الجوزی (متوفی ۵۹۷ھ/۱۲۰۱ء)

مذکورۂ بالا کتابین چھٹی صدی تک تصنیف ہو چکی تھین، اس کے بعد ہر صدی مین اس کا سلسلہ قائم رہا، ان کی فہرست بہت طویل ہے، ان مین حمزہ فتح اللہ مصری کا رسالہ الترجمۃ والتعریب اور ابراہیم یازجی کی لغات الجرائد اس صدی کے آغاز کی قابل ذکر تالیفات ہین،

مغربی تمدن کے اثرات سے دنیا کا کوئی حصہ محفوظ نہین، عربی زبان بولنے والے ممالک چونکہ ایشیا اور یورپ کے نقطۂ اتصال سے قریب ہین، اس لئے ان پر مغربی تہذیب و تمدن اور اس کے افکار و خیالات کا بہت زیادہ اثر پڑا چنانچہ جب تمدن کے لوازم، ضروریات زندگی کے

سامان اور مختلف مخترعات جنگیں اور آلات حرب ممالک میں آنے لگے، تو اُن کے لئے عربی الفاظ کی ضرورت پڑی، ان کے علاوہ جدید علوم و فنون کے مصطلحات کے ترجمے کی بھی ضرورت پیش آئی، اس سے عربی میں بہت سے نئے الفاظ کا اضافہ ہوا، گزشتہ صدی ہی سے عربی میں مغربی علوم کی تصنیفات کا ترجمہ ہونے لگا تھا، اس سے ان کے طریقۂ ادا اور اسلوب بیان کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ پر اثر پڑا، مغربی یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ عرب نوجوانوں کے ذریعہ جو اپنی زبان سے زیادہ مغربی زبانوں پر قدرت رکھتے تھے، مغربی اسالیب عربی زبان میں داخل ہو گئے، ان میں سب سے زیادہ فرنچ کا اثر پڑا، عربی زبان کے محافظوں نے اس کے برخلاف سخت تنقیدیں کیں، ایک طرف یہ طبقہ اس لسانی تجدد کے خلاف سخت اعتراضات کرتا تھا، دوسری طرف جدید تعلیم یافتہ اس بدیسی اسلوب پر مصر تھے، ان کا مقولہ تھا، کہ

"الخطاء الشہور خیر من الصواب المہجور"

قدیم عربیت کے نقیبوں میں حمزہ فتح اللہ اور ابراہیم یازجی نے اخبارات و رسائل اور عام کتابوں کی زبان پر سخت تنقیدیں کیں، حمزہ فتح اللہ مصر کے سکاری مدارس کے انسپکٹر تھے، اس لئے انہیں زبان کے عیوب و نقائص کی واقفیت کا زیادہ موقع ملا تھا، اور ابراہیم یازجی گو اخبار نویس لیکن لغوی تھے، اس لئے وہ قدیم زبان کے پرستار تھے، ان کی تنقیدوں سے کسی نہ کسی حد تک زبان کی اصلاح ہوئی، اور مضاب تعلیم میں ادب و لغت کی تعلیم کا معیار بھی بہت بلند ہو گیا، مگر ضرورت تھی کہ عربی زبان کے قدیم اصول و قواعد کی پوری چھان بین کی جائے، اور زبان کے بنیادی امتیازات کو باقی رکھتے ہوئے، ایسے اصول وضع کئے جائیں جن سے وقت کے ادبی مطالبات اور لسانی مقتضیات پورے ہو سکیں، اور عربی زبان جدید علوم و فنون کی اصطلاحات اور دوسری چیزوں میں دوسری زبانوں کی دست نگر نہ رہے، ظاہر ہے کہ ہزاروں الفاظ کا وضع کرنا اسالیب بیان کی تصحیح زبان

کے قدیم اصول وضوابط میں مناسب ترمیم کرکے ان کو عصری ضروریات سے ہم آہنگ کرنا ایک فرد کا کام نہیں ہے، بلکہ اس کے لئے ادبا و علماے لغت کی ایک بڑی جماعت کی ضرورت تھی، چنانچہ حکومتِ مصر نے اس عظیم الشان کام کی طرف توجہ کی، اور دسمبر ۱۹۳۲ء میں ایک ادبی ولغوی اکیڈمی (مجمع اللغۃ العربیۃ الملکی) کی بنیاد ڈالی گئی، اور جنوری ۱۹۳۴ء سے باضابطہ کام شروع ہوا،

اس اکیڈمی کے ۲۰ ارکان ہیں، جن میں مصر شام، عراق کے ادبا کے علاوہ یورپ کے پانچ مستشرقین بھی ہیں، ان میں جدید علوم وفنون کے ماہر بھی ہیں، اور عرب کے لغوی اور ادیب بھی ان کے علاوہ بہت سے ادبا وفضلا اعزازی ارکان ہیں، جو مراسلت کے ذریعہ علمی وفنی حیثیت سے رائے دیتے ہیں،

اس اکیڈمی کے حسب ذیل مقاصد ہیں،

۱- عربی زبان کی اصل شکل اور اس کے بنیادی امتیازات کو قائم رکھنا،

۲- نئے علوم وفنون کے لئے عربی زبان کے قدیم اصول کو پیش نظر رکھ کر اصطلاحات اور نئے الفاظ وضع کرنا،

۳- موجودہ دور کے بڑھتے ہوئے ادبی تقاضوں کے مطابق ایک ایسا لغت مرتب کرنا جس میں صحیح الفاظ اور صحیح اسالیب بیان بتائے جائیں، اور غلط الفاظ اور غلط طریقۂ ادا کی تصحیح کیجائے

۴- عربی ممالک کی مقامی بولیوں کی علمی تحقیق اور ان کے لہجوں پر علمی اور تحقیقی بحث کیجائے،

۱۹۴۳ء تک اس کی آٹھ جلدیں شائع ہوچکی ہیں ان کے علاوہ فنی مصطلحات کا ایک مجموعہ بھی ہے ان میں چار جلدیں اکیڈمی کے آرگن سالہ کی ہیں، بقیہ روئداد کی ہیں، روئدادوں میں ایک حصہ کی حیثیت قانونی ہے، یعنی علمی حیثیت سے بعض مسائل کے متعلق اکیڈمی کے فیصلے اور منظور کئے ہوئے اصول وضوابط ہیں، دوسرا حصہ غیر قانونی ہے

جس مین اہلِ علم حضرات کی علمی و فنی بحثین ہین، اور علمی فیصلون کے متعلق کارروائیون کی تفصیل ہے،
اکیڈیمی کے رسالہ (مجلۃ مجمع فواد الاول للغۃ العربیۃ) مین تمام منظور کردہ اصول وضوابط، مختلف
علوم وفنون سے متعلق جدید الفاظ اور عربی زبان سے متعلق مفید علمی مقالات ہین،

عربی زبان کے قدیم اصول و قواعد مین بعض مناسب ترمیمین اور بعض جدید قواعد ہین، اکیڈیمی نے
جدید فنی اصطلاحات نیز نئے الفاظ وضع کرنے کے لئے تقریباً سات آٹھ سب کمیٹیان بنائی ہین، جن مین ہر فن
کے ماہر خصوصی شریک ہین، ان سب کمیٹیون نے علوم وفنون سے متعلق بہت سے الفاظ وضع کئے ہین، اس کے
پیش نظر تین قسم کے لغتون کی ترتیب و تدوین ہے، ایک مختصر ابتدائی مدارس کے لئے، دوسرا متوسط عام لوگون
کے لئے، تیسرا مفصل جس مین الفاظ کے تاریخی تغیر کو ظاہر کرتے ہوے ہر لفظ سے متعلق بحث وتحقیق ہوگی،

ان روئداد ون اور رسائل کا مطالعہ ہندوستان کے اہلِ علم اور اونچے درجون کے طلبہ کے لئے مفید
ہے آیندہ نمبر مین ان مجلات کے مضامین اور اصول وضوابط کے متعلق خیالات پیش کئے جائین گے،
(باقی)

عائشہ رضؓ

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حالاتِ زندگی اور ان کے مناقب وفضائل
واخلاق اور ان کے علمی کارنامے اور ان کے اجتہادات اور صنفِ نسوانی پر ان کے احسانات
اسلام کے متعلق ان کی نکتہ سنجیان اور معترضین کے جوابات، (طبع سوم باضافہ حواشی)

قیمت :- ہے

ضخامت :- ۳۹۰ صفحے،

"منیجر"

مطبوعاتِ جدیدہ

"تاجدار دو عالم مترجمہ جناب مولوی ظہوری جدانی صاحب تقطیع اوسط ضخامت ۲۳۹ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد ہے سکہ حالی ہے کلدار، تپہ نفیس اکیڈمی، عابد روڈ، حیدرآباد دکن،

عبدالرحمن عزام بک مصر کے مشہور صاحبِ قلم اور مشرقی و مغربی دونون علوم کے فاضل ہین، قاہرہ کی نشرگاہ سے سیرت نبوی پر انھون نے پندرہ مقالے نشر کئے تھے، جس کو بطل الابطال کے نام سے کتابی صورت مین شائع کر دیا گیا تھا، تاجدار دو عالم اسی کا ترجمہ ہے، یہ سیرت ایک خاص طرز سے لکھی گئی ہے، اس مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح کے بجائے آپ کے اخلاق و سیرت اور اوصاف و کمالات سے آپ کی پیغمبرانہ عظمت اور اخلاقی مرتبہ دکھایا گیا ہے، اور آپ کی شجاعت، جہاد، تدبر و سیاست، زہد و قناعت، حلم و بردباری، عفو و درگذر، عبدیت و بندگی، رافت و رحمت، اور فصاحت و بلاغت وغیرہ کے واقعات کو نہایت مؤثر اور دلنشین انداز مین پیش کیا گیا ہے، اور آخر مین اسلامی تبلیغ اور اس کے اثرات و نتائج دکھائے گئے ہین، واقعات سب حدیث و سیرت کی مستند کتابون سے ماخوذ ہین، مغربی علوم سے متاثر سیرت نگارون مین عام طور سے یہ نقص پایا جاتا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف ایک مصلح، فارمر اور محسن عالم کی حیثیت سے پیش کرتے ہین، آپ کی پیغمبرانہ عظمت اور تقدس کا لحاظ کم رہتا ہے، اس کتاب مین بھی کہین کہین الفاظ کے استعمال مین بے احتیاطی ہو گئی ہے، تاہم بڑی حد تک اس نقص سے

پاک اور بڑے اخلاص و عقیدت سے لکھی گئی ہے، مصنف نے خلق نبوی کے واقعات کو اس موثر انداز مین لکھا ہے جنھین پڑھکر ایک غیر مسلم بھی متاثر ہوئے بغیر نہین رہ سکتا، اور مسلمان کے دل مین ایمان کی تازگی پیدا ہوتی ہے، ترجمہ بھی نہایت سلیس اور شستہ ہے، لائق مترجم نے کتاب کو اردو کے قالب مین ڈھال دیا ہے، بعض مقامات پر الفاظ کے استعمال مین لغزش ہوگئی ہے، مثلاً حضرت عمرؓ قبل از اسلام بری صحبتون اور شریر لوگون کی صحبتون مین زندگی بسر کرتے تھے، یا سختی و شرارت مین مشہور تھے، گو یہ واقعہ قبل از اسلام سے متعلق ہے لیکن اس قسم کے الفاظ حضرت عمرؓ کے احترام کے خلاف ہین، اس مفہوم کو دوسرے الفاظ مین بھی ادا کیا جا سکتا تھا، فصاحت نبوی کے باب مین ترجمہ کے ساتھ اصل عربی عبارتون کو نقل کرنے کی ضرورت تھی اس لئے کہ ترجمہ سے فصاحت کا پورا اندازہ نہین ہوتا، ان خفیف فروگذاشتون سے قطع نظر کتاب اس لائق ہے، کہ ہر مسلمان کے مطالعہ مین آئے،

فلسفۂ ایمان از مولانا سید سلیمان ندوی، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۴۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد ۹ پتہ ادارۂ دعوۃ الحق، بیگم بازار کوچہ گھاس منڈی، حیدرآباد دکن،

حضرت الاستاذ مدظلہٗ نے سیرۃ النبی جلد چہارم مین ایمان پر جو بحث لکھی تھی، اس کا ایک حصہ تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ معارف مین شائع ہوا تھا، اب موصوف کی مزید ترمیم کے بعد ادارۂ دعوۃ الحق نے اس کو رسالہ کی شکل مین شائع کیا ہے، اس مین قومون اور ملتون کی تعمیر و تنظیم کا فلسفہ بیان کیا گیا ہے، اور ان کی بقا مین اُن کے بنیادی تصورات و عقائد کی کی اہمیت ظاہر کرکے اسلامی عقائد کی خصوصیات اور ان کی حکمتون پر روشنی ڈالی گئی ہے، ایک مسلمہ حقیقت ہے، کہ جماعتون کا وجود اور ان کی بقاء اور ترقی کا مدار خواہ وہ قومین ہون یا فرقے اور مذاہب چند ذہنی تصورات کے اذعان و یقین پر ہے، جسے اسلامی اصطلاح مین ایمان و عقیدہ اور

موجودہ اصطلاح میں کریڈ سے تعبیر کیا جاتا ہے، انہی عقائد پر قوموں کی زندگی اور موت کا دار و مدار ہوتا ہے، ان پر اعتقاد راسخ اور ان کے مطابق عمل سے وہ ترقی کرتی اور آگے بڑھتی ہیں، اور ان میں ضعف سے زوال پذیر ہو کر ختم ہو جاتی ہیں، اس لئے کوئی قوم عقیدہ اور کریڈ سے خالی نہیں ہے، لیکن ان سب کے عقائد خالص مادی اور نسل و وطن کے تنگ دائرے میں محدود ہیں، اس لئے اُن سے کسی بلند نصب العین کے حصول کی توقع اور ان میں عالمگیر بننے کی صلاحیت نہیں، اور ان دونوں خامیوں کے تباہ کن نتائج دنیا کی نگاہوں کے سامنے ہیں، موجودہ دور کا شاہکار یعنی اشتراکیت کا عقیدہ تو اور بھی خالص مادی اور اس کی بنیاد تمام تر پیٹ اور روٹی اور دولت کی مساوی تقسیم پر ہے، اور ایک خالص مادی اور محدود اقتصادی نظریہ پوری زندگی کا نظام نہیں بن سکتا، صحیح عقیدہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ نسل و وطن کے اندر محدود نہ ہو، بلکہ ان تفرقوں کو مٹا کر عالمگیر برادری قائم کر سکے، اس کی بنیاد خالص مادی اغراض پر نہ ہو، جو حالات کی تبدیلی کے ساتھ بدلتی رہتی ہیں، بلکہ ایسے اخلاق پر ہو جو انسانوں کو برائیوں سے روک سکے اور نیکی اور بھلائی کی تلقین کر سکے، خالق سے مخلوق کا تعلق اور ہم جنسوں کے ساتھ محبت و ادائے حقوق کا جذبہ پیدا کر سکے، ایسا عقیدہ صرف اسلام ہے، اور اسی پر انسانوں کی دنیوی اور اُخروی فلاح منحصر ہے، اس رسالہ میں انہی امور کو علمی استدلال کے ساتھ تفصیل سے پیش کیا گیا ہے، اور اسلامی عقیدۂ ایمان کی اہمیت اس کے اجزاء کی حکمتوں اور اس پر یقین و عمل کے نتائج کو وضاحت کے ساتھ دکھایا گیا ہے، یہ رسالہ گو مختصر ہے لیکن اس میں اسلامی عقائد کی حکمتوں کی روح آگئی ہے،

تنقیدات از جناب ابوالسلام نعیم صدیقی صاحب، تقطیع اوسط ضخامت ۱۳۲ صفحے، کاغذ، کتابت، طباعت بہتر، ضخامت ۱۳۴ صفحات قیمت مجلد عہ، پتہ مکتبہ نشاۃ ثانیہ چنچل گوڑہ، حیدرآباد دکن،

مصنف روشناس صاحب قلم ہیں اور دین و ملت کا درد اور مسلمانوں کی دینی و اخلاقی اصلاح

کا جذبہ رکھتے ہیں، تنقیدات ان کے اصلاحی مضامین کا مجموعہ ہے، اس میں حسب ذیل مضامین ہیں، نیا نظام، نیا انسان، کھوٹی دھات، کھوٹے سکے، تبلیغ اسلام، اشتہاری وعظ، عمل کی بے معنی پکار، مسلمانوں کی اجتماعی نفسیات، اپنی بھی عید ہوگی، محمدین سے دو دو باتیں، بلوکیت کا الزام اسلام پر، اسلام اور جمہوریت، دعوتِ حق اور اقتصادی مسئلہ، ہندوستان کو الٹی میٹم، ان مضامین میں مسلمانوں کے مروجہ رسمی مذہب، ان کی اخلاقی کمزوریوں، غیر اسلامی زندگی، اور اسلامی تعلیمات کی غلط تعبیر وغیرہ مختلف پہلوؤں پر تیز و تند تنقیدیں ہیں، مصنف کے اخلاص و حسن نیت میں شبہ نہیں، ان کا دینی جذبہ لائق ستایش ہے، ان کے خیالات اور مقصد سے کسی کو اختلاف نہیں ہوسکتا، لیکن تبلیغ و اصلاح کے لئے طعن و طنز کا طریقہ کچھ زیادہ مفید نہیں، اس کا انداز حریفانہ اور مخالفانہ نہیں، بلکہ دوستانہ اور ہمدردانہ ہونا چاہئے، بعض مضامین کا لہجہ بھی متانت سے گرا ہوا ہے تاہم یہ کتاب اصلاحی نقطۂ نظر سے قابل قدر ہے،

رموزِ اقبال، از ڈاکٹر میر ولی الدین استاذ جامعہ عثمانیہ، تقطیع اوسط ضخامت ۸۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت مجلد کلدار عہ سکہ عثمانیہ، پتہ:- ادارۂ نشریات اردو، حیدرآباد دکن،

مصنف نے تعلیمات اقبال کے بعض اہم مسائل، فلسفۂ خودی، نظریۂ عقل و عشق، حدیث جبر و قدر، عہد حاضر کے انسان اور مسلمان کی زندگی کے متعلق اقبال کے تصورات اور ان کی تشریح پر جو مضامین لکھے رموزِ اقبال ان کا مجموعہ ہے، جیسا کہ فاضل مصنف نے دیباچہ میں لکھا ہے، کہ ان مضامین میں دانائے راز اقبال سے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی گئی ہے، کہ عہد حاضر کی تہذیب نے انسان کی ذہنیت میں کیا انقلاب پیدا کیا، اس کے تصورات، نظریات، عقائد، اقوال و اعمال میں کیا تغیر پیدا کیا، مسلمان کی زندگی اصل میں کیا ہے، اس کے عقائد کیا ہیں، اور اعمال کی نوعیت کیا ہے، عقل و عشق کا اس کی زندگی میں کیا مقام ہے، اس کے علم کی بنیاد کیا ہے، اور ایمان پر اس کے اعمال کا انحصار کس حد تک ہے،

قرآن کریم نے اس کی خودی کا اس کو کیا علم بخشا ہے، خودی کے عرفان کے بعد مسلمان مین کیا تغیر پیدا ہوتا ہے، یقین وعمل کے لحاظ سے کیا انقلاب پیدا ہوتا ہے، اپنی حقیقت وماہیت سے واقف ہوکر انسان کے نقطۂ نظر مین کیا تبدیلی پیدا ہوجاتی ہے، خود کو فقیر مین اور خلیفہ مان کر انسان کس طرح آفاق کو اپنے اندر سمولیتا ہے اور کائنات کو مسخر کرلیتا ہے، اقبال کے نازک اور دقیق مسائل کو سمجھنے کے لئے انہی کی جیسی جامعیت کی ضرورت ہے جو کم لوگون کو حاصل ہے، اس لئے اس کی تشریح مین اچھے اچھے ٹھوکر کھا جاتے ہین، فاضل مصنف اقبال ہی کی طرح مشرقی اور مغربی علوم کے جامع ہین، اور حکیمانہ دماغ اور فلسفیانہ ژرف نگاہی کے ساتھ دل آگاہ اور چشم بینا رکھتے ہین، اور ان کی کوئی تحریر فلسفیانہ فکر واستدلال کے ساتھ ایمان کی لذت سے خالی نہین ہوتی، یہ خصوصیت ان تمام مضامین مین بھی موجود ہے، بعض مباحث ایسے دقیق ہوگئے ہین، کہ خود ان کی تشریح کی ضرورت ہے، یہ مضامین اقبالیات سے ذوق رکھنے والون کے مطالعہ کے لائق ہین،

مولانا ابوالکلام آزاد از جناب ابوسعید صاحب بزمی ایم اے، تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۱۲ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد عہ، پتہ اقبال اکیڈمی نمبر ۵۴ سرکلر روڈ بیرون موچی دروازہ لاہور،

ابوسعید صاحب بزمی سابق اڈیٹر اخبار مدینہ نے آٹھ نو سال پیشتر ۱۹۳۸ء مین مولانا ابوالکلام کے دولت کدہ پر اُن سے کئی ملاقاتین اور مختلف سیاسی مسائل پر اُن سے گفتگو کی تھی، ان ملاقاتون کا حال انھون نے اسی زمانہ مین مدینہ مین شائع کیا تھا، اب اقبال اکیڈمی نے اس کو کتابی شکل مین شائع کردیا ہے، اس کتاب مین دو قسم کے معلومات ہین ایک ہندوستان اور مسلمانون کی سیاست کے متعلق مولانا کے خیالات اور ان کا نقطۂ نظر معلوم ومشہور ہے کانگریس کی تنگ نظری اور مسلمانون کی جداگانہ تنظیم کی ضرورت کے متعلق مولانا نے جو رائے ظاہر کی ہے، وہ اگرچہ عام طور پر مشہور نہین ہے، لیکن نئی نہین ہے، اور انھون نے بارہا پرائیوٹ صحبتون مین معتمد علیہ اشخاص سے اس قسم کے خیالات ظاہر کئے ہین، مولانا کی موجودہ سیاست مسلمانون کی

اکثریت کے خواہ کتنی ہی خلاف ہو لیکن ان کے متعلق کبھی یہ تصور نہین کیا جاسکتا، کہ وہ اپنی راے کے مطابق مسلمانون کے مفاد کو نظرانداز کرسکتے ہین، دوسرے مولانا کے متعلق مصنف کے ذاتی جذبات و تاثرات اس پہلو سے کتاب کا صفحہ صفحہ مولانا کے ساتھ مصنف کے جذبات عقیدت سے لبریز ہے، مولانا کے اوصاف و کمالات سے ان کے مخالفین کو بھی انکار نہین ہوسکتا، لیکن غلو و مبالغہ ہر چیز کو بدنما بنا دیتا ہے، جس کی متعدد مثالین اس کتاب مین موجود ہین، مثلاً "مشرق و مغرب کے بڑے بڑے دعویداران علم و فضل آتے ہین، اور اس سے (مولانا) بات کرکے جب لوٹتے ہین، تو بے اختیار پکار اٹھتے ہین، کہ ہم نے مشرق و مغرب مین اس سے بڑا فاضل کوئی نہین دیکھا" یا ایک جگہ لکھتے ہین "غور کیجئے دنیا کی تاریخ مین آپ نے کوئی ایسی شخصیت دیکھی ہے اس کا جواب یقیناً نفی مین ہے"، اس قسم کا مبالغہ خود مصنف کی متانت تحریر کے خلاف ہے

روح صہبائی از جناب اثر صہبائی تقطیع اوسط ضخامت ۶۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد عہ، پتہ تاج محل پبلشرز جموں کشمیر،

جناب اثر صہبائی اور ان کی شاعری کی شہرت تعارف سے مستغنی ہے، ان کے کلام کے کئی مجموعے شائع ہوچکے ہین، روح صہبائی نیا اسم بامسمّٰی مجموعہ ہے، اس مین انھون نے مختلف عنوانون کے ماتحت علٰحدہ علٰحدہ ہر دور کا اپنا منتخب اور پسندیدہ کلام تاریخی ترتیب کے ساتھ جمع کر دیا ہے، اس سے ان کی شاعری کا تدریجی ارتقاء اور اس مین وقتاً فوقتاً جو تغیرات ہوئے، سامنے آجاتے ہین، مصنف کی مشق سخن پر اتنی مدت گذر چکی ہے، کہ ان کو بلا تکلف کہنہ مشق کہا جاسکتا ہے، ان کو ہر صنف پر یدی قدرت اور ان کے کلام مین بڑی نیرنگی ہے، چنانچہ اس مجموعہ مین بلند اور پاکیزہ غزلین بھی ہین، حکیمانہ اور فلسفیانہ رباعیان بھی اور موثر و دلکش نظمین بھی، جناب اثر کی صہبائے شاعری ابتدا ہی سے پرکیف تھی، اب یہ شراب دو آتشہ ہوکر اور زیادہ تیز ہوگئی ہے، اور یہ مجموعہ تو اُن کے کلام کا خلاصہ اور عطر ہے، امید ہے کہ اصحاب ذوق اس سے لطف اندوز ہون گے،

"م"

جلد ۵۸ ماہ شوال المکرم ۱۳۶۵ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۴۶ء عدد ۳

مضامین

شذرات	سید سلیمان ندوی	۱۶۲-۱۶۴

مقالات

علماے اسلام کا اخلاق	مولانا عبد السلام ندوی	۱۶۵-۱۷۶
تیموریون سے پہلے کے صوفیۂ کرام	سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب ایم اے رفیق دار المصنفین	۱۷۷-۱۸۸
عبد الواسع جبلی	جناب غلام مصطفےٰ خان صاحب ایم اے لکچرر کنگ ایڈورڈ کالج امراوتی برار	۱۸۹-۲۰۱
اسلامی نظریۂ سیاست	جناب مولانا حیدر زمان صدیقی فاضل دیوبند	۲۰۲-۲۱۶
تتمۂ مسئلہ سود و قمار وغیرہ	مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی صدر شعبۂ دینیات ڈھاکہ یونیورسٹی	۲۱۷-۲۲۲

ادبیات

شوق دیدار	حکیم الشعرا سید احمد حسین صاحب امجد حیدرآبادی	۲۲۳-۲۲۴
غزل	صاحبزادہ شفیق ٹونکی	۲۲۴

باب التقریظ والانتقاد

مجمع فواد الاول للغۃ العربیۃ	مولانا محمد ناظم صاحب ندوی استاذ ادب دار العلوم ندوہ	۲۲۵-۲۳۵
مطبوعات جدیدہ	"م"	۲۳۶-۲۴۰

شذرات

آج کل خاکسار بھوپال مین ہے اور عجب نہین کہ یہ اقامت کچھ دراز ہو، واقعہ یہ ہے کہ وسط ہند کے ظلمت کدہ مین یہی ایک اسلامی مرکز ہے، یہان علم کی مشعل حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کے خاندان سے مولانا عبد الحی صاحب بڈھانوی کے صاحبزادہ مولانا عبد القیوم صاحب بڈھانوی لائے، اور معرفت کا نور حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے خانوادہ کے چشم و چراغ حضرت شاہ رؤف احمد صاحب مجددی جو حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی کے خلیفہ تھے، لائے اور بحمد اللہ کہ یہ چراغ اب بھی روشن ہے، پھر منشی جمال الدین خان مدار المہام اور نواب صدیق حسن خان کے زمانہ مین عرب و ہند کے بہت سے علما و فضلا کا یہان مجمع تھا جن کی یاد بھی اب فراموش ہو چکی ہے،

زمانہ کا جو انقلاب عہد انگریزی سے شروع ہوا، اس کے اثرات آخر کار اسلامی ریاستون مین بھی پہنچے، اور انگریزی تعلیم کے سامنے علوم عربی و مشرقی کا زوال دیکھتے دیکھتے آنکھون کے سامنے ہو گیا، بھوپال جو کبھی علما، اور طلبہ کی منزل مقصود تھا نئی تعلیم کے فروغ نے اس کو بالکل ماند کر دیا، یہان تک کہ یہان کے عربی و مذہبی مدرسے تنزل کی انتہا کو پہنچ گئے، اور درسگاہین جو کبھی علما، اور طلبہ سے معمور تھین، ویران ہو گئین، اور وہ شہر جو کبھی اپنے علمی کارنامون کے سبب سے شہرۂ آفاق تھا، اپنے مرتبہ سے گر گیا،

اعلیٰ حضرت فرمانروائے بھوپال کو سات آٹھ سال سے بھوپال کے اس انحطاط اور تنزل کا احساس ہے، چنانچہ چھ سات برس ہوئے کہ انھون نے چند علما، اور اہل تعلیم کی ایک مجلس مقرر کی تھی جس کی صدارت پر اس ہیچمدان کو نامزد فرمایا تھا، اس مجلس نے ان مدارس کے لئے نیا نصاب بنایا، اور ان کی اصلاح و تنظیم کے لئے کچھ ضوابط بنائے، دوسرے سال پھر مجلس طلب ہوئی جس مین مقامی اور بیرونی اصحاب علم اس حقیر کی صدارت مین

پھر جمع ہوئے اور ان مدارس کے لئے فنون کی تعیین کی اور ہر فن کے مدرسین کی تعداد مقرر کی اور ان کی تنخواہ : مصارف کا پورا موازنہ (بجٹ) تیار کیا یہ موازنہ امسال ریاست کے مالی اور انتظامی امور کی بحث وتمحیص اور فرمانروائے بھوپال کی پیشی سے منظور ہوا، اور اس کے لئے چالیس ہزار کی رقم بجٹ مین رکھی گئی،

ایک سال سے زیادہ ہوا کہ اعلیٰ حضرت نے مجھے یاد فرمایا، اور مجھ سے یہ خواہش کی کہ ان مدارس کا جو خاکہ میری صدارت مین بنا ہے مین ہی اس کو عملی صورت مین بھی لاؤن، اور اظہار فرمایا کہ "مین چاہتا ہون کہ بھوپال جس طرح پہلے ان علوم کا مرکز تھا پھر ہو جائے" مجھ پر اعلیٰ حضرت کے اس فقرے کا بڑا اثر ہوا، اور مین نے ان کے اس بلند جذبہ کی بڑی قدر کی، اور اسی احساس سے متاثر ہو کر مین نے عرض کیا کہ گو میری صحت اچھی نہین اور دارالعلوم ندوہ اور دارالمصنفین کی ذمہ داریون سے گرانبار ہون تاہم ارشاد والا کے مطابق مین سال ڈیڑھ سال یہان رہ کر ان مدارس کی خدمت کرون گا،

چنانچہ اسی کے مطابق اس سال اپریل ۱۹۴۶ء کے وسط مین مجھے بھوپال آنے کی دعوت دی گئی، لیکن مین اپنی مصروفیتون کے سبب سے اخیر جون مین یہان پہنچا، اور یکم جولائی سے جو یہان کے تعلیمی سال کے آغاز کا زمانہ ہی، مین نے اپنا کام شروع کر دیا، اس اثنار مین دارالقضاء اور بعض دوسرے صیغے بھی میرے حوالہ کئے گئے جن کا گو مین اہل نہین مگر ان کی خدمت کا جذبہ اپنے دل مین پاتا ہون، اور جی چاہتا ہی کہ ان صیغون کو جو ریاستون مین ان کی شان کے مطابق نہین ہین، ایسی ترقی دی جائے کہ وہ ریاستون کے دوسرے ترقی یافتہ صیغون کے برابر ہو جائین

اسی سلسلہ مین سرکار بھوپال سے تالیف وتصنیف اور مفید کتابون کی طبع واشاعت کی غرض سے پانچ سو ماہانہ کی امداد بھی منظور کی گئی ہی تاکہ اس کے غیر مطبوعہ عربی وفارسی کتابون کی اشاعت کا سلسلہ جاری کیا جائے اور مفید اردو کتابون کی تالیف واشاعت عمل مین آئے، اور یہ کام بھی میری ہی نگرانی مین دیا گیا، چنانچہ اس کے بعض تجویزین پیش ہین

اس سلسلہ مین بے شبہہ کچھ زمانہ تک مجھے بھوپال مین قیام کرنا پڑے گا، لیکن ریاست نے یہ منظور کیا ہے کہ دارالعلوم اور دارالمصنفین کی نگرانی اور دیکھ بھال کے لئے سال مین تین چار بار مجھے

لکھنو اور اعظم گڈھ آنے جانے کی اجازت رہے گی، وأفوض امری الی اللہ انّ اللہ رؤف بالعباد،

ہمارے دوست مولوی عبد الماجد صاحب دریابادی رکن دار المصنفین

ہمارے دوست مولوی عبد الماجد صاحب دریابادی رکن دار المصنفین نے ہمیشہ میری طویل غیر حاضری کے زمانہ مین، دار المصنفین کی علمی نگرانی کی ہے، چنانچہ میرے سفر یورپ کے زمانہ مین آٹھ ماہ کے قریب اور سفر حجاز کے موقع پر تین ماہ تک دار المصنفین اور معارف کی نگرانی فرمائی ہے، اور اس وقت بھی جب مین بھوپال مین ہون ارکان دار المصنفین کی خواہش پر انھون نے اس خدمت کو قبول کیا ہے، اللہ تعالیٰ ان کو اس کی جزاے خیر دے،

احباب سے درخواست ہے کہ ان مین سے جو صاحب ذاتی طور سے مجھ سے خط و کتابت کرنا چاہتے ہین

احباب سے درخواست ہے کہ ان مین سے جو صاحب ذاتی طور سے مجھ سے خط و کتابت کرنا چاہتے ہین، وہ بھوپال کے پتہ سے کرین لیکن معارف سے متعلق ہر قسم کی مراسلت صرف اڈیٹر کے نشان سے اعظم گڈھ اور دار المصنفین سے متعلق مراسلت منتظم دار المصنفین اعظم گڈھ کے نام سے کی جائے، اور ان دونون مین میرا نام نہ لکھا جائے، ورنہ تعمیل مین دقت ہوگی،

دار المصنفین مین پرانی کتابون کے ذخیرون کے ختم ہوجانے کے سبب سے ان کی دوبارہ اشاعت کا کام آگے بڑھ گیا ہے

دار المصنفین مین پرانی کتابون کے ذخیرون کے ختم ہوجانے کے سبب سے ان کی دوبارہ اشاعت کا کام آگے بڑھ گیا ہے کہ نئی کتابون کی اشاعت کا کام التوا مین پڑ رہا ہے، اسی لئے اس بات کی کوشش کی جارہی ہے کہ مطبع کے سامان کو بڑھایا جائے، چنانچہ نئی مشینون کی خریداری اور تلاش کا کام جاری ہے، اگر مقصد کے مطابق مشین مل گئی تو انشاء اللہ نئی کتابون کی اشاعت کا کام بھی شروع کردیا جائیگا،

دار المصنفین مین بعض نئے رفقا کا اضافہ ہوا ہے

دار المصنفین مین بعض نئے رفقا کا اضافہ ہوا ہے، گذشتہ سال سے مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی دار المصنفین کی رفاقت مین ہین جنکا مضمون "سرمد" معارف کی پچھلی اشاعتون مین نکلا ہے اور اب مولوی وحید احمد صاحب ندوی اور مولوی وحید الرحمن صاحب ندوی کا انتخاب ہوا ہے، یہ دونون صاحب دار المصنفین مین آگئے ہین اور کتابون کے مطالعہ مین مصروف ہین،

مقالات

علمائے اسلام کا اخلاق

از

مولانا عبدالسلام ندوی

(سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو معارف ماہ جولائی)

"گذشتہ نمبروں میں علمائے اسلام کے جو محاسن اخلاق بیان کئے گئے ہیں" ان سے یہ اندازہ ہوا ہوگا، کہ دور صحابہ و تابعین میں علماء کے جو مخصوص محاسن اخلاق تھے، وہ کم و بیش ہر دور میں ان میں موجود رہے ہیں، لیکن جوں جوں زمانہ گذرتا گیا، ان میں چند اخلاقی معائب بھی پیدا ہوتے گئے، ان کے محاسن اخلاق پیش کرنے کے بعد ان کے معائب پر بھی اس حیثیت سے نگاہ ڈالنا مفید ہے، کہ ہم یہ غور کرسکیں کہ آج بھی ہم میں یہ عیوب کہاں تک موجود ہیں اور اگر ہیں تو ہمکو انکی اصلاح کرنی چاہئے:

اسلام کی اخلاقی تاریخ میں سب سے پہلے امام غزالی نے ان معائب پر نگاہ ڈالی ہے اور علماء کے ہر گروہ کی اخلاقی برائیاں دکھلائی ہیں، اور احیاء العلوم میں ایک خاص باب باندھا ہے، جس کی سرخی ہے "بیان اصناف المغترین" اس میں ان لوگوں کی اخلاقی حالت بیان کی ہے جن کو اپنی نسبت دھوکا ہوتا ہے اور وہ غلطی سے اپنے عیب کو ہنر سمجھتے ہیں، اس میں انھوں نے علماء کے مختلف گروہ قرار دیئے ہیں، اور ہر گروہ کے اخلاقی معائب بیان کئے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں کہ

ان مین ایک گروہ تو وہ ہے، جو ہمیشہ ظاہری عبادات مین مشغول رہتا ہے، اور گناہون سے اجتناب کرتا ہے لیکن اس کا دل صفاتِ مذمومہ سے پاک نہین ہوتا، مثلاً غرور، حسد، ریا، شہرت پسندی، ریاست طلبی اور اپنے ہمسرون کو نقصان پہنچانا، یہانتک کہ ان مین بعض لوگون کو یہ بھی معلوم نہین کہ یہ اوصاف مذموم ہین،

دوسرا گروہ وہ ہے جو یہ جانتا ہے کہ شریعت مین یہ اخلاق مذموم ہین لیکن خود پسندی کی وجہ سے اس کو اپنے یہ اخلاقی معائب نظر نہین آتے، اور وہ اپنے آپ کو انسان سے بالاتر سمجھتا ہے، اور جب اس مین غرور، جاہ پسندی، اور ریاست طلبی کی علامتین ظاہر ہوتی ہین، تو کہتا ہے کہ یہ غرور نہین ہے یہ علم دین کے عزو شرف کا اظہار اور دین کی حمایت ہے، اگر مین ادنیٰ درجے کے کپڑے پہنون، ادنیٰ درجہ کی مجلس مین بیٹھون تو دشمنان دین اس پر خوش ہون گے، اور میری ذلت، اسلام کی ذلت ہوگی، لیکن وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی حالت کو بھول جاتا ہے، کہ انھون نے کس تواضع اور فقر و مسکنت کے ساتھ اسلام کی حفاظت کی ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب شام مین نہایت معمولی کپڑے پہن کر آئے، تو لوگون نے اس پر نکتہ چینی کی لیکن انھون نے کہا کہ خدا نے ہم کو اسلام سے عزت دیا ہے، اس لئے ہم اس کے سوا اور کوئی عزت نہین چاہتے، اسی طرح جب وہ اپنے ہمسرون کے ساتھ حسد کا اظہار کرتا ہے، تو نہین سمجھتا کہ یہ حسد ہے، بلکہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ غم و غصہ محض حق کے لئے ہے، اسی طرح جب وہ اپنے علم و عمل کی نمائش کرتا ہے، اور اس کو ریاکاری کا شبہہ پیدا ہوتا ہے تو کہتا ہے حاشا یہ ریاکاری نہین ہے، بلکہ علم و عمل کے اظہار سے میرا مقصد یہ ہے، کہ لوگ میری اقتدا کرکے دین کا راستہ پائین، اور عذاب الٰہی سے نجات حاصل کرین، لیکن اگر لوگ دوسرے عالم کی اقتدا کرنے لگین تو وہ اس پر خوش نہ ہوگا، اور اس حالت مین شیطان اسکو یہ دھوکا دیگا، کہ اگر لوگ مجھ سے ہدایت حاصل کرتے تو اس کا ثواب مجھ کو ملتا، لیکن اگر کوئی پیغمبر اس کو یہ بتائے، کہ گمنامی اور علم کے چھپانے مین اس کے ظاہر کرنے سے زیادہ ثواب ملے گا، اور اس کے ساتھ اگر

قید کرکے بیڑیون مین جکڑ دیا جائے، تو وہ قید و بند سے نکلنے کی تدبیرین کرے گا، تاکہ پھر درس کے مسند اور وعظ کے منبر پر چڑھ کر اپنی ریاست کا اظہار کرسکے، وہ بادشاہون کے دربار مین جاتا ہے، اُن سے دوستانہ تعلقات رکھتا ہے، ان کی مدح و ثنا کرتا ہے، اور ان کے ساتھ یہ تواضع پیش آتا ہے، اور جب اس کے دل مین یہ بات کھٹکتی ہے کہ ظالم بادشاہون کے ساتھ یہ تواضع پیش آنا حرام ہے، تو شیطان اس کو دھوکا دیتا ہے کہ یہ تو اس وقت ہے جب اُن سے مال کی خواہش کی جائے لیکن تمھارا مقصد تو مسلمانون کی سفارش کرنا اور ان کو نقصان سے بچانا ہے،

غرض اسی طرح امام صاحب نے متکلمین، فقہا، اہلِ حدیث، وعاظ اور اہلِ ادب، سب کے اخلاق پر تنقید کی ہے، اور نتیجہ نکالا ہے کہ یہ لوگ نفس کے دقیق اخلاقی معائب سے ناواقف ہین، اور ان علوم سے ان کا مقصد صرف شہرت طلبی اور جاہ پسندی ہے، اور بعض واقعات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، چنانچہ حافظ ذہبی نے شیخ الاسلام حافظ ابو اسمٰعیل (المتوفی ۴۸۱ھ) کے حال مین لکھا ہے کہ وہ اپنی مجلس مین عمدہ کپڑے پہن کر اور قیمتی سواری پر سوار ہوکر جاتے تھے، اور کہتے تھے کہ "مین دین کی عزت بڑھانے اور اس کے دشمنون کے ذلیل کرنے کیلئے ایسا کرتا ہون، تاکہ وہ میرے اعزاز اور شان و شوکت کو دیکھین تو اسلام کی طرف مائل ہون"، پھر جب اپنے گھر مین آتے تھے، تو وہ گدڑی پہن کر خانقاہ مین صوفیون کے ساتھ بیٹھ جاتے تھے، ان کے ساتھ کھانا کھاتے تھے، اور ان سے کسی چیز مین امتیاز نہین حاصل کرتے تھے"[1]

امام سفیان ثوری کا قول ہے کہ "علم حدیث کی تحصیل موت کا زادِ راہ نہین ہے، بلکہ وہ نفس کے مشغول رکھنے کا ایک حیلہ ہے"، حافظ ذہبی اس قول کو نقل کرکے لکھتے ہین کہ انھون نے بالکل سچ کہا کیونکہ علم حدیث کی تحصیل اور چیز ہے اور حدیث اور چیز، علم حدیث کی تحصیل ایک عرفی نام ہے، جو

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ صفحہ ۲۸۱،

اُن امور پر مشتمل ہے، جو ماہیت حدیث پر زائد ہیں، اور زیادہ تر ان امور سے محدث اپنے دل کا شوق پورا کرتا ہے، مثلاً عمدہ نسخوں کا حاصل کرنا، معالی کی تلاش کرنا، شیوخ کی تعداد کا بڑھانا، خطاب ولقب اور تعریف سے خوش ہونا، روایت کرنے کے لئے طویل عمر کی آرزو کرنا، اور چند ایسے امور میں سب سے منفرد ہونا، جو اغراض نفسیانہ کے لئے نہ کہ اعمال ربانیہ کے لئے ضروری ہیں، جب علم نبوی کی تحصیل ان آفات میں گھری ہوئی ہے، تو تم کو اخلاص کیونکر حاصل ہو سکتا ہے، اور جب علم آثار خدشات سے محفوظ نہیں، تو علم منطق، جدل اور حکمت کی نسبت تمھارا کیا خیال ہے؟ جو ایمان کو سلب کر لیتے ہیں اور شکوک وحیرت پیدا کرتے ہیں[1] اسی نکتے کو امام غزالی ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں، کہ "ان میں بعض لوگ شہروں میں گھومتے ہیں، اور شیوخ کو دیکھتے ہیں، تاکہ وہ یہ کہہ سکیں کہ میں فلاں سے روایت کرتا ہوں، اور میں نے فلاں کو دیکھا ہے، اور میرے پاس ایسی اسناد ہیں، جو اوروں کے پاس نہیں ہیں"

علما کی اخلاقی حالت پر مناظروں کے عام رواج کا نہایت مضر اثر پڑا، دور عباسیہ تک تو یہ مناظرے علم کلام کے مسائل کے متعلق ہوا کرتے تھے، لیکن جب ان کی وجہ سے سخت تعصب پھیل گیا، اور جنگ وخونریزی تک نوبت پہنچ گئی، تو مناظرے کے لئے فقہ کا میدان انتخاب کیا گیا، اور زیادہ تر امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رح کے اختلافی مسائل کے متعلق مناظرے ہونے لگے، غالباً اس تخصیص کی وجہ یہ ہوگی دوسرے مذاہب میں عقلی زور آزمائی کا موقع بہت کم ملتا تھا، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے مذہب میں عقل وقیاس کی آمیزش نے طبائع اور احتمال آفرینی کے مواقع زیادہ پیدا کر دیئے تھے، اس لئے مناظرے کے لئے یہ دونوں مذاہب زیادہ موزوں تھے، بہرحال ان دونوں مذاہب کے درمیان مناظرے کا عام

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۱۸۵

رواج ہوا، اور امرا و وزرا کے سامنے اس قسم کی مجلسیں منعقد ہونے لگیں، اور انھوں نے اس قدر وسعت حاصل کی کہ ماتمی حلقے بھی ان سے خالی نہ رہے، ابوالولید باجی کا بیان ہے کہ بغداد میں یہ رسم ہے کہ جب کسی کا کوئی محبوب عزیز مرجاتا ہے تو وہ چند دن اپنے محلے کی مسجد میں اپنے پڑوسیوں اور عزیزوں کے ساتھ اس کے ماتم میں بیٹھتا ہے، اور سوگ کے دن یا تو قرآن مجید کی تلاوت میں گذارے جاتے ہیں، یا فقہا کے درمیان مناظرے کرائے جاتے ہیں[1]، یہ طریقہ اگرچہ علم وفن کی ترقی کے لئے نہایت مفید تھا لیکن اس سے علما میں بہت سی بداخلاقیاں پیدا ہوگئیں، امام غزالی نے احیاء العلوم میں ان کی جو تفصیل کی ہے اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے،

۱۔ حسد، کوئی مناظر حسد سے خالی نہیں ہوتا، کیونکہ وہ کبھی غالب ہوتا ہے، اور کبھی مغلوب، کبھی اس کے کلام کی تعریف ہوتی ہے، اور کبھی دوسرے کا کلام قابلِ ستایش خیال کیا جاتا ہے، اس لئے جب تک دنیا میں علم و مناظرہ میں اس سے بہتر کوئی شخص موجود ہوگا وہ اس پر حسد کرے گا،

۲۔ تکبر و ترفع۔ کوئی مناظر کبر و ترفع سے خالی نہیں ہوتا، یہاں تک کہ مناظرے کی بعض مجلسوں میں وہ اس پر جنگ کرتے ہیں، کہ کون نیچے بیٹھا ہے، اور کون اوپر، اور کون رئیس کے مسند سے قریب ہے، اور کون دور اور اس کا نفس یہ دھوکا دیتا ہے، کہ اس سے علم کی عزت کا تحفظ مقصود ہے، اور مسلمان کو ذلت اختیار کرنے کی ممانعت کی گئی ہے،

۳۔ کینہ و عداوت، ہر مناظر میں یہ بداخلاقی پائی جاتی ہے، کیونکہ جو شخص اس کے فریق کی بحث کو پسند کرتا ہے، اور خود اس کی بحث کو پسندیدگی سے نہیں سنتا، اس کے دل میں اس سے بغض پیدا ہوجاتا ہے، اگر اس کے حریف نے اس کی بحث کے ساتھ تھوڑی سی بھی بے اعتنائی کی، تو اس کے

---

[1] طبقات الشافعیہ جلد ۳ ص ۱۰۵،

دل مین ایسی عداوت پیدا ہو جاتی ہے، جو قیامت تک زائل نہین ہو سکتی

۴۔ غیبت، کوئی مناظر ایسا نہین ہے جو اپنے فریق کی بحث کی بُرائی بیان نہ کرتا ہو اور اسی کا نام غیبت ہے، اسی طرح جو لوگ اس کی بحث سے اعراض کرتے ہین، اور اس کے فریق کی بحث کو سنتے ہین، ان کو جاہل، احمق، اور غبی کہتا ہے،

۵۔ خود ستائی، ہر مناظر علم و فضل مین اپنی بڑائی بیان کرتا ہے، اور کہتا ہے کہ بھلا مجھ جیسے شخص سے یہ بات مخفی رہ سکتی ہے؟ علم حدیث اور اصول کا مین سب سے بڑا ماہر ہون،

۶۔ تجسّس، مناظر ہمیشہ اپنے فریق کی بُرائیون کی ٹوہ مین رہتا ہے، یہان تک کہ جب کوئی مناظر اوس کے شہر مین آتا ہے، تو اس کو ایسے شخص کی تلاش ہوتی ہے، جو اس کی اندرونی حالت کو بتائے، وہ لوگون سے پوچھ پوچھ کر اس کے عیوب کا پتہ لگاتا ہے تاکہ اس کے ذلیل و شرمندہ کرنے کے لئے مسالہا تھ آئے، یہان تک کہ وہ اس کے بچپن کے حالات اور جسمانی عیوب کا پتہ لگاتا ہے اور تمسخر اور استہزار سے ان کا اظہار کرتا ہے،

۷۔ شماتت، جو شخص علم و فضل کا اظہار فخر و مباہات کے لئے کرتا ہے، اوس کو یقیناً اس چیز سے مسرت ہوتی ہے جس سے اس کے حریف کو رنج پہنچتا ہے، ایسی حالت مین رنج و غم مین باہمی شرکت جو علمائے قدیم مین پائی جاتی تھی، وہ کہان باقی رہتی ہے؟

۸۔ نفاق، ایک مناظر اپنے حریف سے بظاہر تو نہایت تپاک سے ملتا ہے لیکن اس کا دل اس کے بغض سے بھرا ہوا ہوتا ہے، اور اسی کا نام نفاق ہے،

۹۔ اعراض عن الحق، مناظر کو یہ بات سخت ناگوار ہوتی ہے، کہ اس کے حریف کی زبان سے حق کا اظہار ہو، چنانچہ جب کبھی اظہار ہوتا ہے تو وہ اس کا انکار کرتا ہے، اور اس مین ہر قسم کے مکر و فریب سے کام لیتا ہے، یہان تک کہ کج بحثی اس کی فطرت بن جاتی ہے،

۱۰ ریاکاری مناظر کا مقصود صرف یہ ہوتا ہے، کہ لوگون مین اس کا نام ونمود ہو، اور لوگ اس کی مدح وستایش کرین، اس لئے لوگون کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے وہ سعی بلیغ کرتا ہے، اور اسی کا نام ریا ہے،

یہ برائیان تو اکابر وعقلا رمین پائی جاتی ہین، اوران برائیون سے اور بھی بداخلاقیان پیدا ہوتی ہین، مثلاً غصہ، غصہ، دشمنی، حرص، جاہ ومال کی خواہش، فخار تی اور غرور وغیرہ اور جو لوگ کم درجہ کے ہوتے ہین، وہ جھگڑا فساد، مارپیٹ، سب وشتم اور افترا وبہتان سے بھی دریغ نہین کرتے، جو لوگ شہرت طلبی اور زر پرستی کے لئے وعظ وپند کا پیشہ اختیار کرتے ہین، ان مین بھی یہ تمام بداخلاقیان پائی جاتی ہین، اور جو لوگ قاضی بننے اوقاف کے متولی ہونے اور ہمسرون پر تفوق حاصل کرنے کے لئے علم فقہ اور علم فتاوی مین مشغول رہتے ہین، وہ بھی ان بداخلاقیون سے خالی نہین ہوتے[۱]

ان تمام بداخلاقیون کا ظہور تعصب کی شکل مین ہوا، اور یہ وبا صرف علما تک محدود نہین رہی بلکہ اس سے عوام بھی شدت کے ساتھ متاثر ہوئے، اور باہم سخت جنگ وخونریزیان ہوئین، ابن حوقل لکھتا ہے، کہ رے کے باشندے شافعی المذہب اور حنفی المذہب ہین لیکن شافعیون کی تعداد حنفیون سے کم ہے، ان دونون مین سخت تعصب ہے، اور اس تعصب کی وجہ سے ان مین بہت سی لڑائیان ہوئین جن مین باوجود تعداد کی کمی کے شافعیون کو غلبہ حاصل ہوا[۲]

یاقوت حموی نے ان لڑائیون کے دردانگیز نتایج کو بچشم خود دیکھا ہے، اور عبرت انگیز طریقے پر ان کی تفصیل کی ہے، وہ لکھتا ہے کہ مین رے کے ویرانہ سے ۶۱۷ھ مین گذرا تو دیکھا کہ اس کے کھنڈرون کی دیوارین کھڑی ہین، اس کے منبر باقی ہین، اور چونکہ جلد ہی ویران ہوا ہے، اس لئے اس کی دیوارون کے نقش ونگار علی حالہ قائم ہین، مین نے وہان کے ایک سمجھدار آدمی سے اس ویرانی کا سبب

---

[۱] احیاء العلوم جلد اول بیان آفات المناظرۃ وما یتولد منہا من مہلکات الاخلاق [۲] ابن حوقل ص ۳۲۰

پوچھا اس نے کہا کہ سبب تو معمولی ہے لیکن خدا جب کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو اس کو پورا ہی کر دیتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ اس شہر میں تین گروہ تھے ایک تو شافعیہ جن کی تعداد بہت کم تھی دوسرے حنفیہ جن کی تعداد بہت زیادہ تھی، تیسرے شیعہ جن کی تعداد ان سب سے زیادہ تھی، کیونکہ اہل شہر میں نصف شیعہ تھے، اور دیہات کے باشندوں میں زیادہ تر شیعہ اور تھوڑے سے حنفی تھے، اور ان میں شافعی کوئی بھی نہ تھا، پہلے سنیوں اور شیعوں میں تعصب پیدا ہوا اور حنفیوں اور شافعیوں نے اُن پر غلبہ حاصل کر لیا، اور طویل لڑائیوں کے بعد ان دونوں نے شیعوں کا نام و نشان تک مٹا دیا، اس کے بعد حنفیوں اور شافعیوں میں تعصب پیدا ہوا، اور ان دونوں کے درمیان لڑائیاں ہوئیں جن میں باوجود تعداد کی کمی کے شافعیوں کو غلبہ حاصل ہوا، دیہاتی لوگ جو حنفی تھے، شہر میں ہتھیار لیکر آتے تھے، اور اپنے ہم مذہب لوگوں کی مدد کرتے تھے لیکن اس سے حنفیوں کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا اور شافعیوں نے ان کا بالکل خاتمہ کر دیا، یہ ویران محلے جن کو تم دیکھ رہے ہو شیعوں اور حنفیوں کے محلے ہیں، صرف یہ محلہ جو شافعیہ کے نام سے مشہور ہے، باقی رہ گیا ہے، اور وہ رے کا سب سے چھوٹا محلہ ہے، اور شیعوں اور حنفیوں میں صرف وہی لوگ رہ گئے ہیں، جو اپنے مذہب کو چھپاتے ہیں[1]

اصفہان میں بھی اس خانہ خراب تعصب نے اسی قسم کی ویرانی پیدا کر دی، چنانچہ یاقوت حموی اصفہان کے حالات میں لکھتا ہے، کہ شافعیوں اور حنفیوں کے تعصب اور دونوں کی متصل لڑائیوں کی وجہ سے اصفہان اور اس کے اطراف میں اس وقت اور اس سے پہلے عام ویرانی پیدا ہو گئی ہے، کیونکہ جب کسی فریق کو غلبہ حاصل ہوتا ہے، تو وہ دوسرے فریق کے محلے کو لوٹ لیتا ہے، اس کو جلا دیتا ہے، اور اس کو ویران کر دیتا ہے[2]

اختلاف عقائد کی وجہ سے جو تعصب پھیل گیا تھا، وہ اس پر مستزاد تھا، ابو نصر عمید الملک کندری

---

[1] معجم البلدان جلد اول ص ۳، ۲، [2] ایضاً ج اول ص ۳۰۷۔

جو طغرل سلجوقی کا وزیر تھا، نہایت متعصب تھا، اوس نے الپ ارسلان سلجوقی سے اس بات کی اجازت لی کہ خراسان کی مسجدون مین سرسبز شیعون پر لعنت بھیجی جائے، اس نے اس کی اجازت دیدی عمید الملک نے اس مین اشعریون کو بھی شامل کرلیا جس سے ائمۂ خراسان مین سخت برہمی پھیل گئی، اور ابو القاسم قشیری اور امام الحرمین نے خراسان کو چھوڑ دیا،[1]

تعصب و مناظرہ کے علاوہ فقہا کی موشگافیون نے فقہی حیلون کا ایک اور فتنہ پیدا کیا جس سے اسلام مین ایک عظیم الشان مذہبی اور اخلاقی انقلاب پیدا ہوگیا، اور بہت سی ناجائز چیزین ان حیلون کے ذریعہ سے جائز ہوگئین، اس قسم کی حیلہ بازیان فقہ کے چوتھے دور مین شروع ہوئین، جو دوسری صدی ہجری سے شروع ہوا، اور چوتھی صدی تک ختم ہوگیا، کیونکہ اس دور مین مسلمانون مین عقلی ترقی کے ساتھ اخلاقی انحطاط شروع ہوگیا تھا، اور عیش و عشرت کی گرم بازاری ہو چلی تھی لیکن اسی کے ساتھ مذہب کا اثر بھی قائم تھا، اس لئے مذہب کی وارد گیر سے مفر کی اس کے سوا اور کوئی صورت نہ تھی، کہ جو کچھ کیا جائے، اس کے جواز کے لئے مذہب ہی کی سند حاصل کی جائے، اس قسم کی حیلہ بازیون کے بہت سے واقعات کتابون مین مذکور ہین،

یہ حیلے امرا و سلاطین کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے تراشے جاتے تھے، ان کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ ان لوگون کو کسی مذہبی کشمکش سے نجات دلائی جائے،

لیکن بعد کو ان باتون کی کوئی تخصیص نہین رہی، اور یہ ایک مستقل فن بن گیا، اور اس پر کتابین لکھی گئین جن پر عمل کرنے سے تمام حقوق شرعیہ ساقط ہو سکتے ہین مثلاً ایک شخص کے پاس اس قدر مال ہے، کہ سال کے ختم ہونے پر اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی اب زکوٰۃ سے بچنے کا حیلہ یہ ہے کہ سال کے ختم ہونے پر اس کو اپنے اہل و عیال پر ہبہ کردے پھر جب نیا سال شروع ہو تو اپنے اوپر ہبہ کرالے،

---

[1] ابن خلکان جلد دوم ص ۴۰۰

بنے ہوئے صوفیہ نے بھی ان حیلون سے فائدہ اٹھایا، اور جو چیزین شرعاً ناجائز تھین، نام بدل کر ان کو جائز کرلیا، بھانگ کا ایک خاص نام رکھ لیا، طنبور، عود، بربط وغیرہ باجون کے نام بدل دیئے، گویئے کو حادی، مطرب وغیرہ کہنے لگے[1] لیکن محدثین نے ان حیلون پر سخت اعتراضات کئے ان کے نزدیک تمام اعمال کی بنیاد نیت پر ہے، اور نام اور صورت بدل دینے سے کسی چیز کی حقیقت نہین بدل جاتی، خود حدیث مین ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جس مین پانچ چیزون یا پانچ چیزون کے نام سے حلال کرلی جائین گی، شراب ایک خاص نام سے، رشوت ہدیہ کے نام سے، قتل، رعب وداب کے نام سے، زنا نکاح کے نام سے، اور سود بیع کے نام سے[2] ابن قیم نے اعلام الموقعین مین اور علامہ ابن تیمیہ نے اپنے مجموعۂ فتاوی مین ان حیلون کے ابطال پر نہایت مفصل بحثین کی ہین، اور ان کے متعلق محدثین کے نہایت سخت اقوال نقل کئے ہین، امام احمد بن حنبل وغیرہ ائمہ نے ان حیلہ بازون کی تکفیر کی ہے اور ان کا متفقہ قول یہ ہے کہ جو شخص ان حیلون کے مطابق فتوی دیتا ہے، وہ اسلام کے نظام کو الٹ پلٹ دیتا ہے، اور اسلام کے شیرازے کی ایک ایک گرہ کھول کر رکھ دیتا ہے، ایک عورت اپنے شوہر سے خلع کرانا چاہتی تھی، لیکن شوہر اس پر راضی نہین ہوتا تھا، اب اس کو یہ تدبیر بتائی گئی کہ اگر تم مرتد ہوجاؤ تو نکاح ٹوٹ جائے گا، چنانچہ اس نے اس پر عمل کیا، حضرت عبداللہ بن مبارک سے اس واقعہ کا ذکر کیا گیا تو انھون نے کہا کہ جس شخص نے اس قسم کے حیلون پر کتاب لکھی ہے، وہ کافر ہے، جس نے اس کو سنا اور پسند کیا وہ کافر ہے، اور جو شخص اس کو ایک ضلع سے دوسرے ضلع مین لے گیا وہ کافر ہے، نضر بن شمیل کہتے ہین کہ کتاب الحیل مین تین سو بیس یا تیس مسئلے ایسے ہین، جو سب کے سب کفر ہین، قاسم بن معن کہتے تھے، کہ تم لوگون نے حیلون پر جو کتابین لکھی ہین، وہ بدکاری کی کتابین ہین[3] لیکن

---

[1] اعلام الموقعین جلد ۳ ص ۱۰۰ [2] اعلام الموقعین جلد ۳ ص ۱۰۶،

[3] اعلام الموقعین، جلد ۳ ص ۱۴۷، ۱۴۸،

باایمہ اوس زمانہ مین مذہب و اخلاق کا اس قدر اثر تھا کہ لوگ ان کتابون کو علانیہ اپنے نام سے نہین لکھ سکتے تھے، چنانچہ آج تک یقین کے ساتھ ان کے مصنفین کا نام نہین بتایا جا سکتا، دور جدید کے ایک مصنف نے لکھا ہے، کہ فقہ کے اس دور مین نئے نئے مسائل کے ایجاد کرنے کا جو میلان پیدا ہو گیا تھا، اوس نے ضعیف المذہب لوگون کو اس قسم کے حیلون کے ایجاد کرنے پر آمادہ کیا[1] لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ عباسی دور مین جو عجمی فرقے علمی حیثیت سے مسلمانون کے مذہب و اخلاق مین ضعف پیدا کرنا چاہتے تھے انھون نے گمنام طریقے پر اس قسم کی کتابین شائع کر دی ہون،

بہرحال یہ ایک مذہبی اور اخلاقی فتنہ تھا، جو عباسی دور مین عقلی ترقی اور اخلاقی تنزل کے ساتھ ساتھ پھیلا، اور رند مشرب اور اہل دول اس سے خاص طور پر متاثر ہوئے، اور محدثین نے اس کی روک تھام مین خاص طور پر حصہ لیا، امام غزالی نے بھی احیاء العلوم مین ان حیلون کو فقہا کا ایک دھوکا قرار دیا ہے[2]،

علماء مین جن لوگون نے وعظ و پند کو اپنا پیشہ بنا لیا تھا، ان کی حالت اس سے بھی بدتر تھی اور علما کے بعض اخلاق مذہبی اور صوفیانہ نقطۂ نظر سے گو قابل اعتراض ہون، لیکن دنیوی حیثیت سے ان مین ترفع، بلندی، اور طبائعی پائی جاتی تھی، لیکن واعظون نے بالکل گداگری کا پیشہ اختیار کر لیا تھا، اور عبارت آرائی، رنگین بیانی اور قصہ خوانی کے ذریعہ سے لوگون کے دلون کو اپنی طرف مائل کرتے تھے، امام غزالی نے لکھا ہے کہ ہمارے زمانہ کے واعظون کی یہی حالت ہے، اگر کوئی شخص شاذ و نادر ملک کے کسی گوشہ مین اس کے خلاف ہو تو ہو لیکن ہم کو کوئی ایسا شخص معلوم نہین، ابن جبیر نے اپنے سفرنامہ مین ایک بڑے خطیب کی مجلس وعظ کے ذکر مین لکھا ہے، کہ انھون نے اپنی مجلس ان الفاظ مین ختم کی کہ حاضرین مین نے ایک رات تو خدا کے حرم مین تمھارے سامنے وعظ کہا اور آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم مین

---

[1] تاریخ التشریع الاسلامی ص ۲۸۵، [2] احیاء العلوم جلد ۳ ص ۲۴۴،

وعظ کہتا ہوں" واعظ کے لئے گداگری ضروری ہے" اس لئے میں تمہارے سامنے ایک حاجت پیش کرتا ہوں" اگر تم لوگ اس کے پورا کرنے کا وعدہ کرو تو میں اس کو بیان کرکے اپنی آبروریزی کروں" لوگوں نے نہایت گریہ وزاری کے ساتھ اس حاجت کے پورا کرنے کا اعلان کیا، تو اس نے کہا کہ میری حاجت یہ ہے کہ تم لوگ اپنے سروں کو کھول کر اور ہاتھوں کو پھیلا کر اس پیغمبر کے سامنے دعا کرو کہ وہ مجھ سے راضی رہے، اور خدا کو بھی مجھ سے راضی کردے،

یہ ایک نہایت دولت مند آدمی تھا، اس لئے اس نے کوئی دنیوی غرض پیش نہیں کی، تاہم اس کے آخری الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وعظ گوئی کے لئے گداگری ضروری تھی، اور یہ گداگری جس طرح بھری مجلس میں کی جاتی تھی، ابن جبیر نے اس کا ذکر بھی نہایت ناگواری کے ساتھ کیا ہے[1] اسی قسم کے فقہاء و واعظین تھے جن پر شیخ سعدی اور خواجہ حافظ نے ریاکاری، جاہ طلبی، زرپرستی اور عجب و غرور کے الزامات لگائے ہیں،

لیکن ہر دور کے علمائے حق کے امتیازی اوصاف وہی رہے ہیں جن کی تفصیل گذشتہ نمبروں میں بیان کی گئی ہے،

---

[1] سفرنامہ ابن جبیر ص ۲۰۱،

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

مدرسوں اور اسکولوں کے طالب علموں کے لئے عام فہم اور سادہ زبان میں سرورِ عالم کی سیرت، ضخامت ۲۰۰ صفحے، قیمت :- مجلد عہ، غیر مجلد عہ (طبع چہارم)

"پیغمبر"

عہد تیموریہ سے پہلے کے صوفیۂ کرام

اور

ان کی فارسی تصانیف

از جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب رفیق دارالمصنفین

(۱۰)

حضرت شیخ ابوالفتح رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ

(سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو معارف فروری ۱۹۴۲ء)

حضرت شیخ رکن الدین قدس سرہٗ العزیز حضرت شیخ صدرالدین کے لڑکے اور حضرت شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی کے پوتے تھے، والدہ ماجدہ کا نام بی بی راستی تھا، جو اپنے زہد و تقوی کی وجہ سے رابعۂ عصر کہلاتی تھیں، انھوں نے اپنے خسر حضرت شیخ بہاءالدین زکریا کے زیر سایہ باطنی و روحانی تعلیم و تربیت حاصل کی، ان کو کلام مجید کی تلاوت سے خاص شغف تھا، روزانہ ایک کلام مجید ختم کرتی تھیں، حضرت شیخ رکن الدین کی ولادت سے پہلے حضرت بہاءالدین زکریا ملتانی نے یہ بشارت دی تھی کہ ان کی وجہ سے خاندان کا چراغ روشن ہوگا، ایک دن جب کہ شیخ رکن الدین چار سال کے تھے، حضرت شیخ بہاءالدین زکریا چارپائی پر بیٹھے تھے، اور دستار مبارک سر سے اتار کر چارپائی کے پایہ پر رکھدی تھی، حضرت شیخ صدرالدین بھی پاس ہی مودب بیٹھے تھے کہ شیخ رکن الدین کھیلتے ہوئے آئے، اور دادا کی دستار مبارک اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لی، والدہ ماجدہ نے ڈانٹا کہ یہ بے ادبی ہے، مگر دادا نے فرمایا کہ صدرالدین پگڑی

پہننے سے اس کو نہ روکو۔ . . . . . وہ اس کا مستحق ہے، اور مین یہ پگڑی اس کو عطا کرتا ہون' چنانچہ وہ پگڑی محفوظ کردی گئی، اور جب حضرت شیخ رکن الدین اپنے والد بزرگوار کے بعد مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو وہ انکے سر پر رکھی گئی[1]

ظاہری تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی، اور روحانی تربیت مین جد امجد سے فیضیاب ہوئے، دونون ان کو بہت محبوب رکھتے تھے، شیخ رکن الدین دونون بزرگون کا اتنا احترام کرتے تھے کہ کبھی اُن سے آنکھین چار نہ کرتے، اور نہ ان کے سامنے بلند آواز سے بولتے، اس خوردسالی مین ان کے اس ادب سے متاثر ہوکر حضرت خواجہ شمس الدین تبریزی نے ان کو "رکن الدین عالم" کا لقب عطا فرمایا، اور وہ رکن عالم کے نام سے مشہور ہوئے[2] انھی دونون بزرگون کی صحبت مین انھون نے صوری و معنوی کمالات حاصل کئے، علم، تواضع، شفقت، حلم، موافقت، بشاشت، مروت، عفو، حیا، وقار، حسن ظن اور تصفیہ نفس جملہ صفات ان مین بدرجہ اتم پائی جاتی تھین، اور انھون نے مکاشفہ و محاسبہ سے اتنے مدارج طے کر لئے تھے، کہ ان کو "مخزن مشہود الٰہی" "منبع جود نامتناہی" "دریس خلوت وحدت" برجیس برج معرفت" گوہر معدن صفات لاریب، لولوے سمجہ دریاے غیب، زبدۃ المشائخ، مفتاح قفل حق الیقین[3] کے القاب سے یاد کیا جاتا ہے، سیر العارفین کے مؤلف نے اُن کے روحانی مرتبہ کی مدح ان الفاظ مین کی ہے،

جہان معرفت سلطان معنی	وجودش آیتے در شان معنی
دلش از طلعت اسرار مسرور	ہمیشہ جانش از انوار معمور
بباطن در حقیقت رفتہ بے باک	بظاہر در شریعت چست چالاک
بریدہ گردن شیطان خناس	خریدانش زتیغ پاس انفاس

---

[1] سیر العارفین ج ۲ ص ۲ و فرشتہ ج ۲ ص ۴۱۱، و مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین،

[2] مراۃ الاسرار قلمی [3] سیر العارفین ج ۲ ص ۱،

بملک فقر از کشف و کرامات زده بر عرش کوس استقامات

کلامش پاک از طامات و از شطح یگانه شیخ رکن الدین ابوالفتح

بملک فقر جز نعمت نبودش جهانی ریزه چین خوان جودش

چھتیس سال کی عمر مین جب وہ والد بزرگوار کی مسند خلافت پر بیٹھے، تو ہر گوشہ سے لوگ خدمت مین حاضر ہو کر فیضیاب ہوئے، جو بھی اہلِ حاجت حاضر ہوتا، اس کی حاجت روائی ضرور فرماتے، اسی لئے "قبلۂ حاجات" بھی کہلاتے تھے مجلس مین جس کے دل مین کوئی بات آتی، اس کا ان کو کشف حاصل ہو جاتا، اور اس کی دلجوئی کرتے،

مشائخ و سلاطین دونوں سے ملتے، مگر ان کے مراتب کے حدود کو ملحوظ رکھ کر تعلقات قائم کرتے تھے، سلطان علاؤالدین خلجی کے زمانہ مین ایک بار ملتان سے دہلی تشریف لائے، تو سلطان نے شاہی کروفر کے ساتھ دہلی سے باہر نکل کر ان کا استقبال کیا، اور بڑے اعزاز و اکرام کے ساتھ ان کو دہلی لایا، اور دو لاکھ ٹنکے نذر پیش کئے، پھر رخصت کے وقت پانچ لاکھ نذر کئے، حضرت شیخ رکن الدین رحمۃ اللہ علیہ نے دہلی چھوڑنے سے پہلے یہ کل رقم فقراء و مساکین مین تقسیم دی اور اپنے ساتھ ایک جبہ بھی نہ لے گئے، سلطان وقت کی طرف سے اس اعزاز و اکرام کے باوجود فرماتے تھے کہ مین ملتان سے دہلی صرف سلطان نظام الدین اولیاء کی محبت اور شوق ملاقات مین آتا ہون، حضرت سلطان الاولیاء کو بھی اُن سے قلبی لگاؤ تھا، چنانچہ جب وہ سلطان علاء الدین کی دعوت پر دہلی آئے، تو اگر ایک طرف ان کے استقبال کے لئے سلطان وقت اپنے خدم و حشم کے ساتھ تھا، تو دوسری طرف حوض علائی کے پاس سلطان الاولیاء بھی اپنی جلالت و عظمت کے ساتھ ان کے لئے چشم براہ تھے،

حضرت شیخ رکن الدین گو دہلی مین شاہی مہمان ہوتے تھے، مگر زیادہ وقت سلطان الاولیاء ہی کی صحبت مین بسر کرتے تھے، دونون ایک دوسرے کا غیر معمولی احترام کرتے، ایک مرتبہ جب حضرت شیخ

رکن الدین دہلی آئے، تو جمعہ کی نماز ادا کرنے جامع مسجد تشریف لے گئے، حضرت شیخ نظام الدین اولیا، پہلے سے مسجد مین موجود تھے، خود بڑھ کر حضرت شیخ رکن الدین سے ملے، اور تھوڑی دیر اُن کے پاس بیٹھکر اپنی جگہ واپس آئے، اس کے بعد حضرت شیخ رکن الدین جاکر اُن کے قریب بیٹھے، اسی قیام کے زمانہ مین حضرت شیخ رکن الدین حضرت سلطان الاولیا، کی زیارت کے لئے ان کی خانقاہ بھی گئے، لیکن پاؤن مین کچھ تکلیف تھی، اس لئے پالکی سے باہر نہ نکل سکے، اور خود حضرت شیخ نظام الدین دوسرے درویشون کے ساتھ پالکی کے پاس بیٹھے رہے، وہین کھانا منگوایا، کھانے کے بعد اعلیٰ درجہ کا کپڑا اور سو اشرفیان حضرت شیخ رکن الدین کی خدمت مین بطور نذر کے پیش کین، انھون نے قبول کرنے مین تامل کیا، اس لئے محبوب الٰہی نے اُن کے بھائی شیخ عماد الدین اسماعیل کے حوالہ کر دیا[1]

حضرت بہاء الدین زکریا کے نواسے مولانا علم الدین فرماتے ہین، کہ ایک بار حضرت شیخ رکن الدین نے کیلوگری کی مسجد مین جمعہ کی نماز ادا کرنے کے بعد سلطان الاولیا، کی خانقاہ مین قدم رنجہ فرمایا، یہان پہلے سے کچھ فقرا، اور مشائخ موجود تھے، اس قران السعدین کے وقت مولانا علم الدین کے دل مین بعض علمی نکات کے حل کرنے کا خیال پیدا ہوا، اور دونون بزرگون سے اجازت لے کر عرض کی کہ ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مین کیا مصلحت تھی؟ حضرت شیخ رکن الدین نے فرمایا کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض کمالات کی تکمیل مدینہ منورہ کی ہجرت پر موقوف و منحصر تھی اس لئے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی جانب جلوہ فرما ہوئے، حضرت سلطان الاولیا نے ارشاد فرمایا کہ اس مسئلہ مین میری سمجھ مین یہ بات آتی ہے کہ اللہ جل شانہ نے اپنے محبوب کو مدینہ طیبہ اس لئے بھیجا کہ وہ اصحاب مدینہ جو اپنی بے بضاعتی کی وجہ سے مکہ معظمہ حاضر ہونے کی استطاعت نہین رکھتے تھے وہ بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے مستفیض و مستفید ہو کر ظاہری و باطنی کمالات مین مکمل ہو جائین[2] غالباً حضرت شیخ رکن الدین دہلی کے پہلے ہی قیام کے زمانہ مین حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر

---

[1] اخبار الاخیار ص ۲۰ [2] سیر العارفین جلد دوم ص ۴ و تاریخ فرشتہ جلد دوم ص ۳۱۲،

کے عرس کا زمانہ آگیا، چنانچہ پاک پٹن کی طرح دہلی مین بھی عرس کی تقریب منائی گئی، سماع کی محفل مین حضرت شیخ رکن الدین بھی شریک ہوئے مجلس سماع مین حضرت سلطان الاولیاء پر وجد طاری ہو گیا، اور غایت اضطراب مین کھڑے ہونا چاہا، مگر شیخ رکن الدین نے ان کا دامن پکڑ کر بٹھا دیا، تھوڑی دیر کے بعد پھر وجد کی کیفیت شروع ہوئی، تو پھر کھڑے ہو گئے، اس مرتبہ شیخ رکن الدین نے ان کو بٹھانے کی کوشش نہین کی بلکہ اور مشائخ کی طرح خود دست بستہ مؤدب کھڑے ہو گئے مجلس ختم ہوئی تو مولانا علم الدین نے حضرت شیخ رکن الدین سے پوچھا کہ اس کا کیا سبب تھا کہ پہلی بار تو آپ نے سلطان الاولیاء کو کھڑے ہونے دیا لیکن دوسری بار نہین روکا، حضرت شیخ نے ارشاد فرمایا، کہ پہلی بار شیخ نظام الدین کی رسائی عالم ملکوت تک ہوئی تھی وہان تک میری گذر ممکن تھی، اس لئے میرا ہاتھ پہنچ گیا، اور ان کو بٹھا دیا، دوسری بار ان کی رسائی عالم جبروت مین ہوئی، وہان تک مین نہین پہنچ سکتا تھا، اس لئے مزاحم نہ ہوا،[1]

حضرت سلطان الاولیاء سے حضرت شیخ رکن الدین کی محبت وعقیدت کا اظہار اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے، کہ انھون نے اپنے محبوب خلیفہ حضرت شیخ وجیہ الدین عثمان سیاح سنائی کو محبوب الٰہی کی قربت کی خاطر دہلی ہی مین قیام کرنے کا حکم دیا، حضرت عثمان جن کا مزار شریف دہلی مین ہے جب سنام سے سیر و سیاحت کرتے ہوئے دہلی پہونچے، تو ایک دن کیلوگری مین نہر کے پاس حضرت شیخ رکن الدین کو نماز پڑھتے دیکھا، چہرۂ اقدس پر نظر پڑتے ہی دل انوار روحانی سے منور ہو گیا، اور دین باضابطہ ارادت حاصل کی، حضرت شیخ ان کو اپنے ساتھ ملتان لے گئے، اور دو سال تک اپنی معیت مین رکھا، اسی مدت مین کلام پاک حفظ کیا، اور مرشد سے حضرت شیخ شہاب الدین کی تصنیف عوارف پڑھتے رہے، خود حضرت شیخ رکن الدین کا بیان ہے کہ جس دن سے شیخ عثمان مرید ہوئے، ترک دنیا اور تجرد کلی اختیار کر لیا، ایک تہبند کے علاوہ ان کے پاس کوئی چیز نہین رہتی تھی، اسی بے سروسامانی کی حالت مین حج کے لئے تشریف لے گئے، مدینہ منورہ مین ایک سال رہکر دو مرتبہ حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا، طواف کے دوران مین چشم بینا

[1] سیر العارفین ص ۶، ۵، و فرشتہ جلد دوم صفحہ ۴۱۲

سے دیکھا کہ حضرت خضر علیہ السلام اُن کے سر پر سایہ کئے ہوئے ہین، یہ دیکھ کر بے چین ہو گئے، اور اسی وقت دوسرے ممالک کی سیاحت کو روانہ ہو گئے، سات برس کے بعد عثمان لوٹے تو مرشد نے گلے سے لگایا اور سر کو بوسہ دیکر فرمایا کہ تم نے یہ بہت اچھا کیا کہ جس روز اپنے سر پر حضرت خضر علیہ السلام کا سایہ دیکھا، اسی وقت مسافرت اختیار کر لی ورنہ مخلوق کے فتنہ مین پڑ جاتے، یہ کہکر اپنا پیراہن محبوب مرید کو پہنایا، اور اپنی دستار ان کے سر پر باندھی، اور پھر چند روز اپنے ساتھ ٹھہرا کر دہلی روانہ کر دیا، رخصت کرتے وقت فرمایا کہ تم وہین قیام کرنا جہان حضرت شیخ نظام الدین مقیم ہین، وہان جا کر پہلے حضرت شیخ نظام الدین کو میرا سلام پہنچانا، اور وہ جہان رہنے کا حکم دین، وہین سکونت اختیار کرنا، چنانچہ حضرت شیخ عثمان نے دہلی پہونچکر محبوب الٰہی کی خدمت مین مرشد کا سلام پہنچایا، انھون نے کھڑے ہو کر علیک وعلیہ السلام فرمایا، حضرت شیخ عثمان کو محبوب الٰہی کی صحبت مین اُن سے ایسی محبت و شیفتگی پیدا ہو گئی کہ ہر جگہ اس کا چرچا پھیل گیا، حضرت شیخ عثمان کو سماع کا ذوق پہلے سے بھی تھا، [illegible] الٰہی کی مجلسون مین شرکت سے یہ ذوق اور بھی بڑھ گیا، ایک بار اپنی قیامگاہ پر مجلسیون کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، کہ سامنے امیر حسن قوال اپنے ساتھیون سمیت گذرا، امیر حسن کو محبوب الٰہی بہت ہی عزیز رکھتے تھے، اور اس کے گانے کے بہت شوقین تھے، امیر حسن بھی محبوب الٰہی اور شیخ عثمان کے گھریلو مراسم سے واقف تھا، ان کو دیکھ کر ان کی خدمت مین حاضر ہوا، حضرت شیخ عثمان محبوب الٰہی کے ہمدم مجلس اور محرم صحبت قوال کے ساتھ بڑی محبت سے پیش آئے، اور اس سے کچھ سنانے کی فرمایش کی، اس زمانہ مین سلطان غیاث الدین تغلق کی طرف سے محفل سماع پر قدغن تھی، اس لئے امیر حسن کو اس فرمایش کی تعمیل مین تامل ہوا، حضرت شیخ عثمان کو اڑ مین زنجیر لگا کر گانے کے لئے مصر ہوئے، امیر حسن نے سلطان وقت کے خوف سے دھیمی آواز مین یہ بیت شروع کی،

زاہد ز دیں برآمد و صوفی ز اعتقاد
ترسا محمدی شد و عاشق ہمان کہ ہست

امیر حسن نے جب تکرار کے ساتھ اس کو گایا، تو حضرت شیخ عثمان بے خود اور بے قابو ہو گئے، اور امیر حسن سے زور سے گانے کو فرمایا، وہ بھی شیخ کے جذب و بے خودی کو دیکھ کر بے اختیار ہو گیا، اور دل کھول کر گانے لگا، حضرت شیخ عثمان نے اس بے خودی میں دروازہ کھول دینے کا حکم دیا، باہر سے قوال اور آ گئے، اور یہ محفل سماع جذب و کیف کی ایسی مجلس بن گئی، کہ شہر کے تمام صوفیہ کرام جمع ہو گئے، اور کئی ہزار تماشائیوں پر حال و قال طاری ہو گیا، اور حضرت شیخ عثمان مذکورہ بالا شعر پڑھتے ہوئے بے خودی کی حالت میں جماعت خانہ سے نکل آئے، اور تغلق آباد کی طرف چل کھڑے ہوئے، قوال بھی ساتھ ساتھ گاتے جاتے تھے، پیچھے لوگوں کا مجمع تھا، اور سب کے سب شیخ کے جذب و بیخودی کے اثر سے سرشار تھے، اسی حال میں شیخ تغلق آباد شاہی محل کے پاس پہونچے، سلطان غیاث الدین تغلق سمجھا کہ کوئی فتنہ اٹھا ہے، ملک شادی خان کو تحقیقات کے لئے بھیجا، اوس نے واپس آکر اطلاع دی کہ حضرت شیخ عثمان صوفیوں اور قوالوں کی ایک کھلی ہوئی محفل سماع منعقد کئے ہوئے ہیں، سلطان پر برہمی کے آثار ظاہر ہوئے مگر پھر اس نے اس فہرست کو منگا کر دیکھا جس میں ان درویشوں اور فقراء کے نام درج تھے، جنھوں نے اس کے حریف اور شاہی تخت کے دعویدار خسرو خان سے رشوتیں قبول کی تھیں، مگر اس میں حضرت شیخ عثمان کا نام نہ تھا، اس لئے سلطان کی برہمی نرمی میں بدل گئی، اور وہ حضرت شیخ عثمان کو سنت الست دیکھ کر خود بہت متاثر ہوا، اور حکم دیا کہ ان کو اور ان کے ساتھیوں کو لاکر محل کے اندر ٹھہرایا جائے، اور شاہی باورچی خانہ سے ان کی ضیافت کا سامان کیا جائے، چنانچہ پوری جماعت تین روز تک شاہی باورچی خانہ کے الوانِ نعمت سے متمتع ہوتی رہی، اور جب حضرت شیخ عثمان رخصت ہونے لگے، تو سلطان نے نذر پیش کی، مگر انھوں نے اس کو قبول نہیں کیا، اور غیاث پور کی طرف چل کھڑے ہوئے[1]، یہ واقعہ اس محضر سے پہلے کا ہے جس کا ذکر حضرت شیخ نظام الدین اولیاء

---

[1] سیر الاولیاء، فین جلد دوم ص ۹۰ و ۱۰۱،

کے حال مین کیا جا چکا ہے،

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت شیخ رکن الدین کے تعلقات سلاطین وقت سے بھی تھے، مگر یہ تعلقات محض خدمت خلق اللہ کی خاطر تھے، علاؤ الدین خلجی کے بعد جب اس کا لڑکا قطب الدین خلجی تخت نشین ہوا، تو اس کو محبوب الٰہی سے ذاتی مخاصمت پیدا ہو گئی جس کی تفصیل حضرت نظام الدین اولیاء کے حال مین بیان کی جا چکی ہے، اس مخاصمت و عناد کی وجہ سے سلطان نے دوسرے مشائخ سے مراسم پیدا کئے، اس سلسلہ مین اس نے حضرت شیخ رکن الدین سے بھی اپنی گرویدگی اور شیفتگی کا اظہار کیا، اور آپ کو ملتان سے دہلی آنے کی دعوت دی، جب آپ دلی تشریف لائے، اور سلطان سے ملنے گئے، تو اس نے پوچھا کہ دلی مین سب سے پہلے کس شخص نے آپ کا استقبال کیا تھا، گو آپ کو حضرت سلطان الاولیاء سے سلطان کے عناد کا حال معلوم تھا، تاہم آپ نے جواب دیا کہ اس نے جو اس شہر کا سب سے اچھا آدمی ہے یعنی حضرت نظام الدین اولیاء نے[1]

حضرت شیخ رکن الدین کا معمول تھا کہ جب آپ سلطان قطب الدین کے پاس تشریف لیجاتے تو راستہ مین اپنی سواری تخت روان کو ٹھہرا کر آگے بڑھاتے تاکہ اہل ضرورت اپنی درخواستین سلطان کی خدمت مین پیش کرنے کے لئے ان کی سواری مین ڈال دین، بعض ضرورتمندون کی عرضداشت زبانی بھی سنتے تھے، شاہی محل کے پاس پہنچکر دو دروازون تک تخت روان پر سوار رہتے، تیسرے دروازے کے قریب جہان سلطان آپ کی تعظیم و استقبال کے لئے کھڑا نظر آتا، آپ اتر جاتے سلطان بڑے ادب و تکریم سے دربار مین لیجا کر بٹھاتا، اور خود مؤدب دوزانو ہو کر آپ کے سامنے بیٹھتا اس کے بعد حضرت شیخ رکن الدین شہر کے لوگون کی درخواستین سلطان کے سامنے پیش کرتے، وہ ہر ایک درخواست کو بہ غور پڑھتا، اور اس کی پشت پر اسی وقت حکم صادر کر دیتا، حضرت شیخ رکن الدین واپس

---

[1] اخبار الاخیار ص ۶۳

کے وقت تمام درخواستوں کو ساتھ لیتے آتے[1]

سلطان غیاث الدین تغلق سے بھی حضرت شیخ رکن الدین کے مراسم خوشگوار رہے ۷۲۵ھ میں جب وہ بنگالہ کی مہم سے دہلی واپس آرہا تھا تو حضرت شیخ رکن الدین دہلی سے افغانستان تک اس کے استقبال کو گئے تھے، شب کو سلطان کے ساتھ ماحضر تناول فرمارہے تھے، کہ نور باطن سے کشف ہوا، کہ جس عمارت میں وہ بیٹھے کھانا کھا رہے ہیں، وہ اچانک گر جائے گی، اس لئے آپ کھانا چھوڑ کر باہر چلے آئے، اور سلطان کو بھی باہر نکلنے کے لئے فرمایا، مگر اس نے نکلنے میں دیر کی اتنے میں عمارت گر پڑی، اور سلطان اس کے نیچے دب کر ختم ہوگیا[2]

غیاث الدین تغلق کے بعد سلطان محمد تغلق سریر آرائے سلطنت ہوا، اس سے بھی حضرت شیخ رکن الدین کے تعلقات قائم رہے، اور آپ دہلی میں اس کے مہمان ہوئے اسی زمانہ میں محبوب الٰہی نے رحلت فرمائی، جنازہ کی نماز حضرت شیخ رکن الدین نے پڑھائی، اور اس سعادت پر وہ ہمیشہ فخر کرتے تھے[3]

حضرت محبوب الٰہی کی وفات کے دس سال کے بعد حضرت شیخ رکن الدین اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے، وفات سے تین مہینے پہلے لوگوں سے ملنا جلنا اور بولنا چالنا بالکل ترک کر دیا تھا، صرف نماز جماعت کے لئے حجرہ سے باہر آتے تھے، اور پھر لوٹ جاتے تھے ۷۳۵ھ کے رجب کی سولہویں تاریخ جمعرات کے دن عصر کی نماز کے بعد حضرت نے اپنے خادم خاص کو حجرہ کے اندر بلایا، اور اشارہ سے فرمایا کہ میری تجہیز و تکفین کا سامان کرو، اور مغرب کی نماز کے لئے پیش امام کو حجرہ کے اندر ہی بلا لیا، اور نماز مغرب

---

[1] سیر العارفین ص ۵، فرشتہ جلد دوم ص ۴۱۲،

[2] سیر العارفین جلد دوم ص ۶،

[3] اخبار الاخیار ص ۶۳،

کے بعد اذان پڑھ رہے تھے، کہ اسی حالت مین سجدہ مین جان، جان آفرین کے سپرد کر دی،[1] آپ کا مرقد مبارک ملتان مین آپ کے جد امجد اور والد ماجد کے مزار کے پاس ہی ہے،

حضرت شیخ رکن الدینؒ کی ایک بڑی وصف یہ بھی بتایا جاتا ہے، کہ ان کو نور باطن سے اپنے ملنے والون اور مریدون کے دلون کی باتون کا کشف ہو جاتا تھا، اسی لئے ابو الفتح کے لقب سے ملقب تھے، ان کے ایک مرید نے اس سلسلہ مین اپنی تصنیف مجمع الاخبار[2] مین ایک واقعہ نقل کیا ہے، کہ ایک بار سلطان غیاث الدین تغلق نے مولانا ظہیر الدین کنگ سے پوچھا، کہ شیخ رکن الدین کی کوئی کرامت آپ نے دیکھی ہے، مولانا نے فرمایا کہ ایک مرتبہ جمعہ کے دن جب لوگ ان کی قدمبوسی کے لئے جمع تھے، مین نے دل مین خیال کیا کہ شاید شیخ کے پاس تسخیر کا کوئی علم ہے، مین بھی عالم ہون، لیکن میری طرف کوئی توجہ نہین کرتا، مین نے سوچا کہ دوسرے دن صبح کو شیخ کی خدمت مین حاضر ہو کر پوچھون گا، کہ وضو مین کلی کرنے اور ناک مین پانی ڈالنے مین کیا نکمت ہے، رات کو جب سویا تو خواب مین دیکھا کہ شیخ مجھکو حلوا کھلا رہے ہین جس کی شیرینی دن تک زبان پر قائم رہی، مین نے خیال کیا کہ اگر یہی کرامت ہے، تو شیطان بھی عوام کو اسی طرح گمراہ کر سکتا ہے، صبح کو جب مین شیخ کی خدمت مین حاضر ہوا، تو مجھ کو دیکھتے ہی فرمایا، کہ مین تمہارا ہی منتظر تھا، پھر گفتگو شروع کی، اور فرمایا کہ جنابت دو قسم کی ہوتی ہے، جنابت جسم اور جنابت دل، جنابت جسم کا سبب تو بالکل ظاہر ہے، مگر دل کی جنابت ناہموار آدمیون کی صحبت سے پیدا ہوتی ہے، جسم تو پانی سے پاک ہو جاتا ہے، مگر دل کی جنابت آنکھون کے پانی سے دور ہوتی ہے، اس کے بعد فرمایا کہ پانی مین تین صفتین ہین، رنگ، مزہ اور بو، اسی لئے شریعت نے وضو مین کلی کرنے اور ناک مین پانی ڈالنے کو مقدم رکھا ہے، کلی سے مزہ معلوم ہوتا ہے اور ناک مین پانی ڈالنے سے اس کی بو معلوم

---

[1] سیر الاولیاء خزینہ جلد دوم ص ۱۱، فرشتہ جلد دوم ص ۳۱۲، مراۃ الاسرار قلمی نسخہ دار المصنفین،

[2] اس تصنیف کا ذکر اخبار الاخبار ص ۶۲ پر ہے،

ہوتی ہے، پھر فرمایا کہ جس طرح نبی کی صورت میں شیطان ظاہر نہیں ہو سکتا، اسی طرح شیخ حقیقی کی صورت میں بھی شیطان نمودار نہیں ہو سکتا، کیونکہ شیخ حقیقی کو نبی کی کامل متابعت حاصل ہوتی ہے، مولانا ظہیر الدین کا بیان ہے کہ جس وقت حضرت شیخ رکن الدین کی زبان مبارک سے یہ باتیں نکل رہی تھیں اوس وقت میرے تمام جسم سے پسینہ جاری تھا[1]

حضرت شیخ رکن الدین کی کسی تصنیف کا کہیں کوئی ذکر نہیں، مگر مجمع الاخبار میں ان کے وصایا و ملفوظات درج ہیں جن کے کچھ اقتباسات اخبار الاخیار میں نقل کئے گئے ہیں، بوخر الذکر کتاب کی مدد سے حضرت شیخ رکن الدین کی صوفیانہ تعلیمات ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہیں،

اپنے ایک مرید کو لکھتے ہیں کہ آدمی دو چیزوں سے عبارت ہے، صورت اور صفت، ان میں سے قابل اعتنا آدمی کی صفت ہے، خدائے عزوجل صورتوں کو نہیں بلکہ قلوب کو دیکھتا ہے، اگر کسی کا قلب اوصاف ذمیمہ سے پُر ہے، تو اس کا شمار بہائم میں ہے، اوصاف ذمیمہ کو دور کرنے کے لئے تزکیۂ نفس کی ضرورت ہے، اور تزکیۂ نفس اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا، جب تک بندہ خدائے عزوجل سے التجا و استعانت نہ کرے، یعنی اس کی بارگاہ میں گڑگڑائے اور اس سے مدد طلب کرے، التجا و استعانت سے اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے فضل اور رحمت حاصل ہوتی ہے، فضل و رحمت کے ظہور کی علامت یہ ہے کہ بندہ کی چشم بینا میں اس کے عیوب ظاہر ہو جاتے ہیں، اور عظمت الٰہی کے انوار کے پرتو سے ساری کائنات اس کی نظر میں ہیچ ہو جاتی ہے، دنیا کے پھندوں میں پھنسے ہوئے لوگوں کی وقعت اس کے دل سے بالکل جاتی رہتی ہے، اور جب اوس کے قلب پر یہ کیفیت مستولی ہو جاتی ہے تو اس کے اوصاف فرشتوں کے اوصاف میں تبدیل ہو جاتے ہیں، اور اس میں ظلم کے بجائے عفو، غضب کے بجائے حلم، کبر کے بجائے تواضع، بخل کے بجائے سخاوت اور حرص کے بجائے ایثار کی خوبیاں پیدا

---

[1] بحوالہ اخبار الاخیار ص ۱۹۲

ہو جاتی ہیں، مگر یہ خوبیاں حقیقی کے طلب کرنے والوں کے لئے ہیں، طالبانِ حق کے اوصاف اور بھی بلند ہیں، وہاں تک پہنچنے کے لئے ہر شخص کی عقل کام نہیں دیتی،

مہدیت مر مرا کہ نگیرم بجز تو دوست

شرطیت مر مرا کہ نخواہم بجز تو ہیچ

ایک دوسرے موقع پر اپنے ایک مرید کو تحریر فرماتے ہیں، کہ ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے آج تک کسی کے ساتھ نہ نیکی کی اور نہ بدی، حاضرین نے استعجاب سے پوچھا کہ امیر المومنین بدی تو خیر آپ سے نہیں ہو سکتی، مگر نیکی کے متعلق آپ کیا فرما رہے ہیں، ارشاد فرمایا کہ حق جل و علا کا قول ہے کہ جس نے اچھے کام کئے اپنے نفس کے لئے کئے، اور برے کام کئے وہ بھی اپنے نفس کے لئے کئے، پس جو کچھ نیکی یا بدی مجھ سے صادر ہوئی، وہ درحقیقت میرے لئے تھی، نہ کہ دوسروں کے لئے۔

اس کے بعد حضرت شیخ رکن الدین لکھتے ہیں کہ

ایک عاقل کو دنیا و آخرت کے لئے اتنی نصیحت کافی ہے بزرگوں نے کہا

سلاح این کس صلاح اوبس است

یعنی ایک شخص کا ہتھیار اس کی نیکی ہے،

چو میدانی ہر انچہ کاری دروے

آخر ہمہ حال نکو کاری بہ

فرماتے تھے کہ اعضاء و جوارح کو شرعی ممنوعات سے قولاً اور عملاً باز رکھنا چاہئے، الا یعنی مجلس سے بھی پرہیز لازم ہے، اس سے مراد ایسی مجلس ہے، جو حق تعالیٰ سے برگشتہ کر کے دنیا کی طرف مائل کرتی ہے، بطالوں سے بھی احتراز ضروری ہے، بطال وہ لوگ ہیں جو طالب حق نہیں[1] (باقی)

---

[1] اخبار الاخیار ص ۶۱، ۶۲،

عبدالواسع جبلی

از

جناب غلام مصطفےٰ خان صاحب لکچرر کنگ ایڈورڈ کالج امراوتی، برار،

سنہ ۱۹۳۲ء سے معارف مین مین نے فارسی کے قدیم شعراء کا جو سلسلہ شروع کیا تھا، اُسی کی یہ بھی ایک کڑی ہے، اس مین عبدالواسع جبلی کے حالات کو اُن مجموعون مین سے اخذ کیا جاتا ہے، جو حبیب گنج، جامع مسجد بمبئی، جامعہ عثمانیہ، وغیرہ کے کتب خانون مین محفوظ ہین[1]

دولت شاہ (براؤن ایڈیشن ص ۳، ۴) لکھتا ہے کہ یہ شاعر غرجستان (بالائی مرغاب کی وادی) کے جبال سے آیا تھا، جیسا کہ اس کے تخلص جبلی سے بھی ظاہر ہوتا ہے، اور وہ ہرات ہوتا ہوا غزنین پہنچا جہان وہ قریب چار سال تک سلطان بہرام شاہ غزنوی (۵۱۱ھ سے ۵۵۲ھ / ۱۱۱۷ء سے ۱۱۵۷ء) کی مدح سرائی کرتا رہا، لیکن اس شاعر کے کلام کے جتنے مجموعے ہمارے پیش نظر ہین، ان مین کوئی قصیدہ اس سلطان کی مدح مین نہین ملتا، اس لئے فی الحال ہم دولت شاہ کے اس قول کی تائید سے قاصر ہین، گو وہ لکھتا ہے کہ شاعر نے ایک قصیدہ جس کا مطلع ذیل مین درج کیا جاتا ہے، سنجر (م ۵۵۲ھ / ۱۱۵۷ء) کی مدح مین لکھا تھا جب کہ وہ بہرام شاہ کو تخت نشین کرانے کے لئے (۵۱۱ھ / ۱۱۱۷ء مین) غزنین آیا تھا،

زعدلِ کاملِ خسرو زامنِ شاملِ سلطان تمدد و کبک و گور و مور در گشتند در گیہان[2]

---

[1] کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد کی نئی فہرست مین ایک مجموعۂ کلام کو دیوان جبلی کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، جو غلط ہے، مین نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ وہ حکیم قطران تبریزی کا دیوان ہے [2] پروفیسر براؤن (ج ۲ ص ۳۴۱) نے

یہ قصیدہ حبیب گنج کے مخطوطہ میں بھی موجود ہے، لیکن اس کی داخلی شہادت کوئی ایسی نہیں ہے، جس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکے کہ وہ اسی موقع پر لکھا گیا تھا،

پھر تاریخ گزیدہ (حبیب گنج رائل ایشیاٹک جرنل ۱۹۰۱ء ص ۵ براؤن ج ۲ ص ۳۴۳) سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ شاعر سنجر کا ہم عصر تھا، وہ شروع میں ایک دہقان تھا جب کہ اس نے کیا اس کے کھیت سے اونٹوں کو روکتے ہوئے اور بغیر کسی اور شخص کی موجودگی کا خیال کرتے ہوئے یہ اشعار کہے تھے :-

اشتر دراز گردنا، دانم چہ خواہی کردنا
گردن دراز کردہ، پنبہ نہ خواہی خوردنا

اور سلطان نے یہ اشعار سن کر جبلی کو اپنے ساتھ لے لیا، اور پڑھایا لکھایا، یہاں تک کہ وہ اس درجہ تک پہنچ گیا کہ آج تک کوئی دوسرا شاعر اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا، اس قصہ کے مبالغہ یا حقیقت سے قطع نظر یہ اشعار اچھے مستقبل کے ضرور آئینہ دار ہیں، اور اس موسیقیت آمیز کلام کا پیش خیمہ ہیں جو

(بقیہ حاشیہ ص ۱۸۹) دولت شاہ (ص ۴۰) کے بیان سے یہ غلط نتیجہ نکالا ہے، کہ یہ قصیدہ جبلی نے ۱۱۳۵ء میں لکھا تھا، جب کہ سنجر نے بہرام شاہ پر حملہ کیا تھا، اور شاعر نے قصیدہ کہہ کر اس کو خوش کیا تھا، دولت شاہ کے الفاظ یہ ہیں، کہ

"چون سلطان سنجر بہ مدد و تقویت بہرام شاہ..... لشکر بہ غزنین کشید عبدالواسع این قصیدہ در مدح سلطان سنجر گفت"

اور یہ موقع ۱۱۳۵ء کا تھا، ہاں ۱۱۳۵ء میں ضرور سنجر حملہ آور ہوا تھا، لیکن اس وقت جبلی نے نہیں، بلکہ فخرالدین محمد ابن محمود بن احمد نیشاپوری نے سنجر کو خوش کیا تھا، جیسا کہ لباب (ج ۱ ص ۲۰۸) سے معلوم ہوتا ہے، اس واقعہ کی تفصیل طبقات ناصری (ترجمہ رورٹی ص ۲۵۲) ابن الاثیر (ج ۱۰ ص ۱۷۰) وغیرہ میں دیکھیں،

اس شاعر کا طرۂ امتیاز ہے:

بہر حال اگر یہ اشعار نہیں تو ذیل کے اشعار ضرور قدیم ہیں، اور ۵۱۱ھ میں لکھے گئے ہیں، جب کہ بہرام شاہ کی مدد کے لئے سنجر کے ساتھ سیستان کا حاکم امیر ابو الفضل تاج الدین (م ۵۵۹ھ؟) اور اس کا بھائی فخر الدین بھی آیا تھا:-

چہ جرم است این برآورده سر از دریای موج افگن — بکوه اندر دمان آتش بجرم اندر کشان دامن
مصاف افروز دو عالم سوز شاه پیروز آن کس — که در ملک ست کافی کفوانی عهد صانی ظن
ملک بو الفضل نصر ابن خلف فرزانه تاج الدین — که بر باید همی تاج از سر شیران شیر اوژن
بدانگه کز سجستان شد سوے غزنین یکے لشکر — همه با دولت خسرو، همه با صولت بهمن
ملک تائید دیو آهن، فلک تاثیر، کوه آلت — نهنگ آسیب، شیر آفت، ملک آشوب، پیل افگن
دلیرانے که از گردون بنوک نیزه سیاره — ربودندے چو گنجشکان بمقدار از زمین ارزن
مخالف جنگ را آمد برون با لشکرے دیگر — چو شیران عرین پر دل چو دیوان لعین پر فن
در آورده به پیش صف چو گردون ژنده پیلانے — که گردون شان بوقت کین نیارد گشت پیرامن
چنان رفت از کمان تو سوے دشمن همی ناوک — که گاه رجم سیاره ز گردون سوے اهرمن
چو شد رایے همایونت قرین رایت اعلیٰ — شد آثار اجل ظاهر شد اسباب ظفر بیمن
نه گشت از فر تو جسته ازین خون خوارگان یک کس — نه گشت از رخم تو رسته ازین جنگاوران یک تن
درین رفت پدید آمد که نادر د از بنی آدم — چو اهل سیستان هرگز به مردی ایزد و الهن
خداوندا اگر هستم به تخلص از خدمتت غایت — ز جوهر عالم جانی زدر گنجد بدر توسن
مرا حرز است پیوسته ثنائے تو بهر موضع — مرا درواست همواره دعائے تو بهر مسکن[1]

---

[1] مونس الاحرار ص ۴۰۰، ۴۰۳، حبیب گنج تاریخ ابو الخیر خانی (ق ۱۳ ؟) (الف یا کمی پور) میں کچھ اشعار تو اسی طرح

آخری دو شعر واضح کرتے ہین کہ شاعر اس وقت اپنے ممدوح تاج الدین کے دربار سے دور تھا، یعنی ۵۱۰ھ/۱۱۱۶ء مین غائبانہ مدح کر رہا تھا، اب اگر دولت شاہ کے اس قول کی تائید کرنی ہو کہ شاعر اس وقت غزنین مین تھا، تو یہ کہا جا سکتا ہے، کہ اس نے تاج الدین کے واپس ہو جانے پر غزنین مین یہ قصیدہ لکھا ہوگا، بہرحال اس مین کوئی شک نہین، کہ شاعر اس کی تخت نشینی ہی سے اس کے دربار سے وابستہ تھا، ایک قصیدے کا مطلع ہے،

آمد از اجداد ماضی ملک را نعم الخلف — میر تاج الدین ملک بوالفضل نصر ابن خلف[1]

اسی امیر کے وزیر جمال الدین علی بن اسعد (جس کے متعلق تاریخ خاموش ہے) کی مدح مین یہ قصیدہ لکھا گیا ہوگا :-

ایا ستودہ خصالے کہ کردگار قدیم — نیافرید ترا در فنون فضل نظیر
سر علاء و سعادت علی بن اسعد — جمال دین کہ جہان از جمال تست منیر
آیا بتقویت تو قوام دین رسولؐ — آیا بتربیت تو نظام ملک امیر[2]

اور امیر تاج الدین کے بھائی فخر الدین کی مدح مین یہ قصیدہ لکھا تھا :-

میرے کہ پادشاہ جہان را برادرست — وایم ز ہیبتش دل دشمن برآذرست
صدرے کہ رائے روشن و طبع کریم او — چون آسمان بلند و چو دریا تو انگرست
قدرست دولت دے و ایام خاتم ست — جان ست سیرت دے و اسلام پیکرست
خشمش بہ گاہ کینہ و خلقش بہ وقت مہر — چون آتش جہنم و چون آب کوثرست
امروز حاضراست درین بزمگاہ تو — ہر جوہرے کہ ساختہ چار گوہرست

(بقیہ حاشیہ ص ۱۹۰) مستوفی سیستانی کی بھی ملتے ہین، جو اس موقع پر کہے گئے تھے، اس کا تذکرہ ہم نے معارف دسمبر ۱۹۴۱ء مین بھی کیا ہے [1] مخطوطہ جامع مسجد بمبئی [2] مخطوطہ حبیب گنج، "قصائد جبلی"

مداحِ خاص تو جبلی را بہ نام تو — اشعار بے نہایت و اطراف بے مرست
قلمش ز خدمتِ تو و طبعش ز مدحِ تو — چون آسمانِ اعظم و دریاے اخضرست[1]

پانچویں شعر سے معلوم ہوتا ہے، کہ شاعر یہ قصیدہ پیش کرتے وقت ممدوح کے دربار میں حاضر تھا، اور وہ زمانہ ۵۱۱ھ کے پہلے ہی ہوگا، کیونکہ اس سال کے قریب وہ عراق میں تھا جہاں وہ سلطان محمد بن ملک شاہ کے انتقال پر اُس کے لڑکے سلجوق شاہ کی مدح اس طرح لکھ رہا تھا :-

جاودان چون خضر ماند زندہ نامِ آن پدر — کز پسِ وے چون ملک سلجوق شہ ماند سیر
ز آسمانِ دین اگر ثاقب شہابے شد جدا — ہست گردونِ ممالک را جلال الدین سپر
گر ز دیدارِ پدر محروم کرد او را خدا — شہریار مشرق و مغرب بس است او را چو پدر
خسرو ے کو را ملک شاہست و سنجر جد و عم — در ہمہ عالم کہ دارد زین بزرگی بیشتر
بر جبلی از نمردی و جوان مردی نشان — در نگینِ او ز پیروزی و بہروزی اثر
گرچہ دارد سال اندک ہست چون اسلافِ خویش — وارثِ علمِ علیؓ و باعثِ عدلِ عمرؓ
کوہ با نعل سمند او نہ باشد مستقر — چرخ با رایے بلند او نماید مختصر
ملجا آزادگان ست از کریمی و سخا — مفخرِ شہزادگان است از بزرگی و ہنر[2]

شروع کے اشعار میں شاعر اپنے ممدوح کے مرحوم والد کو یاد کرتا ہے اور پھر تسلی دیتا ہے کہ سنجر جیسا چچا اُس کے لئے پشت و پناہ ہے، اچھے شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت سلجوق شاہ نوعمر تھا، اس کے بعد شاعر ایک ممدوح قطب الملوک فرخ شاہ کے دربار سے وابستہ ہوتا ہے، جو تمراک (تیراک؟) بن اتابک کی نسل سے تھا، اس کے متعلق کوئی معلومات حاصل نہیں ہوئیں، صرف اخبار الدولۃ السلجوقیہ (ص ۵۶-۵۷)

---

[1] مخطوطہ جامعہ عثمانیہ نمبر ۸۷۰، ق ۴۳۰، (الف)
[2] مخطوطہ حبیب گنج، تتمۂ جبلی،

ین ایک نام تیمرک (؟) بن امیر فرخ شاہ ملتا ہے، جو سنہ ۷۹۶ھ بن ملک شاہ سنجوتی (م سنہ ۷۴۳ھ) کے لئے کرمانی امیر قادر دکے خلاف لڑا تھا لیکن اُس کے مُستقر اور خاندان کے متعلق بھی کوئی بات معلوم نہیں ہوتی، ان دونوں شعروں سے اس کے نام اور نسل پر کچھ روشنی پڑتی ہے۔

تراست غمزہ خون ریز و لعل عنبر بیز — چو تیغ و خانۂ قطب الملوک فرخ شاہ
جمال نسل تمرک (؟) بن آبک کوست — جہان حشمت و گردون فضل و کعبۂ جاہ[۵۲]

یہاں قطب الملوک فرخ شاہ کو "جمال نسل تیمرک (؟) کہا گیا ہے، ایک دوسرے قصیدے مین صرف نام ملتا ہے:-

ہمیشہ قاعدۂ دین کردگار جلیں — مہست بہ شمشیر شہریار اصیل
سراج امت، قطب الملوک فرخ شاہ — کہ ذوالجلال بہ عدلش نیافریدہ بدیل
ایا شمائل تو بر معانی تو گواہ — ویا فضائل تو بر معانی تو دلیل[۵۳]

پھر ہمارا شاعر خراسان کے پایۂ تخت ہرات کی طرف رُخ کرتا ہے، اور یہ قصیدہ لکھتا ہے:

ایا بود حمالی تخت سلیمان — بہ تیزی چو تو دہم دو بہ باد کوچ جہان
زمن چو ن سلامے رسانی بہ دلبر — بہ من چو ن پیامے گذاری ز جانان
طمع دارم از تو کہ گر ہیچ باشد — ترا راہ بہ جانب مرد شجاعان
دعا و زمین بوسی و خدمت من — رسانی بہ صدر سپہ ارایران
ایا در معالیت او ہام عاجز — ایا در معانیت افہام حیران
مرا گرچہ ہستند پیوستہ طالب — ملوک سلاطین ایران و توران

---

[۵۲] اخیر الذکر قصیدہ کے اس بیان سے صرف اتنا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ خراسان مین کسی جگہ تھا [۵۳] مخطوطہ جامع مسجد ممبئی مخطوطہ جامع مسجد پٹنہ مین بھی یہ قصیدہ ہے لیکن اس مین شعر ۶ کا مصرع ثانی نہین ہے

وگرچند دارند چون زر عزیزم — صدور عراق و سران خراسان

تہ تن دادہ ام در ثنا گفتن کس — نہ دل بستہ ام در طلب کردن نان

کنون چون دو آمد روند و برکن — زطاعات نامہ ذخیرات دیوان

بہ دو او ان راجحن عبادت — چو عید آید از خرمی داد بستان

الٰہی برسرت باد ہمواره مظفر — ظفر بر تنت باد پیوسته تابان

جہانت مسخر زنافت متابع — سپہرت مساعد حمایت نگہبان[1]

چوتھے شعر میں ممدوح کو صدر سپہدار ایران کہا ہے جو امیر نظام الدین محمود کاشانی ہوگا کیونکہ ایک دوسرے قصیدے میں اسی سپہدار کے متعلق صاف بیان ہے،

الا اے ابر نوروزی شبا روزے بہ من مانی — نہ از گریہ بپرہیزی نہ از نالہ فرو مانی

زبار ان ہر زمان صحرا کنی چون نوبہار اما — تو گر کی دست مولانا نظام الدین یزدانی

جوان بخت جہانگیرے قضا تیغے قدر تیرے — سپہدار اجل امیر اجل محمود کاشانی

سرافرازے کہ در عالم نہ بود ست و نہ باشد هم — زمیزان نبی آدم بجود او کسے ثانی[2]

یہ نظام الدین محمود کاشانی سنجری فوج کا سپہدار تھا، جو ۵۳۶ھ (۱۱۴۱ء) میں سنجر کی طرف سے قراختائی ترکوں کے امیر گورخان کے خلاف لڑنے میں قطوان میں مارا گیا تھا[3]

سنجر کی مدح میں بھی کئی قصیدے ملتے ہیں، ایک کی زمین یہ ہے،

شہنشاہ سلاطین مشرق و مغرب مزین — ملوک دین و دنیا خداوند جہان سنجر[4]

---

[1] مخطوطہ خانہ نمبر ۵۸۴ ق ۳۳ ب [2] مخطوطہ جامع مسجد بمبئی [3] اخبار الدولۃ السلجوقیہ ص ۱۲۰ ڈاکٹر محمد اقبال صاحب نے (ایضاً ص ۱۱۲) اس شہید کو کاشانی کو اس کے ہم نام سے مختلف قرار دیا ہے، جو سنجر کا حاجب تھا،

[4] مخطوطہ جامع مسجد بمبئی سنجر کا لقب اس کے بھائی محمد (۱۱۱۰ء) کے عہد تک ناصر الدین تھا، بعد میں معز الدین ہوا ملاحظہ ہو ابن خلدون (ترجمہ ۹ ص ۵)

ایک اور قصیدہ میں سنجر کی مدح کے ساتھ ساتھ اس کے ایک امیر مجد الدین ابوالقاسم علی بن جعفر الموسوی (ممدوح ادیب صابر) کی مدح بھی کرتا ہے :-

خداوندے کہ در تیرش نشاند نسر طائر پر ۔۔۔ شہنشاہے کہ پرتاجش فشاند چرخ دائر خور؟

سلاطین را بحق وارث معز الدین ابوالحارث ۔۔۔ شہ آفاق و برہان امیر المومنین سنجر

سلاطین و خلائف را بدو فخرست ہموارہ ۔۔۔ چو سادات و اکابر را بہ مجد دین پیغمبرؐ

رئیس مشرق و مغرب ابوالقاسم علی صدرے ۔۔۔ کہ چون ہم کنیت و ہم نام خویش آمد ز فضل و فر

امیر سادۂ عالم، چراغ گوہر آدمؑ ۔۔۔ مشیر خسرو اعظم، جمال دودۂ جعفرؑ

بزرگی کز بیان و طبع و دست و دش اندرؔ ۔۔۔ قلم حرمت کرم جاری سخا رونق سخن مفخر[1]

یہ شخص ادیب صابر (م ۵۴۶ھ / ۱۱۵۱ء) کا خاص ممدوح تھا جس کے متعلق ہم کچھ تفصیل معارف ستمبر ۱۹۴۲ء میں دے چکے ہیں۔ ادیب صابر نے ایک جگہ اپنے جیحون کے قریب کسی قلعہ سے متعلق دو شعر کہا ہے،

گر ہمی خواہی کہ قدر ماہ سر افزون کنی ۔۔۔ آسمان را بوستان از بزم مجد الدین گزین

صدر سادہ سید مشرق ابوالقاسم علی ۔۔۔ پروریدہ در معالی، آفریدہ ز آفرین

آن خداوندے کہ اندر علم و حلم و بذل و فضل ۔۔۔ مقتدائے عالمش کردہ ست رب العالمین

آفتاب آل پیغمبر تو فی کز فرتست ۔۔۔ مشرق و مغرب بنور و زہت و نعمت عجمین

قلعہ بغداوستہ و جیحون وجد و قصر تو کرخ ۔۔۔ تو بحرمت اہل ایمان را امیر المومنین

سنت و تطہیر شمس الدین کہ فرمودی ۔۔۔ شد بناے عشرت و زہت چو عزم و تین

تا معوذت یا نت این سنت زین نیر تو ۔۔۔ خانہا خالد برین شد، با دہا ماہ مبین[2]

---

[1] مخطوطہ جامع مسجد بی [2] مونس الاحرار ص ۴۵۳، ۴۵۴، حبیب گنج لیکن ان اشعار سے شمس الدین کے متعلق کوئی

غالباً اسی مجد الدین ابوالقاسم کا نائب عبدالصمد تھا جس کی مدح میں جبلی نے متعدد قصیدے لکھے تھے، ایک قصیدے میں اس کو نائب وزیر عجم (شعر ۲) کہا ہے،

ایا اساس شریعت بعون تو محکم ایا لباس وزارت بعون تو معلم

عزیز جمع ملوک اختیار شاہ جہان معین دین عرب نائب وزیر عجم

ابوالمعالی عبدالصمد کہ فخر کند همی بذات شریف تو در بہشت آدم[1]

اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ خراسان ہی میں ہے،

آیا بزرگی کاندر جلالت و رفعت چوراے و ہمت تو آفتاب کیوان نیست

معین دین و عزیز ملوک کو جز تو سزاے این دو لقب خواجہ در خراسان نیست

ز خواجگان بہ کفایت عدیل نیست ترا بدان صفت کہ ز شاہان نظیر سلطان نیست

تو ئی کہ در عرب و عجم چو تو یک تن ہنر پرست و سخن گستر و سخن دان نیست[2]

دوسرے شعر سے صاف ظاہر ہے کہ وہ خراسان میں تھا، اور تیسرے شعر میں سنجر کی طرف اشارہ ہوگا، ایک دوسرے قصیدے میں جو غالباً ازرقی کی تقلید میں ہے[3] ہمارے شاعر جبلی نے اسی ممدوح کو (شعر ۶) سرخس سے متعلق کہا ہے،

ز عید داد خبر خلق را طلوع ہلال بہ آخر رمضان و بہ اول شوال

نصیر دین و عزیز ملوک کو راہست فلک مطیع و جہان بندہ و زمانہ عیال

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۶) معلومات حاصل نہیں ہیں جبلی نے ادیب صابر کی بھی مدح کی ہے (جامعہ عثمانیہ نمبر ۸، ق ۱۲۵ الف)

اشعار صابر بن سماعیل ملک را چون برج بر ستارہ زاہر کند همی

ہست او پیمبر شعرا و زبان خویش ہر دم ترا ز معجزہ ظاہر کند همی

[1] مخطوطہ حبیب گنج قصائد جبلی [2] ایضاً [3] ملاحظہ ہو لباب الالباب ج ۲ ص ۹۹-۱۰۴،

ابوالمعالی عبدالصمد کہ تمایہ چار چیزش ہرگز از چار چیز زلال

نہ نفس او ز تواضع نہ دست او ز سخا نہ طبع او ز مروت، نہ سمع او ز سوال

گرفت صدر سیاست بہ عون او رفیق رسید قدر سیادت ز جاہ او بہ کمال

شنیدہ بودم ازین پیشتر کہ راہ سفر بود نشیمن آفات و مرکز اہوال

طریقہاش بہ باریکی پل محشر مضیقہاش بہ تاریکی دل دجال

چو در مصاحبت تو بدیدم آن ہ را مرا معاینہ شد کان حدیث بود محال

ازان قبل کہ دران رہ بفر تو گفتی کہ روضہا ے جنان اند تودہا ے رمال

ہمی ز خار بفر تو دست برگ سمن ہمی ز خارہ بہ یمن تو راہ آب زلال[1]

اس ممدوح کی تعریف مین متعدد قصیدے ہین جس سے ظاہر ہے کہ شاعر اُس کے دربار سے عرصہ تک وابستہ رہا ہوگا، کچھ اور اہم اشعار ایک قصیدے سے نقل کئے جاتے ہین،

اے خواب من ربودہ بیاقوت پرشکر دست تابِ من فزودہ بہ بارد ت دل شکر

گہ بر رخ تو از کف موسیٰ بود نشان گہ در لب تو از دم عیسیٰ بود اثر

این عین زندگانی و آن اصل روشنی چون راے خوب و لفظ خوش صدف گہر

عبدالصمد عزیز ملوک و نصیر دین کز عقل ہست عاقلہ نسل بوالبشر

فرد سرور چشم دول حمزہ و علی نور آن مایہ بزرگی و پیرایہ ہنر[2]

آخری شعر مین ممدوح کو حضرت امیر حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے "چشم و دل" کا "نور و سرور" کہا ہے، جو شاید بہادری کی وجہ سے کہا ہو یا اس لئے کہ وہ ہاشمی ہو، لیکن غالباً اسی ممدوح کو سید حسن

---

[1] مخطوطہ حبیب گنج، لباب ج ۲ ص ۱۰۴، ۱۰۵، مین بھی یہ قصیدہ ہے لیکن وہ مذکورہ بالا قصیدہ کے دوسرے شعر پر ختم ہوجاتا ہے [2] مخطوطہ جامع مسجد بمبئی، آخری دو اہم شعرون کے علاوہ بقیہ اشعار لباب جلد ۲ ص ۱۰۷، ۱۰۸، مین بھی ہین،

غزنوی (م ۵۵۶ھ/۱۱۶۱ء) نے "عباسی" کہا ہے،

گہر نتیجۂ ایراست برخلافِ قیاس	نتیجہ آمد بحرے ز گوہر عباسؓ
ابوالمحاسن عبدالصمد کہ بختِ ابد	بناے دولتِ اورا قوی نہاد اساس
بکن ز فضل بزرگی نہ ابنِ عمِ تو ام	ز مقتضاے کرم حق ابنِ عم قیاس[1]

دوسرے شعر میں "ابوالمحاسن" کنیت نہیں ہے بلکہ مذکورۂ بالا قصیدوں کے "ابوالمعالی" کی جگہ ایک لقب ہے، تیسرے شعر میں سید حسن نے اپنی سیادت کا رشتہ جتایا ہے، عمادی شہریاری (م ۵۷۳ھ/۱۱۷۷ء) نے بھی غالباً اسی کی مدح میں لکھا ہے،

اے دستِ تو جود را بہانہ	پاے تو وجود را نشانہ
عبدالصمد اکرم الخلائق	سرمایۂ بختِ جاودانہ
آنی کہ بہ ہمتِ تو آراست	سیمرغِ مکارم آشیانہ[2]

میرا خیال ہے کہ جبلی کا یہ ممدوح[3] مشرقی خراسان میں ۵۴۰ھ/۱۱۴۵ء کے پہلے رہا ہوگا، کیونکہ اس سال کے قریب جیسا کہ ہم معارف (اکتوبر ۱۹۴۲ء ص ۲۸۴، ۲۹۰) میں لکھ چکے ہیں، وہ ضیاء الدین مودود احمد عصمی یعنی ناصر الدین طاہر بن فخر الملک بن نظام الملک (م ۵۴۳ھ/۱۱۵۳ء) کے "نائب"[4] کی مدح

---

[1] مخطوطہ انڈیا آفس نمبر ۳۱۹۰ [2] مخطوطہ علی گڈھ [3] یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ عبدالصمد کا صحیح زمانہ اور مستقل مستقر کہاں تھا، بلکہ ایک جگہ جبلی نے اُسے کسی خاقان کے دربار سے وابستہ کہا ہے،

آن دین یزدان را نصیر — آن ملک خاقان را بصیر

اگر خاقان سے مراد کوئی ترکی خاقان ہو تو وہ محمود خان خواہرزادۂ سنجر ہوگا، جو بعد میں سنجر کا جانشین ہوا، ممکن ہو کہ عزیز طغرائی ہو کیونکہ عزیز الملوک لقب کئی جگہ اوپر آچکا ہے محمود خان کے سفیر عزیز طغرائی کے متعلق ترکستان نامہ تھولڈ ص ۳۳ کلیات انوری ص ۳۷۸ اور تاریخ ابن اسفندیار ص ۱۷۱، ۱۷۲، ملاحظہ ہو [4] کلیاتِ انوری ص ۲۸۰

ہین لکھ رہا تھا،

اے بزرگے کہ ذوالجلال بجود — از عدم نا آوردہ چہ اد موجود
صدر کافی مؤید اسلام — بلمعالی ضیاء دین مودود[1]

اور یہ ممدوح غزنین بھی رہ چکا ہے، جیسا کہ جبلی کے ان اشعار سے ظاہر ہوتا ہے،

سپاس ازایزد کامد بشارت غزنین — بصحت تن صدر اجل ضیاء الدین
ابوالمعالی مودود احمد عصمی — کہ وقت خشم چو ناساد گاہ حلم چو طین
موید ے کہ ز خلق وز قدر او گویند — شرف سپہر اثیر و لطف بہشت برین[2]

پہلے شعر سے واضح ہے کہ ممدوح اس وقت غزنین مین تھا، اور وہ ضرور کسی بڑے عہدے پر فائز رہا ہوگا، اسی لئے شاعر نے مدح کی ہے،

جبلی نے رشید الدین وطواط (م ۵۷۳ھ) کی مدح مین بھی کچھ اشعار لکھے تھے، جو یہان نقل کئے جاتے ہین:-

عالم علم رشید الدین در باغ خرد — آن درخت ست کہ پیوستہ ہنر بار دہد
گرچہ در گفتن اشعار چان منفرد است — کہ ہمہ کس بہ بزرگی ے اقرار دہد
از قبل پنج (؟) کہ در انواع علوم است اورا — خاطر خویش نہ زیبد کہ بہ اشعار دہد
گرچہ کس نیست (؟) ہزاحرار سلاطین ملوک — کہ مر اورا نہ ہمہ خدمت بسیار دہد
خلعت آنست کہ او را سخن خویش ہمی — بہ ملوک و بہ سلاطین و بہ احرار دہد[3]

جبلی کا آخری ممدوح مجدالدین محمد بن علی اشعث (حاکم مازندران) رہا ہوگا جس کی مدح خاقانی

---

[1] مخطوطہ حبیب گنج ۲۵، ایضاً ۳۵ ایضاً وطواط نے ضیاء الدین نجی کی مدح کی ہے، ملاحظہ ہو مقدمہ حدائق السحر عباس اقبال، طہران - ۱۳۰۸)

(براؤن، ج ۲ ص ۴۱۵) نے بھی کی ہے، جبلی کا ایک قصیدہ یہ ہے،

چند باشم در دیار و منزل رعد و رباب — روز و شب نالندۂ گریندۂ چون عندلیب
دلبرے کز عارضِ او آب رو گل برفت — در فراقِ روے او شد دیدۂ من پُر گلاب
حلقہ ہاے زلفِ او ہستند چون اہرمنیان — برہم افتادہ ز عکسِ آن رُخانِ چون شہاب
بر مثالِ دشمنانِ منہزم روزِ مصاف — از سنانِ مجدِ دینِ ایزدِ مالک رقاب
شاہ فرزانہ محمد کز ملوک اورا خدا — چون محمدؐ را ز جمعِ انبیا کرد انتخاب
خسرو مازندران آن کس کہ رسم و رائے اوست — ساعدِ دین را سوار و گردنِ حق را سحاب
دستِ گوہر بار او شد مایۂ رزقِ بشر — تیغِ گوہر بار او شد عمدۂ قوتِ کلاب[1]

اس کی مدح مین ایک اور قصیدہ یہ ہے،

مظفرے کہ معین است کردگار اورا — مؤیدے کہ مطیع ست روزگار اورا
سراجِ دینِ محمدؐ محمد ابن (علی) — کہ در محامدِ اخلاق نیست یار اورا
ازان گزیدۂ شاہان عالم ست کہ ہست — نہاد خوب و نژاد بزرگوار اورا[2]

لیکن خود اس ممدوح کے متعلق ابن اسفندیار (براؤن) اور مازندران (رابینو) جیسی کتابون مین نام کے سوا کوئی تفصیل نہین ملتی، اس لئے ہم فی الحال یہ بتانے سے قاصر ہین، کہ جبلی کا سالِ وفات ۵۵۵ھ / ۱۱۶۰ء جو انڈیا آفس کیٹلاگ (جلد ۲ ص ۹۲۹) مین ملتا ہے کہان تک صحیح ہے،

---

[1] مخطوطۂ جامعۂ عثمانیہ نمبر ۸۰، ق ۲۲۹، الف۔ لیکن پانچوان شعر جو اہم ہے وہ اس مین نہین ہے بلکہ حبیب گنج کے مجموعۂ قصائد نمبر ۲۹ ص ۱۰۲ مین ملتا ہے [2] مخطوطۂ جامعۂ عثمانیہ ایضاً ق ۲۲۸، الف، جبلی نے فارسی کے کلام کے علاوہ عربی مین بھی لکھا ہے، لباب ج ۲ ص ۱۰۸-۱۱۰ مین اس کے دو قصیدے مطلع مجوب مین ملتے ہین،

اسلامی نظریۂ سیاست

از

از مولانا حیدر زمان صدیقی فاضل دیوبند

(۲)

موجودہ طرز جمہوریت کی حد کمال | سہولت فہم اور توضیح مطالب کی خاطر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ حال کے تصور جمہوریت کے چند اہم اجزاء پر تبصرہ کر دیا جائے،

موجودہ تصور جمہوریت (Democracy) سے مراد ایک ایسا نظام حکومت ہے جس مین آمریت مطلقہ اور اقتدار ذاتی کی جگہ قوت و اقتدار کے تمام مناصب ملک کی عوامی جماعتون کو حاصل ہون، حکومت کے کسی چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے ادارے مین وراثت و جانشینی اور ولی عہدی کے قدیم و قیانوسی تصور کو قطعاً کوئی دخل نہ ہو، بلکہ نیابت و اقتدار کا اصل مبنی جماعتون کے قومی و وطنی رجحانات فکر، پارٹی نظریے اور جماعتی کردار ہون یعنی جمہوری طرز حکومت طریقۂ انتخاب پر مبنی ہے، اور ملک کے عوام کو حق حاصل ہے، کہ وہ ملک کی جماعتون مین سے جس جماعت کے قومی و ملکی پروگرام کو قومیت کے نقطۂ نظر سے بہتر خیال کرتے ہون، اس کو اپنے ووٹون سے حکومت و اقتدار کی گدی پر بٹھا دین، گویا اصل قوت عوام کے ہاتھ مین ہو، اور وہ اپنی مرضی سے اس کو استعمال کر سکین اور اپنی صواب دید کے مطابق مجلس تشریعی (لیجسلیٹو اسمبلی) اور مجلس تنفیذی (ایگزیکٹیو کونسل) مین اپنے نمایندے انتخاب عام کے طریق پر بھیج سکین،

نیز اس نظام حکومت میں ملک کے تمام اصل باشندے ہر قسم کے اقتصادی، معاشرتی، اور شہری حقوق میں مساوی الدرجہ تصور کئے جائیں، ہر ایک باشندۂ ملک کو حق حاصل ہو کہ وہ اپنی استعداد اور قابلیت کے مطابق شہری اور ملکی معاملات میں حصہ دار بن سکے، اور اس کی ترقی کے راستے میں کوئی امر مانع نہ ہو، صنعت و تجارت اور حیات عامہ کے تمام وسائل کے اخذ و اختیار میں اوس کو پورا پورا حق حاصل ہو، ہر شہری مساویانہ طور پر زندگی بسر کر سکے، سیاسی اعتبار سے اس کو بشرط قابلیت بڑے سے بڑے عہدۂ حکومت کے حصول میں کوئی رکاوٹ نہ ہو، ان امور کو "حریت اجتماع" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے،

حریت فکر و خیال اور صحافت پر کسی قسم کی پابندی عائد نہ ہو، بلکہ ہر باشندۂ ملک کو تقریر و تحریر کی پوری آزادی حاصل ہو، ملک کے ہر فرد کو حیات عامہ کے تمام مسائل پر رائے زنی اور تنقید کرنے کا حق حاصل ہو، اس کو حریت فکر یا حریت نشر سے تعبیر کیا جاتا ہے،

ملکی خزانہ کسی شخص یا اشخاص کی ملکیت نہ ہو، بلکہ عوام کی ملک ہو، اس کا صرف امن و دفاع (defence) نظم و نسق اور عوام کی فلاح و بہبود کے لئے ہونا چاہیے، یہ ہیں وہ بنیادی اہم نکات جن پر جمہوریت کا محل تعمیر ہوا ہے۔

انقلابی جد و جہد کی ابتدا | اٹھارہویں صدی کے اواخر اور انیسویں صدی کی ابتدا میں بعض مغربی ممالک میں پہلے پہل حریت و آزادی کی شعاع نمودار ہوئی جو آناً فاناً تمام کرۂ ارضی میں پھیل گئی، اس کا سبب فاقہ کش عوام کی بے چینی، ان کی مظلومیت اور سرمایہ دارانہ طرز حکومت کا جبر و تشدد تھا، مخلوق خدا ظالم بادشاہوں کے پیہم مظالم سے تنگ آ چکی تھی، اور عوام کے دلوں میں احساس خودی پیدا ہو گیا تھا اور وہ یہ محسوس کرنے لگ گئے تھے کہ یہ کوئی انصاف نہیں کہ چند اشخاص کروڑہا انسانوں کی قسمت کے مالک بن جائیں، اُن کے سارے وسائل معیشت پر غاصبانہ قبضہ کر کے خود عیش کی زندگی بسر کریں، اور ان کو دائمی غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رکھیں، خود سرفلک عمارتوں میں ریشمی گدیوں پر آرام کریں، اور فاقہ کش مزدور کے بچوں کو جھونپڑی بھی نصیب نہ ہو،

غرض یہ وہ اسباب تھے، جن کی بنا پر عوام بے قرار تھے، اور رفتہ رفتہ اُس نے ایک آتشگیر مادہ کی شکل اختیار کرلی، اور بالآخر وہ پھٹکا انقلابِ فرانس کی شکل میں نمودار ہوا، یہ انقلاب بظاہر دنیا کی ظالمانہ آمریتوں کے لئے تازیانۂ عبرت تھا، اور غریب فاقہ کشوں کے لئے پیام امن و راحت!

اٹھارہویں صدی کے عشرۂ اخیر میں فرانس کے حریت پسندوں نے آزادی و حریت اور اخوت و مساوات کا جھنڈا بلند کیا، اور مسلسل تگ و دو، جانکاہ مصائب اور صبر آزما جد وجہد کے بعد ان کو کامیابی نصیب ہوئی، فرانس کی جمعیتِ وطنیہ نے ایک انقلابی دستور "منشور حریت" کے نام سے جاری کیا جس کے بنیادی اجزا اس سے قبل ذکر ہو چکے ہیں۔

قدرتی طور پر انقلابِ فرانس کا اثر دوسرے ممالک پر بھی پڑا، اور دوسرے چھوٹے بڑے ملکوں میں بھی اسی قسم کی تحریکیں اٹھیں، امریکہ کے باشندوں نے بھی غلامی کے خلاف زبردست جد وجہد کی اور بالآخر اس کو کامیابی حاصل ہوئی، اور کچھ عرصہ کے بعد روس میں اسی جذبۂ آزادی نے ایک جدید شکل اختیار کرلی، کارل مارکس اور لینن کی جد وجہد نے عوامی حلقوں میں آزادی و مساوات کی نئی روح پھونک دی، اور چند دنوں میں تزار روس کی ظالمانہ شاہنشاہیت کا تختہ الٹ کر رکھ دیا، اور اشتراکی نظامِ حکومت کی بنیاد ڈالی گئی، روس کے اس انقلاب نے دنیا کے تمام چھوٹے بڑے ممالک کے عوامی طبقوں کو اپنی جانب متوجہ کرلیا، اور کم و بیش ہر ملک میں سیاسی بیداری اور زندگی پیدا ہونے لگی، اور غربت زدہ عوام میں تنظیمی شعور رونما ہونے لگا، اور ملوکیت پرست طبقے اپنے موروثی شاہی کے لئے خطرہ محسوس کرنے لگے، بالآخر متعدد چھوٹے ممالک میں ملوکیت کو انقلاب پسندوں کے سامنے جھکنا پڑا، اور آج دنیا کے بیشتر ممالک میں اشتراکی نظریۂ سیاست کا اثر و نفوذ بڑھ رہا ہے، بالخصوص گذشتہ عالمگیر جنگ میں سوویٹ یونین کو جہاں مادی طور پر عظیم الشان فتح حاصل ہوئی، وہاں نظریاتی اعتبار سے وہ اس سے بھی زیادہ کامیاب رہی، عربی ممالک میں بھی یہ زہر نہایت سرعت سے پھیل رہا ہے،

اگر موثر طریقہ پر اس کا مقابلہ نہ کیا گیا تو تھوڑے عرصہ میں یہ تحریک عربوں کے جسم کو مفلوج کر دیگی، اور صرف اسلامی نظریۂ سیاست و اجتماع ہی اس زہر کا تریاق ہو سکتا ہے،

موجودہ طرز جمہوریت کے اہم نقائص | حقیقت یہ ہے کہ انسانیت کو جس زندگی کی تلاش و جستجو ہے اس سے وہ اب تک محروم ہے، جس آخری منزل تک اسے پہنچنا ہے وہ ابھی کوسوں دور ہے، اور حیاتِ انسانی کا اصل مرض اب تک اس کے رگ و ریشہ میں سرایت کئے ہوئے ہے خوش فہم اور غلط کار انسان لاکھ کہیں کہ ہم نے انسانیت کے دکھ کا علاج پالیا ہے، مگر درحقیقت وہ جس کو علاج سمجھ رہے ہیں، خود ایک مستقل مرض ہے، اور جس کو وہ مسیحا تصور کر رہے ہیں، وہ فرشتۂ موت ہے،

موجودہ نظام جمہوریت میں اس قدر نقائص ہیں، کہ اگر ان سب کو یکجا کیا جائے، تو اس میں اور آمریت و ملوکیت میں کوئی نمایاں فرق باقی نہیں رہتا، زیادہ سے زیادہ لیبل کا فرق نظر آسکتا ہے، یعنی ایک ہی حقیقت کے دو عنوان ہیں،

(۱) موجودہ نظام سیاست کی بنیاد ہی اس غیر فطری تصور پر قائم ہے کہ ایک انسان کو دوسرے انسانوں پر، یا سب سے بڑی جماعت (مجارٹی) کو کمزور اور چھوٹی جماعتوں (مناریٹیز) پر حکومت کرنے کا حق حاصل ہے، اور یہی وہ بنیادی نقص ہے جو انسانی سوسائٹی کے تمام مفاسد کا سرچشمہ ہے، انسانی فطرت اس سے ابا کرتی ہے، کہ وہ اپنی ہی جنس کی غلامی اختیار کرے، خواہ یہ حکومت اور تسلط استبداد شخصی کی صورت میں ہو یا جمہوریت کے لباس میں،

(۲) ایک صالح اور مہذب نظام حکومت وہی ہو سکتا ہے، جس کی بنیاد اخلاقی اور مابعد الطبیعی تصورات پر قائم ہو، کیونکہ یہی چیز حیاتِ انسانی کے لئے اصل روح کی حیثیت رکھتی ہے، اور اسی سے زندگی کے منتشر اجزاء میں ربط و نظم پیدا ہو سکتا ہے، اور عالمگیر بے چینی و اضطراب کو دور کیا جا سکتا ہے، اس کے علاوہ اور کسی نظام کے ذریعہ یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا،

زمانۂ حال کے سیاسی نظریات مین روس کا اشتراکی نظریۂ سیاست سب سے زیادہ ترقی یافتہ خیال کیا جاتا ہے، اس لئے کہ اس مین بہت حد تک عوام کے مطالبات کی تسکین کا سامان ہے، مگر اس مین بھی یہ نقص بدرجۂ اتم موجود ہے، کہ اس کے فلسفۂ فکر و عمل کا محور محض چند مادی اغراض ہین، بقول علامۂ اقبال رحمۃ اللہ علیہ ان کی جد و جہد لا ہی تک پہنچ کر رک گئی ہے، اور الا کی منزل کا ان کو سراغ تک نہین مل سکا،

کروہ ام اندر مقاماتش نگاہ — لا سلاطین لا کلیسا لا الٰہ

فکر او در تند باد لا بماند — مرکب خود را سوے الا نراند

چونکہ دنیا کے سیاسی نظامات مین اخلاقی اقدار کو کوئی جگہ نہین دی گئی، اس لئے موجودہ جمہوریت مین منتخب ہونے والے نمایندون کے لئے کوئی اخلاقی معیار مقرر نہین، اور آج نمایندگی کا اہل اس شخص کو تصور کیا جا سکتا ہے، جو سب سے زیادہ زمانہ ساز، ڈپلومیٹک اور چرب زبان ہو، اگرچہ اس کا اخلاق اور کیرکٹر کتنا ہی گرا ہوا ہو، ظاہر ہے کہ ایسے نمایندون سے انسانیت کے اہم مسائل کسی طرح حل نہین ہو سکتے ع

کہ از مغز دو صد خر فکر انسانی نمی آید

(۳) جمہوری آئین کو وطنیت و قومیت (نیشنلزم) کی حدود مین مقید کر دیا گیا ہے، اور اسکو ہمہ گیر (یونیورسل) حیثیت حاصل نہین، اس لئے اگر وہ مفید ہو سکتا ہے تو صرف اپنے ملک کے اصل باشندون کے لئے، آبادی کا وہ حصہ جو غیر ملکی کہلاتا ہے، اس کی برکات سے محروم رہتا ہے، مثلاً امریکہ مین یہودی یا افریقی افراد کو وہ شہری یا معاشرتی حقوق حاصل نہین، جو ملک کے اصل باشندون کو حاصل ہین،

(۴) موجودہ نظام جمہوریت کا دارومدار جماعتی طرز فکر، جماعتی کردار اور جماعتی نظریۂ سیاست

پر ہے، ملک میں اگر دو یا دو سے زائد جماعتیں ہیں، تو ہر جماعت کا نمایندہ اپنے مخصوص جماعتی طرز پر سوچتا ہے، اور جماعت سے وفاداری یا جماعتی عصبیت کی بنا پر ہر بات میں اسی کی حمایت کرتا ہے خواہ وہ بات کتنی ہی غلط اور غیر منصفانہ کیوں نہ ہو، اس لئے کہ ہر جماعت کا اپنا نصب العین ہوتا ہے، اور پارٹی کے ہر رکن کو جائز یا ناجائز طور پر اسی کی حمایت کرنی پڑتی ہے،

(۵) اس طرز جمہوریت میں طاقت ایک مخصوص طبقہ کے ہاتھوں میں ہوتی ہے، اور مختلف جماعتوں میں جس کی اکثریت ہوتی ہے وہی با اقتدار ہوتی ہے، آئین جمہوریت کی رو سے اکثریت (مجارٹی) کا ہر فیصلہ جائز تصور کیا جاتا ہے خواہ وہ کتنا ہی ظالمانہ ہو، اور وہ ہر جائز اور ناجائز طریقہ سے اقلیتوں پر اپنا تسلط قائم رکھتی ہے،

(۶) موجودہ نظام جمہوریت میں نمایندگی کے لئے متعدد اشخاص خود اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں جس سے حریت عامہ پر نہایت برا اثر پڑتا ہے، ان میں سے ہر شخص ترہیب و ترغیب کے ذرائع اختیار کرتا ہے اور بسا اوقات عوام محض خوف یا طمع کی وجہ سے رائے دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں، اس طرح عوام کی آزادیٔ فکر کو نقصان پہنچتا ہے، اور وہ صحیح نمایندہ منتخب نہیں کر سکتے،

جس طرح نمایندگی کے لئے کوئی اخلاقی معیار مقرر نہیں ہے، اسی طرح رائے دہندگی کے لئے بھی نہیں بلکہ اس کا معیار عموماً ٹیکس اور لگان کی ادائیگی تک محدود ہوتا ہے، اور ہر جماعت اور سوسائٹی اسی کو نمایندگی کے لئے موزوں سمجھتی ہے، جو اس کے مخصوص مفاد اور نقطۂ نظر کی نمایندگی کر سکے، خواہ وہ کتنا ہی غلط کیوں نہ ہو، ایسی حالت میں نہ ملک و قوم کی صحیح نمایندگی ہو سکتی ہے، اور نہ صحیح انتخاب ہو سکتا ہے، اور وہی شخص انتخاب میں آئے گا، جو زیادہ سے زیادہ اپنی اپنی جماعتوں کی ہنوائی کر سکے، یہ کتنا بڑا ظلم ہے، کہ تجارتی، تعلیمی اور معاشرتی امور میں تو قابلیت، صداقت اور دیانتداری کا امتحان کر لیا جاتا ہے، مگر جہاں پوری قوم اور ملک کے نفع و ضرر کا سوال ہو وہاں نمایندگی کے لئے کوئی اخلاقی معیار

مقرر ہے، اور نہ رائے دہندگی کے لئے،

(۸) موجودہ طریق انتخاب سے منتخب ہونے والے اشخاص کو ایک مقررہ مدت تک کے لئے بالکل آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے، اور اس مین رائے دہندگان کو اس کے عزل کا اختیار نہین ہوتا، گویا وہ اتنی مدت تک طوعًا وکرہًا اس کی قیادت تسلیم کرنے کے لئے مجبور ہین، خواہ وہ ان کے اعتماد کا اہل نہ رہ گیا ہو؛ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نمایندہ اسی وقت تک عوام سے میل جول اور ربط وعلاقہ رکھتا ہے، بلکہ ان کی خوشامد اور چاپلوسی کرتا ہے جب تک کہ وہ ان سے ووٹ حاصل نہین کر لیتا منتخب ہونے کے بعد وہ ہر طرح مطمئن ہو جاتا ہے، اور پھر اپنے رائے دہندگان کی خواہشات کا مطلق لحاظ نہیں کرتا،

ان آٹھ بنیادی نقائص سے قطع نظر جن امور کو موجودہ جمہوریت کے اجزائے ترکیبی ہونے کا فخر حاصل ہے، یعنی جو منشور آزادی مین درج ہین، وہ بھی آج تک ذہنی دنیا سے آگے نہین بڑھ سکے، اور عملی لحاظ سے اب تک وہی سب کچھ ہو رہا ہے، جو زمانۂ جمہوریت سے قبل تھا، اعلیٰ وادنیٰ شریف و رذیل اور امیر وغریب کی طبقاتی تقسیم آج بھی بدستور قائم ہے، اعلیٰ طبقون مین آج بھی وہی فرعونی روح کارفرما ہے، حکومت کے شعبون اور ملک کے صنعتی کارخانون مین تنخواہون اور اجرتون کا وہی معیار آج بھی ہے، اور موجودہ جمہوریت آج تک انسانی آلام کا مداوا نہ کر سکی، اس کی وجہ یہ ہے کہ جمہوریت کا صرف نام ہے، لیکن اس کے اندر اسی استبداد کی روح کارفرما ہے،

دیو استبداد جمہوری قبا مین پاے کوب — تو سمجھتا ہے کہ آزادی کی ہے نیلم پری

لا یصلح الناس فوضی لا سراة لهم — ولا سراة لمن جهال همو سادوا

اب ہم ان ہشتگانہ نکات کو بیان کرنے کے بعد اسلامی نظریۂ سیاست کی وضاحت کرنا چاہتے ہین،

اسلام کا نظام سیاست واجتماع

تو اے گرد تو ہم شوکت دریا چہ می دانی — اسیر عذر لنگی وسعت صحرا چہ می دانی

جن لوگوں کی آنکھیں اس عکس نہند نام زنگی کافوری روشنی سے خیرہ ہیں، کاش ان کی نگاہ غلط بین اسلام کے مرکز انوار کی طرف بھی اُٹھ سکتی جن کی زبان پانی کے چند قطروں کے لئے ترس رہی ہے، کاش وہ اس آب حیوان تک پہنچ سکتے، جس میں پوری دنیا کو سیراب کرنے کی صلاحیت موجود ہے، اور کاش اُن کو یہ معلوم ہو سکتا کہ وہ جس کو مسیحا سمجھ کر اس کے گرد طواف کر رہے ہیں، وہ تو خود نیم جان بیمار اور دوسرے کے دست شفا کا محتاج ہے، سنگریزوں کو جواہر تصور کر لینے سے حقیقۃً سنگریزے جواہر نہیں بن سکتے، خاکستر کو آگ سمجھ کر پھونک مارنے والے خوب سمجھ لیں کہ ان کے ہوا دینے سے اس میں اشتعال پیدا نہیں ہو سکتا،

ونارٌ لو نفخت بها اضاءت
ولکن انت تنفخ فی الرماد

اسلام کا نظریۂ اجتماع و سیاست، ضابطۂ اخلاق و تمدن اور آئین اقتصاد و معیشت ہی انسانی زندگی کے مشکل مراحل طے کرانے کی صلاحیت رکھتا ہے اور یہی وہ نظریۂ حیات ہے جس میں بڑھنے، پھیلنے اور صالح تمدنی ارتقا کا ساتھ دینے کی نہ صرف صلاحیت ہے، بلکہ وہ خود ایک صالح تمدن کا بانی ہے، جو سارے عالم کو اپنے اندر جذب کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، اور ایک نہ ایک دن زمانہ آنے والا ہے، جب کہ دنیا کا ہر انسان اسلام کے عالمگیر فلسفۂ زندگی میں پناہ لینے پر مجبور ہو گا،

هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ	خدائے بزرگ و برتر نے اپنے رسول
و دین الحق لیظهره علی الدین	کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا
کله،	تاکہ اس دین کو سارے ادیان پر غالب کرے،
لا یبقی علی ظهر الارض بیت مدر	روئے زمین پر کوئی ایسا گھر

لا یبقی الا دخلہ اللہ کلمۃ الاسلام بعز عزیز و ذل ذلیل۔ (رواہ احمد)

نہین رہے گا، جس مین کلمۂ اسلام داخل نہ ہوگا، کوئی باعزت طریق پر اسلام مین داخل ہوگا، اور کوئی ذلیل ہوکر، اور بالآخر سب کو اسلام کے آگے جھکنا پڑے گا،

اسلام کا تصور حاکمیت حاکمیت کے سلسلہ مین اسلام کا ایک بنیادی نظریہ ہے کہ کسی انسان کو انسانون پر حکومت کرنے کا حق حاصل نہین، حکومت و اقتدار اور قانون سازی کا منصب صرف احکم الحاکمین کو حاصل ہے، انسان کا یہ منصب ہی نہین کہ وہ خدائی کامون مین دخل دے، ان الحکم الا للہ،

حکومت کا کاروبار چلانے اور انسانی سوسائٹی مین نظم و ڈسپلن، قائم رکھنے کے لئے اس زمین مین خدا کی طرف سے ایک نیابی جماعت کام کرتی ہے، جو ایک مزدور کی حیثیت سے اپنے آقا کے معین کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے اپنے فرائض انجام دیتی ہے، زندگی کے ہر شعبہ مین اس کے طور و طریق ایک معیاری (آئیڈیل) حیثیت رکھتے ہین، اور اسی حیثیت سے اس جماعت کو غلبہ و نفوذ اور تمکن فی الارض کا منصب حاصل ہوتا ہے، اس کو یہ حق ہرگز حاصل نہین ہے کہ وہ خدائی آئین مین کسی قسم کا ردوبدل یا ترمیم کرسکے، بلکہ اس کا فریضہ صرف اسی قدر ہے، کہ اس قانون خداوندی کو اس کی اصل شکل مین انسانون پر نافذ کرے، اور یہ جماعت خود بھی اسلامی آئین کی اسی طرح پابند ہوتی ہے، جس طرح وہ دوسرون کو پابند بنانا چاہتی ہے،

الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ و اٰتوا الزکوٰۃ

(وہ لوگ ہین کو جہانی فی سبیل اللہ کی اجازت دی گئی ہے، اور جو بلا وجہ اپنے گھروں

وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا	سے نکالے گئے ہیں) ان کو اگر ہم تمکنت
عَنِ الْمُنْكَرِ	فی الارض عطا کریں گے، تو وہ نماز
	زکوٰۃ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر
	کے فرائض کو کما حقہ انجام دیں گے،

درحقیقت یہی جماعت ہے جو نیابتِ الٰہی کے فرائض انجام دیتی ہے اور قیادتِ عظمیٰ کی مستحق ہے اس کی راہ متعین ہے، اور اس کا آئین اٹل ہے، اقوام عالم کے نظریوں میں ہر لحظہ تبدیلی کا امکان ہے، مگر اس جماعت کا ہر نظریہ غیر متبدل، ہر تصور غیر متغیر اور ہر قانون دائمی اور پائدار حیثیت رکھتا ہے، رات کی تاریکی میں بھٹکنے والی قومیں راستہ کے ہر سنگ میل کو آخری منزل مقصود تصور کر لیتی ہیں، ظُلُمٰتٌ بعضها فوق بعضٍ، مگر اس جماعت کا ایک قدم بھی اندھیرے میں نہیں اُٹھ سکتا کہ اس کے چاروں طرف انوارِ الٰہی کی بارش ہو رہی ہے، نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَاءُ،

محض حسنِ ظن کی بنا پر نہیں، بلکہ واقعات، فکر و نظر اور علم و بصیرت کی بنا پر یہ ماننا پڑتا ہے کہ اسلام کا پیش کردہ نظریۂ حیات ہی انسانی دنیا کی تمام مشکلات کو احسن طریق پر حل کر سکتا ہے، اور اسی کے ذریعہ دنیا میں قیادتِ عظمیٰ کی داغ بیل ڈالی جا سکتی ہے، مسلمان اس فلسفۂ زندگی کا علمبردار ہے اور اسی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ بنی نوع انسان کی رہنمائی کرے،

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا	مسلمانو! ہم نے تم کو ایک معتدل امت
لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ	بنایا ہے تاکہ تم تمام انسانوں پر گواہ
وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ	اور نگران بنو، اور رسول تم پر نگران
شَهِيْدًا	اور گواہ بنے،

وَسَطًا کے لفظ میں ایک لطیف اشارہ پایا جاتا ہے، کہ امتِ مسلمہ اقوامِ عالم کے لئے مرکز اور

مرکز حقیقی کی حیثیت رکھتی ہے، اور ساری کائنات اس کے گرد چکر کاٹتی ہے، نیز اس میں عالم انسانی کو اپنے اندر جذب کرنے کی قوتِ جاذبہ موجود ہے،

شہید کے معنی اہل لغت اور مفسرین نے گواہ، حاضر، اور محاسب و نگران کے بیان کئے ہیں، یعنی جماعت مومنین عالم انسانی میں ایک گواہ اور نگران کی حیثیت رکھتی ہے، انسانی سوسائٹی میں نظم و ضبط قائم رکھنا، ابیض و اسود اور شاہ و گدا میں قانونی اور مجلسی مساوات قائم کرنا، اور تمام اخلاقی، مجلسی اور معاشی خرابیوں کی اصلاح کرنا اس کا فرض قرار دیا گیا ہے، دوسری اقوام و ملل کے دورِ قیادت و امامت کے ختم ہونے کے بعد قیادت کی تمام تر ذمہ داریاں اسی جماعت کے سپرد کی گئی ہیں،

ثم جعلنکم خلئف فی	پہلی قوموں کے بعد مسلمانو! ہم نے
الارض من بعد هم لننظر	تم کو خلافتِ ارضی کا منصب عطا کیا
کیف تعملون،	ہے تاکہ ہم دیکھیں کہ تم اس کے فرائض
	سے کیسے سبکدوش ہوتے ہو،

بخاری کی ایک حدیث کا آخری ٹکڑا ہے،

انتم شهداء الله فی الارض	تم خدا کی زمین میں اس کی طرف
(بخاری)	سے محاسب اور گواہ ہو،
نحن آخر الامم (اخرجہ ابن ماجہ)	ہم اقوامِ عالم میں سب سے آخری قوم ہیں،
نحن الآخرون السابقون[1]	ہم زمانہ کے اعتبار سے سب سے آخری قوم
(بخاری و مسلم و نسائی)	ہیں، مگر منصب کے اعتبار سے سب سے پہلا مقام

---

[1] اس موضوع پر حضرت علامہ سید سلیمان ندوی کا ایک بصیرت افروز مقالہ امتِ مسلمہ کی بعثت کے عنوان سے معارف ماہ اپریل ۱۹۴۲ء میں شائع ہو چکا ہے، مزید تفصیل کے لئے اس کی جانب رجوع کرنا چاہئے،

امارت وخلافت کا معیار | اخلاقی قیود واقدار کی رعایت کے علاوہ اور کسی دوسرے ذریعہ سے عالم انسانی
مین حقیقی امن ہرگز قائم نہین ہوسکتا، انسانی طبائع کا میلان فطرۃً ظلم وتعدی حصول منفعت ذاتی اور غصب حقوق
کی جانب ہے، اس فطری رجحان کی روک تھام کے لئے دین فطرت ہی کا ضابطۂ اخلاق زیادہ موثر
ثابت ہوسکتا ہے، اس کے مقابلہ مین ریاست (سٹیٹ) کی حیثیت محض ثانوی ہے، وہ مستقل بالذات
اور منفرد طور پر اس کام کو انجام دینے سے قاصر ہے، دنیا کے قدیم اور جدید واقعات کی شہادت اس کے
لئے کافی ہے، کہ محض ریاست قیام امن کے سلسلہ مین پوری طرح کامیاب نہین ہوسکی ہے، اور ان
دونون قوتون کے اجتماع سے ہی مطلوبہ زندگی کا حصول ممکن ہے، ان مین سے تنہا ایک اصل مقصد کے لئے
کافی نہین،

این دو قوت حافظ یک دیگر اند
کائنات زندگی را محور اند

اس کی مزید تشریح اس طرح کی جاسکتی ہے، کہ جہان انسانی طبائع مین نظم وانضباط پیدا کرنے
اور خیر وشر کی متضاد قوتون مین توازن قائم رکھنے کے لئے ریاست کی ضرورت ہے، وہان ایک
قادر علی الاطلاق اور غیر محسوس ہستی پر کامل ایمان اور اس کے محاسبۂ اعمال پر یقین واذعان بھی ضروری
ہے، اسی لئے قرآن کریم نے ان دونون چیزون کو اس طرح بیان کردیا ہے، کہ گویا ان مین
رشتۂ تلازم ہے،

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ	ہم نے اپنے رسول آیات بینات کے
وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ	ساتھ بھیجے، اور ان کے ہمراہ کتاب اور
وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ	میزان بھی اتاری تاکہ لوگ نقطۂ عدل
وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ	پر کھڑے ہوجائین، اور لوہا بھی اتارا

شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ، جس مین جنگ وقتال کے سازوسامان
(حدید) اور لوگون کے لئے بے شمار فائدے ہین'

"میزان" اور "حدید" کو فعل کے تکرار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ ہر ایک کا مفہوم و مصداق جدا جدا ہے، عبوری منزل مین بھی اختلاف ہے، کیونکہ اوّل الذکر خیر محض ہے اور ثانی الذکر مین شر کی بھی آمیزش ہے، مگر ان دونون کو ایک ہی جگہ ذکر کرنے سے یہ مفہوم ہوتا ہے، کہ ان کی آخری منزل ایک ہے، اور وہ حقیقی نظام امن کا قیام اور فتنہ و فساد کا استیصال ہے،

یہ ظاہر ہے کہ موجودہ نظامہائے سیاست مین کردار کی بلندی اور اخلاق و سیرت کی پاکیزگی کو کسی بعید سے بعید گوشہ مین بھی جگہ حاصل نہین، اور نہ ان کو ایمان باللہ اور حیات بعد الممات کے محاسبۂ اعمال ہی کے تصور سے کوئی نسبت ہے، مگر اسلام کا نظریۂ سیاست درحقیقت اسی ایک اصل پر مبنی ہے، کہ انسان کی زندگی دو حصون مین منقسم ہے، حیات قبل الممات اور حیات بعد الممات، موت ان دونون مین حد فاصل ہے، اور پہلی زندگی دوسری کے لئے ایک موثر کا حکم رکھتی ہے، یعنی اس زندگی کا ہر فعل آنے والی زندگی پر اثر انداز ہوگا، یہی وجہ ہے، کہ اسلام کی نظر مین عظمت و برتری صرف تقوی و طہارت اور عمل و کردار سے وابستہ ہے، نسلی شرافت، خاندانی وجاہت اور ملکی و قومی عظمت ہرگز قابل اعتنا نہین، اور یہ چیزین آنے والی مستقل اور دائمی زندگی کے لئے کارآمد نہین، اس لئے عزت و شرف کا معیار کردار کی بلندی اور اخلاق کی پاکیزگی ہے،

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ، تم مین سب سے زیادہ معزز اور شریف
وہی ہو سکتا ہے، جو سب سے زیادہ
پرہیزگار و متقی ہو،

لَیْسَ لِاَحَدٍ عَلٰی اَحَدٍ فَضْلٌ اِلَّا وینداری اور خدا ترسی کے سوا

بدین و تقوی (مشکوٰۃ) کسی کو کسی پر فضیلت نہین ہو سکتی،

اسی بنا پر اسلامی نظریۂ اجتماع و سیاست کے تمام اجزا مین یہی حقیقت جاری و ساری نظر آتی ہے، اور امارت و نمایندگی کے لئے بھی سب سے زیادہ عمل و کردار اور اخلاق و سیرت کو ملحوظ رکھا گیا ہے، ایک بہتر صالح اور جامع الشروط شخص کی موجودگی مین اگر کسی نااہل اور بے عمل شخص کو امیر بنا دیا جائے، تو یہ اسلام کی نظر مین نہایت خطرناک جرم ہے

عن ابن عباس رض قال رسول اللہ	جو شخص کسی کو ایک جماعت کا امیر بناتا ہو
صلی اللہ علیہ وسلم من استعمل رجلا من	اور اس جماعت مین اس سے بہتر اور پسندیدہ
عصابۃ وفی تلک العصابۃ من ھو ارضی	آدمی بھی موجود ہے، تو وہ خدا، رسول
منہ فقد خان اللہ ورسولہ وخان المومنین۔	اور مومنون سے خیانت کرتا ہے،
عن ابی بکر رضی اللہ عنہ قال قال رسول	جس شخص کو مسلمانون کی طرف سے کچھ
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ولی من	اختیار مل جائے، اور وہ ان پر حیث نسبی
امر المومنین شیئا فامر علیھم	کے پیش نظر کسی شخص کو امیر بنا دے تو وہ
احدا محاباۃ فعلیہ لعنۃ	خدا کی طرف سے لعنت کا سزاوار
اللہ، (اخرجھما الحاکم)	بن جاتا ہے،

حضرت فاروق اعظم رض انتخاب عام کے ذریعہ منتخب ہوئے، مگر اس کے باوجود انھون نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا،

قال عمر بن الخطاب لو علمت	اگر مین جانتا کہ کوئی دوسرا مجھ سے زیادہ
ان احدا اقوی علی ھذا الامر	امور خلافت کو انجام دینے کی قوت رکھتا ہے تو
منی لکان ان اقدمہ فتضرب	اس صورت مین منصب خلافت کی ذمہ داری کے

عفی اھون علی الخ (اخرجہ محمد فی الموطا) مقابلہ مین میرا قتل کیا جانا میری لئے آسان تر ہوتا

اس مین شک نہین کہ احکام و قضایا کا علم، فہم قرآن، سیاسی شعور و فراست، فن سپہ گری کی مہارت، اعداء کے مقابلہ و دفاع کی پوری صلاحیت اور دیگر بہت سے امور شرائط امارت و قیادت مین شامل ہین، مگر اخلاق و سیرت کی پاکیزگی ان سب کے لئے روح کی حیثیت رکھتی ہے،

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ	اگر ہم ان لوگون کو زمین مین غلبہ و تمکنت
اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ	عطا کرین تو وہ نماز کو قائم کرین گے
اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا	زکوٰۃ دین گے اور امر بالمعروف و نہی
عَنِ الْمُنْکَرِ	عن المنکر کا فریضہ بھی ادا کرین گے،

اس آیت قرآنی مین تمام شرائط امامت و خلافت کی طرف بالاجمال اشارہ کر دیا گیا ہے، اقامت صلوٰۃ ایتاء زکوٰۃ، اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر مین تمام انفرادی اور اجتماعی فرائض آجاتے ہین، امر بالمعروف کے لئے فہم قرآن اور احکام و قضایا کا علم ہر حال مین لازمی ہے، اسی طرح یہ فریضہ اس وقت تک تکمیل پذیر ہو ہی نہین سکتا جب تک کہ قوت مقتدرہ اور اعداء دین کے مقابلہ کی صلاحیت موجود نہ ہو، نیز امر بالمعروف اور نہی عن المنکر قرآن کریم کی ان جامع اصطلاحات مین سے ہین، جن کا اطلاق انسانی زندگی کے ہر گوشہ پر ہے، مگر اخلاقی حدود و اقدار پر ان کا اطلاق زیادہ بین ہے، اس صورت مین امر بالمعروف و نہی عن المنکر اس بات کو مستلزم ہون گے کہ آمر بذات خود بھی بہترین اخلاق اور بلند کیرکٹر کا حامل ہو،

(باقی)

تتمۂ مسئلۂ سود و قمار وغیرہ

مسلم و حربی مین

از

مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی صدر شعبۂ عربی ڈھاکہ یونیورسٹی

[illegible] معارف مین مسئلہ سود مسلم و حربی پر جو مضامین لکھے تھے، اور ان مین امام ابو یوسف اور امام شافعی وغیرہما جمہور علماء امت کی طرف سے جو دلائل بیان کئے تھے، ان مین سے بعض اپنی طرف سے پیش کئے تھے، پھر مبسوط سرخسی سے مراجعت کی تو اس مین میرے قول کی تائید مل گئی، جی چاہا کہ اس کی عبارت کو بھی پیش کر دون واللہ الحمد علی الموافقہ،

قال وحجتهما اى ابى	مبسوط مین ہے کہ امام ابو یوسف رح و امام
يوسف والشافعى رحمهما الله	شافعی رح (وغیرہما) کی حجت عبد اللہ بن
تعالى حديث ابن عباس رضى	عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہ
الله عنهما انه وقع للمشركين	(غزوۂ خندق مین) مشرکین کی ایک
جيفة فى الخندق فاعطوا بذلك	لاش خندق مین رہ گئی تو انھون نے
للمسلمين مالا فنهى رسول	اس کے عوض مسلمانون کو (بہت سا)
الله صلى الله عليه وسلم عن	مال دینا چاہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ذلك ولا معنى لقول من يقول
كان موضع الخندق من دار
الاسلام لانا نقول عندكم
يجوز هذا بين المسلم والحربي
الذي لا امان له سواء كان
في دار الاسلام او في دار
الحرب، والمعنى فيه ان
المسلم من اهل دار الاسلام
فهو ممنوع من الربا بحكم
الاسلام حيث كان ولا يجوز
ان يحمل فعله على اخذ مال
الكافر بطيبة نفسه لانه
قد اخذ بحكم العقد و
لان الكافر غير راض باخذ
هذا المال منه الا بطريق
العقد منه ولو جاز هذا في
دار الحرب لجاز مثله في دار
الاسلام بين المسلمين
على ان يجعل الدرهم

مسلمانون کو اس سے منع فرمایا، (اگر
معاملہ ربا و قمار وغیرہ دار الحرب میں
مشرکین سے جائز ہوتا، تو آپ اس سے
منع نہ فرماتے) اور یہ جو بعض نے کہا
ہے کہ خندق کی جگہ دار الاسلام میں واقع
تھی، (اس لئے حضورؐ نے منع فرمایا، کہ
دار الاسلام میں عقد فاسد نہ ہو) تو اس
میں کوئی وزن نہیں، کیونکہ تمہارے نزدیک
ایسا معاملہ دار الاسلام میں بھی حربی غیر
مستامن سے جائز ہے، (حربی محارب سے
بدرجۂ اولیٰ جائز ہونا چاہئے) اور اصل
علت (ممانعت کی) یہ ہے کہ مسلمان
دار الاسلام کا رہنے والا ہے، اسلام
کے حکم کی وجہ سے اس کو عقد ربا ممنوع
ہے، خواہ وہ کسی جگہ ہو، اس کے فعل
میں یہ تاویل جائز نہیں، کہ وہ (عقد
کی وجہ سے نہیں بلکہ) کافر کی خوشی سے
مال رباے رہا ہے، کیونکہ اس نے (علانیہ)
محض عقد کی وجہ سے یہ مال لیا ہے دوسرے

بالدرهم والدرهم الآخر هبة، (جلد ۱۳ ص ۵۶، ۵۷)

وہ کافر بھی محض عقد کی وجہ سے یہ مال دینے پر راضی ہوا ہے، بدون عقد کے وہ ہرگز راضی نہین تھا، اور اگر اس قسم کی تاویل دارالحرب مین کی جاسکتی ہے تو دارالاسلام مین بھی مسلمانون کے معاملات مین کی جاسکتی ہے کہ ایک درہم کے عوض دو درہم دینے والے نے ایک درہم تو ایک درہم کے بدلہ مین دیا ہے، اور دوسرا بطور ہبہ کے دیا ہے،

یہی مین نے عرض کیا تھا کہ مسلم مستامن دارالحرب مین حربی سے عقد ربا کے ذریعہ جو کچھ وصول کرتا ہے، محض عقد کی وجہ سے کرتا ہے، عقد کو کالعدم قرار دیکر لین دین کو تراضی طرفین پر محمول کرنا ظاہر کے خلاف اور بعید تاویل ہے۔

امام شافعی و امام ابو یوسف کی طرف سے یہ حجت بیان کرکے صاحب مبسوط نے امام ابو حنیفہ و امام محمد کی دلیل مین وہی مکحول دالی مجہول و مرسل روایت اور فتح مکہ مین حضرت عباسؓ کی ربا ساقط کئے جانے کا واقعہ اور رکانہ کی کشتی کا اور حضرت صدیقؓ کا اہل مکہ سے شرط لگانے کا قصہ نقل کرکے یہ دعویٰ کیا ہے کہ حربی کا مال مباح ہے مسلم مستامن کو صرف عہد سے بچنا ضروری ہے، اور جیسے بھی ہو وہ ان کا مال لے سکتا ہے، مگر مین تبلا چکا ہون کہ روایات مذکورہ سے استدلال نہین ہوسکتا، اور معاہدۂ استیمان کے بعد اباحت مال حربی کا دعویٰ محتاج دلیل ہے، اور واقعۂ خندق کی حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ حضورؐ نے کفار کو غیظ دلانے اور ذلیل کرنے کے لئے لاش واپس کرنے سے منع فرمایا، مگر یہ جواب صحیح نہین

کیونکہ بعض طرق میں اس کی تصریح ہے، کہ آپ نے بلا قیمت لاش دیدینے کا امر فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ صرف عقد فاسد سے منع کرنا مقصود تھا، اور موقع خندق کو دار الاسلام کہنا بھی صحیح نہیں کیونکہ جنگ کے وقت جس مقام پر کفار کا غلبہ ہو اس کو دار الاسلام میں شمار نہیں کیا جا سکتا، جب تک کفار کا غلبہ وہاں سے دور نہ ہو، جنگ کے وقت لشکر کفار کی فرودگاہ کو دار الحرب قرار دیا جائے گا، جب کہ ان کی طاقت کافی ہو اور ظاہر ہے کہ خندق کے ایک کنارہ پر کفار کا قبضہ تھا، دوسرے کنارہ پر مسلمانوں کا قبضہ تھا اور حالت ایسی نازک تھی کہ مسلمانوں کے کلیجے منہ کو آرہے تھے، ایسی حالت میں خندق کو دار الاسلام قرار دینا دشوار ہے، پس صحیح جواب یہ ہے کہ خندق اس وقت دار الاسلام نہ تھا، نہ یہ کہ امام ابو حنیفہ اور محمد دار الاسلام میں بھی مسلم و حربی کے درمیان عقد ربا کو جائز کرتے ہیں، کیونکہ وہ اس کے قائل نہیں۔

قال واذا کان لرجل علی	مبسوط میں ہے کہ جب ایک شخص کا دوسرے
رجل دین الی اجل وھو من	پر دین ہو جو مبیع کی قیمت ہو دینہ قبل اس کے
ثمن مبیع لم یحط عنه شیئا عن	(اس کا حضرت زید بن ثابت کا اختلاف
ان یعجل له ما بقی فلا خیر فیه	ایسی صورت میں ہے، اور اگر دین قرض
ولکن یرد ما اخذ والمال	کی وجہ سے ہو تو اس میں اختلاف نہیں)
کله الی اجله وھو مذھب	پھر بائع اس شرط پر کہ کچھ مقدار دین کی
عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنھما	کم کر دے کہ مشتری ما بقی کو جلدی ادا
وکان زید بن ثابت یجوز ذلک	کر دے، تو اس میں کچھ خیر نہیں
(فی ثمن المبیع دون القرض) و	(بلکہ ناجائز ہے) اس کو لازم ہے کہ جو
لسنا ناخذ بقوله الان ھذا	کچھ لیا ہے واپس کر دے، اور اپنا پورا

مقابلة الاجل بالدراهم و
مقابلة الاجل بالدراهم
ربا الا ترى ان فى الدين المال
لو زاد كان فى المال ليوجله لم يجز
فكذلك فى الاجل اذا حط
عنه البعض ليعجل له ما بقى
والذى روى ان النبى صلى
الله عليه وسلم لما اجلى بنى
النضير فقالوا ان لنا ديونا
على الناس فقال صلى الله عليه وسلم
ضعوا وتعجلوا فتاويل ذلك
ضعوا وتعجلوا من غير شرط
او كان ذلك قبل نزول حرمة
الربا،

(جلد ۱۳ ص ۱۲۶)

مال مدت تمام ہونے پر لے لیں یہی مذہب
عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہے، اور
زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (ثمن بیع)
میں اس کو جائز کہتے تھے، مگر ہم اُن
کے قول کو نہیں لے سکتے، کیونکہ یہاں
مدت کا مقابلہ دراہم سے ہے، (یعنی
مدت کے عوض روپیہ کم کیا جا رہا ہے
اور مدت کا مقابلہ دراہم سے کیا جا رہا ہے)
کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر دین میں مجل
کی مقدار اس لئے بڑھا دے کہ اس کو
مہلت مل جائے تو یہ جائز نہیں، اسی
طرح دین موجل کی مقدار اس لئے کم کرنا
کہ دین جلدی وصول ہو جائے یہ بھی جائز
نہیں ہو سکتا، کیونکہ دونوں صورتوں
میں مدت کے مقابلہ میں مال لیا جا رہا ہے
اور یہ ربا ہے) اور وہ جو روایت
کیا گیا ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے جب بنو نضیر کو جلا وطن کیا تو انھوں نے
کہا کہ ہمارا بہت قرضہ لوگوں کے ذمہ ہے

(اس کے وصول ہونے تک ہم کو مہلت
دی جائے) تو حضور نے ان سے فرمایا کہ
قرضہ کم کرکے جلدی وصول کرلو، تو اس
ارشاد کا (یہ مطلب نہ تھا، کہ جلدی کی
شرط پر قرضہ کم کردو، بلکہ) مطلب یہ تھا
کہ بغیر کسی شرط کے قرضہ کم کردو، اور
جلدی وصول کرکے چل دو، یا یہ واقعہ
حرمت ربا کا حکم نازل ہونے سے پہلے ہوگا،

ہمارے مولانا گیلانی نے سیر کبیر سے بنو نضیر کے اسی واقعہ کو امام ابو حنیفہ و امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کی دلیل میں بیان کیا تھا، مگر صاحب مبسوط نے بتلادیا، کہ اس میں اُن کے لئے کوئی دلیل نہیں اور بعینہٖ وہی احتمال نکال دیا جو احقر نے بیان کیا ہے،

القضاء فی الاسلام

اس میں طریقۂ شہادت اور فیصلۂ مقدمات کے متعلق قرآن حدیث اور فقہ کی کتابوں سے اخذ کرکے اسلامی اصول اور قوانین کی تشریح کی گئی ہے، اور قانون پیشہ حضرات کے لئے اس کا مطالعہ بیحد مفید ہے۔

ضخامت:- ۹۳ صفحے، قیمت:- ۱۰ر

"منیجر"

ادبیات

شوقِ دیدار

از حکیم الشعرا سید احمد حسین صاحب مجدد حیدرآبادی

وَلَمَّا جَآءَ مُوسٰی لِمِیقَاتِنَا وَ کَلَّمَهٗ رَبُّهٗ قَالَ رَبِّ اَرِنِیٓ اَنْظُرْ اِلَیْكَ، الخ،
(اعراف ۔ ۱۷)

یعنی موسیٰ جب کوہِ طور پر آئے اور اپنے خدا سے گفتگو کی تو اثنائے گفتگو میں کہا اے میرے مالک جب کان تیری آواز سنتے ہیں، تو آنکھیں دیکھنے کے لئے بے چین ہو جاتی ہیں، کبھی تو ان کو بھی دیدار طلب کرنا چاہیے۔

محرومیِ گذشتہ پہ ہم کیوں کریں قیاس
شاید بدل گئی ہو طبیعت حضور کی

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی

ساقی! ترے در پہ تشنہ کام آیا ہے
ٹوٹے ہوئے دل کا لیکے جام آیا ہے

دل میں سو حسرتیں لئے آیا ہوں
میں دیدۂ دیدار طلب لایا ہوں

لے دیکھ، مرا حال ہے ابتر کیسا
پردہ بندے سے بندہ پرور کیسا!

دریا دیکھا، تمام صحرا دیکھا
گلزارِ جہان کا پتہ پتا دیکھا

دنیا کا ہر ایک ذرہ ذرہ دیکھا
دیکھا نہ تجھی کو جب تو پھر کیا دیکھا

اب کچھ دیکھا ہے اور جب کچھ دیکھا
دنیا میں ترے سوائے سب کچھ دیکھا

ہیں دید سے محروم طلب گار آنکھیں
کیوں دی گئیں مجھ کو ایسی بیکار آنکھیں

جو تجھ کو نہ دیکھے اس سے تو کورا اچھا ایسے زندہ سے زندہ درگور اچھا

ہر ایک سے کیون نہ موڑ لون مین آنکھین جی چاہتا ہے کہ پھوڑ لون مین آنکھین

جب حد سے گذر گئی شکایت میری بے طرح بگڑنے لگی حالت میری

معلوم ہوا کہ کوئی نزدیک آیا چپکے سے کسی نے کان مین فرمایا

اللہ اللہ ہم سے اتنا شکوہ کیا یاد نہین ہے، خرقۂ موسیٰ صفا

ایک جلوے مین ایک حشر برپا دیکھا تم نے دیکھا کلیم نے کیا دیکھا

اک آن مین ہستی سے گذرتے ہی بنی دو ہاتون سے توبہ کرتے ہی بنی

کیون میرے فراق کا تجھے ماتم ہے کیون مجھ کو نہ دیکھنے کا تجھکو غم ہے

تو دیکھ کے مجھ کو کیا کرے گا امجد مین دیکھ رہا ہون تجھ کو یہ کیا کم ہے

غزل

از صاحبزادہ شفق قادری ٹونکی

حد نہین صبر آزمائی کی ہائے کیا شام ہے جدائی کی

بندِ غم سے نہ ہو سکے آزاد لاکھ تدبیر کی رہائی کی

دیکھتا ہون جہان تم ہی تم ہو کوئی حد بھی ہے جلوہ نمائی کی

ذرّے ذرّے سے مسکرا اٹھے موج آئی جو خود نمائی کی

آسمان کو زمین بنا ڈالا ہم نے جب ہمت آزمائی کی

خود قفس کھولدے گا در اپنا جب گھڑی آئے گی رہائی کی

دیکھیے کس طرح بسر ہو شفق

رات اور رات بھی جدائی کی

باب التقریظ والانتقاد

مجمع فواد الاول للغة العربیة

از

مولانا محمد ناظم صاحب ندوی استاذ ادب دارالعلوم ندوہ لکھنو

(۲)

گذشتہ نمبر مین یہ ظاہر کیا جا چکا ہے کہ اکیڈمی کے مقاصد مین یہ بھی ہے کہ وضع الفاظ کے سلسلہ مین عربی زبان کے قواعد کی چھان بین، اور اس مین ایسی مناسب ترمیم کی جائے جس سے وضع الفاظ مین سہولت ہو، چنانچہ اس سلسلہ مین اس اکیڈمی کے ارکان نے قواعد لغت پر محققانہ نظر ڈالی اور بعض قواعد صرف مین مناسب ترمیمین کین، کوفہ و بصرہ کے علماء لغت مین جس مسئلہ مین اختلاف تھا، ان مین کسی ایک گروہ کی رائے کو قانونی حیثیت دیدی، یا کسی ایسے صرفی مسئلہ کو جسے علماء لغت سماعی کہتے آئے ہین لیکن اس کو قیاسی بنانے کی ضرورت تھی، تو اکیڈمی نے اس کے متعلق اصول وضع کر دیئے تاکہ وضع الفاظ مین سہولت ہو، مثلاً ایسے مقامات جہان کوئی چیز کثرت سے ہوتی ہے، ان کے لئے اسماء اعیان سے مَفْعَلَة کے وزن پر اسم مشتق کرتے ہین، جیسے ذئب سے مَذْئَبَة (ایسا مقام جہان کثرت سے بھیڑیے ہون) اسد سے مَأْسَدَة اور سَبُع سے مَسْبَعَة، رضی نے شافیہ کی شرح مین وزن مفعلة کی متعدد مثالین دے کر لکھا ہے، کہ گو اس قسم کی مثالین کثرت سے کلام عرب مین ملتی ہین، مگر یہ قیاسی نہین یعنی عرب سے جتنی مثالیں سُنی گئی ہین ان پر

قیاس کرکے دوسرے الفاظ نہین مشتق کئے جا سکتے، منظر الدین شارح مفصل نے مکمل مین مفعلۃ کو قیاسی لکھا ہے، اکیڈمی نے بھی عصری ضروریات کے پیش نظر مفعلہ کو قیاسی مان کر یہ قاعدہ مقرر کیا ہے، کہ ثلاثی مجرد اسماء اعیان (خواہ وہ جمادات و نباتات ہون یا حیوانات ہون) سے اس مقام کے لئے جہان وہ اسمائے اعیان کثرت سے پائے جاتے ہین، مفعلۃ کے وزن پر اسم مشتق ہوگا، جیسے بقل سے مقبلۃ (سبزی منڈی) اور تجارت سے متجرۃ (تجارت کی منڈی) وغیرہ،

ثلاثی مجرد افعال کے مصادر مختلف اوزان پر آتے ہین، اور چند مصادر کے سوا اکثر سماعی ہین، ان مین بعض اوزان تو کثرت سے مستعمل ہین، اور بعض بہت کم استعمال مین آتے ہین، کثیر الاستعمال اوزان بعض نحویون کے نزدیک قیاسی اور قلیل الاستعمال سماعی ہین لیکن بعض نحوی تمام ثلاثی مجرد مصادر کو سماعی کہتے ہین، اکیڈمی نے سیبویہ، اخفش اور ابن مالک وغیرہ کا مسلک اختیار کیا ہے، جن کے نزدیک ثلاثی مجرد مصادر کے وہ اوزان جو کثیر الاستعمال ہین، قیاسی ہین،

چنانچہ اکیڈمی نے مصدر فعالۃ (بکسر الفاء) کو جو کثرت سے کسی پیشہ یا صنعت و حرفت کو ظاہر کرتا ہے، جیسے تجارۃ، حدادۃ (لوہاری) نجارت (بڑھئی کا پیشہ) قیاسی قرار دیکر یہ قاعدہ وضع کر دیا، کہ ثلاثی مجرد سے خواہ کسی باب سے فعل آتا ہو پیشہ یا ہنر یا صنعت و حرفت کو ظاہر کرنے کے لئے فعالۃ کے وزن پر صیغہ مشتق کیا جائیگا، اس اصول سے بہت سے ایسے پیشے اور ہنر کے لئے الفاظ وضع کرنا آسان ہوگیا، جن کے لئے عربی مین الفاظ نہین ملتے، جیسے شعاع سے شعاعۃ، کیمرہ سے تصویر کشی کے فن کے لئے جس مین شعاع آفتاب کو دخل ہے، تاجرون اور مل کے مالکون کے درمیان دلالی کے لئے وساطۃ کا لفظ، اور سونے کی ملمع کاری کے لئے ولاصۃ کا لفظ وضع کیا ہے، اسی طرح صحافۃ اور طباعۃ وغیرہ الفاظ کا استعمال جدید معنی مین صحیح ہوگا،

اکیڈمی نے یہ ضابطہ بھی بنایا ہے، کہ فعل لازم (عین کے فتحہ کے ساتھ) سے مصدر فعلان (ف اور ع دونون کو زبر) کے وزن پر مشتق کیا جائے گا، بشرطیکہ اس فعل لازم کے معنی مین حرکت و اضطراب

بھی پایا جائے، اس اصول سے بہت سے ایسے کلمات کا وضع کرنا آسان ہوگیا جن کی جدید فنون مین ضرورت ہوتی ہے، جیسے بجلی کی لہرون کی مسلسل حرکت کو موجان کہا جائے گا، خوف یا مرض کی بنا پر آنکھون کے بار بار جھپکنے کو طرفان کہا جائے گا،

اکیڈمی نے عربی کے بہت سے قدیم اصول مین مناسب ترمیمین کی ہین جن سے عربی زبان وقت کے جدید تقاضون کے پورا کرنے کے لائق ہو جائے گی، اور اس کے بنیادی امتیازات بھی باقی رہین گے کیونکہ یہ تمام قواعد قدیم اصول اور فصحاے عرب کے استعمالات کو پیش نظر رکھ کر وضع کئے گئے ہین، کہین بھی روح عربیت کے خلاف کوئی قاعدہ نہین وضع کیا گیا ہے،

فصحاے عرب نے اسماء اعیان سے بہت سے الفاظ مشتق کئے ہین، اور لغت کی کتابون مین اس کی سیکڑون مثالین موجود ہین، مگر ائمہ لغت نے اعیان سے اشتقاق کو ناجائز لکھا ہے، اور اشتقاق کو محض مصادر اور افعال کے ساتھ مخصوص کیا ہے، اس وقت فنی اصطلاحات وضع کرنے مین اسماء اعیان سے مشتق الفاظ کی بڑی ضرورت ہے، اسی بنا پر اکیڈمی نے یہ قاعدہ مقرر کیا ہے، کہ علوم (سائنس) مین ادب (آرٹ) مین نہین، بوقت ضرورت اسماء اعیان سے الفاظ مشتق کئے جائین،

قدیم عرب نے ذہب (سونا) سے مذہب (سونے کا ملمع کیا ہوا) فضہ سے مفضض کبریت (گندھک) سے مکبرت اور داؤدی (پارہ) سے مزوق مشتق کیا ہے، اس جدید اصول کے بعد اب نحاس (تانبا) سے منحس زنک (جست) سے مزنک اور بلور سے مبلر مشتق کرنا صحیح ہے، کیونکہ طب، کیمیا (کیمسٹری) طبیعیات اور دوسرے مختلف صنعتون مین اسماء اعیان سے اشتقاق کی ضرورت پیش آتی ہے،

اب برنیق (وارنش) سے برنقہ وارنش کرنا، مبرنق وارنش کیا ہوا مشتق کرنا صحیح ہوگا،

بہت سے افعال کے مصادر اور اسماء مشتق کے افعال کی تفصیل لغت کی کتابون مین موجود نہین اس کے متعلق اکیڈمی نے چند اصول و ضوابط وضع کئے ہین، بہت سے مفرد کی جمع کتب لغت مین موجود نہین ہے، نیز

جموع تکسیر موضوع پر سیر حاصل بحثین اور مفید مضامین ہین،

مذکورۂ بالا مثالون کے علاوہ اور متعدد نئے اصول و قواعد وضع کئے گئے ہین جن سے فنی اصطلاحات مین مدد ملتی ہے، لیکن ان کی تفصیل سے ناظرین کو کوئی دلچسپی نہین ہو گی،

احادیث کے الفاظ سے لغوی استدلال کے بارے مین علماء عربیت کی رائین مختلف رہی ہین، بہت زیادہ محتاط علماء لغت نے حدیث سے لغوی استدلال کرنے مین صرف اس بنا پر احتیاط کی ہے، کہ حدیث کی روایت بالمعنی ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے راویون مین بڑی تعداد اہل عجم کی ہے جن کی عربی مستند نہین مگر دوسرا گروہ جو احادیث کی لسانی قدر سے واقف ہے، اور اسے تدوین احادیث کی تاریخ معلوم ہے، اس نے خالص لغوی حیثیت سے بھی احادیث نبوی کو مستند اور ان سے استدلال کو صحیح قرار دیا ہے،

احادیث کی تدوین خود عہد نبوی ہی سے ہونے لگی تھی، متعدد صحابۂ کرام نے احادیث کے مجموعے مرتب کئے تھے، ظاہر ہے کہ عہد نبوی اور عہد صحابہ مین عربی زبان کے خدوخال مین کوئی تغیر نہین ہوا تھا، زبان کا قوام خالص عربی تھا اس مین عجمیت کی کوئی آمیزش نہین ہوئی تھی، حدیث کی تاریخ تدوین کے متعلق شیخ خضر حسین کا مضمون اچھا خاصہ ہے، اگر اردو مین اس سے بہتر مضامین اس موضوع پر لکھے جا چکے ہین،

اکیڈمی نے مندرجہ ذیل قسم کی احادیث سے استدلال لغوی کو صحیح قرار دیا ہے،

(۱) متواتر و مشہور حدیث،

(۲) عبادات مین استعمال ہونے والے الفاظ احادیث،

(۳) وہ احادیث جو جوامع الکلم (مختصر حکیمانہ جملے) شمار ہوتی ہین،

(۴) خطوط نبوی،

(۵) ایسی حدیثین جن مین یہ بیان کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر قوم سے اس کی زبان مین گفتگو فرماتے تھے،

۶- ایسی احادیث جن کے راویون کے متعلق معلوم ہے، کہ وہ روایت بالمعنی کے قائل نہین تھے، جیسے قاسم بن محمد، جابر بن جیوۃ اور ابن سیرین وغیرہ،

۷- ایسی احادیث جو متعدد طرق سے مروی ہونے کے باوجود سب روایتون کے لفظ یکسان ہون،

اس صدی کے آغاز مین علماے لغت نے رسائل و اخبارات اور جدید مطبوعات کی لسانی جدتون پر سخت اعتراضات شروع کردیئے تھے، خصوصاً فعل لازم کو متعدی اور متعدی کو لازم استعمال کرنے اور صلات افعال کے استعمال پر بڑی تنقیدین کین، چنانچہ لغت کی کتابون مین جو صلے مذکور ہین، جہان اس کے خلاف کوئی صلہ دیکھتے، فوراً اس کی تغلیط کرتے، حالانکہ از روے بلاغت دوسرے افعال کے صلات تضمین کی غرض سے استعمال ہوتے ہین، چنانچہ اساس البلاغت کی طباعت کے بعد بہت سے وہ استعمالات جو پہلے غلط سمجھے جاتے تھے صحیح ثابت ہوے، اصل مین موجودہ کتب لغت تمام استعمالات عرب اور کل عربی الفاظ پر محیط نہین ہین اور نہ اُن سے اصول بلاغت کے لحاظ سے استعمالات عرب کی جانب پوری رہنمائی ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ لغت کے مصنفین کے نزدیک علم بلاغت اور علم نحو نے ان کو اس سے بے نیاز کردیا ہے،

ابراہیم یازجی کی لغات الجرائد کے انتقادات کی اہل علم نے پوری تردید کی ہے، اور کلام عرب کی سند سے مصنف کے اوہام کی قلعی کھولی ہے،

صلات حروف جر، علماے کوفہ کے نزدیک ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہین، یعنی ایک حرف جر مثلاً فی جو ظرفیت کے لئے ہے کبھی علی کے معنی مین آتا ہے، مگر اس کی جتنی مثالین کلام عرب مین ہین، کوفی نحویون کے نزدیک وہ سب سماعی ہین، اور ان پر قیاس نہین کیا جاسکتا،

بصری علماے نحو کے نزدیک حروف جر کے اپنے خاص معنی ہین، ایک حرف دوسرے کی جگہ پر استعمال نہین ہوسکتا، جہان اس کے خلاف کوئی مثال ہے، وہان بھی درحقیقت حرف جر اپنے معنی ہی مین استعمال ہوا ہے، مگر وہ صلہ دوسرے فعل کا ہے، اور فعل مذکور مین دوسرے فعل کے معنی کو شریک (تضمین) کیا گیا ہے،

اس کی مثالین کثرت سے فصیح کلام مین ملتی ہین، اس لئے بہت سے علماء نحو کے نزدیک "تضمین" قیاسی ہے،

تضمین کی متعدد صورتین ہین، کبھی فعل متعدی کے مخصوص صلہ (حرف جار) کے بجائے دوسرے فعل متعدی کا صلہ استعمال ہوتا ہے، اس سے مقصود یہ ہے کہ دوسرے فعل متعدی کے معنی فعل مذکور مین شامل کئے گئے ہین کبھی فعل متعدی بجز حرف جار کو بلا حرف جار استعمال کرکے (براہ راست) مفعول لاتے ہین،

"رفث" استعمال عرب مین کبھی ب حرف جار سے متعدی ہوتا ہے مثلاً رفثُ بالمرأۃ اور کبھی مع کے ساتھ، قرآن مین الیٰ کے ساتھ استعمال کیا گیا ہے، کوفی علماء کے نزدیک یہ الیٰ بار کے معنی مین ہوگا، مگر دوسرا گروہ کہتا ہے، کہ رفث کے معنی مین افضاء کی تضمین ہوئی ہے جس کا صلہ الیٰ آتا ہے، اس تضمین کے سبب سے رفث کی صراحت مین افضاء کے کنایہ سے ایک خاص بلاغت پیدا ہوگئی،

اسی طرح لا تاکلوا اموالھم الیٰ اموالکم مین الیٰ سے ضم کی تضمین کی گئی یعنی لا تضموھا اکلین، ارباب فن جانتے ہین کہ تضمین کی صورت مین جو معنی ذہن نشین ہوتے ہین وہ الیٰ معنی مع کی شکل مین نہین ہوتے،

(سفہ) لازم ہے لیکن قرآن کریم نے سفہ نفسہ مین متعدی استعمال کیا ہے، یہ تعدی اھلاک کی تضمین کی بنا پر پیدا ہوئی ہے،

کلام عرب مین تضمین کی اتنی کثرت سے مثالین ہین، کہ اُن کو سماعی کہنا صحیح نہین اور قیاسی کہنا ناگزیر ہے، البتہ صلات کے استعمال اور لازم کو متعدی اور متعدی کو لازم استعمال کرنے کے لئے بہت سی شرطین ہین، سب سے پہلی شرط یہ ہے کہ عربی زبان پر پوری قدرت رکھتا ہو اور اس کا مزاج شناس ہو چنانچہ اکیڈیمی نے تضمین پر پوری بحث و تحقیق کے بعد یہ قرارداد منظور کی ہے،

(۱) اکیڈیمی کے نزدیک تضمین سماعی نہین بلکہ قیاسی ہے بشرطیکہ دونون فعل مین مناسبت ہو، دوسرے

فعل کے ملحوظ ہونے پر کوئی قرینہ ہو اور اشتباہ کا خطرہ نہ ہو، تضمین ذوقِ عرب کے ہم آہنگ ہو،

۲- اکیڈمی کا مشورہ ہے کہ صرف بلیغ اسلوب میں تضمین کی جائے، ورنہ اس سے احتراز اولیٰ ہے

تضمین پر شیخ حسین والی (المتوفی ۱۹۳۶ء) کا ایک مفصل مقالہ ہے، جس کا مطالعہ اہل ادب کے لئے بہت مفید ہے،

اکیڈمی کے پروگرام میں متعدد قسموں کے لغات کی ترتیب و تدوین ہے،

معجم الاصطلاحات پر مشہور مستشرق پروفیسر فنشر عرصہ سے کام کر رہے تھے، اکیڈمی نے ان کے جمع کردہ مواد کو اپنا لیا ہے، اور پروفیسر موصوف سے درخواست کی ہے کہ وہ اس لغت کی تدوین میں دوسرے رفقاء کے ساتھ تعاون کریں، پروفیسر فنشر کے ساتھ دو اور مستشرق پروفیسر مانیسون (فرانس) اور لیسیو (اٹلی) کو بھی شریک کیا گیا تھا،

زیر تبصرہ رسائل اور روئداد میں ۱۹۳۷ء تک کی ہیں معلوم نہیں، ایام جنگ میں کتنا کام ہوا اور اب لغت کی تدوین کا کام کس منزل میں ہے، اہل علم کو عرصہ سے اس کا انتظار ہے،

ان مستشرقین کا ذوق علمی قابل داد ہے، وہ اجنبی زبان میں ایسے خشک موضوع پر اس انہماک سے کام کرتے ہیں، کہ خود اہل زبان ان کے تبحر سے استفادہ کرتے ہیں، لغت کی تدوین میں کئی مستشرقین علماء عرب کے ساتھ برابر کے شریک ہیں لیکن افسوس کہ کسی ہندوستانی عالم لغت کا نام اس میں نہیں نظر آتا، پروفیسر عبدالعزیز صاحب میمنی صدر شعبہ عربی مسلم یونیورسٹی جیسے لغوی کا نام نہ ہونا حیرت انگیز ہے،

اکیڈمی کی روئداد میں اس حیثیت سے نہایت مفید ہیں، کہ ان میں ارکان اکیڈمی کے قلم سے متعدد بلند پایہ مضامین اور لغوی ادبی بحثیں اور رسالہ میں اکثر ارکان کے محققانہ ادبی مقالات ہیں، شیخ عبدالقادر مغربی کا مقالہ "تعریب الاسالیب" عبدی اسکندر معلوف کا "اللہجۃ العربیۃ العامیۃ" اور احمد کمال عوامری کا

"بحوث وتحقیقاتِ لغویہ" خصوصیت کے ساتھ نہایت فاضلانہ مضامین ہیں،

الاب انطاس ماری کربلی کی لغوی تحقیقات بھی قابلِ مطالعہ ہیں، ان کے علاوہ اور بہت سے مفید مضامین ومقالات ہیں، ڈاکٹر احمد عیسیٰ بک کا "اعاب الصبیان عند العرب" بہت دلچسپ ہے، ادبی اور لغوی نقطۂ نگاہ سے عبد اللہ امین کا "بحث فی الطرق التی سلکہا العرب عند اشتقاقہم من اسماء الاعیان" بہت خوب ہے،

استاد کرد علی کا مضمون "افعال للاستعمال" قابلِ مطالعہ ہے، اس مضمون میں ابن القوطیہ کی کتاب الافعال سے اکثر مثالیں دی گئی ہیں، یہ کتاب مطبوع اور متداول ہے، کرد علی کا یہ مشورہ صحیح ہے، کہ عربی زبان کے دورِ انحطاط سے اس وقت تک بہت سے افعال متروک ہوگئے ہیں، حالانکہ ان افعال، اور اُن کے مشتقات سے بہت سی عصری ضرورتیں پوری ہوسکتی ہیں، اس لئے انھیں پھر رائج کرنے کی ضرورت ہے،

بندلی جوزی پروفیسر باکو (کاکیشیا) یونیورسٹی کا مضمون "بعض اصطلاحات یونانیۃ فی اللغۃ العربیۃ" قابلِ مطالعہ ہے، پروفیسر موصوف کے نزدیک عربی زبان میں یونانی الفاظ کی تعداد تقریباً سات سو ہے، عربی زبان میں ان کا داخلہ بہت قدیم ہے، سکندر مقدونی کے زمانہ میں یونانی الفاظ عربی زبان میں آنے لگے تھے، اس کا سبب یہ تھا کہ اسکندر مقدونی کی فتوحات سے قبل بعض عرب قبائل، عراق، شام فلسطین اور مصر میں آباد تھے، جب ان ممالک کو اسکندر مقدونی نے فتح کیا، تو طبعی طور پر فاتح کی زبان کے بہت سے الفاظ مفتوح قوموں کی زبان میں داخل ہوگئے، مگر اس دور میں بہت تھوڑے یونانی الفاظ عربوں نے قبول کئے، کیونکہ عربوں کی سادہ اور بدویانہ زندگی میں لوازم تمدن کی ضرورت نہ تھی، لیکن دوسرے دور میں جب رومیوں نے ۳۰ قبل مسیح میں مصر کو اور ۶۴ قبل مسیح میں شام وفلسطین کو فتح کیا تو عربی زبان میں یونانی الفاظ خلاف توقع بہت زیادہ داخل ہوئے، حالانکہ رومی اقتدار کے بعد

یونانی الفاظ کا داخلہ حیرت انگیز ہے، اس کی توجیہ پروفیسر موصوف نے یہ کی ہے، کہ مفتوح و مغلوب یونانی رومیون سے زیادہ ترقی یافتہ اور تعلیم یافتہ اور فاتح رومی اپنی مفتوح قوم کے فلسفہ اور علوم کے دست نگر تھے، اسی لئے یونانی فلسفہ اور یونانی علوم کی تعلیم خود روم مین ہونے لگی، اور رومی یونانی زبان مین تصنیف و تالیف کرنے لگے، اسی لئے عربی مین بھی لاطینی کے بجائے یونانی الفاظ زیادہ داخل ہوئے،

سب سے زیادہ یونانی الفاظ عہد عباسی مین جب کہ یونانی فلسفہ اور طب کا عربی مین ترجمہ ہوا عربی مین داخل ہوئے، مترجمین زیادہ تر سریانی اور کچھ قبطی اور یہود تھے، جو عربی زبان پر پوری قدرت نہین رکھتے تھے، اور یونانی اصطلاحات عربی مین ترجمہ نہیں کر سکتے تھے، اس لئے یونانی اصطلاحات بجنسہ عربی مین داخل ہو گئین،

پروفیسر موصوف نے اپنے مضمون مین تقریبًا سوا سو عربی الفاظ کی اصل یونانی لکھی ہے، بہت سے الفاظ کو یونانی الاصل ثابت کرنا مشکل ہے، اور بعض معمولی صوتی مناسبت کی بنا پر ان کو یونانی کہنا زیادتی ہے، مثلاً

قلم	Kalam - os
قفل	Klausr - on
قمیص	Phokamis - on
کرخ	Kharak - os
قرطاس	Khartees -
قارب	Karabee - on
قرنفل،	Koryophil - on

غالبًا قرنفل کی اصل سنسکرت مین کرنپک پھل ہے، کیونکہ عرب تاجر جزائر الہند سے مسالہ اور عطر وغیرہ اپنے ملک مین لیجاتے تھے،

روئداد اور رسالہ کی آٹھ جلدون کا تقریبًا تین چوتھائی حصہ علوم و فنون سے متعلق الفاظ و اصطلاحات

پر مشتمل ہے، ان جلدون مین جو الفاظ اکیڈمی نے وضع کئے ہین، ان کو ایک مجموعہ (مجموعۃ المصطلحات العلمیۃ والفنیۃ التی اقترہا المجمع) کی شکل مین شائع کیا ہے،

اس مجموعہ مین علم الاحیا، طب وتشریح (سرجری)، ریاضی، بجلی (الیکٹرک) مقناطیس طبیعیات (سائنس) نقاشی، مصوری، طباعت، تاریخ، فلسفہ، علم الحرارۃ، اور موسیقی سے متعلق ہزارون الفاظ ہین یورپ کی بڑی بڑی یونیورسٹیون مین علاوہ عام مطالعہ کے کمرون کے ایک بڑا ہال ہوتا ہے جس مین تحقیق کرنے والے طلبہ اور ماہرین فن اساتذہ ملکر مطالعہ کرتے ہین، اس بڑے ہال مین اس فن سے متعلق تحقیقات ومراجعت کی کتابیں ہوتی ہین، مطالعہ کرنے والے طلبہ اساتذہ سے فائدہ اٹھاتے ہین، ایسے دار المطالعہ کے لئے ایک قدیم لفظ مدراس وضع کیا ہے، یہ لفظ کتب لغت مین موجود ہے، یہودیون کے مکتب کو مدراس کہتے تھے، المدرس الموضع الذی یدرس فیہ والمدراس البیت الذی یدرس فیہ القرآن وکذلک مدراس الیہود ہو البیت الذی یدرسون فیہ (لسان العرب مادہ درس) مدرس کے بجائے مدراس اس لئے اختیار کیا کہ مدرس کی جمع مدارس آئے گی، اور مدراس کی مدارس آئے گی، اس سے مدرسہ کی جمع مدارس سے التباس نہین ہوگا، اس طرح کے چند الفاظ ذیل مین لکھے جاتے ہین،

المسمع	ریڈیو،	الثریا	بہت سے بلبون کا مجموعہ (جھاڑ)
المذیاع	ریڈیو،	البغثۃ	ماچس کی سلائی، (تیلی)
المجہار	لاؤڈ اسپیکر	الوصلۃ	بجلی کے منفی ومثبت تارون کو جوڑنے والا،
المجاز	ٹرام،		
المسخن والمحم	حمام مین گرم پانی کا حوض	المجبۃ	موٹر کا ہینڈل
النفاطۃ	گیس کا بڑا ہنڈا،	المظلۃ	دھوپ سے بچانے والی چھتری
الکوکبۃ	بلب	الممطرۃ	برساتی، بھیگنے سے بچانے والا کپڑا،

المِهبطة پیراشوٹ، ہوائی جہاز سے اترنے والی چھتری،

الیفداہ چاے یا قہوہ کی چھلنی

المذکّرة نوٹ بک

الاضمامة کتابون کا پشتارہ، فائلون کا مجموعہ

الضمام فائل بک

الماصر چنگی کی چوکی

اللفائف (واحد لفیفہ) سگریٹ

النفاضة سگریٹ کی جلی ہوئی راکھ، گل

منفض سگریٹ کے گل رکھنے کی ڈبیہ یا جگہ

ارتکاس ردِّ عمل Reaction

المهرق دستی پریس مین استعمال ہونے والا روغنی کاغذ (Stencil) فرقون مین نقل رکھنے کیلئے کثرت سے استعمال ہونے والا بلو کاغذ

الأتون انجن کا آتش دان

الوقّاد کوئلہ جھونکنے والا (انجن مین)

المحالة پہیا،

الجزع پہیا کا محور، جس مین پہیا گردش کرتا ہے

الجزلة گاڑی کا بریک

العوّاقة بریک، روکنے والا آلہ،

طاهة الاشارات سگنل گھر، اسٹیشن کا کیبن،

المُلّوح سگنل دینے والا آدمی

التذكرجي ٹکٹ بابو، ٹکٹ بیچنے والا کلرک

النقّاب ٹکٹ چک کرنے والا کرو،

السبّاق سب سے زیادہ تیز چلنے والی ریل گاڑی گویا طوفان میل،

الجهيز الزفوف ایکسپرس گاڑی

الوقاف پیسنجر گاڑی،

قطار البضاعة مال گاڑی

الميدع ڈاکٹرون یا نرسون کا وہ لمبا لباس جو پتلون مین کام کے وقت پہنا جاتا ہے یا خانسامون کا خاص لباس (یونیفارم)

البذلة قدیم استعمال مین ماما یا نوکر کے کام کے وقت والبذلة کا لباس اب اس کو گھر کے اندر کام کے وقت عورتون کے معمولی لباس پر اور حکومت کے ملازمین کے خاص لباس (یونی فارم) [illegible]

امید ہو کہ ہندوستان کے اہل علم انکیڈمی کے ان تمام مطبوعات سے مستفید ہونگے اور عربی زبان کی تعلیم [illegible]

مطبوعاتِ جدیدہ

تشریحاتِ پاکستان مرتبہ جناب مولوی عبدالقدوس صاحب ہاشمی تقطیع اوسط ضخامت ۲۷۲ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہترقیمت مجلد ۴؍ عثمانیہ پریس، کلدار، پتہ نفیس اکیڈمی حیدرآباد دکن)

اس سے قطع نظر کہ پاکستان کا تخیل اور اس کا مطالبہ صحیح ہے یا غلط اُس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ہندوستان کی سیاست کا اہم مسئلہ بن گیا ہے اور اس کے مناسب حل اور اس کے اصلی مقصد و منشا کے حصول ہی پر ہندوستان کی حقیقی آزادی اور اس کے امن و سکون کا انحصار ہے، اس موضوع پر انگریزی میں کافی کتابیں ہیں لیکن اردو میں مواد کی بڑی کمی ہے، اس کتاب میں لائق مرتب نے پاکستان کے متعلق ضروری معلومات اور اعتراضات و جوابات سلیقہ سے جمع کر دیئے ہیں، اور ۱۸۵۷ء سے لے کر شملہ کانفرنس ۱۹۴۵ء تک ہندوستان کی مختصر سیاسی سرگذشت بیان کرکے اس پر تبصرہ کیا گیا ہے اور آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس الہ آباد ۱۹۳۰ء کے سر اقبال کے خطبۂ صدارت کا وہ حصہ نقل کیا گیا ہے جس میں پاکستان کی حقیقت بیان کی گئی ہے، اور اس کا خاکہ پیش کیا گیا ہے، اس کے بعد پاکستان کی تائید میں بعض یورپین اور ہندوؤں کے بیانات نقل کئے گئے ہیں، اور اس کی تشریح میں مؤلف نے خود اپنے اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، دنیائے اسلام کے مشہور مفکر امیر شکیب ارسلان اور محب الدین الخطیب مصری کے مضامین اور ان کی رائیں نقل کی ہیں، اور پاکستان کی مخالفت میں جو سیاسی و اقتصادی مشکلات بیان کی جاتی ہیں، اعداد و شمار سے ان کا جواب دیا گیا ہے، کتاب کے آخر میں

مسلمانون کے مرتب کردہ پاکستان کے مختلف نقشون اور ہندؤون کے فارمولون کو دیدیا گیا ہے، اس طرح اس کتاب مین پاکستان کے متعلق بہت سے ضروری معلومات آگئے ہین، مولانا ابوالاعلیٰ کے مضمون کا تعلق مسلم لیگ کے مجوزہ پاکستان سے نہین، بلکہ جماعتِ اسلامی کے حکومتِ الٰہیہ کے تصور سے ہے، اسی طریقہ امیر شکیب ارسلان کے مضمون کا مقصد ہندوستان مین ایک مستقل اور جداگانہ قوم کی حیثیت سے مسلمانون کے کلچر کا تحفظ ہے، گو ان دونون مضامین کی بعض جہتین پاکستان سے مل جاتی ہین،

رہنمائے قرآن، از نواب سر نظامت جنگ مترجمہ ڈاکٹر میر ولی الدین استاذ جامعہ عثمانیہ تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۹۶ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت مرقوم نہین، پتہ ادارہ اشاعت اسلام کچھوچھہ شریف ساگر حیدرآباد دکن،

نواب سر نظامت جنگ حیدرآباد کے صاحبِ علم امرا مین ہین، دینیات اور کلام مجید پر بھی ان کی نظر ہے، اور دین وملت کا بھی وہ درد رکھتے ہین، انگریزی کے ... نامور ادیب ہین، انھون نے انگریزی مین ایک کتاب "An Approach to Study of the Quran" لکھی تھی، رہنمائے قرآن اسی کا ترجمہ ہے، اس مین مصنف نے قرآن مجید سے اسلامی عقائد وضوابط اخلاق اور اس کی دوسری تعلیمات کو مغربی انداز فکر مین پیش کیا ہے، خالص اسلامی نقطۂ نظر سے مصنف کے بعض تصورات اور ان کی تشریحات محل نظر ہین، اور ان کا طریقہ تعبیر مناسب نہین ہے، لیکن انھون نے یہ کتاب مغربی اقوام خصوصاً انگریزون کے لئے لکھی ہے، جن کا نقطۂ نظر اور انداز فکر مذہب کے بارہ مین مسلمانون سے مختلف ہے، اور ٹھیٹھ اسلامی تصور اور طریقۂ تعبیر کو ان کا ذوق قبول نہین کرسکتا، اس لئے مصنف نے "کلم الناس علی قدر عقولھم" کے مطابق ان کے ذوق کا خاص لحاظ رکھا ہے، اور اس پہلو سے یہ کتاب جدید تعلیم یافتہ اصحاب کے لئے بھی مفید ہے، مصنف کا حسن نیت اور ان کا دینی جذبہ لائق قدر ہے اس کا اجر ان کو بہرحال ملے گا، لائق مترجم نے بھی مقدمہ مین تصنیف کے اس پہلو کی جانب اشارہ

کر دیا ہے، اصل کتاب بہت انشا پردازانہ ہے، بلکہ اس کی خاص خوبی انشا پردازی ہے، لائق مترجم نے حتی الامکان اصل کتاب کے زورِ بیان اور اس کی لطافتوں کو قائم رکھنے کی پوری کوشش کی ہے۔

نثرِ ریاض خیرآبادی، مرتبہ جناب عقیل احمد صاحب جعفری، تقطیع اوسط، ضخامت ۱۵۲ صفحے، کاغذ، کتابت، وطباعت بہتر، قیمت مجلد عہ، کلدار، پتہ:- نفیس اکیڈمی ۱۴ عثمانیہ روڈ، حیدرآباد دکن،

حضرت ریاض مرحوم خیرآبادی نہ صرف ایک استاد فن شاعر بلکہ اپنے دور کے شگفتہ نگار ادیب بھی تھے، انھوں نے مختلف اوقات میں متعدد اخبارات و رسائل اور شعر و سخن کے گلدستے نکالے، جو اس زمانہ میں بہت مقبول ہوئے، اور بڑے بڑے اہلِ نظر ان کے قدردان تھے، لیکن ان کی شاعری کی شہرت نے ان کی نثر نگاری کے پہلو کو دبا دیا تھا، ایک سبب یہ بھی تھا، کہ ان کی شاعری کا دورِ پیری تک قائم رہا، لیکن نثر کی رنگینی عمر کے انحطاط کے ساتھ ساتھ پھیکی پڑ گئی تھی، اس لئے نئی نسل ان کے کمال کے اس پہلو سے بہت کم واقف ہے، اُن کے نواسے جناب عقیل احمد صاحب جعفری نے اس کتاب میں ان کی نثر کے مختلف نمونوں ادبی مضامین و مباحث، شعری نکات، ریاض کی زندگی سے متعلق خود ان کے تحریر کردہ واقعات اور لطائف و ظرائف، اس زمانہ کے سیاسی و معاشرتی مسائل کے متعلق ان کے تبصرے، مکاتیب اور مختلف النوع نکات وغیرہ کا ایک خوشرنگ گلدستہ سجا دیا ہے، مصنف کی فطری شوخی و ظرافت ان تمام مضامین میں نمایاں بلکہ وہی ان کی روح ہے، یہ تحریریں آج سے نصف صدی سے لے کر چوتھائی صدی پیشتر کی ہیں، اب زمانہ کا مذاق بہت بدل گیا ہے، اس لئے بعض تحریریں شاید موجودہ مذاق سے مختلف نظر آئیں، اور طبائع پر گراں گذریں، لیکن یہ ان کا نقص نہیں، بلکہ زبان و ادب کی ترقی اور مذاق کے تغیر کا فطری نتیجہ ہے، ان تحریروں سے اس زمانہ کے بہت سے دلچسپ واقعات کی جھلکیں اب زمانہ بھول چکا ہے، یاد تازہ ہو جاتی ہے، لائق مرتب نے اس مجموعہ کو مرتب کر کے اردو ادب و انشا کی ایک شگفتہ

کرڈالی کو محفوظ کردیا، امید ہے کہ یہ مجموعہ عام اصحابِ ذوق خصوصاً حضرت ریاض کے قدر دانوں میں مقبول ہوگا،

آثارِ اقبال، مرتبہ جناب غلام دستگیر رشید صاحب ایم اے تقطیع چھوٹی ضخامت ۳۲۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد ۲؎ کلدار، ملنے کا پتہ:- ادارہ اشاعت اردو حیدرآباد دکن،

مؤلف کو اقبالیات سے خاص دلچسپی ہے، اور اس موضوع پر اُن کے قلم سے مضامین بلکہ مستقل کتاب نکل چکی ہے، اب انھوں نے سر اقبال مرحوم کے ذاتی حالات اور ان کے کلام وتعلیمات کے متعلق بہت سے اصحابِ قلم کے شائع شدہ مضامین کو آثارِ اقبال کے نام سے جمع کردیا ہے بعض مضمون نگاروں کے نام یہ ہیں، نواب بہادر یار جنگ مرحوم، ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، مولانا محمد علی مرحوم، مولانا اسلم جیراجپوری، پروفیسر محمد حبیب، پروفیسر عبدالقادر سروری، پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی، ڈاکٹر میر ولی الدین اور پروفیسر خواجہ عبدالحکیم وغیرہ، خیال آتا ہے کہ بیشتر مضامین جامعہ ملیہ کے رسالہ جوہر کے اقبال نمبر سے جو جوہر اقبال کے نام سے نکلا تھا منقول ہیں، اس مجموعہ میں اقبال کے ذاتی حالات اور ان کی شاعری سے متعلق بہت سے مفید معلومات یکجا ملجاتے ہیں،

اسلام اور مشاہیر عالم، مؤلفہ جناب مولوی حبیب اللہ بن فقیہ صاحب تقطیع اوسط، ضخامت ۱۱۶ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت معلوم نہیں، پتہ، مصنف محلہ دھول پیٹھ حیدرآباد سے ملے گی،

ایک مدت تک غیر مسلم قومیں خصوصاً اہلِ مغرب کچھ تو ناواقفیت اور زیادہ تر تعصب کی بنا پر اسلام کے متعلق غلط رائے رکھتے تھے لیکن جب اُن کی آنکھوں سے جہالت وتعصب کا پردہ ہٹا، تو انھیں اسلام کی صداقت وحقانیت، اس کے محاسن اور دنیا میں اس کی برکتوں کا اعتراف کرنا پڑا، لائق مؤلف نے اس کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مبارک، کلام مجید اور اسلام کے متعلق

دنیا کی مختلف قوموں اور مذہبوں کے فضلاء اور مشاہیر کی رائیں اور اُن کے اعترافات کو جمع کرکے یہ خدا کا دین برحق انسانوں کی تحسین وتنقیص سے بے نیاز ہے، اُن کی تحسین وآفرین سے نہ اس کی حقیقی عظمت میں کوئی اضافہ ہوتا ہے، اور نہ ان کی تنقیص سے اس میں کوئی کمی آتی ہے، اس لئے اسلام کے متعلق ان رایوں کی کوئی وقعت نہیں لیکن الفضل ماشہدت بہ الاعداء کے اصول پر البتہ ان کی کچھ قیمت ہوسکتی ہے، یا جن لوگوں کو دوسروں کے اعترافات ہی سے تسکین ہوتی ہے، اس کتاب میں ان کی تشفی کا پورا سامان موجود ہے، فاضل مؤلف کا جذبۂ خدمتِ دین بہرحال لائق ستایش ہے،

تحلیل نفسی اور تعبیر خواب از جناب عبدالحی جمیل صاحب علوی ایم اے صدر شعبہ نفسیات ٹریننگ کالج کابل تقطیع اوسط ضخامت ۲۲۴ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت مجلد عہ

پتہ:- اسٹار ایجوکیشنل سپلائی کمپنی، عابد روڈ حیدرآباد دکن،

سگمنڈ فرائڈ نفسیات کی شاخ تحلیل نفسی کا بڑا عالم تھا، اس کے نظریہ کے مطابق انسان کے بیشتر جذبات وعواطف کا سرچشمہ خواہش جنسی کی طلب وتکمیل ہے، خواب کو بھی اس نے اسی کا نتیجہ قرار دیا ہے، مصنف نے اس نظریہ کو اس کتاب میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، راقم الحروف نفسیات سے بالکل ناواقف ہے، اسلئے فنی حیثیت سے اس کتاب کے متعلق کوئی رائے نہیں دیسکتا لیکن خواب کے متعلق اس نظریہ اور مشرقی بلکہ اسلامی نظریہ میں بڑا فرق ہے، اسلامی نقطۂ نظر سے خواب دیکھنے والے کے حالات اس کی نفسی کیفیت اور خواب کی نوعیت کے اعتبار سے خواب اور اس کے اسباب اچھے اور برے مادی اور روحانی دونوں طرح کے ہوتے ہیں، جو خواب مادی اسباب کا نتیجہ ہوں، انھیں اضغاث احلام کہا جاتا ہے، لیکن رویاے صالحہ کی حیثیت ایک گونہ روحانی کشف کی ہوتی ہے، لیکن فرائد پر جنسیات کا اتنا غلبہ تھا کہ اسے ہر چیز میں اسی کا کرشمہ نظر آتا تھا، تاہم جن لوگوں کو اس موضوع سے دلچسپی ہو انھیں اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیے،

(م)

جلد ۵ ماہ ذی قعدہ ۱۳۶۵ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۴۶ء عدد ۴

مضامین

شذرات، سید سلیمان ندوی ۲۴۲-۲۴۴

مقالات

ضمیمہ مسئلہ سود و قمار وغیرہ جناب مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی ۲۴۵-۲۵۶
صدر شعبۂ دینیات ڈھاکہ یونیورسٹی،
اسلامی نظریۂ سیاست، جناب مولانا حیدر زمان صدیقی فاضل دیوبند ۲۵۰، ۲۵۵
کتب خانہ اکیڈمی آف اسلامک ریسرچ آل انڈیا مسلم جناب عبد الحمید خان صاحب ریڈر
ایجوکیشنل کانفرنس کے چند نادر الوجود مخطوطات شعبۂ فارسی جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن ۲۹۲-۲۹۹
و نوادر،
ڈاکٹر میر ولی الدین استاذ جامعہ عثمانیہ
دیوان عاشق دہلوی، نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمٰن ۳۰۰-۳۰۴
خان شروانی،

استفسار و جواب

متفرق سوالات، "س" ۳۰۵-۳۰۹
تخلیق عالم کا مقصد " ۳۰۹-۳۱۲
حکومت الٰہیہ اور مسلمانوں کا مطمح نظر " ۳۱۲، ۳۱۴
مطبوعات جدیدہ، "م" ۳۱۵، ۳۲۰

شذرات

خاکسار تین ماہ کے بعد دارالمصنفین کے کامون کی دیکھ بھال اور معائنہ کے لئے حسب تجویز سابق آیا ہوا ہے اور ایک ہفتہ کے قیام کے بعد بھوپال واپس جائے گا، مجھے اس کے اظہار مین خوشی ہو کہ بحمداللہ توقع کے مطابق دارالمصنفین کے علمی اور انتظامی کاروبار بدستور سابق چل رہے ہین، نئے رفقاء مطالعہ وتحقیق کے کامون مین مصروف ہین، اور مراسلت ومکاتبت سے وہ اس حقیر سے اپنے لئے مشورے حاصل کرتے رہتے ہین،

تاریخ ہند اور تاریخ اسلام کی اکثر جلدین تیار ہوچکی ہین، مگر کاغذ اور سامان طباعت کی کمیابی اور پریس مین کامون کے ہجوم کے سبب سے ان کے چھپنے مین اندیشہ ہے کہ کافی انتظار کرنا پڑیگا، دوسرے شہرون اور پریسون مین بڑی بڑی کتابون کے چھپنے اور اصلاح سنگی وتصحیح کا انتظام بھی ممکن نہین، اس لئے دوسری جگہون پر بھی چھپنے کا انتظام ناممکن نظر آتا ہی نئی مشینون کی نایابی کے سبب سے پریس مین بھی اب تک زیر تجویز اضافہ نہ ہوسکا،

خوشی کی بات ہو کہ دارالمصنفین کا سلسلۂ تاریخ اسلام مختلف یونیورسٹیون کے نصاب مین داخل ہورہا ہو، انشاء اللہ جب یہ سلسلہ مکمل ہوجائے گا، تو معلوم ہوگا کہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح یہ سلسلہ بھی دارالمصنفین کی عظیم الشان علمی ومذہبی خدمت ہو،

دارالمصنفین کو علمی حلقون مین جو فروغ اور استناد حاصل ہے، اس کا اندازہ اس سے ہوگا، کہ مشرقی وادبی

دتاریخی علوم مین سائی تک سے اس کی طرف رجوع عام ہے، ڈاکٹریٹ کے مقالون کے امتحان کی خدمت بھی اس کے سپرد ہوتی ہوا وران علوم مین امتحانات کے پرچون کے ممتحن بھی ہمارے رفقا ہوتے رہتے ہین،

پچھلے مہینہ دارالمصنفین کے رفقا سے ملنے اوران کے علمی کامون مین مشورہ کی خاطر ہماری مجلس کے رکن مولوی عبدالماجد صاحب دریابادی یہان تشریف لائے، اور تین روز قیام فرماکران کے کامون مین مناسب مشورے دیکر واپس تشریف لے گئے، امید ہو کہ ان کا یہ سلسلۂ فیض آیندہ بھی اسی طرح اکثر جاری رہے گا،

گاندھی جی نے ۱۹۲۰ء مین جو خواب دیکھا تھا، ۱۹۴۲ء مین اس خواب کی تعبیران کو مل گئی، وہی قیدی وزندانی مجرم جو کبھی تختۂ دار کے مستحق تھے، آج تختِ حکومت پر متمکن ہین، اور جو کبھی باغی قرار دیے جاتے تھے، آج اُنھی کو حکومت کی عنان سپرد کی جارہی ہو، لیکن یہ تاریخ کا نیا واقعہ نہین، دنیا مین ہمیشہ یہی ہوا ہو اور ہمیشہ یہی ہوتا رہے گا،

اس کے ساتھ اگر کوئی یہ سمجھ لے کہ اس سے ہندوستان کی سطح مین سیاسی سکون پیدا ہوجائے گا، تو وہ سخت غلطی کا ارتکاب کریگا، دنیا مین نہ کبھی کسی انقلاب سے سب نے موافقت کی ہے، اور نہ اس پر قناعت کی ہو، کانگریس کے پیچھے پیچھے سوشیالزم کا انقلاب اور اس کے پیچھے کمیونزم کا سیلاب آنے والا ہو، جس طرح کانگریس نے سابق حکام سے آزادی چاہی، اور گویا پائی، اسی طرح آیندہ کانگریسی حکام کے مظالم کے نام سے سوشیالسٹ اٹھین گے اور سوشیالسٹون کے مظالم کے خاتمہ کے لئے کمیونسٹون کا گروہ آگے بڑھے گا،

مجھے اس موقع پر محمد علی مرحوم کا ایک فقرہ یاد آیا، ۱۹۲۰ء کے دسمبر مین گاندھی جی جب سوراج والا ہو تھے، مین نے مرحوم سے کہا کہ مبارک! آپ کی قید و بند کا زمانہ ختم ہورہا ہے، اب آپ ہی حکمران ہون گے، فرمایا مجھے اطمینان

کہان نصیب! اب جو فریق برسر حکومت آئے گا اوس سے لڑنا پڑیگا، اور اب وہ ہم کو قید خانون مین بھیجا کریگا، موجودہ سوراج کے عہد مین دوسری سیاسی پارٹیون سے جو سلوک ہوگا یا ہونا شروع ہوا ہے، وہ اس پیشینگوئی کی صداقت کی دلیل ہے، اور یہ طبعی ہے،

اس نقطہ پر سب سے اہم مسئلہ ہندو مسلمانون کی مصالحت اور مفاہمت کا ہے، اس مصالحت اور مفاہمت کے بغیر ہندوستان مین سکون پیدا نہین ہوسکتا، اور نہ ہندوستان یہ دعوی کرسکتا ہے، کہ وہ کل ہندوستانیون کی حکومت ہے، بلکہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ پہلے انگریزون کی حکومت تھی، اب کانگریسیون کی ہے اور اس کا لازمی نتیجہ ملک مین نئے نئے فتنون اور فسادون کا پیدا ہونا ہے،

چنانچہ اس کا بدترین مظاہرہ، کلکتہ، ڈھاکہ، بمبئی، احمدآباد، الہ آباد اور آگرہ مین ہوا اور ہو رہا ہے، ہندو ہون یا مسلمان اُس خونی سیلاب کی رو سے نہ وہ ملک مین کوئی انقلاب کرسکتے ہین، اور نہ کسی اکثریت کو اقلیت سے بدل سکتے ہین، نہ اس سے مصالحت کی شرطون مین آسانی پیدا ہوسکتی ہے، بنگال کی لیگی وزارت اور بمبئی کی کانگریسی وزارت کے احاطون مین یکسان بلوون کا ہونا دونون ہی کے لئے مشکلات کا باعث ہوا ہے،

ریڈیو کی زبان کے متعلق نئی حکومت کے عہد مین جو فیصلہ ہوا ہے اس سے ہندی اور اردو دونون زبانون کے دعویدار خوش ہین، یعنی یہ کہ خبرون کے علاوہ باقی تقریرین یا خالص معیاری ہندی مین ہون گی، یا خالص معیاری اردو مین، معلوم نہین ریڈیو کے بعد عدالتون اور کونسلون اور اسمبلیون اور یونیورسٹیون اور تعلیم گاہون کی زبانون کے متعلق بھی یہی فیصلہ ہوگا، یا اس سے مختلف ہوگا، اس کے معنی یہ ہین کہ اس فریق کی جیت ہوگی جو ملک مین دو زبانون کا مطالبہ کرتا ہے، لیکن اس کے اثرات بہت دور تک پہنچتے ہین، اور ابھی اس پر پوری طرح غور نہین کیا گیا ہے،

مقالات

ضمیمۂ مسئلۂ سود و قمار وغیرہ

المُلقّب بہ

دَافِعُ الضَّنک عَنِ الانتِفَاعِ بالبَنک

از

مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی صدر شعبۂ دینیات ڈھاکہ یونیورسٹی

حامداً و مُصلیاً، مین گذشتہ مضمون لکھ چکا تھا کہ ایک چھوٹا سا رسالہ نظر سے گذرا جس مین چند تمہیدات کے بعد یہ دعوی کیا گیا ہے کہ بنک کا سودی کاروبار جائز ہے، کیونکہ وہ سود ہی نہین ہے آگے ترقی کرکے فرمایا ہے کہ صرف جائز ہی نہین بلکہ واجب ہے،

رسالہ کے مصنف ایک معقولی فلسفی عالم ہین، اس لئے اُن سے اس کی امید تو فضول تھی کہ وہ تمہیدات مین قرآن و حدیث و فقہ سے بھی کوئی دلیل پیش کرنے کی تکلیف برداشت کرین گے، انھون نے وہی کیا، جو اُن سے اُمید کی جاسکتی تھی، کہ منطقیانہ و فلسفیانہ رنگ مین اول یہ مقدمہ قائم کیا، کہ

"اسلام تمدنی مذہب بھی ہے، جیسا کہ تبتلی مذہب ہے، اور اس کی دلیل مین اسوۂ محمدیہ (علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والتحیۃ) کو پیش کرتے ہوئے یہ دعوی کردیا کہ حضرت محمدیت مین تبتل کی شان کے ساتھ ہی ساتھ تمدن کی شان بھی اتنی روشن ہے، گویا گھٹاؤن مین بجلیان چمک

رہی ہیں کبھی اچھے سے اچھے کھانا کھا رہی ہیں، اچھے سے اچھا لباس بھی پہن رہی ہیں بہتر سے بہتر سواریاں ہیں، اعلیٰ سے اعلیٰ جاہ وجلال ہے بڑی سے بڑی نمود ونمایش ہے، ایک مسلسل طلب اقتدار ہے، لگاتار تحصیل اختیار ہے، تعلیم ہے تنظیم ہے تقدیم ہے تنیم ہے، اور کیا چیز ہے، ایک پکے دنیادارانہ تمدن میں جو اس ذات طیبہ اور حیات طاہرہ میں مظاہرہ نما نہیں انا للہ وانا الیہ راجعون

اس دلیل کے رد کرنے کی مجھے ضرورت نہیں، یہ خود ہی اپنا رد ہے، جس ذات طیبہ اور حیات طاہر کی تمام تر زندگی کی ایک ایک ادا یہ ظاہر کر رہی ہو کہ یہ نبوت ہے، ملوکیت نہیں، عبدیت ہے شہنشاہی نہیں، تکمیل احکام الٰہیہ ہے اپنی نمود ونمایش نہیں، اعلاء کلمۃ اللہ ہے، طلب اقتدار نہیں، خدمت خلق اللہ ہے تحصیل اختیار نہیں، اخلاص واحسان ہے، نمود ونمایش نہیں، اس میں پکے دنیادارانہ تمدن کو مظاہرہ نما بتلانا نری فلسفیت اور اسوۂ محمدیہ سے انتہائی ناواقفیت نہیں تو اور کیا ہے،

اس کے بعد دوسرا مقدمہ یہ قائم فرمایا ہے کہ ربوا یا سود اس لئے حرام ہے کہ وہ جمعیت اور تمدن کو نقصان پہنچاتا ہے، اور انفرادی دولتیت کو ضرر ناک صورت میں بڑھاتا ہے" اس کی بھی کوئی دلیل بیان نہیں کی گئی محض دعوی بلا دلیل پر اکتفا کیا گیا ہے، تیسرا مقدمہ یہ بیان فرمایا ہے، کہ

"بنیک جو سود لیتا ہے، وہ سود نہیں بلکہ اس کی حیثیت کچھ تو حق المحنت کی ہے، یعنی وہ معاوضہ ہے خدام اور عملہ کی اس محنت کا جس کے بل پر بنیک قائم رہتا ہے، اور چلتا ہے اور کچھ حق الاعانۃ ہے یعنی وہ معاوضہ ہے ان لوگوں کی اعانت کا جن کے سرمایہ سے بنیک قائم ہوتا اور چلتا ہے کیونکہ بنیک کے حصہ داروں کا گروہ اس غرض سے بنیک کو قائم کرتا ہے کہ علاوہ اس کے سرمایہ کی حفاظت کے دوسروں کی اعانت بھی ہوتی ہے"

مگر سوال یہ ہے کہ حرمت ربا کی یہ علت کونسی آیت یا کس حدیث سے آپ نے سمجھی؟ اور جس دلیل سے آپ نے بنیک کے سود کو حق المحنۃ اور حق الاعانۃ قرار دیا ہے، اسی دلیل سے انفرادی ربا کو حق المحنۃ اور حق الاعانت کیوں نہیں قرار دیا جا سکتا؟ فرض کیجئے ایک تاجر کسی کو ہزار روپیہ قرض دیتا ہے، اور

سال بھر کے بعد بارہ سو روپیہ یہ کہکر وصول کرتا ہے کہ یہ دو سو روپیہ میری دکان کے ملازمون کا حق محنت ہے، جن کی محنت کے بل پر دکان چل رہی ہے، جس کی آمدنی سے مین اس قابل ہو گیا ہون کہ دوسرون کو قرض دے رہا ہون تو فرمائیے آپ کس دلیل سے اس انفرادی سود کو بینک کے سود سے الگ کر سکتے ہین، تو پھر کیا سود کو ہر حالت مین جائز کیا جائے گا، خواہ انفرادی ہو یا جماعتی ہو، اس کے آپ بھی قائل نہین، تو یہ علت ہی کیا ہوئی، جو اس صورت کو بھی جائز کر رہی ہے، جسے آپ جائز نہین مانتے، بلکہ حرام قطعی تسلیم کرتے ہین، آگے چل کر ربوا کے منافع اور بینک کے منافع مین جو فرق بیان کیا گیا ہے، وہ لفظی فرق کے سوا اپنے اندر کچھ حقیقت نہین رکھتا، آپ فرماتے ہین:-

"الف، ربوا کا زائدیہ (منافع) فرد واحد کی شخصی ملک ہوتا ہے، بینک کا زائدیہ (منافع) فرد واحد کی شخصی ملک نہین ہوتا، اور اس کی تقسیم ایک جماعت مین ہوتی ہے، جو بینک کی مالک اور منظم ہوتی ہے، اور اس سے جمعیت کی دولت مین اضافہ ہوتا ہے، یہی حاصل دفعہ ب کا ہے، کہ ربوا کا زائدیہ صرف شخصی دولت مین اضافہ کرتا ہے، بینک کا زائدیہ خود بینک کی اداراتی حیثیت کو مضبوط کرنے کا کام آتا ہے الخ"

"سوال یہ ہے کہ جماعت اور فرد مین فرق کا معیار کیا ہوگا؟ یعنی اگر فرد ایک آدمی کو کہتے ہین، تو کیا ایک سے زائد کو جماعت کہا جائے گا؟ اگر نہین تو کیون؟ الاثنان فما فوقهما جماعة شرعی فتوی ہے کہ دو اور دو سے زیادہ جماعت ہے، اگر آپ کے نزدیک دو آدمی جماعت نہین ہو سکتے تو بتلائیے جماعت بننے کے لئے کتنی مقدار ضروری ہے؟ اور جو مقدار بھی مقرر کی جائے، اوس پہ دلیل قائم کی جائے، اگر دو کو بھی آپ جماعت مانتے ہین، تو دنیا مین کوئی سود بھی انفرادی سود نہین، کیونکہ عموماً ہر سود خوار کے بی بی بچے ہوتے ہین، جن کے کھانے پینے اور لباس وغیرہ مین سود کی آمدنی صرف ہوتی ہے، ہر سود خوار کے کچھ ملازم نوکر چاکر بھی ہوتے ہین، جن کا نفقہ اور خرچ اس کے ذمہ ہوتا ہے،

تو یہاں بھی سود کے منافع کی تقسیم ایک جماعت میں ہوتی ہے، اس سے بھی فرد واحد کی نہیں، بلکہ جمعیت کی دولت میں اضافہ ہوتا ہے، کیونکہ اس کی بی بی بچے غنا اور افلاس میں اس کے تابع ہیں اگر باپ غنی ہے تو اولاد بھی غنی کہلاتی ہے، شوہر غنی ہو تو بی بی بھی غنی ہوتی ہے، اس کے مرنے کے بعد وہی اس کی دکان اور جملہ املاک کے وارث ہوں گے، اب بتلایا جائے، کہ اس میں اور بینک کے منافع میں کیا فرق ہوا؟ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے،

"جو ربوا کا زائدیہ (منافع) اس سرمایہ کا پھل ہوتا ہے، جو تجارت نہیں کرتا، اس لئے وہ خالص زر کا معاوضہ ہوتا ہے، اور بینک کا زائدیہ (منافع) اس سرمایہ کا نتیجہ ہوتا ہے جو تجارت کرتا ہے، اس لئے وہ خالص زر کا معاوضہ نہیں ہوتا، بلکہ تجارت کا بھی معاوضہ ہوتا ہے، اگرچہ بالواسطہ ہوتا ہے"

مگر سوال یہ ہے کہ اگر فرد واحد بھی تاجر ہو، اور وہ کسی تاجر ہی کو قرض دیکر زائد رقم لے، تو اس کو ایسے سرمایہ کا پھل کیوں نہیں کہا جائے گا، جو تجارت کرتا ہے، تو چاہئے کہ ہر تاجر کو اپنی تجارتی رقم قرض دینے پر زائدیہ وصول کرنے کا حق ہو، خواہ فرد ہو یا جماعت کیونکہ دونوں جگہ یہ علت موجود ہے، کہ یہ زائدیہ خالص زر کا معاوضہ نہیں بلکہ تجارت کا معاوضہ ہے، پھر فرماتے ہیں :-

"ربوا کا زائدیہ (منافع) ایسے کاروبار کا معاوضہ ہوتا ہے، جو محنت کو غائب کر دیتا ہے، اس لئے وہ جمعیت اور تمدنیت کے لئے قاتل کی حیثیت رکھتا ہے، بینک کا زائدیہ (منافع) ایسے کاروبار کا معاوضہ ہے، جو سرمایہ کے ساتھ ساتھ محنت کو بھی لپیٹے ہوتا ہے، اس لئے کہ وہ تجارت کو بھی حاوی ہوتا ہے" الخ

یہاں بھی وہی سوال ہے کہ اگر انفرادی ربوا میں بھی فرد واحد تاجر ہو تو اس کا زائدیہ بھی سرمایہ کے ساتھ ساتھ محنت کو لپیٹے ہوئے ہے، کیونکہ وہ بھی تجارت کو حاوی ہے، پھر محنت کا انحصار تجارت ہی میں

کیون ہے؟ کیا زراعت اور حرفت محنت نہین؟ پس اگر فرد واحد زراعت پیشہ ہو یا اور کسی قسم کی صنعت وحرفت مین مشغول ہو، اُس کا سرمایہ بھی محنت کو ساتھ ساتھ لپیٹے ہوئے ہے، تو کیا آپ اس کے قائل ہون گے، کہ ہر فرد واحد جس کا سرمایہ محنت سے حاصل ہوا ہو، زراعت سے یا کسی صنعت وحرفت وغیرہ سے اس کو اپنی رقم قرض پر چلا کر سود لینا جائز ہے؟ یقیناً آپ اس کے قائل نہین ہو سکتے، اس لئے یہ دلائل سراسر لغو ہین، جو انفرادی اور جماعتی ہر قسم کے سود کو جائز کر رہے ہین، پھر ان تمام مقدمات سے آپنے صرف ایک ہی پہلو کو ثابت کیا ہے کہ بنک کو ان لوگون سے سود لینا جائز ہے، جو بنک سے قرض لین، دوسرا پہلو ابھی باقی ہے، کہ جو لوگ بنک مین رقم جمع کر کے اس سے سود لیتے ہین، ان کو بنک سے سود لینا کیون جائز ہے؟ کیونکہ یہ رقم جمع کرنے والے نہ سب تاجر ہوتے ہین، نہ سب کا سرمایہ تجارت کا پھل ہوتا ہے، بلکہ وہ تو اسی کو تجارت سمجھتے ہین، کہ بنک مین رقم جمع کرو، اور اس سے سود لو اور یہ سود لینے والے افراد ہی ہوتے ہین جس سے فرد ہی کی دولت مین اضافہ ہوتا ہے نہ کہ جماعت کی دولت مین" اب اگر آپ اس پہلو کو بھی جائز کہین تو مقدمات مذکورہ سب باطل ہو جائین گے اور اگر اس کو حرام کہین تو بنک چل ہی نہیں سکتا، اس صورت مین آپ کی تصنیف کا سارا قلعہ ہی منہدم ہو جائے گا"

آگے چل کر آپ نے ربا دی کاروبار (یعنی انفرادی سود) اور بنک کے کاروبار مین اور بھی اصولی فرق بیان کئے ہین، مگر وہ بھی سب کے سب اوس صورت مین باطل ہو جاتے ہین، جب کہ ربا دی کاروبار کرنے والا ایک بڑے کنبہ کا سرپرست ہو، اس کے سب لڑکے اور بھائی بند اس کی دکان یا زراعت مین لگے ہوئے ہون، تو وہ بھی یہ دعوی کر سکتا ہے کہ میرا سودی کاروبار مختلی تجارتی، زراعتی، جمعیتی مزاج کو قوی کرتا ہے، اور میرا کاروبار بھی اپنے اسامیون کو خوشحال بناتا ہے، اس لئے کہ وہ بھی مختلی تجارتی، زراعتی شان کا عکس اُن پر ڈالتا ہے، واللہ یہ عکس ڈالنے کی بھی ایک ہی کہی، اگر علت شرعیہ اسی کا نام ہے تو آپ نے علت کو بھی بدنام کیا، اور شریعت کو بھی، اس کے بعد فرماتے ہین کہ

بینک چند وہ مستقل فائدے بھی رکھتا ہے جن کو جمعیت اور تمدنیت کسی طرح چھوڑ نہیں سکتی، مثلاً (۱) بینک تجارت کو منظم، مرتفع اور سہل بناتا ہے، اور اس سے تجارت غیر معمولی ترقی کر جاتی ہے (۲) بینک سرمایوں کو گردش دینے کا موثر ترین آلہ ثابت ہوا ہے (۳) بینک دولتوں کی بھی کفالت کرتا ہے، چوری اور ڈاکہ زنی کے جرائم میں تخفیف پیدا کرتا ہے (۴) بینک ملازمتوں کا ایک نیا وسیع صیغہ کھول کر وسیلۂ معاش کی فہرست میں ایک نیا باب کھولتا ہے اور اس حساب سے بیکاری و بے معاشی میں بڑی تخفیف پیدا کر دیتا ہے"

مگر سوال یہ ہے کہ یہ فوائد بذاتِ خود علت ہیں، کہ جہاں یہ فوائد پائے جائیں، وہ کاروبار جائز ہوگا یا پہلے ہر کاروبار کا جواز مستقل دلیل سے ثابت کرنا ضروری ہے، اس کے بعد ان فوائد پر نظر کی جائے گی؟ اگر دوسری صورت ہے تو آپ کو اولاً مستقل دلیل سے بینک کے کاروبار کا جواز ثابت کرنا چاہیئے، مگر میں دکھلا چکا ہوں کہ آپ کے سب مقدمات کمزور اور نہایت ہی بودے ہیں جن سے بینک کے کاروبار اور ربا دی کاروبار میں اصلاً فرق ثابت نہیں ہوتا، اور اگر پہلی صورت ہے تو یہ سارے فوائد شراب فروشی میں بھی موجود ہیں، شراب کی تجارت آج دنیا میں تمام تجارتوں سے بڑھی ہوئی ہے، اس سے تجارت کو بڑا فروغ اور عروج ہو رہا ہے، وہ بھی سرمایوں کو گردش دینے کا موثر ترین آلہ ثابت ہوا ہے، کہ ہر سال ہندوستان سے کروڑوں روپیہ انگلستان اور امریکہ پہونچ جاتا ہے، شراب کی تجارت سے ملازمتوں کا بھی وسیع صیغہ کھل جاتا ہے، محکمۂ آبکاری میں جا کر دیکھیئے، اتنے ملازم اور مزدور کام کرتے ہیں، جو شاید کسی بینک میں بھی نہ ہوں گے، آپ کہیں گے کہ شراب سے جرائم میں تخفیف نہیں ہوتی، میں کہتا ہوں کہ بینک سے بھی جرائم میں تخفیف نہیں ہوتی، کیونکہ جو لوگ بینک میں روپیہ جمع کر کے سود لیتے ہیں، ان میں جمود اور تعطل پیدا ہو جاتا ہے، وہ اسی سود کے سہارے بیکار زندگی گذارتے، اور ہزاروں جرائم کا ارتکاب کرتے اور مسلسل کرتے رہتے ہیں، اگر یقین نہ آئے، تو ضلع سورت کے دیہات میں

جاکر اُن سیٹھوں کی اولاد کا حال دیکھ لیجئے جن کے بزرگوں نے بنک میں روپیہ جمع کر دیا ہے، اور یہ نوجوان اس کے سود پر زندگی گذارتے، اور دن رات کھیل تماشوں یا بدمعاشیوں میں منہمک رہتے ہیں اگر وہ بنک میں روپیہ جمع نہ کرتے، تو کچھ مدت میں سرمایہ ختم ہو جاتا، اور ان کے جرائم بھی بند ہو جاتے، مگر اب سرمایہ محفوظ ہے، سود آ رہا ہے، اور اُن کی رنگ رلیاں روز بروز ترقی پذیر ہیں، اسی طرح چور دن سے پوچھئے تو وہ چوری میں بھی وہی منافع بتلائیں گے، جو آپ نے بنک کے کاروبار میں گنائے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ چوری سے زیادہ سرمایہ کو گردش دینے والا کوئی بھی موثر آلہ نہیں، روزانہ سرمایہ ادھر سے ادھر گردش کرتا رہتا ہے، اور چوری سے زیادہ کوئی کاروبار بھی محنتی کاروبار نہیں راتوں کو جاگنا اور کسی کے گھر میں گھسنا جس قدر ہمت اور محنت چاہتا ہے، ظاہر ہے، بنک اگر تجارت کو ترقی دیتا ہے تو چوری سے ملازمتوں کا صیغہ وسیع سے وسیع تر ہو رہا ہے، ملک میں جس قدر واردات چوری کی زیادہ ہوں گی، اسی قدر پولیس کی بھرتی زیادہ ہو گی" اور ہندوستان کے تاجروں سے پوچھئے تو ان کے نزدیک ترقی تجارت کا سبب جنگ سے زیادہ کوئی بھی نہیں، جنگ کے زمانہ میں ادنیٰ سے ادنیٰ تاجر لکھپتی اور کروڑپتی بن گیا، ٹھیکہ داروں نے اس قدر کمایا کہ بنک والوں نے اُن کے مقابلہ میں کچھ نہیں کمایا، اگر یہ فوائد خود اپنی ذات سے علت جواز بن سکتے ہیں، تو چوری شراب فروشی، اور ناحق کی جنگ کو بھی جائز قرار دینا چاہئے،

اور یہی جواب ہے اس سخت قباحت کا جو کاروبار بنک کی تحریم میں آپ نے دکھلائی ہے کہ

"غیر مسلم قومیں تو اسلام[1] کے اس فتویٰ تحریم کی بالکل پروا نہ کرنے کے سبب بنک کے کاروبار کو پوری قوت اور شدت سے استعمال کر رہی ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کی قومی دولتیں

---

[1] یہاں سچی بات قلم سے نکل ہی گئی، کہ کاروبار بنک کی تحریم اسلام کا فتویٰ ہے، علماء اسلام کی من گھڑت نہیں جیسا بارہا آپ کے قلم سے نکل رہا ہے، "جادو وہ جو سر پر چڑھ کے بولے" ۱۲

ان کو بھی سیلاب اور بیابانی آگ کی مانند لگاتار تیزی سے آگے بڑھاتی جائیں گی، اور اس کے مقابل مسلم قوم کی قومی دولت روز بروز تنزل کرتی جائے گی، اس کا نتیجہ یہ ہوگا، کہ مسلم قوم ایک دن میدان مالیات میں صفر بن کر رہ جائے گی، اور اس کے بعد اس کی مکمل بربادی قطعی بن جائے گی"

پھر آگے اس کا علاج تجویز فرمایا گیا ہے، کہ

"جب اس شدید ترین قباحت کا کوئی دوسرا علاج نہیں ہے، سوائے اس کے کہ بینک کے ذریعہ دولت آفرینی میں تیز ترین اور غیر معمولی اضافہ کیا جائے، تب یہ ایک حقیقت ہی بینک کے کاروبار کو کروڑوں شبہات کے باوجود جائز ثابت کرنے کو بالکل کافی ہوگی، اگرچہ جائز بدرجۂ کراہت ہی کیوں نہ ہو"

مگر سوال یہ ہے کہ کیا غیر مسلم قوموں کی ترقی مال کا واحد ذریعہ صرف بینک کا کاروبار ہے؟ کیا ربا دی کاروبار (انفرادی سود) سے ان کو ترقی نہیں ہو رہی ہے؟ جو لوگ بینک قائم کرتے ہیں، کیا وہ پہلے ربا دی کاروبار سے ترقی نہیں کرتے، کیا ہندوستان کی بنیا قوم کا ہر فرد ربا دی کاروبار سے ترقی نہیں کر رہا ہے؟ اور فلسفۂ اجتماع کا مسئلہ ہے، کہ افراد ہی سے جماعت بنتی ہے، جب ان کے افراد ترقی کر رہے ہیں، تو جماعت کو خود بخود ترقی ہو رہی ہے، تو کیا اسی دلیل سے آپ ربا دی کاروبار کو بھی جائز کر دیں گے؟ اور کیا شراب کی تجارت سے یورپ کو ترقی نہیں ہو رہی ہے؟ ذرا محکمۂ تجارت کے اعداد و شمار دریافت کیجئے، کہ سب سے زیادہ آمدنی کس تجارت میں ہو رہی ہے"؟ اسی لئے حکومتِ مصر نے باوجود اسلامی حکومت ہونے کے شراب کی تجارت شروع کر دی ہے، اخبارات سے معلوم ہوا ہے کہ اس سال ہندوستان میں مصر سے لاکھوں روپیے کی شراب آئی ہے، افسوس حکومتِ مصر کی اسلامی غیرت کو کیا ہو گیا؟ اور کیا سینما اور فلم سازی سے ان کو ترقی نہیں ہو رہی ہے، اگر تحقیق کیجئے گا، تو

معلوم ہوگا کہ بینک کے کاروبار کی اوس کے سامنے کچھ بھی حقیقت نہیں جس کا اندازہ ایکڑ سون کی تنخواہ سے لگایا جاسکتا ہے، بینک میں اس قدر تنخواہ کسی ملازم کو بھی نصیب نہیں، جتنی وہاں ایک ایک ایکڑ کو دی جاتی ہے، تو کیا ان تمام ذرائع آمدنی کو محض اس دلیل سے جائز کر دیا جائے گا، کہ غیر مسلم قومیں تو اسلام کی تحریمات کی بالکل پروانہ کرکے ان ذرائع آمدنی سے سیلاب اور بیابانی آگ کی مانند بڑی تیزی سے مالی میدان میں بڑھتی جارہی ہیں، اور ان کے مقابل مسلم قوم کی قومی دولت تنزل کرتی جارہی ہے، جس کے نتیجہ میں ایک دن مسلم قوم میدانِ مالیات میں صفر بن کر رہ جائے گی"

استغفراللہ! اگر یہی ذہنیت ہے تو آگے چل کر آپ کس کس حرام کو جائز کرتے جائیں گے؟ تاریخ شاہد ہے کہ اسلام اور مسلمانوں نے دوسری قوموں کی ترقی مال و دولت پر نظر کرکے کبھی ان کا ساتھ نہیں دیا، بلکہ ہمیشہ ان ناجائز ذرائع آمدنی کے خلاف جہاد ہی کیا ہے، جو دنیا میں رائج تھے، حریت اسی کا نام ہے، اور یہ تو سراسر غلامانہ ذہنیت ہے کہ جس ناجائز طریقہ سے دوسری قومیں مالیات میں بڑھ رہی ہوں، مسلمان اسی طریقہ سے بڑھنا چاہیں، اور تاویل و تحریف کے ذریعہ اوس کو جائز کرنے کی سعی کریں، اگر مسلمانوں نے اسلام کے ساتھ وہ کیا ہوتا، جو یہود و نصاریٰ نے اپنے مذاہب کے ساتھ کیا کہ

ع زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز

تو آج اسلام بھی یہودیت اور نصرانیت کی طرح مسخ ہو کر کچھ کا کچھ بن گیا ہوتا، مگر خدا شاہد ہے کہ ہمارے بزرگوں نے زمانہ سازی سے کام نہیں لیا، ان کا تو عمل اس پر تھا ؎

گفتند جہانِ ما آیا بتو می سازد
گفتم کہ نمی سازد گفتند کہ برہم زن

وہ ہمیشہ زمانہ کے خلاف جہاد ہی کرتے رہے، اور یہی ان کی کامیابی کا راز تھا، مولانا!

آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ جانوروں مین سور سے زیادہ بچے دینے والا کوئی جانور نہین، اور اس کے کھانے والے بھی بہت تھوڑے ہین، مگر دیکھیے پھر بھی بکریون اور بھیڑون کا شمار دنیا مین زیادہ ہے حالانکہ وہ روزانہ لاکھون کی تعداد مین ذبح بھی ہوتی رہتی ہین، پس آپ یورپ کے کاروبار بنیک سے مرعوب نہ ہون، بلکہ مسلمانون کو سادہ زندگی اختیار کرنے، فضول خرچی اور عیش پرستی سے بچنے اور حلال طریقے سے روزی کمانے اور تجارت و تعلیم و صنعت و حرفت کی طرف متوجہ ہونے کی ترغیب دیجئے، اور جو لوگ مسلمانون مین سرمایہ دار اور تاجر یا زمیندار ہین، ان کو زکوٰۃ و عشر کے باقاعدہ ادا کرنے کی تاکید کیجئے، پھر دیکھیے انشاء اللہ چند ہی دنون مین

یمحق اللہ الربا و یربی الصدقات، — اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتا اور صدقات کو بڑھاتا ہے،

کا منظر کھلی آنکھون نظر آجائے گا، اور اگر ان کامون کے ساتھ سب مسلمانون نے احکام الٰہیہ متعلقہ عبادات و معاملات پر بھی عمل شروع کر دیا، تو

لن یھلک مع اللہ احد، — اللہ کو ساتھ لے کر ہرگز کوئی ہلاک و برباد نہین ہو سکتا،

کا بھی اچھی طرح مشاہدہ ہو جائے گا، پھر آپ تو کہتے ہین، کہ مسلمان بنیک کا کاروبار ترک کرنے سے میدان مالیات مین صفر رہ جائین گے، اور سید طفیل احمد صاحب (علیگ) مرحوم ہمیشہ یہ کہتے رہے کہ ربا وی کاروبار (انفرادی سود) کو ترک کر کے مسلمان تنزل کی طرف جا رہے ہین، اور ایک صاحب یہ کہتے ہین کہ مسلمان پردہ نسوان کی وجہ سے قعر تنزل مین گرتے جا رہے ہین، دوسری قومون کی عورتین بی اے، ایم اے، کی ڈگریان لے کر ترقی کے میدان مین مردون کے دوش بدوش کھڑی ہین مسلمانون کی عورتین پردہ کی وجہ سے تعلیم مین بھی پیچھے اور ترقی مال سے بھی محروم ہین، پردہ نہ ہوتا، تو یہ بھی ڈگریان حاصل کرتین

یا کم از کم سینما اور فلم کمپنیون مین ایکٹرس بن کر ہی ہزارون روپیے کی تنخواہ پاتین اور اس طرح یہ قوم بھی مالیاتی میدان مین دوسری قومون کا مقابلہ کرسکتی تھی، مصری مسلمان کہتا ہے کہ مسلمانون کو شراب کی تجارت نہ کرنے سے تنزل ہو رہا ہے، ان کو بھی دوسری قومون کی طرح شراب فروشی کرنا چاہیے فرمائیے کس کی بات مانی جائے؟ حیرت ہے کہ آپ نے بینک کے کاروبار کو صرف جائز ہی نہین، بلکہ واجب بنا دیا ہے، سارے رسالہ مین قرآن سے ایک دلیل بھی پیش کی تو ایسے لغو دعویٰ پر جس کو کوئی جاہل سے جاہل مسلمان بھی تسلیم نہین کرسکتا، فرماتے ہین کہ

"وہ نہ صرف جائز ہے، بلکہ واجب ہے، اس لئے کہ وہ اعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ کے حکم ایجابی کے تحت مین داخل ہے، کیونکہ دولتی قوت بھی ایک قوت ہے" برہنہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس دورۂ دولتیہ میں دولت ہی مرکزی قوت ہے، باقی ساری قوتین اسی قوت کی شاخین ہین،

ع ناطقہ سر بگریبان کہ اسے کیا کہئے؟

ساری دنیا جانتی ہے کہ دولت کی قوت مین یہودی قوم سب سے آگے ہے، یہودیون کے پاس اتنی دولت ہے کہ سارے یورپ کو خرید سکتے ہین،

اکالون للسحت نبرادل کے سود خوار ہین،

جو قرآن نے اُن کو لقب دیا تھا، آج بھی اُن پر صادق ہے، مگر کیا دولت کی قوت نے ان کو کچھ بھی عزت دی؟ حاشا و کلا وہ آج بھی دنیا مین اسی طرح غلام ذلیل اور خانماں برباد ہین جیسے ہمیشہ سے تھے، یورپ نے ان کو اپنے یہان سے نکال دیا ہے، اور زبردستی فلسطین مین بسانا چاہتا ہے اور کوئی قوم بھی اس ذلیل قوم کو اپنے ملک مین جگہ دینے کو آمادہ نہین،

مولانا کو تفسیر قرآن کے میدان مین قدم رکھنے سے پہلے حدیث نبوی پر بھی نظر کرنی چاہیے تھی

حدیث صحیح مین صاف تصریح ہے،

الا ان القوۃ الرمی — سن لو کہ (قوت سے) مراد تیر اندازی ہے،

یعنی طاقتِ اسلحہ،

اس زمانہ مین تیر اندازی سب سے بڑی قوت تھی اس کا نام لے دیا گیا، آج اس کی جگہ بندوق، ریوالور، مشین گن وغیرہ وغیرہ ہین، قرآن مین اس کے بعد ہے

ومن رباط الخیل ترھبون بہ — اور گھوڑے باندھو جس سے خدا کے دشمن
عدو اللہ وعدوکم — اور تمھارے دشمن پر رعب اور ہیبت طاری

اس کا صاف قرینہ ہے کہ من قوۃ سے مراد عسکری قوت اور طاقتِ اسلحہ ہے، دنیا جانتی ہے کہ اگر کسی قوم کے پاس دولت کے خزانے بھرپور ہون مگر عسکری قوت اور طاقتِ اسلحہ نہ ہو تو اس سے کوئی قوم بھی مرعوب نہین ہوسکتی، اس کے برعکس اگر طاقتِ اسلحہ کامل ہو، اور دولت زیادہ نہ ہو تو اس کا سب پر رعب قائم ہوجاتا ہے، یہ کتنی بڑی جرات ہے کہ قرآن کی آیت کو ایسے معنی پر محمول کیا جارہا ہے کہ جس سے مسلمان یہودیون کی طرح صرف سرمایہ دار ہوکر رہ جائین، اصل حقیقت کو ظاہر نہین کیا جاتا کہ قرآن مسلمانون کو عسکری قوت اور طاقتِ اسلحہ مہیا کرنے کی تعلیم دے رہا ہے، جس سے سلاطینِ اسلام نے غفلت برتی آج دنیا کی نظرون مین کمزور گنے جانے لگے، کیا ہندوستان کی اسلامی سلطنت کے پاس دولت کی کمی تھی؟ ہرگز نہین مگر عسکری نظام اور طاقتِ اسلحہ سے غفلت برتی گئی، یورپ نے نئے نئے اسلحہ ایجاد کرتا چلا گیا، اور وہ اپنے پرانے اسلحہ پر ہی قانع رہے، یورپ نے عسکری نظام کو مستحکم کیا یہ اس طرف سے بیفکری برتتے رہے فریضۂ جہاد فی سبیل اللہ کو فراموش کر بیٹھے، یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ جو آج ہمارے سامنے ہے، اور افسوس کہ اب بھی سلاطین اسلام طاقتِ اسلحہ مین یورپ ہی کے محتاج ہین، بحری جہاز ہوائی جہاز ہر قسم کے اسلحہ یورپ ہی سے خریدین تو خریدین اپنے گھر مین ان کی تیاری کا کچھ سامان نہین، (باقی)

اسلامی نظریۂ سیاست

از

مولانا حیدؔ زمان صدیقی فاضل دیوبند

(۳)

حریت عامہ اور اسلام سیاست و اجتماع کے موجودہ نظریون مین کوئی ایسا نظریہ نہین جو نسلی قومی، لسانی اور جغرافی حدود و قیود سے آزاد اور ہمہ گیر داعیۂ انسانیت کا حامل ہو، یہی وجہ ہے کہ جمہوریت ہو یا اشتراکیت اپنے مخصوص دائرۂ نفوذ و عمل سے ایک انچ بھی آگے نہین بڑھ سکتی، اور نہ یہ نظریے ہی اپنے اساسی دستور و آئین (کانسٹی ٹیوشن) کے اعتبار سے اس کے مجاز ہین، کہ وہ متعین حدود سے آگے تجاوز کرین، آج دنیا کے جمہوریت پسند ممالک اگرچہ جمہوریت کے معنی و مصداق مین اتفاق نہ رکھتے ہون، مگر اس امر پر سب متفق ہین، کہ جمہوریت نام ہے ایک ایسے نظام حاکمیت کا جس مین ملک کی مختلف پارٹیون مین اکثریت و اغلبیت رکھنے والی پارٹی (مجارٹی) اپنے تمام فیصلے خواہ وہ کتنے ہی اقلیت کش، انسانیت سوز اور ظالمانہ کیون نہ ہون، اقلیت رکھنے والی پارٹیون (منارٹیز) سے بجبر منوانے کا حق رکھتی ہے، اور مجارٹی کا ہر فیصلہ قانون کا حکم رکھتا ہے، اور ملک کی اقلیتون یا غیر ملکی اشخاص کے سامنے دو ہی راستے ہین، یا وہ اس ملک کو اپنے وجود سے پاک کردین یا اکثریت کے زیر سایہ ہمیشہ ذلت، غلامی اور حکومت کی زندگی بسر کرین، (الہجرۃ او الاسرۃ) اس بنا پر جمہوریت کی افادیت (حریت فکر اور حریت اجتماع) ایک مخصوص خطۂ ارض کے غالب اور متسلط عنصر کے لئے تو ہو سکتی ہے، مگر انسانیت مطلقہ کے لئے اس مین

راحت وامن کا کوئی پیغام نہیں ہے۔

اشتراکیت (سوشلزم) میں اگرچہ ایک حد تک عمومی داعیہ کارفرما ہے مگر حیاتِ انسانی کے سیکڑوں زوایائے فکر وعمل میں سے صرف ایک ہی زاویہ اس کا منتہائے مقصود ہے، یعنی نظامِ اشتراکیت نے انسانیت کی فلاح ونجات کو صرف اقتصادی مسئلہ کے حل کرنے اور انسانوں میں معاشی مساوات کے قیام ہی پر منحصر سمجھا ہے، اور ان مادی اغراض کا حصول ہی اس کی حد نظر ہے، اور اس کے سارے نظامِ سیاست میں صرف یہی روح کارفرما نظر آتی ہے، نیز ان نظامات میں یہ قباحت مشترکہ پائی جاتی ہے کہ ان کا پسِ منظر انسانوں پر انسانوں کا تسلط وتغلب اور سلب حریت انسانی ہے۔

اُن کے مقابلہ میں اسلام کا نظریۂ سیاست واجتماع ہر اعتبار سے ہمہ گیر اور لامحدود حیثیت رکھتا ہے، اس کی افادیت نسلی اور وطنی حدود سے آزاد اور سارے عالم انسانیت کو محیط ہے، نیز اس کی نگاہ کسی ایک شعبۂ زندگی تک محدود نہیں، بلکہ تمام شعبہ ہائے حیات پر مساوی طور پر حاوی ہے اور وہ انسانوں کی فکری، ذہنی، عملی، مادی، روحانی، دنیوی اور اخروی ضروریات میں سے کسی ضرورت سے بھی غافل نہیں۔

اسی طرح مسلمان جو اس عالمگیر نظریہ حیات کا علم بردار ہے کسی وصفِ خاص یا کسی ایک مخصوص خطۂ ارض میں نہیں سما سکتا بلکہ وہ اسلام کی طرح لامکانی لامحدود اور محیط کل ہے، دنیا کی وسعتیں اس کے قلبِ نظر کی وسعت میں نہیں سما سکتی ہیں لیکن اس کے لئے دنیا کی کوئی وسعت کافی نہیں، اس کی وسعتِ نظر پر اگر کوئی چیز حاوی ہو سکتی ہے تو وہ صرف قادر علی الاطلاق کی ہستی کا تصور ہے،

عقل خود بین دگر وعقل جہان بین دگر است — بالِ بلبل دگر وبازوئے شاہین دگر است

دگر است آنکہ بر دانۂ افتادہ زخاک — آنکہ گیرد خرمنش از دانۂ پروین دگر است

یہی وجہ ہے کہ اسلام کا موضوع بحث نفس انسانیت ہے، اور وہ دنیا کے انسانوں کو مساوی

طور پر زندہ رہنے کا حق دیتا ہے، حریتِ اجتماع اور حریتِ فکر کے لحاظ سے انسانوں کے کسی گروہ سے ترجیحی سلوک نہیں کرنا چاہتا، کیونکہ اسلامی نظریۂ حاکمیت کسی کو اس امر کی اجازت نہیں دیتا، کہ وہ احکم الحاکمین کی حاکمیت میں شریک وسہیم بن کر اس کے بندوں میں حاکم و محکوم کی تفریق پیدا کرے، اور انسانی گردنیں اس کے تختِ جلال کے سامنے جھکیں، اسلام انسانی حاکمیت مطلقہ کو کسی صورت میں برداشت نہیں کرتا، اس لئے اس کا قدرتی نتیجہ حریتِ فکر انسانی اور مساواتِ عامہ کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے،

حاکمیت اور خلافت کا فرق دراصل خلافت اور حاکمیت دو مختلف چیزیں ہیں، حاکمیت میں یہ ضروری ہے کہ اپنے احکام دوسروں سے منوائے جائیں، مگر خلافت سے مراد نیابت و جانشینی ہے، یعنی خلیفہ کو حاکم کی حیثیت حاصل نہیں ہوتی بلکہ وہ صرف نائب اور ترجمان کی حیثیت رکھتا ہے، اور جن احکام کو وہ دوسروں پر نافذ کرنا چاہتا ہے، خود بھی ان کا اسی طرح پابند ہوتا ہے، اور اس لحاظ سے کہ وہ اس زمین میں خدا کی طرف سے نیابت کے فرائض انجام دیتا ہے، اس کی حیثیت اس مزدور کی سی ہے جو اپنے آقا کی معین کردہ حدود کے اندر رہتے ہوئے اپنے فرائض انجام دیتا ہے، اور اس اعتبار سے کہ انسانوں نے اس کو اس منصب کے لئے چنا ہے، اور اس امانت کا اہل تصور کیا ہے، اس کی حیثیت ایک امین کی ہے، اور اس کا اولین فرض ہے کہ وہ اس امانت کو عدل و انصاف اور مساواتِ عامہ کی صورت میں انسانوں کو واپس کرے،

دراصل اسلامی تصورِ حاکمیت کی بنیاد ہی انسانی حاکمیت کی علی الرغم خدائے قدوس کی حاکمیت اعلیٰ پر قائم ہے، اور اسلام میں تمام انسان نفسِ انسانیت کے اعتبار سے مساوی الدرجہ ہیں، "کلکم بنو آدم و آدم من تراب" اس لئے اسلام اپنے پیروؤں کو ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ وہ انسانوں کے کسی گروہ کو اس کے جائز حقوق سے محروم کردیں یا اس سے کوئی ظالمانہ سلوک کریں،

عن عمرؓ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں

یقول لا تعذبوا الناس فان الذین یعذبون الناس یعذبهم اللہ یوم القیمۃ،

پر ظلم نہ کرو، کیونکہ جو اس دنیا میں انسانوں کو عذاب دیتا ہے، خداوند تعالیٰ قیامت میں اس کو عذاب دے گا،

(اخرجہ ابو یوسف فی کتاب الخراج)

عن معدان بن ابی طلحۃؓ انہ قال من جملۃ خطبۃ عمرؓ اللھم انی اشھدک علی امراء الامصار، فانی بعثتھم لیعلموا الناس دینھم وسنۃ نبیھم و یقسموا فیئھم ویعدلوا علیھم وما اشکل علیھم یرفعوہ الی (اخرجہ مسلم واحمد)

حضرت عمرؓ نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا، اے خدا! میں صوبوں کے حاکموں پر تجھے گواہ بناتا ہوں، کہ میں نے ان کو صرف اس غرض کے لئے بھیجا ہے، کہ وہ لوگوں کو دین، اور اپنے نبی کی سنت کی تعلیم دیں، ان میں اموالِ غنیمت تقسیم اور عدل و انصاف کریں، اگر کوئی مشکل مسئلہ ان کے سامنے آئے تو وہ میرے سامنے پیش کریں،

ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک تقریر میں ان الفاظ کے ساتھ امراء و حکام سے خطاب کیا،

الا انی لم ابعثکم امراء ولا جبابرۃ ولکن بعثتکم ائمۃ الھدی یھتدی بکم ولا تغلقوا الابواب دونھم فیاکل قویھم ضعیفھم (کتاب الخراج)

ہاں! میں نے تم کو امیر اور جابر و قاہر بنا کر نہیں بھیجا، بلکہ ائمۂ ہدایت بنا کر بھیجا ہے، کہ تم سے رہنمائی حاصل کیجائے، اور رعایا پر اپنے دروازے بند نہ کرو کہ طاقتور کمزور کو کھا جائے،

خلیفۂ دوم کے یہ الفاظ اس حقیقتِ باہرہ کا اعلان کر رہے ہیں، کہ اسلام میں خلیفہ یا امیر کا منصب صرف یہ ہے کہ وہ تقویٰ و طہارت اور اخلاق و سیرت کے اعتبار سے دوسروں کے لئے نمونہ ہوتا ہے، اور اس کا فرض ہے کہ وہ لوگوں کو دین کی تعلیم دے، اور ان کے اعمال کا محاسبہ کرے کہ کوئی بالادست زبردست پرتشدد نہ کر سکے لیکن وہ دراصل حاکم نہیں ہوتا، بلکہ خدا کی طرف سے ایک محاسب و نگران ہوتا ہے،

حریتِ فکر اور مساواتِ عامہ

یہی وجہ ہے کہ خلیفۂ اسلام کو دوسرے لوگوں پر کوئی ترجیحی درجہ حاصل نہیں ہوتا، اور نہ اس کو یہ اختیار ہے کہ وہ اپنے آپ کو دوسروں سے اعلیٰ و برتر تصور کرے، بلکہ حریتِ فکر اور حقوقِ شہریت کے لحاظ سے وہ ایک عام شہری کی حیثیت رکھتا ہے، خلیفۂ اول حضرت صدیق اکبرؓ نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد جو پہلی تقریر ارشاد فرمائی، اس کے یہ الفاظ عوام کی آزادیٔ رائے اور حریتِ فکر کے لئے برہانِ قاطع کی حیثیت رکھتے ہیں،

ایھا الناس انی ولیت امرکم و	مجھے تمہارا والی بنایا گیا ہے، حالانکہ میں
لست بخیرکم ایھا الناس انّا	تم سے بہتر نہیں ہوں، اے لوگو! میں
متبع ولست بمبتدع فان احسنت	کتاب و سنت کی پیروی کرنے والا ہوں،
فاعینونی وان زغت فقوموننی	اور اپنی طرف سے کوئی نئی بات دین میں
(ابن سعد)	پیدا کرنے والا نہیں، اگر میں ٹھیک ٹھیک
	چلوں تو میری مدد کرو، اور اگر غلط راستہ
	پر چلوں تو مجھے سیدھا کر دو۔

آپ نے ان الفاظ میں عوام کے اس حق کو کھلے لفظوں میں تسلیم کیا ہے کہ اگر خلیفۂ اسلام کوئی غلط راستہ اختیار کرے، تو عوام اس سے باز پرس اور اس کے غلط طرزِ عمل پر ہر قسم کی نکتہ چینی کر سکتے ہیں،

فتحِ شام کے بعد مجلسِ مشاورت میں ایک مسئلہ کی نسبت اختلاف رونما ہو گیا، حضرت عمرؓ نے

اس موقع پر جن خیالات کا اظہار فرمایا، اس کی مثال آج دنیا کے کسی نظام میں نہیں مل سکتی، فرمایا :-

فانی واحد کاحد کم ولست	میں بھی تمہاری طرح ایک رائے رکھتا ہوں
ارید ان تتبعوا ھوٰی الذی	اور میں یہ نہیں چاہتا کہ تم صرف میری خواہش
اھوٰی، (کتاب الخراج)	کی پیروی کرو،

ان الفاظ میں اس امر کی وضاحت ہو رہی ہے، کہ خلیفۂ اسلام صرف اپنی ایک رائے دینے کا حق رکھتا ہے، اور اس کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ اپنی ذاتی رائے کو بالجبر دوسروں سے منوائے، اور نہ وہ معاملاتِ عامہ میں ویٹو کا حق رکھتا ہے،

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا یہ دستور تھا کہ سیاسی مسائل اور احکام و قضایا میں عام مسلمانوں سے مشورہ لیا کرتے تھے، اس مقصد کے لئے انھوں نے مہاجرین و انصار کی ایک مجلس شوریٰ قائم کی تھی، آپ کے بعد حضرت عمرؓ نے اس طریق کو اور بھی زیادہ وسعت دی، خلافتِ راشدہ کے اس مقدس دور میں عوام کو ہر قسم کے اظہارِ خیال کی عام اجازت تھی، چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب اپنی مشہور کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں،

کان من سیرۃ عمرؓ انہ کان	حضرت عمرؓ کا یہ معمول تھا کہ وہ پیش آمدہ
یشاور الصحابۃ ویناظرھم	معاملات و مسائل میں صحابہ سے مشورہ اور
حتی تنکشف الغمۃ ویاتیہ	بحث و مناظرہ کیا کرتے تھے، یہاں تک
التجلج فصار غالب قضایاہ	کہ مسئلہ سے تاریکی کے پردے اٹھ جاتے
وفتاواہ متبعۃ فی مشارق	اور یقین کامل حاصل ہو جاتا، یہی وجہ ہے
الارض ومغاربھا،	کہ اُن کے فیصلے اور فتوے مشرق و مغرب

البتہ اگر وہ اپنی فراست اور بصیرت سے کسی چیز کو مسلمانوں کیلئے زیادہ مفید سمجھتا ہے جہانتک عام لوگوں کی نگاہ نہیں پہونچ سکتی، تو وہ اس وقت تک مشیروں کو سمجھاتا اور ان سے بحث کرتا رہے، جب تک ان پر بھی اس کی مصلحت ظاہر نہ ہو جائے،

اسلام میں مساواتِ عامہ اور حریت فکر و رائے کو زندگی کے ہر شعبہ میں ملحوظ رکھا گیا ہے، چنانچہ معاشی اور اقتصادی طور پر بھی خلیفۂ اسلام کو مساوی حیثیت حاصل ہوتی ہے، تقسیم اموال میں اس کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنے لئے یا کسی رشتہ دار کے لئے دوسروں سے زائد حصہ لے سکے، اسی طرح اس کو یہ اجازت بھی نہیں کہ مسلمانوں کے قومی فنڈ (بیت المال) سے مشورۂ عام کے سوا ایک حبہ بھی خرچ کرے،

ایک دفعہ حضرت عمرؓ بیمار ہو گئے، اور علاج میں شہد تجویز کیا گیا، مگر شہد بیت المال کے سوا کہیں موجود نہیں تھا، آپ نے مجمع عام میں جاکر لوگوں سے کہا کہ اگر تم مجھے اجازت دو تو میں شہد لے لوں، ایک مرتبہ آپ نے اپنی نسبت ارشاد فرمایا،

انی انزلت نفسی من مال اللہ	خدا کے مال میں میں نے اپنے آپ کو ایک
بمنزلۃ والی الیتیم ان	یتیم کے والی کا درجہ دے رکھا ہے، کہ
استغنیت استعففت وان افتقرت	فراغت کی حالت میں اس مال سے پرہیز
اکلت بالمعروف،	کروں، اور احتیاج کی صورت میں حسب
(اخرجہ البیہقی)	بقدر ضرورت کھاؤں،

قادسیہ کی لڑائی کے بعد قبائل عرب کی تنخواہیں مقرر ہوئیں، تو کچھ لوگوں نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ آپ امیر المومنین ہیں، اس لئے اپنے آپ کو اول درجہ میں رکھیں، آپ نے صاف انکار کر دیا، اور فرمایا:-

ما انا فیہ الا کاحدکم — اس مال کے استحقاق مین مین بھی عام
(کتاب الخراج) — مسلمانون کا ایک فرد ہون،

یہان تک کہ اپنے بیٹے عبد اللہ بن عمرؓ کی تنخواہ ایک غلام زادہ اسامہؓ بن زید سے بھی کم مقرر کی، اس پر حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے عرض کیا کہ جہانتک خدمات ملی اور شرکت جہاد کا تعلق ہے مین کسی موقع پر اسامہ سے پیچھے نہین رہا تو پھر کیا وجہ ہے کہ مجھے اسامہ کے برابر بھی نہین رکھا گیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ

انہ کان احب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منک وکان ابوہ احب الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من ابیک — رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تجھ سے زیادہ اس سے محبت کرتے تھے، اور تیرے باپ سے زیادہ اس کے باپ سے!

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی
کہ درین راہ فلان ابن فلان چیزے نیست

مفتوح اقوام سے حسن سلوک | واقعات عالم کے مد و جزر کا جس قدر عمیق نظر اور متانت فکر سے مطالعہ کیا جائے اسی قدر یہ حقیقت نمایان ہوتی جائے گی، کہ دنیاے انسانیت کو ہمیشہ جس چیز کی تلاش و جستجو رہی ہے، وہ آج تک اُسے میسر نہین آسکی، قرآن حکیم جو کائنات مین تنہا علوم یقینیہ کا منبع ہے، اور تاریخ الامم مین غور و فکر کرنے کے بعد ہم صرف اس نتیجہ پر پہنچتے ہین کہ زمانہ کے مختلف ادوار مین جب بھی کسی قوم کو عروج و ترقی کے مواقع حاصل ہوئے، تو اس نے اپنے حاکمانہ اغراض و مصالح کے پیش نظر دوسری اقوام کو مشق ستم بنایا، بلکہ قوم کے کسی مخصوص فرقہ و طبقہ کو اگر اقتدار حاصل ہوا تو اس نے اپنی ہی قوم کے دوسرے فرقون کے ساتھ ایسا سفاکانہ سلوک کیا، کہ نسل انسانی ان کی وحشت و بربریت پر ہمیشہ ماتم کرے گی، رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل عیسائیت کی پوری تاریخ اس پر گواہ ہے،

قبیلوی اور نسلی عصبیت، فرقہ وارانہ عناد اور مذہبی تعصب کے جو مناظر اس دور میں دیکھے گئے، اُن کے تصور سے بھی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، مگر انسانیت کی تاریخ میں کوئی ایسی مثال نہیں مل سکتی کہ کسی قوم نے اپنے جان لیوا اور سخت متعصب دشمنوں سے ہمدردانہ سلوک کیا ہو، صرف مسلمان ہی وہ سب سے پہلی اور آخری قوم ہے کہ اُس نے اپنے دشمنوں سے بھی مروت و احسان کا بے نظیر سلوک کیا جنھوں نے مسلسل اکیس سال تک ان کو ایک لمحہ بھی امن و چین سے نہ بیٹھنے دیا، اور چودہ سال تک مکہ کی بستی میں مسلمانوں پر جبر و تشدد کی انتہا کردی تھی، آخر میں مسلمانوں نے تنگ آکر اپنے گھر دن اور مال و متاع کو خیرآباد کہا اور مدینہ منورہ کو اپنا مسکن و مستقر بنایا، مگر یہاں بھی ان کو دم نہ لینے دیا گیا،

فتح مکہ کا واقعہ اگرچہ اس لحاظ سے خاص اہمیت رکھتا ہے کہ اس سے تاریخ اسلامی کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے لیکن اس سے بھی زیادہ اس واقعہ نے اس کو تاریخ عالم کا ایک بے مثال واقعہ بنادیا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شقی القلب اور سفاک دشمنوں سے جن کی خون آشام تلواروں سے اب تک مسلمانوں کا خون ٹپک رہا تھا، ایسا فراخدلانہ سلوک کیا کہ دنیا کی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے،

۸ھ میں افواج اسلامی نے مکہ کی جانب یلغار کرکے اور مکہ معظمہ سے قریب ایک مقام (مرالظہران) میں قیام کیا، ادھر مکہ والوں کو معلوم ہوا تو انھوں نے چند آدمیوں کو جاسوسی کی غرض سے بھیجا جن میں ابوسفیان بھی شامل تھے، اتفاقاً ابوسفیان مسلمانوں کے ہاتھ گرفتار ہوگئے، اور بارگاہ رسالت میں پیش کئے گئے، اور وہ اسی مقام پر حلقہ بگوش اسلام ہوگئے جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی فوج کو کوچ کرنے کا حکم دیا، تو فوج کو کئی دستوں میں تقسیم کردیا گیا، اور آپ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ ابوسفیان کو ایک طرف کھڑا کردو کہ وہ اسلامی فوج کا مشاہدہ کرے، چوتھے دستہ کے سردار حضرت سعد بن عبادہ تھے، انھوں نے ابوسفیان کو دیکھکر یہ نعرہ لگایا،

الیوم یوم الملحمۃ الیوم — آج خونریز لڑائی کا دن ہے، آج
تستحل الکعبۃ۔ — کعبہ کی حرمت اٹھا دیجائے گی،

آخری وستہ میں خود سردار دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے، ابوسفیان نے سعد ابن عبادہ کے یہ الفاظ آپ کے گوش گذار کئے تو آپ نے فرمایا :-

کذب سعد ولکن ھذا الیوم — سعد نے غلط کہا ہے آج خدا تعالیٰ
یعظم اللہ فیہ الکعبۃ — کعبہ کی عظمت کو دوبالا کریگا،

اور فرمایا :-

الیوم یوم بر و وفاء — آج احسان اور وفا کا دن ہے،

چونکہ غزوۂ احد میں شہر کے قریب مسلمان شہید ہوئے تھے، اور کفار مکہ نے کچھ لاشوں کی بے حرمتی بھی کی تھی اسلئے مسلمانوں نے قسم کھا رکھی تھی، کہ جب ہم ان پر غالب آئیں گے تو ایک ایک مسلمان کے بدلہ میں اہل مکہ کے دو دو آدمی قتل کریں گے، اس پر قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی،

وَان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما — اگر تم بدلہ لینا چاہتے ہو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنا
عوقبتم بہ۔ ولئن صبرتم — تمہارے ساتھ کیا گیا ہے، اور اگر صبر کرو تو یہ
لھو خیر للصبرین، (النحل) — زیادہ بہتر ہے،

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بالائی مکہ سے شہر میں داخل ہوئے تو ایک شخص نے بلند آواز سے کہا،

لا قریش بعد الیوم — آج سے قریش کا وجود باقی نہ رہے گا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ سنے تو فرمایا،

اکفوا عن القوم الا اربعۃ، — سوائے چار آدمیوں کے کسی کو قتل
(ترمذی) — نہ کیا جائے،

ان لوگون نے مکہ مین مسلمانون پر جو دیا تیان کی تھین، اُن کے تصور سے بھی سینہ کانپ اٹھتا ہے، مگر وہی مظلوم مسلمان فاتحانہ طور پر اُس شہر مین داخل ہوئے، جس سے وہ بیکسی کی حالت مین نکالے گئے تھے، اگر وہ چاہتے تو ان کینہ پرور اور متعصب دشمنون کا ایک فرد بھی زندہ نہ باقی رہتا، اور جنگ کے آئین کا تقاضا بھی یہی تھا کہ ان کو ایک ایک کرکے قتل کر دیا جائے، مگر رحمۃ للعالمینؐ کے سامنے جب ان ظالم اور سفاک انسانون کو پیش کیا گیا، تو آپ نے ان کی تمام سفاکیون کو نظر انداز کرکے امن عام کا اعلان کر دیا، اور عام مسلمانون نے ان پر مکمل قابو پا لینے کے باوجود اُن کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا، یہ صرف اس لئے کہ دنیا یہ جان لے کہ اسلام ساری انسانیت کا درد لے کر آیا ہے، اور بلا لحاظ مذہب و ملت تمام نوعِ انسانی کے لئے ہدایت کے ساتھ امن و راحت کا ابدی پیغام ہے،

ہست این میکدہ دعوت عام است اینجا
قسمت باده باندازهٔ جام است اینجا

اقوامِ عالم کی تاریخ مین اس قسم کی کوئی مثال نہین مل سکتی، ازمنہ مظلمہ کا ذکر چھوڑیے وجودِ مذہب اور تمدن حکومتون کے جنگی آئین (مارشل کوڈ) کا بغور مطالعہ کیجئے، اور گذشتہ جنگون کی تاریخ پر سرسری نگاہ ڈالئے کہ یہان جنگی مجرمون کے ساتھ کیا ذلت آمیز اور ظالمانہ سلوک روا رکھا جاتا ہے،

یہ صرف زمانہ رسالت کا ایک واقعہ پیش کیا گیا ہے، ورنہ اسلام کے دور اول مین مسلمانون کو جس قدر فتوحات حاصل ہوئین، انھون نے ہمیشہ مفتوح اقوام سے نہایت ہمدردانہ اور فراخ دلی کا سلوک کیا یہان تک کہ وہ لوگ ان کے بلند اخلاق، شرافتِ نفس اور کردار کی پاکیزگی کو دیکھ کر دل و جان سے ان کی حمایت کا دم بھرنے لگتے تھے، فاروق اعظمؓ کے زمانہ خلافت مین فلسطین بھی اسی طرح فتح ہوا، اور خود حضرت عمرؓ نے جس رواداری اور فراخ دلی کا ثبوت دیا وہ کسی سے پوشیدہ نہین

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ دستور تھا کہ جب کسی علاقہ کی طرف لشکر روانہ کرتے تو امیر الجیش کو ہر طرح محتاط رہنے کی ہدایت فرماتے،

عن بریدۃؓ قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا امر علی جیش او سریۃ اوصاہ بتقوی اللہ الحدیث (صحیح مسلم ص ۸۷ ج ۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی لشکر پر امیر مقرر فرماتے تھے، تو اس کو خوف خدا کی وصیت کیا کرتے تھے،

غیر مسلم رعایا اور اسلام | جب اسلام متحارب اقوام پر غلبہ پالینے کے بعد ان کے ساتھ احسان، مروت اور رحم دلی کی تعلیم دیتا ہے، تو یہ کیسے گوارا کر سکتا ہے، کہ ان لوگوں کے ساتھ کسی قسم کا ظالمانہ برتاؤ کیا جائے، جو باقاعدہ طور پر اسلامی حکومت میں رعیت کی حیثیت سے رہتے ہیں، اسلام نے ان کو بڑی فیاضی سے ہر قسم کے حقوق (حریت، اجتماع اور آزادی فکر) دیئے ہیں،

اسلام میں عصمت اموال و انفس یعنی جان و مال کی حفاظت کے دو سبب قرار دیئے گئے ہیں اسلام اور معاہدہ، اول الذکر صورت تو ہمارے موضوع سے خارج ہے، اور ثانی الذکر یعنی معاہدہ کی تین قسمیں ہیں :-

(۱) عہد الذمہ :- یعنی غیر مسلم اپنے آپ کو مکمل طور پر اسلامی حکومت کے حوالہ کر دیں، اور رعایا کی حیثیت سے نظام اسلامی کے ماتحت رہنا منظور کریں،

(۲) معاہدۂ امن :- غیر مسلم، حکومت اسلامی میں تجارت یا اور کسی مقصد کے لئے آئیں، اور امن کے طالب ہوں،

(۳) سیاسی معاہدہ :- اہل کفر ایک مستقل فریق کی حیثیت سے مسلمانوں کے ساتھ جنگ نہ کرنے اور عارضی یا مستقل طور پر باہم دوستانہ مراسم قائم رکھنے کا معاہدہ کریں،

جہاں تک اہل الذمہ یعنی رعایا کا تعلق ہے، اسلام نے ان کو ہر طرح کی مذہبی، اقتصادی، معاشی،

اور فکری آزادی عطا کی ہے، اور عام انسانی حقوق میں ان کو مسلمانوں کے برابر قرار دیا ہے، اس کے علاوہ معاملاتِ عامہ میں وہ بھی ہر قسم کے نفع و ضرر میں مسلمانوں کے ساتھ شریک ہیں، یعنی مخصوص عقائد اور عبادات کو چھوڑ کر باقی ان امور میں جن کا تعلق اجتماع (سوسائٹی) سے ہے، وہ بالکل مسلمانوں کی طرح ہیں،

فان بذلوها فلهم ما للمسلمين	اگر وہ جزیہ دینا قبول کرلیں تو پھر ہر قسم
وعليهم ما على المسلمين	کے نفع و نقصان میں مسلمانوں کے ساتھ
فان قبلوا بذل لها (ہدایہ، کتاب السیر)	شریک ہیں،

ان کے جان و مال کی حفاظت حکومتِ اسلامی کے لئے اتنی ہی ضروری ہے جتنی کہ مسلمانوں کی جان و مال کی، یہاں تک اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کردے، تو حاکم و محکوم کے امتیاز سے قطع نظر قاتل کو قصاص کے طور پر موت کی سزا دیجائے گی،

قال علی رضی اللہ عنہ من کان	جو ہمارے عہد میں آجائے، تو اس کا
له ذمتنا فدمه کدمائنا ودیته	خون ہمارے خون کے برابر اور اس کی
کدیتنا (رواہ الدارقطنی فی سننه)	دیت ہماری دیت کے برابر ہے،

خلافتِ راشدہ کے عہد میں ذمیوں کے حقوق کا اس قدر احترام کیا جاتا تھا، کہ خلیفۂ دوم نے موت سے قبل ذمیوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے خاص وصیت فرمائی،

عن عمرؓ قال اوصی الخلیفة من	میں اپنے بعد آنے والے خلیفہ کو اہل الذمہ
بعدی باهل الذمة ان	کے معاملہ میں وصیت کرتا ہوں، کہ ان
یوفی لهم بعهدهم وان	کے عہد کو پورا کیا جائے، اور ان کی حفاظت
یقاتل من ورائهم ولا یکلفوا	کے لئے جنگ کی جائے اور اس کی طاقت سے

فوق طاقتھم (کتاب الخراج) زیادہ ان پر بوجھ نہ ڈال دیا جائے،

فتح شام کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابوعبیدہؓ کو ایک فرمان لکھا تھا جس کے چند الفاظ یہ ہیں

وامنع المسلمین من ظلمھم — مسلمانوں کو ذمیوں پر ظلم کرنے، اُن کو

والاضرار بھم واکلھم اموالھم — نقصان پہنچانے، اور ان کا مال ناجائز طریقہ

واوف لھم بشرطھم الذی — پر کھانے سے منع کرو، اور جس قدر حقوق

شرطت لھم فی جمیع ما اعطیتھم — تم نے ان کو دیئے ہیں، اور اس ضمن میں جو

(کتاب الخراج) شرطیں اُن سے مقرر ہوئی ہیں، ان کو پورا کرو،

اسلام کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ سوائے میدان جنگ کے ہر حال میں انسانی جان کے احترام کو ضروری قرار دیتا ہے، اور پھر نفس انسانیت کے اعتبار سے ہر قسم کے طبقاتی، نسلی اور قبیلوی امتیازات سے قطع نظر تمام انسانوں کو ایک ہی نظر سے دیکھنا چاہتا ہے، چنانچہ اس نے مسلمان اور ذمی کے جان و مال میں قانوناً کوئی فرق نہیں رکھا ہے، چنانچہ . . . . قصاص و دیت میں دونوں مساوی درجہ رکھتے ہیں، البتہ بعض ائمہ اس کے خلاف ہیں،

ان ابابکرؓ وعمرؓ کانا یجعلان — حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ یہودی اور نصرانی

دیۃ الیھودی والنصرانی — کی دیت اُن کے معاہد ہونے کی حالت

اذا کانا معاھدین دیۃ الحر — میں آزاد مسلمان کی دیت کے برابر

المسلم (دارقطنی) قرار دیتے تھے،

اسلامی عدالت میں جب اس قسم کا مقدمہ پیش ہوتا جس میں ایک فریق غیر مسلم ہوتا تھا، تو قانون شریعت کے مطابق پورے انصاف سے فیصلہ کیا جاتا تھا، اس قسم کے بیشمار واقعات ہیں، کہ مسلمان کے مقابلہ میں غیر مسلم کے حق میں فیصلہ دیا گیا،

اسی طرح مال وجائداد کی حفاظت اور اقتصادی اور معاشی آزادی کے لحاظ سے بھی اسلام نے غیر مسلم رعایا کو مسلمانوں کے برابر، اور ان کے اموال کو اموالِ مسلمین کی طرح معصوم قرار دیا ہے، یہاں تک کہ خلافتِ راشدہ کے دور میں مفتوحہ ممالک کی زمینیں اصل باشندوں کے قبضہ میں رہتی تھیں، اور مسلمانوں کو ان کے خریدنے سے منع کر دیا گیا تھا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے اہلِ عرب کو زراعت سے روک دیا تھا، اور تمام افسروں کے نام احکام بھیجدیئے، کہ مسلمانوں کے روزینے مقرر کر دیئے جائیں تاکہ کوئی زراعت نہ کرنے پائے، مصر میں شریک ابن سمی نے اس حکم کی خلاف ورزی کی تو حضرت عمرؓ نے ان کو ان الفاظ میں تنبیہ فرمائی،

"میں تجھ کو ایسی سزا دوں گا جو آیندہ نسلوں کے لئے عبرت ہوگی"

اسی طرح غیر قوموں کی تجارت پر کسی طرح کی پابندی نہیں تھی، بلکہ بعض حالات میں مقررہ ٹیکس کی مقدار بھی کم کر دی جاتی تھی، تاکہ باہر کے تجارت پیشہ لوگ ملک میں تجارت کو فروغ دیں، حضرت عمرؓ نے شام کے قبطی تاجروں کے لئے جو روغن زیتون اور گیہوں کی تجارت کرتے تھے عُشر کو نصف کر دیا تھا، (موطا امام مالکؒ)

اسی طرح حکومت کے ان معاملات میں جن کا تعلق مفادِ عامہ سے ہوتا تھا، ان کو رائے دینے کا حق ہوتا تھا، اور ان امور میں جن کا تعلق خود اُن کے معاملات سے ہوتا تھا، ان کی رائے کو ترجیح دی جاتی تھی، چنانچہ عراق کے بندوبست کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ نے وہاں کے سرکردہ لوگوں کی رائے طلب کی تھی، (کتاب الخراج)

جزیہ کی وصولی میں رعایت ذمیوں کے حقوق کی نگرانی اور فوجی حفاظت کے بدلہ میں ان سے نہایت حقیر رقم وصول کی جاتی تھی جس کو جزیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اعلیٰ طبقہ کے لوگوں سے ۴۸ درہم (۱۲ روپیہ) سالانہ، متوسط طبقہ سے ۲۴ درہم (۶ روپیہ) سالانہ، اور عام پیشہ وروں سے ۱۲ درہم (۳ روپیہ) سالانہ،

اس کے مقابلہ میں مسلمانوں سے زکوٰۃ عشر اور دوسرے صدقات کے طور پر جو رقم وصول کی جاتی تھی، وہ اس سے بدرجہا زیادہ ہوتی تھی،

جزیہ کی اس حقیر سی رقم کی وصولی میں بھی انتہائی احتیاط اور نرمی اختیار کی جاتی تھی، کسی قسم کا جبر نہیں کیا جاتا تھا بلکہ ان کو زیادہ سے زیادہ رعایت دی جاتی تھی، اور اگر کوئی نادار اور محتاج ہوتا تو اس کے لئے بیت المال سے وظیفہ مقرر کیا جاتا تھا، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں حضرت خالدؓ نے حیرہ کے عیسائیوں سے جو معاہدہ کیا تھا، اس میں یہ شرط بھی داخل تھی، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے زمانۂ خلافت میں اس کا التزام کیا، یعنی ذمیوں کے ناداروں اور مریضوں کے وظائف مقرر کئے گئے،

مسلمانوں کے حسن کردار کا ذمیوں پر اثر

مسلمانوں کے اس منصفانہ طرز عمل سے یہ لوگ اس قدر مطمئن تھے، کہ اختلافِ مذہب کے باوجود وہ مسلمانوں کی بلندی کردار کی تعریف میں رطب اللسان رہتے تھے، ایک دفعہ حضرت عمرؓ کی خدمت میں ایک وفد آیا، آپ نے ارکانِ وفد سے دریافت کیا کہ غالباً ذمیوں کو مسلمان تنگ کرتے ہوں گے؟ اس کے جواب میں سب نے یک زبان ہو کر کہا

ما نعلم الا وفاءً او حسن ملکۃ — ہم مسلمانوں کی نسبت وفا اور حسنِ اخلاق کے سوا کچھ نہیں جانتے، (طبری)

فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں جب آذربائیجان کا علاقہ فتح ہوا، تو عبدالرحمٰن بن ربیعہ کو اس علاقہ کا گورنر بنایا گیا، ایک دفعہ ایک سابق بادشاہ کا ایک شاہزادہ اُن کے پاس آیا، اُس کے ہاتھ میں ایک نہایت خوبصورت انگوٹھی تھی، عبدالرحمان بن ربیعہ نے دریافت کیا، کہ یہ کہاں سے لائے ہو؟ کہا میرے باپ نے ایک حکمران کو لکھا تھا، اس نے ایک بیش بہا ہیرا بھیجا، جو اس انگوٹھی میں جڑا ہے، اگر آپ لینا چاہیں تو لے سکتے ہیں، عبدالرحمٰن بن ربیعہ نے جواب دیا ہرگز نہیں، مسلمان جب کسی ملک پر حملہ کرتا ہے تو اس کا

مقصد لعل وجواہر اور سونا چاندی نہیں، بلکہ اعلاے کلمۃ الحق ہوتا ہے، ان کے اس طرز عمل سے شاہزادہ اس قدر متاثر ہوا کہ اسی وقت حلقہ بگوش اسلام ہوگیا، اور کہا کہ اگر کوئی ایمان کا حاکم ہوتا تو مجھ سے جبراً چھین لیتا، مگر میں سمجھتا ہوں کہ مسلمان کا کردار بہت بلند ہے،

رومی اگرچہ مذہباً عیسائی تھے، مگر شام کے عیسائیوں نے رومیوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا ساتھ دیا، اور مسلمانوں کے دست راست بن گئے،

فلمّا رأی اھل الذمّۃ وفاء	جب ذمیوں نے مسلمانوں کی وفا اور حسن
المسلمین لھم وحسن السیرۃ	سیرت کو دیکھا تو وہ مسلمانوں کے دشمنوں
فھم صاروا اشداء علی عدوالمسلمین (ج ۱ ص ۱۰۰)	کے مقابلہ میں سخت اور اُن کے خلاف مسلمانوں
وعونا للمسلمین علی اعدائھم (ج ۱ ص ۱۰۰)	کے حامی بن گئے،
تو نخل خوش ثمرے کیستی کہ باغ دہر	ہمہ ز خویش بریدند با تو پیوستند

بین الاقوامی معاہدات کا احترام | معاہدہ کی تیسری قسم جس کو سیاسی معاہدہ کا نام دیا گیا ہے، وہ معاہدہ ہے جو ایک یا ایک سے زائد اقوام کے ساتھ عمل میں آتا ہے، خواہ یہ معاہدہ مستقل اور غیر معین عرصہ کے لئے ہو، یا معین مدت کے لئے اسلام میں ایسے معاہدات کا احترام ہر حال میں ضروری ہے، جبتک کہ دوسری طرف سے نقض عہد کی ابتدا نہ ہو مگر دوسری طرف سے اگر نقض عہد ہو تو اس صورت میں کسی اخلاقی ضابطہ کی رو سے معاہدہ کی پابندی لازمی نہیں ہوتی، اس بنا پر قرآن کریم بھی مسلمانوں کو اجازت دیتا ہے، کہ وہ اس صورت میں عہد کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دشمنوں کے مقابلہ میں کھڑے ہوجائیں،

وَاِمَّا تخافنّ من قوم خیانۃ	اگر آپ کو کسی قوم سے نقض عہد کا اندیشہ ہو
فانبذ الیھم علی سواء،	تو آپ بھی اُن کے معاہدہ کو ان کے منہ
	پر پھینک ماریں،

موجودہ اقوام بین الاقوامی معاہدات کی جس طرح مٹی پلید کرتی رہتی ہین، وہ انسانیت کی پیشانی پر بدنما داغ اور اخلاق وشرافت کے لئے باعث ننگ ہے، ان کے نزدیک معاہدہ کمزوریون اور مجبوریون کی پیداوار ہے، اور مجبوری ختم ہوتے ہی معاہدہ کی قدر وقیمت کاغذ کے پرزے سے بھی کم رہ جاتی ہے، اس کی وجہ اقوام حاضرہ کی مادہ پرستی اور اخلاق وروحانیت سے بے نیازی ہے، جن قومون مین قومی اور اجتماعی مقاصد کی خاطر بڑے سے بڑا جرم بھی نیکی اور ثواب کا درجہ رکھتا ہے، اُن سے یہ کسی طرح بعید نہین کہ وہ کسی ایسے مفاد کے لئے دو قومون کے شریفانہ معاہدہ کے پرزے اُڑادین، آج نہین بلکہ ہمیشہ سے اہل کفر کا یہی شعار رہا ہے،

قاتِلُوا ائمة الکفر اِنَّھُمْ	اے مسلمانو! کفر کے سردارون سے جہاد
لَآ اَیمَانَ لَھُمْ لَعَلَّھُمْ	کرو، یہ قسمون کے پابند نہین ہین تاکہ وہ
یَنتَھُوْنَ،	بدعہدیون سے باز آجائین،

اسلامی نظریۂ سیاست کی بنیاد اخلاق اور مابعد الطبیعی تصورات پر ہے، اس لئے اسلام کسی حالت مین عہد شکنی کی اجازت نہین دیتا، بلکہ عہد کی پابندی نہ کرنے والون کو سخت سزا کی دھمکی دیگئی ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے متعاہد اقوام کے مقابلہ مین مسلمانون کی امداد واعانت سے بھی منع کردیا ہے،

وَاِنِ اسْتَنصَرُوکُمْ فِی	اگر وہ (مسلمان) تم سے دین
الدِّیْنِ فَعَلَیْکُمُ النَّصْرُ اِلَّا	کے معاملہ مین مدد مانگین، تو تمھارے
عَلٰی قَوْمٍ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَھُمْ	ذمہ مدد کرنا واجب ہے، مگر اس قوم کے
مِّیْثَاقٌ	مقابلہ مین نہین کہ تم مین اور ان مین باہم
(انفال-۱۰)	عہد (صلح کا) ہو،

نیز اسلام میں پابندی عہد کی اہمیت کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے، کہ اسلامی فوج کا ایک ادنی فرد کفار کے کسی فرد یا قوم سے معاہدہ کرلے، تو اسلام میں تمام مسلمانوں پر اس کی پابندی لازمی ہے،

المسلمون تتکافؤ دماؤھم	مسلمانوں کے نفوس (شریف و وضیع
ویسعی بذمتھم ادناھم	کے علی الرغم) قصاص و دیت میں مساوی
(ای اقلھم وھو الواحد)	ہیں، ان میں سے کسی ایک کا کفار کے
	کسی فرد یا جماعت سے عہد کرنا تمام
(اخرجہ الدارقطنی وابن ماجہ)	مسلمانوں کی طرف سے کافی ہوتا ہے،

(باقی)

انقلاب الامم

ڈاکٹر لیبان کی مشہور کتاب قوموں کی ترقی و تنزل کے قوانین نفسی کا خلاصہ جس کو پڑھکر یہ معلوم ہوسکتا ہے، کہ دنیا میں قومیں کیونکر بنتی اور بگڑتی ہیں،

ضخامت ۱۶۲ صفحے، قیمت عہ

روح الاجتماع

موسیو لیبان کی کتاب جماعتہائے انسانی کے اصول نفسیہ کا اردو ترجمہ جس میں انسانی جماعت کے اخلاق، پبلک رہنماؤں کی خصوصیات، اور جماعتوں کے بننے بگڑنے کے قوانین نفسی بیان کئے گئے ہیں، ضخامت ۲۳۲ صفحے،

قیمت :- عہ

"منیجر"

کتابخانۂ اکیڈمی آف اسلامک ریسرچ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس

کے

چند نادر الوجود مخطوطات

از

مولوی عبد الحمید خان صاحب ریڈر شعبۂ فارسی جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن

گذشتہ فروری مین کانفرنس کے سالانہ جلسہ سے فراغ کے بعد حضرت قبلہ نواب صدر یار جنگ بہادر مدظلہ العالی کے ارشاد سے کتابخانہ سلطان جہان منزل کا فارسی ذخیرہ دیکھنے کی مسرت حاصل ہوئی، جناب ممدوح کا حکم تو یہ تھا، کہ عربی اور فارسی کتابون کی فہرست از سر نو مرتب کردی جائے، مگر میرے حیدرآباد لوٹنے مین صرف چار روز رہ گئے تھے، تین روز کی قصیر مدت مین سب کو فن وار ترتیب دینا اور مختصر سا مختصر نوٹ لکھنا بھی دشوار تھا، اس لئے اپنے حالیہ مشغلہ اور دلچسپی کے لحاظ سے فارسی کتابون مین نفس اُن کی نایابی یا ان کی تحریر کی مدت یا خط کی خوبی وغیرہ کسی حیثیت سے جو نادر اور کمیاب نسخے نظر آئے، خاص کر ان پر عاجلانہ مطالعہ کے بعد جیسے کچھ توضیحی نوٹ بن پڑے لکھ کر جناب ممدوح کی خدمت مین پیش کردئے، مین جانتا ہون کہ ان مین بہت کچھ اضافہ کی گنجایش ہے، جس کو مجھ سے زیادہ فرصت اور قابلیت رکھنے والے اصحاب انشاء اللہ پوری کردینگے

پھر بھی اس ناچیز کی حوصلہ افزائی کے لئے جناب ممدوح نے ازراہ بزرگانہ شفقت یہ عبارت تحریر فرمادی جس کو تبرک کے طور پر میں نے اپنے پاس رکھ لیا ہے،

"میں نے فہرست ہذا پڑھی، کاوش اور تحقیق سے لکھی گئی ہے، جس کی بابتہ شکریہ بجانب فہرست نگار کا نفرنس ادا کیا جاتا ہے،

(حبیب الرحمٰن سکرٹری)

مندرجہ کتابوں پر میرے اپنے ترتیبی نمبر ہیں، کتابخانہ کی فہرست میں ان کے نمبر اور ہیں، وما توفیقی الا باللہ،

(۱) مثنوی ولدی در بیان اسرار احدی، اس مجموعہ میں دو مثنویاں ہیں، جو حضرت مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمہ کے فرزند حضرت سلطان ولد کی تصنیف ہیں،

پہلی مثنوی کا وزن "فاعلاتن مفاعلن فعلن" ہے،

سلطان ولد نے اس کی جو وجہ تصنیف لکھی ہے، وہ انہی کے الفاظ میں زیادہ لطف دیگی،

"غرض از انشاء این مثنوی ولدی در بیان اسرار احدی آن بود کہ حضرت والدم و شیخم سلطان العلماء والعارفین جلال الحق والدین محمد بن محمد بن الحسین البلخی، در مثنوی خود قصہ ہا و اولیای گذشتہ را ذکر کردہ است ذکر کرامات و مقامات ایشان و بیان فرمودہ غرض از قصہ ہا ایشان اظہار کرامات و مقالات خود بود و ازان اولیا کہ ہمدل و ہمدم و ہمنشین او بودند مثل سلطان الواصلین سید برہان الدین

(ترجمہ ملخصاً) مثنوی ولدی در بیان اسرار احدی لکھنے کی غرض یہ تھی کہ حضرت والد نے اپنی مثنوی میں پچھلے اولیاء کے جو قصے اور ان کی کرامات و مقامات بیان کئے ہیں، اس سے ان کا مقصد اپنے کرامات و مقامات اور ان اولیاء کے (کرامات و مقامات) کا اظہار تھا، جو ان کے ہم دل، ہمدم اور ہم نشین تھے اس لئے اپنے اور ان کے

محقق ترمذی، وسلطان المحبوبین والمشوقین
شمس الدین تبریزی وقطب الاقطاب
صلاح الدین زرکوب قونوی ونزہۃ
الاولیاء والسالکین، حسام الدین چلپی
ولد اخی اخی ترک قونوی .....
احوال خود را واحوال ایشان را بواسطہ
قصہ ہای پیشین را آنجا درج فرمود،
خوشتر آن باشد کہ سر دلبران
گفتہ آید در حدیث دیگران
لیکن چون بعضے را آن فطانت وزیرکی
نبود کہ مقصد وقہ حال را فہم کنند وغرض او را
بدانند، درین مثنوی مقامات وکرامات
حضرتش وازان صاحبان کہ ہمدم او بودند
.....شرح کردہ شد تا مطالعہ کنندگان
مستمعان را معلوم شود کہ آن ہمہ احوال او
ومصاحبانش بودہ است تا شبہہ وگمان
از ایشان برود،

احوال کو پچھلے بزرگون کے تصوّن کے
پردہ مین درج کیا، لیکن چونکہ بعض
لوگون مین اتنی زیادہ سمجھ نہین ہوتی
کہ ان حالات اور ان کو پردہ مین
بیان کرنے کی غرض کو سمجھ سکین،
اس لئے اس مثنوی مین حضرت والد
اور اُن کے ہمدم صاحبون کے مقامات
وکرامات کی تشریح کی گئی، تاکہ پڑھنے
اور سننے والون کو معلوم ہو جائے، کہ
تصوّن کے پردہ مین بیان کئے ہوئے
حالات خود ان کے اور ان کے ہم نشینون
کے ہین، اور (ان کے متعلق) جو شبہات دل
مین ہون دور ہو جائین،

اس مثنوی کا آغاز ابتداے ربیع الاول ۶۷۰ھ مین ہوا، اور تکمیل اسی سنہ کی چوتھی جمادی الاخر
کو یعنی دو مہینے مین ختم ہوئی،

مطلع این بیان جان افزا — بود در شش صد و نود و یا را
گفته شد اول ربیع الاول — گر فزون گفتت این مگر اطول
مقطعش هم شدست اے فاخر — چارمین مه جمادی آخر

دوسری مثنوی کی بحر وہی ہے، جو مثنوی مولانا روم کی ہے، اس کی وجہ تصنیف یہ لکھتے ہین کہ

بزرگے از بزرگان اہل دل بطوریق اعتقاد — (ملخص ترجمہ) اس مثنوی کے لکھنے کا سبب یہ
واستدعا کرد و التماس نمود کہ بوزن الہی نامہ — ہوا کہ ایک اہل دل بزرگ نے عقیدتمندانہ
خواجہ سنائی رحمۃ اللہ علیہ کتابے انشا فرمودہ — درخواست کی کہ خواجہ سنائی کی مثنوی الہی نامہ
توقع است کہ بر وزن مثنوی خداوندکار مولانا — کے وزن پر تو آپنے ایک مثنوی لکھدی ہے
قدس سرہ العزیز مثنوی انشا فرمایند، جہت — (مگر) ہم کو امید ہے، کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ
خواطر دوستان کہ بران وزن از خواندن بسیار — کی مثنوی کے وزن پر ایک مثنوی اور لکھ دینگے،
خوگر دہ اند، و این وزن در طبعشان نشستہ است — ان احباب کی خاطر جو اس وزن (کے اشعار)
کتابے دیگر بسازند، زیرا کہ ہر نظم کہ گفتہ آید — ہمیشہ پڑھتے رہنے سے اس کے خوگر ہو گئے
بطریق تتبع و تشبہ حضرتش بودہ است ہمہ بر — ہین، اور یہ وزن ان کے دل نشین ہو گیا ہے،
وزن کتابے ساختن اولی بود زیرا کہ معنی — نیز اس لئے کہ اب تک ہر نظم مین آپ نے
متابعت و مشابہت درین اجل و اکمل است — حضرت مولانا کا تتبع اور تشبہ ملحوظ رکھا ہے،
بموجب التماس آن بزرگ وجہت آن کہ — اس وزن پر دوسری مثنوی لکھنے سے
نے بحضرت مولانا قدس سرہ العزیز مخصوص — متابعت اور مشابہت کا مقصد زیادہ
و منسوب ست این مثنوی را از رباب — بہتر اور مکمل صورت مین پورا ہو جائے گا،
آغاز کردہ شد — اس بزرگ کے التماس سے اور اس لئے

بھی کہ (لفظ) نے حضرت مولانا رحمہ اللہ
کے ساتھ مخصوص و منسوب ہے، اس
مثنوی کو "رباعی" کے لفظ سے شروع کیا گیا،

اس مثنوی کا آغاز ۷۰۰ھ ہجری مین ہوا، اور تکمیل تقریباً ۵ مہینہ مین اسی سنہ کی ذی الحجہ کو،

رو و لہ خامش کش این سرور از — گرچہ داری در درون دریای راز
غرۂ شعبان شد آغاز کتاب — در سنہ سبع مائۃ بہر ثواب
در مہ ذی حجہ شد ہم این تمام — تا نماند بر خور معنی عنام

دونون مثنویون مین ہر نظم سے پہلے چند سطری نثر کے عنوانات ہین، جن مین ان چیزون کی مختصر تشریح ہے، جن پر اشعار مین خیال آرائی کی گئی ہے،

دونون کے شستہ اور پختہ الفاظ اور چست بندش مصنف کی کمال شاعری اور پختہ مشقی کی دلیل ہین، سہیلی مثنوی کا انداز بیان مولانا رحمہ اللہ کی مثنوی سے اس قدر ملتا جلتا ہے کہ اگر دونون کے اشعار ملا دیئے جائین تو فرق کرنا دشوار ہو جائے گا،

پہلی مثنوی کے دیباچہ مین اپنی غزلیات اور ان مین حضرت مولانا کے خیالات اور اسلوب بیان کے ساتھ تشبیہ ملحوظ رکھنے کا بھی ذکر کیا ہے، یہ مثنوی حجم مین دوسری مثنوی سے کم ہے،

اس مجموعہ کی تقطیع متوسط ہے، جدولین کاغذ اور خطا بالکل یکسان ہے، چند صفحون کے سوا جو بخط نستعلیق ہین ساری کتاب نسخ مین ہے، اور ایک ہی شخص کی لکھی ہوئی معلوم ہوتی ہے، کاتب نے اپنا نام نہین لکھا صرف تاریخ اور سنہ کتابت لکھ کر چھوڑ دیا ہے،

"تمت الکتاب سہ شنبہ روز بیست و ہم ماہ محرم الحرام سنہ اثنین وستین وسبعمائۃ

(سنہ ۷۶۲ ہجری)

یہ مجموعہ ہر اعتبار سے قیمتی اور قابلِ قدر ہے،

(۲) تحفۃ الاخبار، یہ مدراس کرناٹک اور میسور کے مقامی حالات کی عمدہ تاریخ ہے جس کو منشی غلام حسین خان نے ایلیٹ صاحب گورنر مدراس کے عہدِ حکومت مین لکھا ہے، اس مین پانچ فصلین ہین،

پہلی فصل مین ان رؤسا کرناٹک کے حالات ہین جو عہد عالمگیری سے سنہ ۱۲۱۵ ہجری تک برسرامارت رہے ہین،

دوسری فصل مین مدراس کے گورنرون اور ان کے طرز حکومت کا ذکر ہے،

تیسری فصل مین انگریزی قوانین کے متعلق اظہار رائے کیا گیا ہے،

چوتھی فصل مین انگریزون کی معاملہ فہمی اور عدل وانصاف کا بیان ہے،

پانچوین فصل مین کرناٹک کے قدیم جاگیردارون اور باجگذار رؤسا کے حالات ہین، یہ حالات وواقعات کس حد تک صحیح اور قابلِ اعتماد ہین، اس کا فیصلہ تاریخ دان ہی بہتر کر سکتا ہے،

زبان صاف وروان ہے، کاغذ قدیم سبزی مائل خط عمدہ اور تقطیع بڑی صفحات کی تعداد ۱۱۶ سنہ تصنیف سنہ ۱۲۳۴ھ مطابق سنہ ۱۸۱۵ء نسخہ مکمل وبے عیب ہے،

(۳) لغاتِ عالمگیریہ، فہرست مین اس کا نام صحاح اللغات غلط درج ہوا ہے، مصنف فاضل خان امرائے عالمگیری مین سے ہے، غالباً دربار شاہی مین تحفۃً پیش کرنے کی غرض سے جیسا کہ دیباچہ مین اشارہ کیا ہے:-

"خانہ کتحفۃ والہدیہ الی الملک الہام....."

لکھ کر اس کا نام "تحفہ عالمگیریہ" رکھا ہے،

یہ لغت کی ایک محققانہ اور مبسوط کتاب ہے، قرآن مجید، احادیث، رجال وانساب کے لغات نیز مشائخ کے ان محاورات کی تشریح جن میں علماء کو اختلاف رہا ہے، بہت خوبی سے کی ہے، جن الفاظ کے ساتھ تاریخی واقعات یا مذہبی خیالات وابستہ ہیں، ان کو پوری تفصیل اور جامعیت سے لکھا ہے، مصنف کو زبان اور بیان پر پوری قدرت حاصل ہے، یہ کتاب کمیاب ہے، دیکھا تو نہیں سنا ہے کہ اس کا ایک نسخہ کتاب خانہ آصفیہ میں بھی ہے، تقطیع بڑی ہے، کاغذ قدیم خانی مگر خط زیادہ قدیم نہیں معلوم ہوتا، ناقص الآخر ہونے سے سنہ کتابت کا پتہ نہیں چلا،

(۴) مکتوبات حضرت امام ربانیؒ، اس کتاب کا جامع اور مؤلف یار محمد بدخشی طالقانی ہے، بہت عمدہ اور بے عیب نسخہ ہے، محمد شاہ بادشاہ دہلی کے عہد میں کسی امیر "ہدایت اللہ خان" نامی کی فرمائش سے لکھا گیا، کاتب کا نام محمد بیگ ہے، سنہ وتاریخ کتابت نمبر ۵، رجب ۱۳ جلوس، آخری صفحہ پر سید غلام خواجہ جمالی کی مہر اور انہی کے قلم کی لکھی ہوئی عبارت ہے،

"بدست خود مہر کردم شب، ۱۲ صفر المظفر ۱۲۷۵ھ"

(۵) تصحیح لغات فرس، یہ کتاب شاہ طہماسپ صفوی کے عہد کی تصنیف ہے، مصنف حسین وفائی نے دیباچہ میں لکھا ہے، کہ اس کے لغات تین رسالوں سے ماخوذ ہیں جن میں سے ایک محمد بن محمد فخر الدین ہندو شاہ منشی نے خواجہ محمد غیاث الدین محمد رشید کے نام پر لکھا ہے، دوسرا شمس فخری نے امیر شیخ ابو اسحٰق بن امیر محمود شاہ انجو کے نام پر، تیسرا شمس الدین محمد کشمیری نے،

اکثر لغات کے شواہد میں اساتذہ کے اشعار بھی درج کئے ہیں، یہ لغت ہے تو مختصر سا مگر بہت مفید اور بصیرت افروز ہے، خاص بات یہ ہے کہ ایران میں تصنیف ہوا، ورنہ فارسی کے اکثر مروجہ لغات ہندوستان

مین تصنیف ہوئے ہین،

تقطیع چھوٹی کاغذ باریک اور خط پختہ ہے ۱۰ شوال ۹۴۱ھ مین بمقام احمد نگر لکھا گیا ہے،

(۶) در مجالس، مصنفہ سیف ظفر برہان، یہ کتاب ۳۳، ابواب پر مشتمل ہے، ابتدائی دس باون مین حضرت آدم علیہ السلام سے حضور سرور کائنات علیہ افضل التحیات تک انبیا کے فضائل ہین، باقی مین مذہبی قصص و حکایات، کاتب کا نام محمد طاہر ابن محمد حسین بن شمس الدین محمد ہے، لاہور مین ۴ رجب ۴۶ جلوس عالمگیری مین لکھی گئی، نسخہ صاف اور خوشخط ہے،

(۷) ابیات من کلمات الصوفیہ، یہ ایک چھوٹا سا چھوٹی سی تقطیع پر قدیم چھپا ہوا رسالہ ہے جس کو مصنف نے کسی امیر عبداللہ خان کے دربار تک رسائی کا وسیلہ بنانے کے لئے لکھا ہے، چھوٹی چھوٹی حدیثون، اقوال صحابہ اور کلمات صوفیہ کا مفہوم چار چار مصرعون مین ادا کیا ہے، اوپر جلی خط مین حدیث یا قول صحابی یا کلمات صوفیہ لکھے ہین، اور اُن کے نیچے چار مصرعہ دیباچہ عربی مین ہے جس کا صرف ایک ورق رہ گیا ہے، اور کتاب کے آخر مین لگا ہوا ہے،

شاعر کے نام تخلص اور زمانہ کا پتہ نہین چلا، کلام کا انداز ایرانی ہے، اور طباعت بھی وہین کی معلوم ہوتی ہے،

(۸) جنت الفردوس، مذہبی رسالہ ہے، اس کی ۳۱ فصلین ہین جن مین نماز قرآن خوانی، اور صبر وغیرہ کے فضائل درج ہین، کاغذ اور خط معمولی ہے، مصنف کا نام اور سنہ تصنیف معلوم نہ ہو سکا، صرف اتنا ظاہر ہوا کہ حاجی ابن ترک سلطان کمال الدین کے ایما سے لکھا گیا ہے،

(۹) رسالہ در فقہ فارسی، اول اور آخر سے ناقص ہے، اس لئے مصنف کے نام اور سنہ تصنیف کا پتہ نہ چل سکا، ص ۱۴۱ کے بعد والے دو صفحے غائب ہین، نکاح، وصیت اور قصاص وغیرہ کے مسئلے بحوالہ کتب وائمہ مختصراً لکھے ہین، مسائل کے ضمن مین بعض ائمۂ فقہ کے حالات بھی درج کر دیئے ہین کاغذ

خفائی قدیم اور رسم الخط نسخ ہے، اور موجودہ صفحات کی تعداد ۲۲۱ ہے، بہ حیثیت مجموعی رسالہ بہت اچھا اور کارآمد ہے،

(۱۰) گمنام رسالہ، فہرست مین اس کا نمبر ۳۰ ہے، آگے گمنام لکھا ہوا ہے، اس مجلد مین پہلا رسالہ فقہی مسائل کا عربی مین ہے، جس کے نام اور مصنف کا پتہ نہ چلا، دوسرا رسالہ شیخ علی متقی کے رسالہ العبارۃ الفصیحہ فی الوعظ والنصیحۃ کا پہلا حصہ ہے، مصنف کا پورا نام علی بن حسام الدین مشہور متقی ہے، جلد ساز کی غلطی سے صفحہ ۵ اور ۶ کے درمیان ۵ ورق کسی اور رسالہ کے آگئے ہین، جو عربی مین ہین، کاغذ چکنا اور قدیم ہے، تقطیع چھوٹی اور خط معمولی،

(۱۱) بدائع الانشاء اس کتاب کے سابق مالک عبدالغنی صاحب نقطہ نما چشتی قادری ساکن نلگنڈہ (ریاست حیدرآباد دکن) نے سرورق پر ایک مختصر سے نوٹ مین داد تحقیق یہ دی ہے کہ بادشاہ ہمایون نے اپنے فرزند عزیز قرۃ العین رفیع الدین حسین کی تعلیم و تربیت کے لئے میر منشی یوسفی سے تصنیف کرائی، لیکن مصنف لکھتا ہے، کہ

"این رسالہ ایست مسمّی بہ بدائع الانشاء مشتمل بر محاورات خطابی وجوابی کہ جہت فرزند عزیز قرۃ العین رفیع الدین حسین طال عمرہٗ وسائر طالبان در حین عبارت و قید کتابت می آید"

اس عبارت کے انداز اور الفاظ کی نوعیت سے صاف ظاہر ہے، کہ یوسفی نے اپنے ہی بیٹے اور دوسرے طلبہ کے لئے یہ انشاء لکھی ہے، ہمایون بادشاہ کا کوئی بیٹا رفیع الدین حسین نامی نہ تھا،

مقدمہ مین قابل مصنف نے انشاء کی تقسیم اس طرح کی ہے :-

"فن انشاء منقسم می شود، بدو قسم یکے توقیعات کہ مضامین آن منطوی بہ مشلہ و

"احکام سلاطین و حکام است، و دیگر محاورات که تراکیب آن مواد و صور مکاتبان مفاوضات است"

و محاورات منقسم می شود به سه قسم از برای آنکه خالی ازان نیست که رتبهٔ مکتوب الیه از کاتب بلند تر است یا فرو تر یا مساوی است اگر بلند تر است مرافعات گویند اگر فرو تر است رقاع و اگر مساوی است مراسلات، و هر ایک ازین اقسام ثلثه منقسم می شود به خطابی و جوابی"

نمونہ کے طور پر جتنے خطوط اور مراسلات درج کئے ہین، ان مین الفاظ کا حسن انتخاب، فقرون کا ربط، ان کی شستگی اور پختگی، مصنف کی اعلیٰ قابلیت اور پختہ مشقی کا روشن ثبوت ہے، سنہ تصنیف مصنف کے ان اشعار سے سنہ ۹۴۰ھ نکلتا ہے،

این نامہ کز دست فن انشا بہ نظام — کردہ خردش بدائع الانشا نام
تکرار کنی چو نام او در ایک بار — شک نیست کہ رہ بری بہ سال تمام

بحساب جمل "بدائع الانشا" کے اعداد ۹۴۰ ہوتے ہین، جن کی تکرار سے سنہ ۹۴۰ ہجری نکلتا ہے،

یہ کتاب بہت کمیاب ہے، یاداگر غلطی نہین کرتی، تو اس کا ایک نسخہ صرف رامپور کے کتابخانہ مین سنا گیا ہے، واللہ اعلم بالصواب،

صفحات کی تعداد ۲۶۲ ہے، افسوس ہے کہ اخیر کے ۲۹ صفحے آدھے آدھے دیمک کی نذر ہو گئے ہین کاغذ خانئی قدیم اور دبیز ہے، خط نہایت عمدہ اور پختہ نستعلیق،

(۱۲) خمسۂ نظامی اب تک جتنے خمسے نظر سے گذرے، ان مین یہ خمسہ ہر لحاظ سے بہترین ہے اس مجموعہ مین ۶ مثنویان ہین،

مخزن اسرار، خسرو شیرین، لیلی مجنون، ہفت پیکر، سکندر نامہ اور شرف نامہ، مثنوی ہفت پیکر میں سات رنگین تصویریں بھی ہیں جن کے رنگ و طرز سے معلوم ہوتا ہے، کہ راجپوتانہ کے انداز میں بنوائی گئی ہیں، خط ایرانی ہے نہایت صاف اور بے عیب، قلم کی شان اول سے آخر تک ایک ہے، جدولیں طلائی ہیں، شروع کے دو صفحے ایرانی نقاشی اور نازک ترین موقلمکاری کا بہترین نمونہ ہیں،

مجموعہ کے آخری صفحہ پر کاتب نے اپنا نام اور سنہ کتابت لکھا تھا، مگر کسی احمق نے اس کو اس بُری طرح مٹایا ہے، کہ پتہ چلانا ناممکن ہوگیا ہے، ملاحظہ ہو :-

"قد فرغ الکاتب عن تسوید ھذہ الکتاب بعون الملک الوھاب خمسۃ حضرت شیخ الاسلام قطب المحققین شیخ نظامی قدس سرہ العزیز علی ید العبد الضعیف الی رحمۃ اللہ الغنی .....
غفر ذنوبہ وستر عیوبہ فی عاشر شھر ربیع الاول سنہ ۹۶۳ھ
ثلاث وستین وتسعمائۃ"

کاتب کی فطرت اور وراثتی روایت کے خلاف ہے، کہ وہ جابجا تصرف نہ کرتا جائے، اس تصرف بجا و بجا میں بھی اتفاق سے شعر زمین سے اٹھ کر آسمان پر پہنچ جاتا ہے، ورنہ اکثر و بیشتر تو آسمان سے کھنچ کر زمین ہی پر آرہتا ہے،

ان پانچوں مثنویوں کے جستہ جستہ مقامات خصوصاً وہ حصے جو جامہ کے نقاب کے سلسلہ میں برسوں سے زیر نظر چلے آرہے ہیں، بغور دیکھے، حیرت بھی ہوئی، اور مسرت بھی، کہ یہ مجموعہ متداول اغلاط سے پاک ہے،

(۱۳) دیوان حافظ، سورت میں ایک مشہور امیر نواب غلام باباخان گذرے ہیں، جن کے نام مرزا غالب کے متعدد خطوط اردوئے معلی اور عود ہندی میں موجود ہیں، یہ بے نظیر نسخہ انہی کے کتابخانہ

کا ہے، جو ۱۹۱۹ء میں مولوی انوار احمد زبیری مرحوم سفیر کانفرنس کو ان کے زمانہ قیام سورت میں نواب ممدوح کے پوتے نواب میر حفیظ الدین احمد خان نے عطا کیا تھا، سرورق پر نواب میر غلام بابا خان مرحوم سی ای ای کی مہر ثبت ہے، اور اس سے اگلے صفحہ پر انوار احمد صاحب مرحوم کا لکھا ہوا یہ نوٹ ہے،

"این نسخہ نادر دیوان حافظ از کتاب خانہ نواب میر غلام بابا خان" مرحوم سی آئی ای بہ اجازت نواب زادہ میر حفیظ الدین خان صاحب گرفتم و داخل کتب خانہ سلطان جہان منزل کردم"

(خاکسار انوار احمد زبیری ماہر دی مقام سورت ۲ رجنوری ۱۹۱۹ء)

اس کے نیچے نواب میر حفیظ الدین احمد خان نے یہ تحریر لکھ دی ہے:-

"بپاس خاطر مجمی انوار احمد صاحب بخشیدم"

(عاصی سید حفیظ الدین خان)

دیوان کے آغاز میں وہی دیباچہ ہے، جو اکثر مطبوعہ نسخوں میں پایا جاتا ہے آخری صفحہ پر ایک جگہ عبارت بے جوڑ ہو گئی ہے، غالباً کاتب نے کچھ حصہ سہواً چھوڑ دیا ہے، تقطیع متوسط، کاغذ سرخی مائل بادامی بہت دبیز، ہر صفحہ پر طلائی افشان سے ظاہر ہوتا ہے، کہ کسی شائق امیر کے لئے لکھا گیا ہے تمام جدولیں رنگین، اور طلائی ہیں، خط بہترین نستعلیق ہے، ابتدا کے ۱۲ صفحوں پر کہیں کہیں روشنائی اڑ گئی ہے، بعض صفحات پر آب رسیدگی کے نشانات بھی ہیں، کہاں اور کب لکھا گیا کس نے لکھا، یہ کچھ پتہ نہ چلا بہرحال نسخہ بہت قدیم اور نادر ہے،

(۱۴) شرح قران السعدین، یہ حضرت امیر خسرو کی مشہور مثنوی قران السعدین کی نہایت بہترین شرح ہے، جو بعض احباب کی فرمائش سے حضرت شیخ فوراتی محدث دہلوی نے لکھی ہے، یہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند اکبر تھے، تیسیر القاری شرح صحیح بخاری کے سوا آپ کی

اور تصانیف بھی ہین جن مین سے ایک تحقیق الرویا عربی مین ہے، غیر مطبوعہ اور کمیاب ہے، اس کا ایک نسخہ خانقاہ مجددیہ سرہند شریف مین موجود ہے، حضرت شیخ نور الحق حضرت امام ربانی علیہ الرحمۃ سے بیعت تھے، اور خرقۂ خلافت حضرت عروۃ الوثقی خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا، مکتوبات امام ربانی (جلد سوم) مین مکتوب سوم انہی کے نام ہے،

اس شرح کو اول سے آخر تک حضرت شیخ عبد الحق رحمۃ اللہ علیہ نے ملاحظہ فرما کر جا بجا جو کمی رہ گئی ہو گی، اُسے پورا کرایا ہے، خود فرماتے ہین،

"القصہ تا بنزد ور قبول ..... آن ادب آموز

نکتہ سنج مرا ین نہ گردید، بہ نظر اعتماد نہ سنجیدم و شایستہ اعتبار ندانستم و بربیاری از لطائف

کہ از کوتہی اندیشہ بدان نرسیدہ بودم، آن رموز و آن کل آگہی داد"

اس کی تکمیل کی تاریخ حضرت نے خود تحریر فرمائی ہے،

شکر للہ کہ با نجام رسید — شرح ابیات قران السعدین

مشرقی از پئے تاریخ تمام — بر رہ تعمیہ رفتی نہ بعین

چشم عیب از نمیا لن بر دارند — بیشود "شرح قران السعدین"

شرح قران السعدین کے اعداد ۱۰۹۴ ہوتے ہین، ان مین سے ع کے ۷۰ نکال دینے کے بعد ۱۰۲۴ سنہ رہتے ہین،

کاتب کے نام اور سنہ کتابت کا کہین ذکر نہین تقطیع درمیانی ہے، کاغذ خانی خط صاف اور پختہ کہین کہین کرم خوردہ ہے، بڑا نادر اور قیمتی نسخہ ہے،

(۱۵) یوسف زلیخای جامی، دلائتی کاغذ پر ایرانی خط مین لکھا ہوا نہایت خوشخط اور صاف ستھرا نسخہ ہے، اول اور آخر مین کچھ ورق غائب ہین، بہت قدیم لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے،

(۱۶) منطق الطیر، اس مجموعہ کے تین مین تو حضرت شیخ فرید الدین عطار کی مشہور مثنوی منطق الطیر ہے، اور حاشیہ پر پند نامہ کاغذ و کتابت معمولی،

(۱۷) نمبر ۴۵ (مندرجۂ فہرست)، یہ مذہبی قصص و مباحث کا مختصر سا رسالہ ہے، مصنف اور کاتب یا سنہ کا نہ ابتدا مین ذکر ہے، نہ اخیر مین،

(۱۸) نمبر ۲۵ (مندرجۂ فہرست) اس رسالہ کا نہ نام معلوم ہو سکا نہ یہ کہ کس نے اور کب لکھا زیادہ تر انبیاء علیہم السلام کے حالات اور عجائبات خلق مذکور ہین،

(۱۹) تفسیر حسینی اس کی دونون جلدین بہ خط نسخ ہین، آیات سُرخی سے لکھی گئی ہین، اور تفسیر سیاہی سے، پہلی جلد سولھوین پارہ تک ہے، دوسری قُل اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاس تک، سب سے اخیر کا ایک صفحہ غائب ہے، اس لئے سنہ کتابت وغیرہ کا پتہ نہ چلا، تقطیع بڑی ہے، کاغذ حنائی چکنا اور مضبوط،

(۲۰) المعتمد فی المعتمد، یہ کتاب ابو بکر سعد زنگی والی شیراز (۶۲۳ھ سے ۶۵۸ھ) کے عہد کی تصنیف ہے، مصنف نے اس دور کے مسلمانون کے ضعف ایمانی اور اسلامیات کی طرف سے غفلت و لاپروائی کا شکوہ کرتے ہوے ایسی کتابون کی ضرورت پر زور دیا ہے، جن مین تمام ضروری اعتقادی مسائل صاف اور آسان زبان مین لکھے گئے ہون،

ابو بکر سعد زنگی کے نام پر معنون کرنے کی وجہ یہ بتائی گئی ہے،

"تا وقع آن در دلہاے عوام افزون تر باشد و خطرآن در دید و باحکم تقلید بزرگ تر ازین وجہ آن را بہ ذکر بندہ برگزیدہ خدایہ بادشاہی بقیہ صالحہ ملوک و سلاطین اسلام، بادشاہ نیاز مندوین ترحم دل درویش نواز سلغر سلطان اتابک ابو بکر سعد زنگی کہ ہموارہ در نظر و کنف خداے باد معنون گرداند"

سرورق پر مصنف کا نام امام قدر بخشی یا قدر بخشی لکھا ہوا ہے، کتاب مین تین باب ہین، اور ہر باب مین دس فصلین،

باب اول در ایمان بخدائے عزوجل،

باب دوم در ایمان بہ فرشتگان وکتابہا وپیغمبران،

باب سوم در مسائل اعتقادی، بر موجب کتاب سنت واجماع امت،

مسایل آسان اور مدلل عبارتون مین لکھے ہین، اس نوعیت کی کتابین بہت کم دیکھنے مین آئین، کس سنہ مین لکھی گئی اس کا پتہ نہین چلا، خط صاف اور عمدہ ہے، صفحات کی تعداد ۲۴۴ ہے،

(۲۱) مظہر الحق فی اباحۃ السماع، یہ رسالہ کمال صفی حسینی قزوینی کی تصنیف ہے، جو سید السادات حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کے معتقدین مین سے تھے، ناواقف لوگون کو روایات اور اصطلاحات فقراء کے رد وانکار سے بچانے کے لئے لکھا گیا ہے، خط نسخ وشکستہ نستعلیق ہے، آخری چند صفحے ضائع ہوگئے ہین، اس لئے سنہ کتابت وغیرہ کا پتہ نہ چلا،

(۲۲) کلیات حزین، اس مجموعہ مین پہلے قصائد ہین، پھر ترتیب ابجد غزلیات، غزلون کے بعد رباعیات وقطعات ہین، سنہ کتابت وغیرہ کا پتہ نہ چل سکا، بظاہر بہت زمانہ کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے، شروع کے دو صفحون پر خود شیخ حزین کا مؤلفہ دیباچہ ہے، کاغذ ولایتی ہے، کھڑا سفید، خط نستعلیق،

(۲۳) نزہتہ الارواح، مصنفہ رکن الدین حسین بن عالم بن ابوالحسن حسینی، تصوف وسلوک مین ہے، ۲۰ فصلین ہین، جن مین مبدا سلوک، معرفت سلوک، مقامات سلوک، نصیحت سالک، ہدایت خلقت وحدت اور نفس وغیرہ کے مباحث ہین،

عبارتین مغلق اور موٹے موٹے لغات سے بھری ہوئی ہین، آخری صفحہ کی تھوڑی عبارت

ملاحظہ ہو:-

"مصنف این بدیع لطایف و مولف این غرائب و ظرائف فقیر حقیر حسین بن عالم بن ابن الحسن الحسینی ..... کہ این غرائبین ابکار یعنی نفائس افکار ..... این ضعیف از بعد ازان کہ از مسند مستقر فطرت مستودع خلقت نزول کردہ انداز کمال طراوت و نہایت لطافت بفنایتے رسید کہ صیانت در شہور سنہ احد عشر و سبعمائیۃ (۱۱۰۷) مشاطہ نشاط فکر بر بساط این بساط گوش و گردن، ہر یک را بزیور فصاحت و بلاغت متوشح و موشح ساخت"

عبارت مذکور مین سنہ تصنیف ۱۱۰۷ بتایا گیا ہے، کتاب دبیر بادامی کاغذ پہ ہے، تقطیع متوسط اور خط معمولی ہے، آخر سے چند صفحات غائب ہین،

(۲۴) الجمعات الشاہیہ جلد ششم، اس کتاب مین نوین صدی کے ایک برہانی رفاعی بزرگ سید محمد بن عبد اللہ مخاطب بہ شاہ عالم۔ ہفتہ وار صحبتون کے حالات اور افادات کو کسی معتقد نے جو اپنے آپ کو "جامع کنوز محمدیہ، جامع ملفوظ مبارک، اور جامع ملفوظات محمدیہ" کے لقب سے یاد کرتا ہے، جمع کیا ہے، زیر نظر حصہ یکم محرم ۱۰۷۶ھ روز جمعہ کے مذاکرے سے شروع ہو کر ۲۰ ذی الحجہ سنہ مذکور کے جمعہ پر ختم ہوا ہے،

ہر جمعہ کی صحبت مین شیخ برہان الدین ملقب بہ میان مخدوم قادری خاص اور جامع کنوز محمدیہ کا ذکر ضرور آیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لوگ بالالتزام حاضر مجلس رہا کرتے تھے، کہین کہین خواجہ کریم الدین اور شیخ فرید بن دولت شاہ کا بھی ذکر ہے، ایک جمعہ کی مجلس مین باشندگان احمد آباد کے ہجوم کا ذکر بھی ہے، اس سے قیاس ہوتا ہے کہ یہ صحبتیں احمد آباد مین ہوا کرتی تھین،

اس حصہ مین برہانی (غالبًا منسوب بہ قطب عالم سید برہان الدین) کے خاندان کے مختلف

شاخون کے ۴۴ شجرے درج ہین، اور چند رسالے جہاد وغیرہ کے متعلق ہین،

حضرت قطب عالم کے متعلق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی اخبار الاخیار (مجتبائی) کے صفحہ ۱۶۸ پر لکھتے ہین :-

"حضرت قطب عالم نبیرۂ مخدوم جہانیان سید جلال بخاری ست از وطن اصلی خود بہ گجرات رفتہ توطن اختیار کردہ نام او سید برہان الدین ست و مشہور در زبان خلائق آن دیار بہ قطب عالم است، روضہ او سہ کروہی از حیدرآباد ست، وفات او ہشتم ذی حجہ سنہ سبع وخمسین وثمان مایۃ است"

وقت کی تنگی کے باعث کتاب کو بالاستیعاب دیکھنے کا موقع نہ ملا، جستہ جستہ جن عنوانون پر نظر پڑی ان مین سے چند یہ ہین :-

حقیقتِ فکر، اثباتِ رویۃ ملائکہ، قلبِ سلیم، روزِ قیامت، مناقب صحابۂ کرام، صبر وشکر، مراقبہ، عبودیت، استقامت، فراست، فتوت، حقوق والدین،

ان مین سے ہر ایک پر حضرت شاہ عالم کے ارشادات بڑے عالمانہ اور محققانہ ہین، جامع کتاب ہر موقع پر جن القاب اور جس ادب واحترام سے ان کا نام لیتا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موصوف بڑے بلند پایہ عالم اور بڑے عالی مرتبہ صوفی تھے، اور خواص وعوام سب ان کا انتہائی ادب کرتے تھے،

فرصت سے بغور مطالعہ کرنے والے کو اس کتاب مین ایسے مسائل ملین گے، جن کو زوائد سے الگ کرکے یک جا کردیا جائے، تو تصوف سے ذوق رکھنے والون کے لئے بہت مفید اور دلچسپ ثابت ہون گے،

کتاب مین نہ کہین جامع کا نام ملا، نہ کاتب کا، نہ سنِ کتابت، البتہ سرورق پر ان اصحاب

کے نام مع سنین کے درج ہین، جن کے قبضہ مین نسخہ رہ چکا ہے،

۱- من نعم اللہ علی عبدہ ابن شیخ بہاء الدین،

۲- مالک ملوک اہل بیت النبوی ابوالحسن الحسینی نقشبندی مہرین ہے "خادم درگاہ ابوالحسن دیوانہ"

سنہ ۱۱۷۲ ہجری، خادم ابوالحسن ..... درگاہ، دیوانہ،

۳- رسالہ ہاے حضرت شاہیہ از کتاب خانہ نواب نیک عالم خان خواجہ عباد اللہ ہدیہ گرفتہ، در سراج تاریخ غزوۂ جمادی الاول سنہ ۱۱۸۷ ہجری،

۴- این رسالہ جمعات شاہیہ جلد ششم از خواجہ عباد اللہ ثانیا الحال فقیر حقیر حسین الدین حسینی بتاریخ غزوۂ جمادی الثانی سنہ ۱۱۹۰ ہجری ہدیہ گرفتہ میر حسین سنہ ۱۱۶۴ ہجری،

کلیاتِ فارسی

مولانا شبلی مرحوم کے تمام فارسی قصائد، غزلیات، مثنویات اور قطعات کا مجموعہ جواب تک متفرق طور سے دیوان شبلی، دستۂ گل، بوے گل، برگِ گل کے نامون سے چھپے تھے، اس مین سب یکجا کر دیے گئے ہین، قیمت :- عہ

کلیاتِ اردو

مولانا کی تمام اردو نظمون کا مجموعہ جس مین مثنوی صبح امید، قصائد، جو مختلف مجلسون مین پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی مذہبی اور تاریخی نظمیں جو کانپور، ٹرکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی کے متعلق لکھی گئی ہین، ..... قیمت :- عہ

وفورِ رزق

از

جناب ڈاکٹر میر ولی الدین استاذ جامعہ عثمانیہ

حق تعالیٰ نے رزق کا خود ذمہ لیا ہے،

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا، — اور زمین پر کوئی چلنے والا نہیں جس کے رزق کا ذمہ اللہ پر نہیں،

صرف ذمہ داری پر اکتفا نہیں کیا، قسم بھی کھائی ہے، اور قسم پر بھی اکتفا نہیں کیا، مثال سے بھی واضح کیا ہے،

وَفِی السَّمَاءِ رِزْقُکُمْ وَمَا تُوعَدُونَ فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اِنَّہٗ لَحَقٌّ مِثْلَ مَا اَنَّکُمْ تَنْطِقُونَ، (پ ۲۶ - ۱۸ ع) — اور تمہارا رزق اور جو تم سے وعدہ کیا جاتا ہے سب آسمان پر ہے، سو قسم ہے زمین آسمان کے رب کی، یہ بات برحق ہے، جیسا کہ تم باتیں کرتے ہو،

جملہ را رزاق روزی می دہد — قسمت ہر یک بہ پیشش می نہد!

وفی السماء رزقکم نشینده — انا رین پستی چه بر چفسیده (رومی)

حق تعالیٰ ان لوگوں کو بھی رزق دیتے ہیں، جو غفلت و معصیت میں مبتلا ہیں، فسق و فجور میں چور ہیں، پھر وہ جو حق تعالیٰ کی اطاعت و رعایت کرتے ہیں، وہ کیسے محروم ہو سکتے ہیں!؟ دیکھو

جو درخت بوتا ہے، وہی سینچتا بھی ہے، خلقت کو وہی مدد دیتا ہے، اُن کا رزق وہی فراہم کرتا ہے، جو ان کا خالق ہے، پروردگار ہے، مخلوق کے لئے یہ بات کافی ہے کہ ان کا خالق ان کے لئے بہرحال کافی ہے، وافی ہے، الیس اللہ بکافٍ عبدہ، ایجاد حق تعالیٰ سے ہے، دوام امداد بھی انہی سے ہے، تخلیق ان سے ہوئی، رزق کا دینا بھی ان کے ذمہ ہے، مین جانتا ہون، کہ مین جب کسی کو گھر پر دعوت دیتا ہون، تو اس کے لئے غذا کا بھی انتظام کرتا ہون، اسی طرح جب حق تعالیٰ نے مجھے اپنی مشیت و ارادہ سے پیدا کیا، تو رزق کی ذمہ داری بھی ان ہی پر ہے، ان ہی کے خوانِ کرم سے ہمین برگ و نوا حاصل ہے، حق تعالیٰ میرے مولیٰ ہین، آقا ہین، مالک ہین، مین ان کا غلام ہون، اب آقا پر غلام کا نفقہ ضروری ہے، جس طرح کہ غلام پر آقا کی اطاعت واجب ہے، اگر مین ان کا ہو رہون ان کے سوا نہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلاؤن، اور نہ کسی کے آگے جبین نیاز خم کرون تو کیا یہ ممکن ہے کہ وہ اپنا حق ادا نہ کریں، اکیا ان کا یہ قطعی وعدہ نہین ؟

وَمَنْ یَتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا	جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ اس کے لئے
وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ	نجات کی شکل نکال دیتا ہے، اور اس کو
وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ	ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے، جہان اس کا
اِنَّ اللّٰہَ بَالِغُ اَمْرِہٖ، قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ	گمان بھی نہین ہوتا، اور جو شخص اللہ پر توکل
لِکُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا،	کرے گا، تو اللہ اس کے لئے کافی ہے، اللہ
(پ ۲۸ ع ۱۷)	تعالیٰ اپنا سب کام پورا کرکے رہتا ہے، اللہ
	تعالیٰ نے ہر شے کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے،

رزق کا وعدہ قطعی ہے، مجھے حیران و پریشان ہونے کی ضرورت نہین، مین اپنا حق عبادت و عبودیت ادا کرتا رہون گا، پھر ناممکن ہے، کہ وہ مجھے اپنے گھر بلائین، اور پھر اپنے احسانات سے محروم رکھین،

وجود بخشی کریں، اور پھر مدد نہ کریں، ہست کریں، اور اپنے کرم سے محروم رکھیں! اپنا حق (عبادت) مجھ سے طلب کریں، اور میرا حق (رزق) مجھے نہ دیں! وہ کریم ہیں اُن سے معاملہ کرکے کون خسارہ میں رہتا ہے!

مَنْ ذَا الَّذِیْ سَأَلَكَ فَحَرَمْتَهٗ	وہ کون ہے جس نے تجھ سے سوال کیا ہو
اَوْ لَجَأَ اِلَیْكَ فَاَهْمَلْتَهٗ اَوْ تَقَرَّبَ	تو نے اس کو محروم رکھا ہو یا تجھ سے بچتی ہوا ہو
اِلَیْكَ فَاَبْعَدْتَهٗ اَوْ هَرَبَ اِلَیْكَ	اور تو نے اس کو بیکار چھوڑا ہو یا تیری قربت
فَطَرَدْتَهٗ	چاہی ہو اور تو نے اس کو دور کر دیا ہو یا تیری
(شیخ جیلیؒ)	طرف دوڑ کر آیا ہو اور تو نے اس کو دھتکار دیا ہو

اَحَدًا سَامِعًا اِلَّا جَاتِی	صَمَدًا كَافِیَ الْمُهِمَّاتِی!
حَاجَتِیْ اَزْ تُوْ بِیْشِ مِیْ خَوَاهَم	زَانْكَہ قَاضِیْ جُمْلَہ حَاجَاتِی!
شُكْرِ فَضْلِ تُوْ كَے تَوَانَم كَرْد	حَافِظَا تُوْ جَمِیْعِ حَالَاتِی!
هَر دُعَاے كَہ مِیْ كُنَد سَعْدِیْ	اَسْتَجِبْ یَا مُجِیْبَ دَعْوَاتِی! (سعدی)

حق تعالیٰ کے سوا جب میرا کوئی رزق دینے والا نہیں، تو اب میں رزق کے معاملہ میں ساری کائنات سے بے نیاز ہوں، جس روز سے میں نے حق تعالیٰ کو اپنا الٰہ قرار دے لیا ہے، اسی روز سے خوف کا بھاری پتھر میرے سینہ سے اٹھ چکا ہے، اب میں قطعاً کسی کا محتاج نہیں نہ مجھے کسی سے امید ہے، اور نہ کسی سے خوف و ہراس! میرا تعلق راست حق تعالیٰ سے قائم ہو چکا ہے، غیر اللہ سے قطعاً کٹ چکا ہے، حق تعالیٰ میرے لئے کافی ہیں، کفی باللہ وکیلا!

رزق از وے جو، مجو از زید و عمر	منتی از وے جو مجو از زنگ و خمر
منعمی ز و خواہ نے از گنج و مال	نصرت از وے جو نہ از غم و خال

جب سے کہ حق تعالیٰ سے میں نے اپنا رشتہ جوڑ لیا ہے۔ ان ہی پر بھروسہ کر رکھا ہے، مجھے

اس کا یقین ہو گیا، کہ میرا رزق مجھ پر عاشق ہے، مجھ سے جدا کیسے ہو سکتا ہے! بے حزن و غم، بے فکر و تردد، بے رنج و الم، میرا رزق مجھے پہنچ کر رہے گا، عارف رومی نے بھی تو اسی راز کی طرف اشارہ کیا ہے:-

مین توکل کن ملرزان پا دوست رزقِ تو بر تو زتو عاشق تر است!

گر ترا صبر بدے، رزق آمدے خویش را چون عاشقان بر تو زدے (رومی)

بہر حال اتباعِ نبوت مین مین رزق کی طلب مین اسبابِ قطعی کی حد تک کوشش بھی کرونگا" لیکن اپنے قلب کو فکر و تردد سے فارغ رکھ کر اس کے حصول کا کامل یقین رکھ کر! "اجملوا فی الطلب" کا حکم میرے پیشِ نظر رہے گا، طلب کو رزق کے حصول کا مستقل سبب یا قطعی علت نہ قرار دون گا، کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ بعد از طلب می یا بم امانہ بطلب می یابم، یعنی طلب و جستجو مراد یابی کی مستقل علت نہین، معاملہ فضل پر منحصر ہے، ہان جستجو ضرور کی جائے، عادتِ الٰہی یہی ہے کہ حرکت مین برکت دیتے ہین،

بجستجوے نہ یابد کسے مراد دلے

کسے مراد بیابد کہ جستجو دارد!

میرے صحیح عقیدے، صحیح فکر، اور خالص عمل و مجاہدہ نے مجھ مین وہ مقناطیسی قوت پیدا کر دی ہے کہ رزق روان دوان مضطربانہ انداز مین مجھ تک پہنچ رہا ہے، افراط سے مل رہا ہے، کمی اور قلت کا کوئی شائبہ نہین! وجوہ خیر مین اس کو جتنا خرچ کر رہا ہون، اتنا ہی زیادہ عطا کیا جا رہا ہے، اَنْفِقْ اُنْفِقْ عَلَیْکَ، کا وعدہ پورا ہو رہا ہے نعمتون مین اضافہ ہو رہا ہے، حق تعالیٰ کی عطا غیر منقطع ہوتی ہے!

لَا تَخْشَ مِنْ ذِی الْعَرْشِ اِقْلَالًا صاحبِ عرش خدا سے قلت کا ڈر مت رکھ

این زمین و آسمان پُر ہ است و بس اصل روزی از خداوندِ ہر نفس

کہ اصول دخل اینہا بودہ اند ہم از ینہان می کشاید رزق بند!

مین حق تعالیٰ کا ان نعمتون کے لئے جو ہر روز بارش کی طرح مجھ پر برس رہی ہین شکر ادا کرتا ہون اور چاہتا ہون کہ دوسرے بھی ان نعمتون سے سرفراز کئے جائین، وفورِ رزق مین اس لئے بھی چاہتا ہون کہ شکرِ نعمت مین "پوشش ہر تنگ دست و فرش ہر ویرانہ" بن جاؤن اور یہ ثابت کردون کہ انفاق و احسان سے رزق مین اضافہ ہوتا ہے، کمی نہین ہوتی، کیونکہ حق تعالیٰ نے اس کا ہمین یقین دلایا ہے،

وَمَا اَنْفَقْتُمْ مِنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ	اور جو چیز تم خرچ کردگے، سو وہ اس کا
وَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ،	عوض دے گا، اور وہ سب سے بہتر
	روزی دینے والا ہے،

ز احسان می شود صاحب مروت افزوں بلے ہر چاہ را آب از کشیدن بیش می گردد (لطف

شکر کے طریقون سے مین اپنی نعمتون مین اضافہ کرتا جاؤن گا، حق تعالیٰ کا یہ قطعی وعدہ ہے جس مین کسی استثنار کی گنجایش نہین، کہ وہ شکر کرنے والون کی نعمتون مین ترقی دیتے ہین،

لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ	یعنی شکر کے معاوضہ مین زیادتی نعمت کا
	حصول بلا تخلف ہے،

اسی لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی ہے کہ

اَلنِّعْمَةُ وَحْشِیَّةٌ قَیِّدُوْهَا بِالشُّکْرِ	نعمت ایک وحشی جانور ہے، شکر کی زنجیرون
	مین اس کو باندھ رکھو،
بازنعمت چو ہست وحشی را	صید از قید شکر کن اورا
چون گذاری تو شکر، نستیزد	در شوی ناسپاس بگریزد

شکر مین یہ بھی داخل ہے کہ نعمتون کا استعمال حق تعالیٰ کی مرضیات کے مطابق کیا جائے جن کامون مین اُن کو صرف کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ان ہی مین ان کو صرف کیا جائے، سلب نعمت

کا موجب ہمارا ہی کوئی ناشایستہ فعل ہوتا ہے، حق تعالیٰ نے واضح طور پر ہم کو تنبہ کر دیا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا	یہ بات اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسی
نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا	نعمت کو جو کسی قوم کو عطا فرمائی ہو نہیں
مَا بِاَنْفُسِهِمْ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ	بدلتے، جب تک کہ وہی لوگ اپنے ذاتی
(پ ۱۰ ع ۲)	اعمال کو نہیں بدل ڈالتے۔ اور اللہ تعالیٰ
	بڑے سننے والے اور بڑے جاننے والے ہیں

اِذَا كُنْتَ فِي نِعْمَةٍ فَارْعَهَا

فَاِنَّ الْمَعَاصِيْ تُزِيْلُ النِّعَمْ

(جب تجھے کوئی نعمت حاصل ہو تو اس کی رعایت کر کیونکہ معصیتیں نعمتیں زائل کر دیتی ہیں)

تقویٰ، عمل و مجاہدہ اور صبر و شکر کی وجہ سے حق تعالیٰ کی تمام نعمتیں میری ہیں، اور مجھ میں موجود ہیں، اب بھی مجھے ان کی احتیاج ہوتی ہے، حق تعالیٰ نہیں خارج میں عطا فرما دیتے ہیں، ہر اس نعمت کے لئے جو مجھے مل رہی ہے، میرا قلب حق تعالیٰ کے آگے سربسجود ہے، از زندگی چشمۂ مسرت کی طرح رواں ہے، اور میری زبان پر یہ نغمہ جاری ہے،

بے لطف تو من قرار نتوانم کرد	احسان تو شمار نتوانم کرد
گر بر تن من زبان شود ہر مویے	یک شکر تو از ہزار نتوانم کرد

(ابو سعید مہنہ)

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

مدرسوں اور اسکولوں کے طالب علموں کے لئے عام فہم اور سادہ زبان میں سرورِ عالمؐ کی سیرت ضخامت ۲۰۰ صفحے، قیمت مجلد عہ غیر مجلد عہ (طبع چہارم)

دیوانِ عاشق دہلوی

تلمیذ

امیر خسرو دہلوی

از

نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی

میرے مختصر کتبخانہ مین اس دیوان کا ایک قدیم نسخہ ہے، تین ضخیم تذکرۃ الشعراء عاشق دہلوی کے ذکر سے خالی ہین، دو قلمی ریاض الشعراء والہ داغستانی، مجمع الغرائب احمد علی سندیلوی ایک مطبوعہ مجمع الفصحاء رضا قلی خان متخلص بہ ہدایت،

دیوان خط اور کاغذ دونون کے لحاظ سے پرانا لکھا ہوا ہے، مگر سنہ تحریر نہین، اس لئے کہ نسخہ ناقص ہے، عنوان پر درج ہے "دیوان عاشق دہلوی تلمیذ مولانا حضرت امیر خسرو دہلوی طوطی ہند" اس کے نیچے مہر ہے بخط نستعلیق خوشخط، اس مین نام عبدہٗ زین العابدین" درج ہے، تقطیع ۸ ½ ۵ - انچہ ہے، تعداد اوراق موجودہ ۲۰۸ ہے، اور تلمذ کا ثبوت اشعار ذیل سے ہوتا ہے،

عاشق این رنگِ سخن را نہ کجا یافتہ است　　این ہمہ از چمن خسرو چیدہ گل لعل

ایک قطعہ امیر خسرو کی شان مین لکھا ہے اس کا پہلا شعر ہے،

چو خسرو شاعرے از ہند برخاست　　کہ قدرِ شاعرانِ اصفہان کاست

مقطع ہے :-

ہمنشیں بس دلیل پیشوائی کہ عاشق پیرو گفتار او راست

اس دیوان کا قیاساً زیر مطالعہ مؤلف رہنا محسوس ہوتا ہے، بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ بقلم مصنف لکھا ہوا ہے، قرائن یہ ہیں:

خط کی روش دو قسم کی ہے، شفیعا اور نستعلیق، بسا اوقات نستعلیق میں شفیعا کا رنگ آجاتا ہے، ورق ۴۴ کی پوری غزل ملاحظہ ہو، جو نستعلیق شفیعائی ہے، شعر محتسب دش الخ میں لفظ میخانے اور مستان، اگلے شعر میں لفظ می، جم کی تحریر میں شفیعائی رنگ نمایاں ہے، نیز ورق ۴۷ کی پوری غزل میرے دعوی کی شاہد ہے، ورق ۶، کا چھٹا شعر ملاحظہ ہو، پہلا مصرعہ نستعلیق ہے، اور دوسرا مصرعہ شفیعائی قلم اور روشنائی اور اگلے شعر کی ایک ہے، ورق ۸۶ کا چھٹا شعر نستعلیق شفیعائی ہے، گویا کاتب دونوں قسم کی تحریر پر پوری قدرت رکھتا ہے، عموماً بعض مصرعوں یا الفاظ کی تبدیلیاں بخط شفیعائی ہیں، کہیں کہیں بعض الفاظ یا مصرعہ کی تبدیلی بخط نستعلیق بھی ہے، مصرعہ یا الفاظ کی تبدیلی سے مضمون میں بلندی اور چستی پیدا ہو جاتی ہے، اس طرح یہ تبدیلی اصلاح ہے نہ تصحیح:

پہلے نوشتہ کو قلم زد کرکے دوسرے الفاظ بدلنا مصنف بھی کر سکتا ہے، دوسرا شخص اصلاح تو کر سکتا ہے، مگر قلم زد کرنے کا حق حاصل نہیں، ورق ۱۰ ملاحظہ ہو، مصرعہ،

چگویم دگر مطلبے نیستم

بخط شفیعائی قلم زد ہے، بجائے اوس کے حاشیہ پر قلم روک کر یہ مصرعہ تحریر ہے، ع

نباشد دگر غیر ازین مطلبم

ورق ۱۶ کی پشت پر یہ شعر بھی ملاحظہ ہو،

در دیک چشمی کند چشم دگر را دردناک ہمنشیناں را بدرد و رنج دیدن مشکل است

ثانی مصرعہ بغیر قلم زد کئے اس طرح تبدیل کیا ہے،

"مردم یک خانہ را در رنج دیدن مشکل است"

ورق ۲۱ پر ع

"عاشق بہشت را نہ پسند دگر پیش"

کو بدل کر ع

"عاشق بہشت را نہ پسندید بہر او"

بنایا ہے، مگر پہلا مصرعہ بھی قلم زد نہیں، ورق ۴۸

خار خارے بہ دل از رشک فتاد است مرا تا بہ طرف کلہت جاے گزید گل لعل

اس شعر کا پہلا مصرعہ اس طرح بدلا ہے جو یقینی اصلاح ہے، نہ تصحیح، دیکھو مصرعہ کتنا بلند ہو گیا

خار خارے بہ دل خون شدہ ام افتادہ است

نمونۂ کلام

زہے لبت بشکر خندہ راحت جانہا گل عذار تو رشک گل و گلستانہا

لبت چو گاہ تکلم گہر بفشانند شود پر از گہر آبدار دامانہا

دمیکہ سرو روان تو جلوہ گر گردد زجوب خشک دہد یاد سرو بستانہا

چہ فتنہ است نہ انم بچاک دامانت کہ چاک گشتہ کسان را ز گریبانہا

تبسمت نمکے تازہ بر جراحت ریخت کہ ریختند بخاک سیہ نمک دانہا

دواے درد دل ما نبید و انہا ست چرا کشیم عبث منتے ز درمانہا

سرے کہ خاک رہ دوست گشت چون عاشق

سرے ندارد با ساز و برگ سامانہا

آمد بہار خرم ساغر کشان مبارک دلہا ز غم سبک کرد طل گران مبارک

از ابر سایہ افگن شد تازہ صحن گلشن — کردند عندلیبان بر باغبان مبارک
مشاطۂ بہاران رخسار گل بیاراست — آئینہ گشت شبنم ای بلبلان مبارک
باران فگند روغن اندر چراغ لالہ — شد دشت و چراغان بر شب روان مبارک
ساقی پیالہ در کف مطرب نشستہ با دف[1] — خیل طرب زدہ صف اہل جہان مبارک
بادہ غذائے روح ست می باعث فتوح است — ہان ساعت صبوح ست پیر مغان مبارک
زاہد بیا بگلشن بر چین ز زہد دامن — بشنو ز کوی و برزن بر میکشان مبارک
شیخ ریائے امروز از زہد تو بہ نمود — خرقہ بمی بیالود می خوارگان مبارک

عاشق بتو مست ست جام میش بدست ست
بستان پیالہ از وے کن نوش جان مبارک

مژۂ اشک بار را نازم — رگ ابر بہار را نازم
نیست در اختیار صبر و خرد — دل بے اختیار را نازم
غنی از سیر لالہ زارم کرد — سینۂ داغدار را نازم
کار ما را بمی کشی بگذاشت — گردش چشم یار را نازم

خاک گردید و جز بخاک نساخت
عاشق خاکسار را نازم

متفرقات

دریا کیشم و چرخ نزید ایاغ ما — گم گشتہ ایم خضر نیابد سراغ ما

---

[1] اس شعر کے ساتھ امیر خسرو کا یہ شعر پڑھو، استاد و شاگرد کی یکرنگی محسوس ہو گی،
خسروی ست و مطرب تو مست و یار سرخوش — ہان در چنین نشاطے یک رقص عاشقانہ

یکے گل چیند از بستان یکے گلدستہ می بندد — تو اے نازک بدن جائے گل گلدستہ مارا

برافتد چون نقاب از ماہ رویت — نیارد دید چشم کس بسویت

دمد از ہر سر خارے گل مطلب بر منش — بہند ہر کہ براہ طلبت گامے چند

در دل از یاد رخت بحر تجلی موج زد — جوششش نور ست از فوارۂ مژگان ما

مکن فکر علاج درد کوشش کن — کہ چون شد درد کامل خود بخود درمان شود پیدا

عاشق از تلخی غم فرہاد وار — مرگ را بر خود چہ شیرین می کنی

نامم ہر کہ بپرسد گویم — عاشق زارے سینہ فگارے

تابعین رضی

علم و عمل اور مذہب و اخلاق میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سچے جانشین اور ان کے تربیت یافتہ تابعین کرام رضی اللہ عنہم تھے، اور صحابہ کرام رضی کے بعد ان ہی کی زندگی مسلمانوں کے لئے نمونۂ عمل ہے، اس لئے سیر الصحابہ رضی کی تکمیل کے بعد دار المصنفین نے اس مقدس گروہ کے حالات کا یہ تازہ مرقع مرتب کیا ہے، اس میں حضرت عمر بن عبد العزیز رضی حضرت حسن بصری رضی، حضرت اویس قرنی رضی، حضرت امام زین العابدین رضی، حضرت امام باقر رضی حضرت امام جعفر صادق رضی، حضرت محمد بن حنفیہ رضی، حضرت سعید بن مسیب رضی، حضرت سعید بن جبیر رضی، حضرت محمد بن سیرین رضی، حضرت ابن شہاب زہری رضی، امام ربیعہ رائی رضی، امام مکحول شامی، قاضی شریح رضی، وغیرہ چھیانوے اکابر تابعین کے سوانح اُن کے علمی مذہبی اخلاقی اور عملی مجاہدات اور کارنامون کی تفصیل ہے، مرتبہ شاہ معین الدین احمد ندوی،

ضخامت ۵۶۰ صفحے، قیمت :- للعہ

"منیجر"

استفسار و جواب

متفرق سوالات

جناب محمد ریاض احمد صاحب رضوی
میرلاج تکیہ سادھوان لاہور

بخدمت حضرت مولانا مولوی صاحب مدظلہ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرض ہے کہ براہ مہربانی چند مسائل کا جواب ارشاد فرمائین، بندہ کو تحقیق حق مقصود ہے، اللہ تعالیٰ جل شانہ جزاے خیر عطا فرمائین گے،

(۱) میرے والد صاحب میر عبدالرشید صاحب ٹھیکیدار ہین، ہر ماہ دو سو روپیہ بچاتے ہین، ایک سال بعد ۲۴۰۰ روپیہ جمع ہوتا ہے، زکوٰۃ کتنی ادا کی جائے، اور کس حساب سے،

(۲) کیا قرآن کی آیت مبارک رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ سے تمام صحابہ مع امیر معاویہؓ، عمرو بن العاصؓ، ابوسفیانؓ والد امیر معاویہؓ، وحشیؓ، نعمان بن بشیرؓ قطعی طور پر جنتی ہین؟ محمد بن ابی بکرؓ بھی اللہ تعالیٰ گستاخی معاف فرماوے تواریخ سے حضرت امیر معاویہؓ کے متعلق دل مین بہت شکوک پڑتے ہین، اس لحاظ سے نہین کہ انھون نے حضرت علیؓ کی مخالفت کی بلکہ چالین جو انھون نے چلین، حضرت عمرو بن العاصؓ کا مکالمہ، حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے ساتھ، اور اس مین حضرت عمرو بن العاصؓ کا پھر جانا، حضرت نعمانؓ بن بشیر یزید کی حمایت مین تھے، محمد بن ابی بکر جنھون نے حضرت سیدنا امیرالمومنین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ریش مبارک کو پکڑا، اور قاتلین کی جماعت مین شامل تھے، گو بعد مین بھاگ گئے، یہ تمام عمر حضرت علیؓ کے پروردہ تھے، یہ آپس کی

آتی مخالفت سمجھ میں نہیں آتی،

(۳) آج میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمے والا قرآن پڑھتا تھا، تو اس میں سورۂ فاتحہ کی آیت اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کی تفسیر میں یہ لکھا ہوا دیکھا کہ "اگر کسی بزرگ کو غیر مستقل سمجھ کر اور محض واسطۂ رحمتِ الٰہی سمجھ کر مدد مانگی جائے تو وہ عین ذات باری تعالیٰ سے مدد مانگنا ہے"، اس مسئلہ کے متعلق مجھے بڑی تشویش ہے، اگر اُن کی زیارت نصیب ہوتی تو ضرور پوچھتا کہ ان آیات کا کیا مطلب ہے

(۱) اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ عِبَادٌ اَمْثَالُکُمْ

(۲) نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ،

(۳) اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المومن)

(۴) مَا نَعْبُدُھُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَا اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی (الزمر)

(۵) یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَضُرُّھُمْ وَمَا لَا یَنْفَعُھُمْ (الفرقان)

(۶) وَاِنْ یَّمْسَسْکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗ اِلَّا ھُوَ وَاِنْ یَّمْسَسْکَ بِخَیْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِہٖ (یونس)

(۷) وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَکَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُہُ الطَّیْرُ اَوْ تَھْوِیْ بِہِ الرِّیْحُ فِیْ مَکَانٍ سَحِیْقٍ (الحج)

اتنے بڑے بزرگ موحد کے کلام پاک سے ایسی تفسیر، میں تو حیران ہو گیا ہوں، کیونکہ یہ تو صریح شرک ہے،

(۴) کیا قرآن کریم میں اب بھی کوئی آیت ایسی ہے جس پر عمل نہ ہو سکتا ہو، منسوخ کے کیا معنی ہیں، کتنی آیتیں منسوخ ہیں، صاحب فوز المبین رحمۃ اللہ علیہ نے ثلث قرآن

منسوخ کہا ہے، اور حضرت شاہ ولی اللہ نے پانچ آیتیں منسوخ کہی ہیں،

(۵) قرآن میں اہلبیت تو صرف بیویوں کے حق میں استعمال ہوا ہے جس میں سے نواسے اور داماد خارج ہیں، البتہ لڑکے لڑکیاں اور بیویاں خاوند یہ لوگ اہلبیت میں شامل ہیں، تو خواہ مخواہ حضرت حسینؓ و حضرت علیؓ کو شامل کیوں کرتے ہیں قرآن کے خلاف کوئی بات بھی قابل قبول نہیں،

براہ مہربانی ان کا جواب باصواب ارشاد فرمائیں اللہ تعالیٰ اجر عطا فرمادیگا،

معارف:- مکرم السلام علیکم ورحمۃ اللہ،

جوابات حسب ذیل ہیں،

۱- پورے چوبیس سو پر زکوٰۃ واجب ہوگی،

۲- صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم پر جرح و قدح کرنے سے ہر مسلمان کو اپنی زبان روکنی چاہئے، اگر آپ کو ان کا کوئی سیاسی پہلو پسند نہیں ہے، تو اس سے اُن کے دیگر فضائل محو نہیں ہوجاتے، آج ہی دیکھئے کہ علماء اور زعماء سیاست میں کس قدر مختلف رائیں رکھتے ہیں لیکن اس سیاسی اختلاف سے کسی کے جہنمی یا جنتی ہونے کا فیصلہ یا اخروی فضائل کا انکار درست نہیں، کیونکہ باوجود ان سیاسی اختلافات کے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے نہ اپنے مخالفوں میں سے کسی کو کافر کہا نہ فاسق کہا، نہ جہنمی بتایا، پھر ہم کو اور آپ کو اس کا کیا حق حاصل ہے؟ ان کا معاملہ خدا کے ساتھ ہے، آپ سے اُن کے متعلق کوئی سوال نہ ہوگا، آپ اپنی خبر لیجئے، کہ آپ سے آپ کے متعلق مواخذہ اور سوال بارگاہِ الٰہی میں ہوگا، تو اس وقت آپ اور ہم کیا جواب دیں گے، تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ (آخر پارہ الٓمٓ)

۳- حضرت شیخ الہندؒ کا مقصود یہ ہے کہ اگر دعا یوں مانگی جائے کہ اے بزرگ آپ خدا کے

مین حاضر ہے جہان مقبول و محبوب ہین، آپ میرے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے، تو ایسا کہنا شرک نہین، اگر یہ بزرگ زندہ ہین، اور بالمشافہ اُن سے آپ درخواست کر رہے ہین، تو ظاہر ہے کہ یہ شرک نہین، حضرات صحابہ سے۔

اسی طرح زندہ بزرگون کو بارگاہ الٰہی مین دعا کے اندر توسل کے لئے پیش کرنا بھی احادیث سے ثابت ہے جیسے حضرت عمرؓ نے قحط مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت عباسؓ کو اپنی دعا مین توسل کے ساتھ پیش کیا، ایک نابینا صحابی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا تعلیم فرمائی، اس مین نبی کریمؐ نے خود اپنے ساتھ توسل کے الفاظ بتلائے، اگر یہ کوئی متوفی بزرگ ہین، تو حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے اتباع اس کو جائز سمجھتے ہین مگر ہمارے مرشد مولانا اشرف علی صاحب اس کو بدعت کہتے ہین، کیونکہ حضرات صحابہ سے ایسی دعا ثابت نہین ہے،

بندے ہین، اُن پر تیری رحمت ہے، ان کی اس مقبولیت، محبوبیت اور رحمت سے جو ان پر تیری ہے، مجھے بھی حصہ دے، اور میری مشکل کشائی فرما، اعمال صالحہ سے توسل جائز ہے، اور یہ بھی اُن بزرگون کے اعمال صالحہ ہی سے توسل ہے،

آپ نے جو آیتین نقل فرمائی ہین، ان کا مقصود تو دعا، کا معبودان باطل سے مانگنا ہے، حضرت شیخ الہندؒ کا مقصد بزرگان سے دعا کرانا ہے، کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور مین ہمارے مقصد کے حصول کے لئے دعا کرین، ان دونون مین بڑا فرق ہے،

۴۔ ناسخ و منسوخ کی تعریف و حقیقت مین متقدمین اور متاخرین کا لفظی اختلاف ہے، معارف مین اس پر مفصل مضمون چھپا ہے، میری تعبیر یہ ہے کہ احکام دو قسم کے ہوتے ہین، ایک ہنگامی جیسے ایمرجنسی کرفیو آرڈر، دوسرے دوامی جیسے تعزیرات ہند وغیرہ، ہنگامی احکام کا نام ناسخ و منسوخ ہے، جو حالات کے تابع ہین، وہ حالات جب پیدا ہون گے، تو وہ احکام نافذ ہون گے، جب وہ حالات بدل جائین گے

تو وہ احکام بھی اٹھ جائین گے، یہی نسخ ہے، مثلاً ضرورت پڑے، تو مسلمانون کی قلت تعداد کے وقت ایک مسلمان دس کافر کا مقابلہ کرے گا، پھر جب کثرت ہوگی تو وہ حکم ہوگا جس مین ایک مسلمان کو دو کافرون کے مقابلہ کا حکم ہے، علی ہذا القیاس، دوسرے مسائل ہین جن کی تعداد ۵ کے قریب ہے، بقول شاہ ولی اللہ صاحب، اور بعضون کے نزدیک اس سے کم وبیش ہے،

۵- اہل البیت کا لفظ بے شبہہ قرآن پاک مین بیبیون کے لئے آیا ہے، مگر طبعاً اور ضمناً اولاد بھی داخل ہوسکتی ہے، اس لئے قرآن پاک کی تطہیر مین اصل مقصود ازواج مطہرات ہین، اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ طبعاً اور ضمناً اولاد بھی داخل ہے، جیسا کہ ہم اردو مین گھر والے کہتے ہین، جن سے اولین مقصود ازواج اور ضمناً اولاد بھی ہوتی ہے،

والسّلام "س"

تخلیق عالم کا مقصد

ڈاکٹر عین الدین صاحب رضوی
کیمپ حیدرآباد سندھ

مخدومی ومحترمی

السّلام علیکم

ایک عرصہ سے میرے دل مین یہ سوال کھٹک رہا ہے، کہ تخلیق عالم خصوصاً تخلیق انسان کا مقصد کیا ہے؟ کون سی ایسی ضرورت اور مجبوری پیش آئی کہ یہ عالم، عالم وجود مین لایا گیا، انسان کو پیدا کیا گیا، اور پھر خیر وشر نیک وبد اور عذاب کا چکر گردش مین آیا، اس سلسلہ مین جہان تک مطالعہ اور پہنچ کا تعلق ہے، مین نے کتابون اور عالمون سے اس سلسلے مین تشفی چاہی لیکن افسوس کہ اب تک کوئی ایسی کتاب یا عالم دین نہین مل سکا، جس سے میرا دل مطمئن ہوسکتا، ما خلقت الجنّ والانس الّا لیعبدون سے اللہ تعالیٰ کی مراد کیا ہے، اور اس کی ضرورت کیون ہوئی، حل طلب مسئلہ رہا ہے،

آپ کی مصروفیتوں کا مجھے علم ہے، اسی وجہ سے اب تک آپ کو زحمت نہیں دی لیکن چونکہ یہ سوال یکسوئی میں خلل ڈالتا، اور ایمان وعمل میں رخنہ انداز ہوتا ہے، اسلئے مجبوراً آپ کی طرف رجوع کرنا پڑا، کہ اس وقت میری نظر اور علم میں آپ سے زیادہ واقف دین اور ذی علم کوئی دوسری ہستی موجود نہیں، امید کہ آپ میری رہنمائی فرماکر داخلِ حسنات ہوں گے، جواب کے لئے لفافہ مع ٹکٹ حاضر خدمت ہے،

نیازمند عین الدین رضوی

معارف:- محترم دام لطفکم

السّلام علیکم،

عنایت نامہ ملا تھا، مگر اپنی مصروفیتوں کے سبب سے جواب میں تاخیر ہوئی، آپ کی الجھن آپ کی تنہا نہیں، بلکہ تمام اہلِ عقل کو جو عقل کو نقل کا معیار بنانا چاہتے ہیں، یہ اور اس قسم کی دوسری الجھنیں پیش آیا کرتی ہیں، ہمارے دوست مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی نے الدین القیم کے نام سے ایک چھوٹی سی کتاب لکھی ہے، اور دفتر الفرقان بریلی سے دس بارہ آنے یا روپیہ میں مل جائے گی، آپ اس کو ملاحظہ فرمائیں، اس کا مستقل فلسفہ ہے، اور اس میں اسی فلسفہ کی بنا پر بہت سے مسائل کا جواب ہے،

میرا ایک خطبہ الحمد وانما وللعلمی المعاش والمعاد کے نام سے معارف میں چھپا ہے اور الگ بھی ملتا ہے، دار المصنفین اعظم گڈھ میں اسلم صاحب کو لکھئے یا راندیر ضلع سورت میں مولوی محمد سعید صاحب کو لکھئے وہ بھیجیں گے،

حاصل یہ کہ خلق عالم سے غرض خالق تعالیٰ کو معاذ اللہ اپنے لئے کسی تکمیلی شان کا حصول نہیں، انّ اللہ غنی عن العالمین، اللہ تعالیٰ ساری دنیا سے بے نیاز اور غنی ہے،

اس کو کسی چیز کی حاجت نہین، محتاج ہم ہین، اللہ تعالیٰ اپنے تمام اسماء وصفات مین کامل ہے کمال طبعًا ظہور کو چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفاتِ کاملہ نے جب ظہور کیا تو یہ سارا عالم نمود مین آگیا اس عالم نمود مین انسان مرکز کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے کہ اس عالم نمود کا ہر جزء انسان کے علاؤ اول ہی سے کامل بنایا گیا ہے آفتاب جیسا بنانا تھا بنا، زمین جیسی بنی تھی بنی ہے، اشیاء کے خواص جیسے بنائے گئے بنے ہین، مگر انسان کو ایک خاص حالتِ سادہ مین بے انتہا کمالی امکانات کے ساتھ پیدا کرکے چھوڑ دیا گیا، اس کو معاشی کمال کی فطری عقل عنایت کردی گئی، کہ وہ اس کی زندگی اور معیشت کی کفالت کرے۔ اور معادی کمال کی رہبری وحی کے ذریعہ کی گئی کہ وہ عقل کی دست رس سے باہر تھی، اوران دونون سے مقصود انسان کی معاشی اور معادی تکمیل ہے، معاشی تکمیل کا ظہور تو اسی دنیا مین ہو رہا ہے جس کا نام تمدن ہے، لیکن معادی تکمیل جس کا نام تدین ہے، اُس کے نتائج کا ظہور اس عالم مین ہوگا، جو اس عالم نمود کے بعد قائم ہوگا، جس مین معادی تکمیل یافتہ افراد اپنے کمال کے اوج پہ پہنچین گے، جس کا نام جنت ہے، یا اسفل سافلین کے حضیض مین پہنچ جائین گے جس کا نام دوزخ ہے،

غور فرمائیے اگر یہ عالم نمود اور پھر یہ عالم آخرت پیدا نہ کئے جاتے، تو اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کا ظہور اور پھر عالم انسانی کی تکمیل کا ظہور کیونکر ہوتا،

اللہ تعالیٰ نے عالم کی پیدائش کو قرآن پاک مین جابجا الحق فرمایا ہے، اور اس کے بطلان کی نفی فرمائی ہے،

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا — اے ہمارے پروردگار تونے اس کو باطل نہین بنایا ہے،

اور اس کی تردید فرمائی ہے، کہ انسان بے مقصد اس عالم مین نہین لایا گیا ہے،

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا — کیا تم گمان کرتے ہو کہ ہم نے تم کو عبث بنایا،

وَاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ، اور تم ہمارے پاس لوٹ کر نہیں آؤ گے؟

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى، کیا انسان سمجھتا ہے کہ وہ بے کار چھوڑ دیا جائے گا،

یہی عالمِ حق جو خاص مقصد کے ساتھ بنا ہے، دوسرے عالم مقصد کے ہونے کی دلیل ہے کہ اگر وہ عالم انصاف و داد نہو، اور جزا و سزا کی دنیا نہ آئے تو اس عالم کی خلقت اور نمود بے غایت ہو کر رہ جائے گی، "س"

حکومتِ الٰہیہ اور مسلمانوں کا مطمحِ نظر

جناب حکیم محمد حسین صاحب
گھوڑا گلی، مری پلز،

محترمی :-

السلام علیکم،

بہت سے مسلمان علماء و مفکرین نے بھی ان مسائل کے متعلق اسلامی نقطۂ نظر کو پیش کیا ہے، اس مضمون میں بھی اسلامی سیاست پر بحث کی گئی ہے، ایسے مضامین میں عموماً یہ بڑا عیب پائی جاتی ہے، کہ ان میں اسلامی سیاست کو اس طرح پیش کیا جاتا ہے، کہ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ حکومت و سیاست ہی اسلام کا نصب العین ہے، حالانکہ یہ ظاہر ہے، کہ اسلام کا اصلی مقصد توحیدِ الٰہی، ایمان و عمل، تزکیۂ اخلاق و تجلیۂ روح وغیرہ ہیں، حکومت و سیاست اس کا ایک نتیجہ، اور اسلامی قوانین کے نفاذ کا ذریعہ اور وسیلہ ہے، جسے غلطی سے اصل قرار دے دیا جاتا ہے" (معارف جلد ۵۰ نمبر ۲، اگست ۱۹۴۲ء)

خاص سے عام تک، مقید سے مطلق تک پہنچ جانے اور سیاقِ قرآنی سے قطع نظر کر کے آیت کے ایک ٹکڑے کو مستقل حکم سمجھ لینے کا جو مغالطہ شدید پہلی صدی ہجری، بلکہ خلافتِ راشدہ ہی کے دور آخر میں خوارج کو پیش آیا تھا، حالانکہ اس میں بھی بڑے بڑے عابد و زاہد

منقی موجود تھے، اسی نوعیت کی غلطیوں میں آج مولانا مودودی کی جماعت بھی باوجود اپنے اخلاص کے گرفتار ہے"

(صدق لکھنؤ ۱۹ر جولائی ۱۹۴۶ء ص ۴، کالم ۲)

ان اقتباسات میں جو چیز مشترک ہے، وہ بظاہر یہ ہے کہ اسلام کسی ملک میں یا تمام دنیا میں ایسی حکومت کے قیام کو مسلمانوں کا مطمحِ نظر نہیں قرار دیتا، جس کے ماتحت دنیاوی قوانین واحکام کے بجائے الٰہی قوانین واحکام کا عمل درآمد ہو اور کہ اسلام کا اصل مقصد محض فرد کی روحانی اصلاح ہے' اس خیال کو بہت زیادہ واضح کرنے کی ضرورت ہے، اس طرف محض اشارہ کر دینا کافی نہیں، کیا معارف میں ایک مستقل مضمون اس پر نکلے تو بہتر نہ ہوگا، جو لوگ مودودی صاحب کی تحریریں پڑھتے ہیں، اُن کی رہنمائی کے لئے بھی اس موضوع پر مفصل اور مدلل بحث کی ضرورت ہے، اگر آپ اس کے لئے خود وقت نکال سکیں، تو بہت ہی خوب ہو، فقط

والسّلام

معارف:- جناب کو غلط فہمی ہوئی، میں نے یہ نہیں کہا کہ اسلام کسی ملک یا تمام دنیا میں ایسی حکومت کے قیام کو مسلمانوں کا مطمحِ نظر نہیں قرار دیتا، جس کے ماتحت دنیاوی قوانین واحکام کے بجائے الٰہی قوانین واحکام کا عمل درآمد ہو، اور کہ اسلام کا مقصد محض فرد کی روحانی اصلاح ہے میں نے یہ کہا ہے کہ حکومت وسیاست اسلام کا مقصود اوّل نہیں، بلکہ ثانی ہے، اور وہ بھی اس بنا پر کہ یہ بہت سے احکامِ الٰہی کے نفاذ واجرا کا ذریعہ اور وسیلہ ہے،

مثال اس کی یہ ہے کہ نماز مقصود اول ہے، اور وضو اس مقصود کے حصول کا ذریعہ اور وسیلہ اور اسی حیثیت سے وہ ثانوی ہے، تو واعظ ومتکلم اسلام کا فرض ہے کہ وضو کو ایسی اہمیت نہ دے، کہ وہ مقصودِ اصلی ہو جائے، خواہ اس سے نماز پڑھی جائے یا نہیں، اسی طرح حکومت وسیاست کو وہ اہمیت نہ دی جائے

کہ دین کے اجزائے روحانی، اس کے قوانین دنیاوی سے کم تر اور ہلکے اور بے اثر ہو جائیں، ورنہ وضو کے بحیثیت ذریعۂ نماز ہونے کی اہمیت سے جس طرح انکار ممکن نہیں، اسی طرح تنفیذ احکامِ الٰہی کے ذریعہ ہونے کے لحاظ سے حکومت و سیاست اسلامی و الٰہی کی اہمیت سے کسی کو قطعاً انکار نہیں کرنا چاہئے، اسی طرح فرد کی روحانی اصلاح جماعت کی روحانی اصلاح کا مقدمہ ہے، جماعت افراد ہی سے مرتب ہوتی ہے، جب چند افراد صالح ہو جائیں گے تو جماعت صالح پیدا ہو جائے گی، اور جب امت کے اکثر افراد صالح بن جائیں گے تو امتِ صالحہ کا وجود ہو جائے گا، اجتماعی احکام بھی اسلام میں ہیں، جو جماعتوں سے متعلق ہیں، اور ان کی اہمیت بھی کم نہیں ہے،

ہمعصر صدق کی تحریر کا مقصد تاویل و تعبیر کے طرز سے ہے، خوارج نے آغازِ اسلام میں جو طریقۂ تاویل اختیار کیا تھا، ویسے ہی اس کے خیال میں بعض لوگ آج اختیار کر رہے ہیں، اور اپنے سوا ہر ایک کو خارج از ملت بتا رہے ہیں،

"س"

عائشہؓ

کا

جدید اڈیشن

اُمّ المومنین حضرت عائشہؓ صدیقہ کے حالاتِ زندگی اور اُن کے مناقب و فضائل و اخلاق اور اُن کے علمی کارنامے اور اُن کے اجتہادات اور صنفِ نسوانی پر اُن کے احسانات، اسلام کے متعلق ان کی نکتہ سنجیاں اور معترضین کے جوابات، آخر میں علامہ سیوطی کا رسالہ عین الاصابہ فی استدراک عائشہؓ بھی ملحق ہے،

قیمت :- ہے، ضخامت :- ۳۲۹ صفحے، طبع سوم باضافہ حواشی،

"منیجر"

مطبوعاتِ جدیدہ

ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک | از مولانا مسعود عالم ندوی تقطیع بڑی ضخامت ۱۷۵ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت معلوم نہیں، پتہ دار الاشاعت نشاۃ ثانیہ حیدرآباد دکن،

ہندوستان مین مسلمانون کی دینی تجدید واصلاح اوران کی سیاسی سربلندی کے پہلے داعی اور مجاہد حضرت سید احمد بریلوی اور مولانا اسمٰعیل شہید تھے، ان کے بعد اُن کے خلفاء اور متوسلین نے بھی اس سلسلہ کو جاری رکھا، اوّل الذکر دونون بزرگون کا جہاد سکھون کے مقابلہ مین تھا، اوران کے بعد کے مجاہدین کی ٹکر انگریزون سے ہوئی، اوراس راہ مین انھون نے بڑی قربانیان کین، اور بڑی سختیان جھیلین، حضرات شہیدین کے حالات مین بہت کچھ لکھا گیا ہے، اوراب اُن کے متعلق اردو مین کافی معلومات ہین، مگر اُن کے بعد کے مجاہدین کے متعلق جستہ جستہ متفرق معلومات کے سوا مفصل ومرتب حالات نہین ملتے، لائق مؤلف نے اس کتاب مین اس پورے سلسلہ کی تاریخ قلمبند کی ہے، اوراس سلسلہ مین جو غلط فہمیان ہین، اُن کو دور کرنے کی کوشش کی ہے، مثلاً عرب مین شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی تحریک تجدید اور ہندوستان مین مولانا سید احمد بریلوی کی تحریک اصلاح وجہاد دونون تقریباً ایک ہی زمانہ مین تھین، اس لئے عام طور سے آخر الذکر کو اوّل الذکر سے ماخوذ اور اس کا ضمیمہ سمجھا جاتا ہے، حالانکہ یہ دونون تحریکین علٰحدہ علٰحدہ مستقل حیثیت رکھتی تھین، اس غلط فہمی کا سبب یہ ہے کہ یہ تحریکین انگریزون کے مصالح کے خلاف تھین، اور شیخ محمد بن عبدالوہاب کی تحریک عرب مین ترکون کے بھی خلاف پڑتی تھی، اس لیے انھون نے ان تحریکون کو

بدنام کرنے اور مٹانے کی پوری کوشش کی، اور ان کے خلاف خود مسلمانون مین ایسا پروپگنڈا کیا، کہ "وہابی" کا لقب نہ صرف باغی، بلکہ عام مسلمانون کے دشمن کا مرادف بن گیا، ہندوستان مین حضرت سید احمد بریلوی اور ان کے اتباع کو بھی اسی لقب سے بدنام کیا گیا، لائق مؤلف نے اس پروپگنڈے کے اسباب پر بحث کرکے دونون غلط فہمیون کو دور کیا ہے، اور بعض دوسری غلطیون کی تصحیح کی بھی کوشش کی ہے، اور حضرت سید صاحب کے مختصر حالات لکھے ہین، اور اُن کے خلفاء اور متوسلین کے مجاہدات اور کارنامون کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، اور جن جن طریقون سے ان کو مٹایا گیا، اس کی تفصیل ہے، مصنف نے بڑی تلاش وجستجو سے یہ حالات فراہم کئے ہین، اس کا اندازہ کتاب کے مطالعہ ہی سے ہوسکتا ہے، اس سے ہندوستان مین مسلمانون کی تجدید واصلاح اور ان کے مجاہدانہ کارنامون کی نہایت اہم کڑی جو عام نگاہون سے مستور تھی، سامنے آگئی، اور اس حیثیت سے مصنف مسلمانون کے شکریہ کے مستحق ہین، البتہ کتاب مین کہین کہین جزوی اختلافی امور مسائل مین بھی مصنف کا لہجہ ذرا سخت ہوگیا ہے، جو ان کے شدت ایمان کا نتیجہ ہے،

تدوینِ حدیث از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۹۰ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت ۱۴؍ پتہ:- ادارہ دعوۃ الحق بیگم بازار کوچہ گھاس منڈی حیدرآباد دکن،

دینی علوم مین علوم القرآن کے بعد حدیث نبوی کا درجہ ہے، بلکہ اس حیثیت سے وہ بھی علوم القرآن ہی مین شامل ہین کہ حدیث کلام مجید کے اجمال کی تفصیل وتشریح اور بہت سے قوانین اور تعلیمات کا ماخذ ہے، اگر حدیث کو الگ کردیا جائے، تو اسلامی تعلیمات کے بہت سے اوراق سادہ رہ جائین گے، اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اور عہدِ رسالت کی پوری تاریخ کا مدار تمامتر حدیث پر ہے، اس لئے وہ مذہب اسلام اور عہدِ سعادت کے حالات دونون کا سب سے بڑا ماخذ ہے، حدیث کے بغیر ہم کو سیرۃ نبوی

تک کا حال نہین معلوم ہوسکتا، اسی لئے صحابۂ کرام تابعین و تبع تابعین اور ائمۂ اسلام نے حدیث نبوی کی تعلیم اس کی حفاظت اور اشاعت مین جو اہتمام کیا، وہ دنیا کے کسی تحریری و تاریخی سرمایہ کے لئے نہین کیا گیا اس کے باوجود کچھ تاریخ حدیث سے ناواقفیت، کچھ یورپ کی صدائے بازگشت کے اثر اور زیادہ تر مذہب میں سہولت پسندی اور عقل پرستی کی بنا پر موجودہ دور کے خود ساختہ مجتہدین حدیث کی صحت اور اس کے حجتِ شرعی ہونے کے منکر ہین، بہت سے علمانے اس فتنہ کے انسداد کی کوششین کین، زیر نظر کتاب بھی اس سلسلہ کی ایک اہم اور وقیع کوشش ہے، اس مین فاضل مصنف نے مذہبی عقیدت سے قطع نظر عقلی، درایتی اور تاریخی حیثیت سے احادیث نبوی کی صحت اور اس کو لائق اعتماد ہونے پر محققانہ بحث کی ہے، اور حدیث کی حقیقت و اہمیت، اس کے رواۃ کی خصوصیات، اس سے صحابہ تابعین اور تبع تابعین کا عشق، اور اس کی تعلیم حفاظت و اشاعت مین ان کا اہتمام تدوین حدیث کے قدرتی اسباب و وسائل حدیثون کا تواتر، اس کی تدوین کی تاریخ دنیا کے دوسرے تحریری ذخیرون کے مقابلہ مین حدیث نبوی کے امتیازات وغیرہ ان تمام پہلوؤن کو جو کسی تحریری اور تاریخی سرمایہ کی صداقت اور اس پر وثوق و اعتماد کے لئے ضروری ہوسکتے ہین، اس مدلل طریقہ سے دکھایا ہے، کہ عقل پرست سے عقل پرست کے لئے بھی احادیث نبوی کی صحت نقل سے انکار کی گنجایش نہیں رہجاتی اس غلط فہمی کو خاص طور سے دور کرنے کی کوشش کی ہے کہ حدیث کی تدوین دوسری اور تیسری صدی مین عمل مین آئی، اس لئے موجودہ کتب حدیث لائق اعتماد نہین جن لوگون کو ناواقفیت کی بنا پر حدیث کی صحت کے متعلق شکوک و شبہات ہین، ان کو اس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ مصنف کو اس خدمت کی جزائے خیر دے،

حقیقتِ عبودیت، مترجمہ مولوی صدر الدین صاحب اصلاحی تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۶۴ صفحے، کاغذ کتابت، وطباعت بہتر قیمت:- عہ، پتہ دارالاشاعت نشاۃ ثانیہ حیدرآباد دکن،

یہ کتاب علامہ ابنِ تیمیہ کے رسالہ العبودیۃ کا ترجمہ ہے، یہ رسالہ بھی علامہ کی دوسری کتابون کی طرح اپنے موضوع پر نہایت حاوی اور تصحیح عقائد کے لئے بہت مفید ہے، اس مین عبودیت کی حقیقت اور اس کے تمام اجزاء و متعلقات کی تشریح کے ساتھ منافی عبودیت عقائد و اعمال کی بھی پوری تفصیل ہے، عبودیت ہی اسلام کی اصلی روح ہے، اور اس کی دوسری تمام تعلیمات اسی کے مظاہر ہین، اس لئے اس رسالہ مین گویا اسلامی تعلیمات کی پوری روح آگئی ہے، اس مین بھی جابجا مصنف کے مسلک کی شدت نمایان ہے، ترجمہ کے متعلق مترجم نے خود یہ وضاحت کردی ہے، کہ ترجمہ آزاد ہے اور عموماً مباحث کے اصل مفہوم و منشا کو لے کر اردو مین منتقل کردیا گیا ہے، اور کہین کہین حذف و اضافہ اور تلخیص سے بھی کام لیا گیا ہے، بہرحال موجودہ صورت مین ترجمہ نہایت سلیس اور شستہ ہے،

حلیۃ النبی از مولانا سید احمد صاحب قادری مدرس مدرسہ اسلامیہ شمس الہدی پٹنہ تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۰ صفحے کاغذ، کتابت وطباعت بہتر قیمت مدر، پتے شاد بک ڈپو مہندر و پٹنہ اور مکتبہ دین و دانش کھنیان کنوان روڈ پٹنہ،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی جس طرح کمالاتِ نبوت کی جامع تھی، اسی طرح حسن و جمال ظاہری مین بھی ع:-

آنچہ خوبان ہمہ دارند تو تنہا داری

کی مصداق اور مردانہ حسن کامل کا پیکر تھی، اردو مین سیرت نبوی کی کتابون مین ضمناً حلیۂ مبارک کے متفرق حالات ملجاتے ہین لیکن غالباً اس موضوع پر کوئی مستقل کتاب نہین ہے، لائق مؤلف نے اس کتاب مین حدیث و سیر کی مستند کتابون سے حلیۂ اقدس کے مفصل حالات تحریر کئے ہین، حسن موضوع نے قدرۃً قلم مین دل آویزی پیدا کردی ہے، اور تحریر مین خاصی ادبی چاشنی موجود ہے، یہ رسالہ عام طور سے مسلمانون خصوصاً شیفتگانِ رسول کے مطالعہ کے لائق ہے،

دامن تہی، از جناب مبارز الدین رفعت صاحب، تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۹۹ صفحے کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد عہ، پتہ اسٹاف ایجوکیشنل سپلائی کمپنی عابد روڈ، حیدرآباد دکن،

مصنف حیدرآباد کے مشہور صاحب قلم ہین، اس کتاب مین انھون نے انسانی زندگی کی ناکامی خصوصاً نوجوانون کے حوصلون اور جذبات کی نامرادی، اور حسن و عشق کی وارداتون کو خطوط کی شکل مین بیان کیا ہے، اور اسی قبیل کے چند شاعرانہ اور فلسفیانہ افسانے بھی ہین، ان افسانون مین بہتون کو آپ بیتی کی جھلک نظر آئے گی، مصنف نے اس کتاب پر خود یہ تبصرہ کر دیا ہے کہ اس مین کچھ خواب ہے کچھ اصل ہے کچھ طرزادا ہے، گو یہ کتاب لطف اور دلچسپی سے خالی نہین ہے، لیکن مصنف اپنے سنجیدہ قلمی دائرے مین ادب اور افسانے سے زیادہ کامیاب رہتے،

انشا، از جناب مرزا فرحت اللہ بیگ دہلوی، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۹۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت ۱۲ر پتہ، مکتبہ دہلی، اور اس کی شاخین نئی دہلی لاہور، لکھنو، اور بمبئی، نمبر ۳،

لائق مؤلف نے اس کتاب مین سید انشا، اللہ خان کے حالات، معاصر شعرا کے ساتھ ان کے معرکون اور اُن کے لطائف و ظرائف کو اپنے مخصوص دلکش انداز مین لکھا ہے اور ان کے کلام کے مختلف نمونے دیے ہین، انشا، اللہ کے حالات اور فرحت اللہ کا قلم انشا، اللہ ہونے پر سہاگہ ہے، اس مین شبہ نہین کہ انشا، اپنے علم و ذہانت و طباعی، شوخی و ظرافت، مشکل پسندی، اور معاصرین سے چشمک کی مین اپنے تمام ہمعصرون مین نمایان ہین، لیکن ان اوصاف کو چمکانے مین آزاد کی طبع سازی کو بھی بڑا دخل ہے، مصنف نے اس کی حقیقت بھی ظاہر کی ہے، کتاب کا یہ حصہ خالص طور سے مفید ہے،

نامۂ تہنیت، از آنسہ محمود رضویہ، تقطیع اوسط ضخامت ۱۴۲ صفحے کاغذ کتابت و طباعت اوسط، قیمت عار پتہ، ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد انجمن ترقی اردو کراچی،

لائق مؤلفہ روشناس لکھنے والی ہیں، اس سے پہلے ان کی بعض کتابیں شائع ہو چکی ہیں، اس کتاب میں انھوں نے تاریخ اسلام کے ابتدائی دور یعنی تبلیغ اسلام، غزواتِ نبوی، فتنہ ارتداد، فتوحات عراق و ایران و شام و مصر کے متفرق حالات اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے اخلاق و دیانت کے واقعات خصوصاً اقعات المومنین عام صحابیات اور مسلمان خواتین کے سبق آموز واقعات کو جمع کر دیا ہے، یہ واقعات زیادہ تر صحیح ہیں لیکن بعض غالباً واقدی وغیرہ کے بیانات سے ماخوذ ہیں، افسانے سے زیادہ نہیں، اشخاص اور مقامات کے ناموں میں جابجا غلطیاں ہیں مجموعی حیثیت سے کتاب لائق ستایش اور عورتوں کے مطالعہ کے لائق ہے،

اللہ کے رسول، از جناب شرافت حسین صاحب رحیم آبادی تقطیع چھوٹی ضخامت ۹۴ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت ہر پتہ ارشد حسین صاحب، مکتبہ دین و دانش مکارم نگر لکھنؤ،

مصنف نے اس کتاب میں بچوں کے لئے سادہ اور آسان زبان میں سیرت پاک کے سبق آموز واقعات و حالات تحریر کئے ہیں، اردو میں اس مقصد کے لئے بہت سی کتابیں موجود ہیں لیکن وہ مذہبی معلومات کے لئے تو مفید ہیں، مگر ان میں تعلیمی اصولوں کا لحاظ نہیں رکھا گیا ہے، اور یہ کتاب اس تعلیمی اصول پر لکھی گئی ہے کہ چھوٹے چھوٹے فقروں میں الفاظ کی تکرار کی گئی ہے جس سے وہ بچوں کے ذہن نشیں ہو جاتے ہیں اس لئے یہ کتاب مذہبی اور تعلیمی دونوں حیثیتوں سے بچوں کے پڑھانے کے لائق ہے،

مقامات از جناب احسان دانش تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۲۲ صفحے کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت معلوم نہیں، پتہ:- مکتبہ دانش مزنگ لاہور،

مقامات جناب احسان دانش کے کلام کا نیا مجموعہ ہے ان کے کلام کی خصوصیات اتنی معلوم و مشہور ہیں کہ اب ان کے لئے کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں، اس مجموعہ میں بھی یہ تمام خصوصیات موجود ہیں، شاعری کے انواع کے اعتبار سے اس میں دینی، اخلاقی، سیاسی اور اصلاحی منظومات اور مختلف النوع خیالات جذبات و تاثرات پر سنجیدہ اور مفید نظمیں ہیں، جابجا غزلوں کی رنگینی بھی نظر آتی ہے، امید ہے کہ اصحابِ ذوق میں یہ مجموعہ مقبول ہوگا، م،

جلد ۵۸ "ماہ ذوالحجہ ۱۳۶۵ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۴۶ء" عدد ۵

مضامین

شذرات — شاہ معین الدین احمد ندوی — ۳۲۲-۳۲۴

مقالات

حاکمِ حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے، — سید سلیمان ندوی — ۳۲۵-۳۴۲

ضمیمہ مسئلہ سود و قمار وغیرہ — جناب مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی ۳۴۳-۳۵۹
صدر شعبۂ دینیات ڈھاکہ یونیورسٹی،

اسلامی نظریۂ سیاست — جناب مولانا حیدر زمان صدیقی فاضلِ ۳۶۰-۳۶۷
دیوبند،

براکلمان کی کتاب کا نیا اڈیشن — پروفیسر زبید احمد صاحب الہ آباد یونیورسٹی ۳۶۸-۳۶۹

آثارِ علمیّہ

مکاتیب مولانا عبدالحئی فرنگی محلی" — ۳۷۰-۳۸۴

استفسار و جواب

شق القمر کا ذکر قرآن مجید میں — "ا ج" — ۳۸۵-۳۸۷

نہایۃ کی اصلیت، — "ر" — ۳۸۷-۳۸۹

عقوق والدین — " — ۳۸۹-۳۹۲

لحم خنزیر کی حرمت — " — ۳۹۲

ادبیات

عرضِ حال — جناب طالوت — ۳۹۳-۳۹۴

کیفِ اضطراب، — جناب انور کرمانی — ۳۹۴-

مطبوعاتِ جدیدہ — م — ۳۹۵-۴۰۰

شذرات

ہندو مسلمانوں میں جو افسوسناک اختلاف اور جنگ و خونریزی بپا ہے، مرکزی حکومت میں مسلم لیگ کی شرکت سے اس کے ختم ہو جانے کی توقع پیدا ہو گئی ہے، بشرطیکہ دونوں میں اخلاص کے ساتھ اتحاد و اتفاق، باہمی اعتماد، اور اشتراک عمل کا جذبہ پیدا ہو جائے، گو مصالحت کی ذمہ داری دونوں پر ہے، لیکن اقلیت کو خطرات اکثریت کی جانب میں، اس لئے اس پر ذمہ داری زیادہ ہے، اور اس کے لئے ضرورت ہے فرقہ وارانہ تنگ دلی و تنگ نظری کو چھوڑ کر وسعت قلب اختیار کرنے اور اقلیت کے خطرات کو دور کر کے ہر طرح سے اسے مطمئن کرنے کی اس کے بغیر اصل بنائے فساد ختم نہیں ہو سکتی،

اسی کے ساتھ ان تمام باتوں سے احتراز ضروری ہے، جن سے کسی جماعت کے جذبات مشتعل و مجروح ہوتے ہوں، ہر جماعت کو اپنے نصب العین، اور طریقہ کار کی صحت کی تبلیغ و اشاعت کا پورا حق ہے، لیکن دوسروں کی تنقیص و مذمت سے نہیں، بلکہ دلائل و عمل سے، مذمت و دل آزاری سے اختلاف کی آگ اور بھڑکتی ہے، اور اس غلطی میں ذمہ دار و غیر ذمہ دار فرقہ پرست و قوم پرور لیڈروں اور اخبارات سب کا حال یکساں ہے، الا ماشاء اللہ،

کلکتہ کے ہنگامہ سے لیکر اس وقت تک جو وحشیانہ خونریزی جاری ہے، وہ حد درجہ قابل ملامت اور ہندو مسلمان دونوں کے لئے انتہائی شرمناک ہے، کسی انسان کی جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ نہیں، معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان میں پھر دور وحشت لوٹ آیا ہے، لیکن ایسے مواقع پر بڑی احتیاط کی ضرورت ہے، اس میں ذرا سی بے احتیاطی بڑے برے نتائج پیدا کرتی ہے، افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے، کہ اس سلسلہ میں نہ صرف غیر ذمہ دار اشخاص، و جماعتوں بلکہ قوم پرور جماعتوں تک کا رویہ نامناسب رہا، اور ان کے

ذمہ دار لیڈروں کے بیانات نہایت غیر محتاط، بلکہ اشتعال انگیز ہیں،

اس قسم کے فتنہ و فساد کا مجرم کسی خاص جماعت کو قرار دینا صحیح نہیں ہے، ورنہ یوں تو ہر جماعت دوسری کو ملزم بنا سکتی ہے، اور اس کے دلائل بھی رکھتی ہے، درحقیقت یہ ہنگامے ہر جماعت کے فتنہ پرست عنصر کی مشترک شر انگیزی کا نتیجہ، اور سب کے نزدیک یکساں قابل ملامت ہیں، اس کا الزام تنہا کسی ایک جماعت کے سر منڈھ کر اس کی تشہیر کرنا عوام کو انتقام کے لئے ابھارنا ہے جس کے نتائج بہار میں ظاہر ہو رہے ہیں، معلوم نہیں ان کی ذمہ داری کس کے سر ہو گی ؟

ہندو مسلمان دونوں کو اس کا یقین رکھنا چاہیے کہ ان میں سے کوئی بھی دوسرے کو مٹا نہیں سکتا، نہ اکثریت اقلیت کو پامال کر سکتی ہے، اور نہ اُسے نظر انداز کر کے تنہا ملک کی کوئی مفید خدمت انجام دے سکتی ہے، اور نہ اقلیت محض مخالفت اور مزاحمت سے اکثریت کو نقصان یا اپنی قوم کو حقیقی فائدہ پہنچا سکتی ہے، اور نہ مزاحمت کی پالیسی ہمیشہ چل سکتی ہے، دونوں کو اسی سرزمین میں رہنا ہے، دونوں کے بہت سے سیاسی و ملکی مفاد مشترک ہیں، اس لئے تحفظ حقوق کی پوری ضمانت کے ساتھ باہم اتحاد اور اشتراک عمل ضروری ہے،

ایسی دو قومیں جن کا چولی دامن کا ساتھ ہو، ہمیشہ برسرپیکار نہیں رہ سکتیں، اگر بھی وہ ملک کی بھلائی کے لئے کشادہ دلی سے متحد نہیں ہوتیں، تو ایک نہ ایک دن جنگ و جدال سے تھک کر خونریزی و بدامنی اور جانی و مالی نقصان سے گھبرا کر ملنے پر مجبور ہوں گی، اس لئے جو صورت بعد از خرابی بسیار ہونے والی ہو، اس کو پہلے ہی زیادہ خوشنما طریقہ سے کیوں نہ اختیار کر لیا جائے، اس وقت ایسا موقع آگیا ہے کہ اگر دونوں جماعتوں کے لیڈر ہوشمندی سے کام لیں تو موجودہ صورت حال بدل سکتی ہے، اسی پر دونوں کی فلاح منحصر ہے،

ہیرلڈ ٹریبیون نیویارک کے ایک نامہ نگار ایلن ریمانڈ جنھوں نے حال ہی میں ٹرکی کا سفر کیا تھا وہاں کے حالات پر اخبار مذکور میں ایک مضمون لکھا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹرکی میں بڑا مذہبی انقلاب رونما ہوا اور گذشتہ لامذہبیت اور بے دینی کی جگہ ہر طبقہ میں ایک عام مذہبی رجحان پیدا ہو گیا ہے مارشل چقماق جو جدید ٹرکی

کی ایک نمایان و ممتاز شخصیت ہین، راسخ العقیدہ مسلمان ہین، دیہات سے لیکر شہرون تک کی مسجدین ہر طبقہ کے نمازیون سے بھری رہتی ہین، ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ ترکی کا پرانا مذہبی دور لوٹ آیا ہے،

غنیمت ہے کہ چند ہی برسون کے تجربہ کے بعد ترکون کو اپنی غلطی کا احساس ہوگیا، اور ان کو معلوم ہوگیا کہ ان کی فلاح نہ قدیم تورانیت کی جانب رجعت قہقری مین ہے، اور نہ مغربیت کی اندھی تقلید مین، کوئی متمدن قوم اپنے دور وحشت پر فخر نہین کرسکتی، اور نہ اس کے احیاء سے اس زمانہ مین کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے، مغرب پرستی کا بھی پورا تجربہ ہوچکا، کہ اس سے نہ وہ مغربی اقوام مین شامل ہوسکتے ہین، اور نہ اُن کی نگاہ مین ان کی وقعت بڑھ سکتی ہے، اور جب بھی کوئی موقع آئے گا، تو اُن کے ساتھ وہی سلوک ہوگا جو مشرقی قومون کے ساتھ ہوتا چلا آیا ہے، اگر کوئی مغربی قوم کسی موقع پر ان کی حمایت بھی کرے گی، تو ان کی ہوا خواہی مین نہین، بلکہ اپنے مفاد کے لئے، اور جب مفاد بدل جائے گا، تو اس کا رُخ بھی بدل جائے گا، جو قومین اپنی ہمجنس کمزور قومون کے ساتھ انصاف نہین کرسکتین، ان سے دوسرون کو کیا توقع ہوسکتی ہے، اس لئے ترکون کی دنیاوی فلاح بھی اسلام ہی سے وابستہ ہے، اس سے وہ دنیا کی ایک عظیم الشان قوم کی برادری مین شامل ہون گے، اور ساری دنیائے اسلام کی ہمدردی ان کے ساتھ ہوگی، جو بے اثر چیز نہین،

جدید تحریکون کے اثر سے ہندوستان کے نوجوان تعلیم یافتہ مسلمان بھی جغرافی قومیت و وطنیت سوشلزم، وکمیونزم وغیرہ کی طرف بھٹک رہے تھے، خوشی کا مقام ہے کہ اب وہ اسلامی قومیت کی طرف پلٹ رہے ہین، اور ان مین مذہبی رجحان، مذہبی معلومات کے حصول کا شوق اور اپنی قومی روایات کے تحفظ کا جذبہ پیدا ہوگیا ہے، اور اب وہ اپنے مسلمان کہلانے پر شرم نہین بلکہ فخر کرتے ہین، گو ابھی ان کی مذہبیت زیادہ تر سیاسی رنگ کی ہے، لیکن اگر ان کی صحیح رہنمائی کی جائے تو وہ اس راہ سے خالص مذہب کی طرف آسکتے ہین،

مقالات

سیرۃ نبویؐ جلد ہفتم کا ایک باب

حاکمِ حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے؟

قَالَ اللہ تعالیٰ اِنِ الحکمُ اِلّا للہ، (سورۂ انعام) حکم کسی کا نہین مگر اللہ کا،

آیتِ بالا مین ارشادِ خداوندی ہے کہ حکم کسی کا نہین مگر اللہ تعالیٰ کا ہے، اس لئے اسلام مین حاکمِ حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے، لیکن احکامِ الٰہی کی دو قسمین ہین، ایک تشریعی یعنی وہ احکام جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ سے شریعت بن کر نازل ہوتے ہین، اور دوسرے تکوینی یعنی وہ احکام جو فطری حیثیت سے مخلوقاتِ عالم مین ودیعت رکھے گئے ہین، ان دونون قسمون کے لحاظ سے صرف اللہ تعالیٰ ہی حاکم ہے، اور اسی کا حکم جاری وساری ہے، دنیا مین ایسے بادشاہ گذرے ہین جنھون نے نمرود فرعون بن کر دعوائے بادشاہی کیا، مگر ان کو بھی تکوینی احکامِ الٰہی کے آگے سرنگون ہوکر جان دینی پڑی، اور یہ شبہہ ان سلاطینِ عالم کو اس لئے پیش آتا ہے، کہ وہ اپنے تشریعی احکام اور فرامین کے آگے جب خدا کے بندون کو مطیع پاتے ہین، تو غرور سے تکوینی احکام کا آمر بھی اپنے کو جاننے لگتے ہین، اسلام نے شک وشبہہ کے اس رشتہ کو کاٹ ڈالا ہے، اس نے یہ قرار دیا ہے کہ سلاطین نہ تشریعی اختیار رکھتے ہین، اور نہ تکوینی، زمین سے آسمان تک ساری بادشاہی اوسی کی ہے، اور امر تکوینی ہو یا تشریعی، اوس مین اسی کا فیصلہ فیصلہ ہے، اس معنی کی قرآن پاک کی کئی آیتین ہین،

ان الحکم الا للہ، (یوسف) حکم نہیں مگر اللہ کا،

الا لہ الحکم وھو اسرع الحاسبین (انعام - ۸) ہاں اُسی کے لئے حکم کرنا ہے اور حساب کرنے والوں میں وہ سب سے تیز ہے،

لہ الحکم والیہ ترجعون، (قصص) اسی کا حکم کرنا ہے اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے

امر تکوینی و فطری میں تو انسان کی ناچاری و مجبوری ظاہر ہے کہ وہ نہ زمین آسمان اور خاک و باد و آب و آتش اور جسم و جان میں ایک ذرہ کی کمی بیشی بھی نہیں کر سکتا، نہ اشیاء کے خواص کو بدل سکتا ہے، نہ اس کی صفات میں تغیر کر سکتا ہے اور نہ اس کے قواعد و قوانین میں ایک ذرہ کی کمی و اضافہ کر سکتا ہے، ان احکام کے آگے سب ہی سر افگندہ اور ناچار ہیں، حضرت ابراہیمؑ کے عہد میں ایک بادشاہ نے جب خدائی کا دعویٰ کیا، تو آپ نے اس کو اسی دلیل سے خاموش کر دیا، فرمایا:-

فان اللہ یاتی بالشمس من المشرق فات بھا من المغرب فبھت الذی کفر (بقرہ - ۳۴) تو اللہ سورج کو پورب سے نکالتا ہے تو تو اس کو پچھم سے نکال، تو وہ کافر لاجواب ہو گیا،

حکومت و سلطنت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، دنیا میں بھی جو لوگ حاکم کہلاتے ہیں، وہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی عطا اور بخشش سے ہوتے ہیں،

اللھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء، اے اللہ سلطنت کے مالک تو جس کو چاہے سلطنت دے،

اس لئے ان میں راہ صواب پر وہی ہیں، جو اپنے کو اللہ تعالیٰ کے احکام تکوینی کی طرح اس کے احکام تشریعی کے بھی تابع سمجھتے ہیں، اور جو یہ سمجھتے ہیں، کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے حکومت اسی لئے دی ہے کہ

وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو دنیا مین رائج اور شائع اور اس کی شریعت کے مطابق احکام کو جاری کرین،

اس عقیدہ کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ یہ مانا جاتا ہے کہ احکام کے اجرا اور قوانین کے وضع کا اصلی حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے البتہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت مین احکام اور قوانین مین جو کلیات اور قواعد بیان فرما دیے ہین، اُن کے تتبع سے اہل علم اور مجتہدین دین نئے نئے احکام جزئیہ مستنبط کرسکتے ہین ان احکام الٰہی کی نسبت اس حیثیت سے کہ ان مین عقلی مصلحتین ہون اور طبعی نفع وضرر پر مشتمل ہون بے شبہہ اہل عقل اپنی عقل وفہم سے فیصلہ کرسکتے ہین لیکن شریعت مین احکام کا مدار صرف اسی حیثیت پر نہین ہے، بلکہ اس سے اہم حیثیت یہ ہے کہ ان مین سے کس بات کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا یا عدم رضا شامل ہے، یا یون کہئے کہ کس فعل پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثواب یا عقاب مترتب ہوتا ہے، اس کا حال صرف اللہ تعالیٰ کے ارشاد اور رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیان ہی سے معلوم ہوسکتا ہے اہل عقل اپنی ناقص عقل سے جو کچھ کہتے ہین، اگر وہ حکم الٰہی کے مطابق نہین ہے، تو گو اس مین کچھ ظاہری مصلحتین ہون، مگر حقیقی مصلحتون کے جاننے کے لئے امر غائب اور مستقبل کا صحیح علم ہونا ضروری ہے، اور یہ انسان کے بس سے باہر کی بات ہے، اس لئے حقیقی مصلحتین اسی حکم مین ہین، جس کو خدائے عالم الغیب نے نازل فرمایا،

ان تمام مذکورۂ بالا امور کے لحاظ سے اسلام کا یہ عقیدہ ہے کہ قانون کا حاکم اور امر ونہی کا واضع صرف اللہ تعالیٰ ہے، قرآن پاک اور احادیث صحیحہ مین اس حقیقت کو مختلف پیرایون مین ادا کیا گیا ہے، عام طور سے فقہا نے اس پر ان دو آیتون سے استدلال کیا ہے،

۱۔ اِنِ الحکم الا للہ (انعام و یوسف) حکم صرف اللہ کے لئے ہے،

۲۔ الا لہ الخلق والامر، ہان! وہی اللہ کے لئے ہے، پیدا کرنا اور حکم دینا، (اعراف)

یہ دونوں آیتیں جن موقعوں پر وارد ہیں، اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم اور امر تکوینیات اور حوادث عالم سے متعلق ہے، پہلی آیت دو جگہ ہے، سورۂ انعام اور سورۂ یوسف میں، سورۂ انعام کا موقع یہ ہے کہ کفار نبی کی صداقت کے ثبوت میں عذاب کا جلد مشاہدہ چاہتے ہیں، اس کے جواب میں ہے،

مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ یَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ (انعام ۷-)	جس چیز کا تم تقاضا کر رہے ہو، وہ میرے پاس نہیں، حکم کسی کا نہیں، بجز اللہ تعالیٰ کے، اللہ تعالیٰ واقعی بات بتلا دیتا ہے اور وہی سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔

دوسری جگہ سورۂ یوسف میں اس موقع پر ہے، جب حضرت یعقوبؑ بیٹوں کو ہدایت کرتے ہیں کہ مصر میں مختلف دروازوں سے داخل ہونا کہ کسی آفت میں نہ پھنسو، پھر فرماتے ہیں، کہ یہ تو انسانی تدبیر ہے، مگر ہوگا وہی جو اللہ چاہتا ہے،

وَمَآ اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَیْهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ (یوسف - ۸)	اور خدا کے حکم کو میں تم سے نہیں ٹال سکتا، حکم تو بس اللہ ہی کا چلتا ہے، (باوجود اس تدبیر ظاہری کے دل سے) اس پر بھروسہ رکھتا ہوں اور اسی پر بھروسہ رکھنے والوں کو بھروسہ رکھنا چاہیے،

دوسری آیت کا موقع یہ ہے:-

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُغْشِی الَّیْلَ النَّهَارَ	بے شک تمہارا رب اللہ ہی ہے، جس نے سب آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں پیدا کیا، پھر عرش پر قائم ہوا، چھپا دیتا ہے

يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ، (اعراف - ۷)

شب سے دن کو ایسے طور پر کہ وہ شب اس دن کو جلدی لے آتی ہے، اور سورج اور چاند اور دوسرے ستاروں کو پیدا کیا ایسے طور پر کہ سب اسی کے حکم کے تابع ہیں، یاد رکھو اللہ ہی کے لئے خاص ہے خالق ہونا اور حاکم ہونا بڑی خوبیوں کے ساتھ بھرے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ جو تمام عالم کے پروردگار ہیں

صاف ظاہر ہے کہ اس امر کا تعلق خلق و تکوین سے ہے، ہاں یہ ہوسکتا ہے، کہ لفظ امر اور حکم کو فنوی وسنت کی بنا پر امور شرعی کو بھی کسی درجہ میں شامل ہوجائیں لیکن قرآن پاک اور احادیث میں جب دوسرے تصریحی دلائل اس دعویٰ پر موجود ہیں، تو اس تصریح کو چھوڑ کر صرف اجمالی دلیل پر قناعت کیوں کی جائے،

عبادت کے معنی صرف کسی کو معبود بنا کر پکارنے ہی کے نہیں ہیں، بلکہ اگر کسی کو زبان سے معبود نہ بھی کہا جائے، اور اس کی ظاہری پرستش نہ بھی کی جائے لیکن اس کے احکام کی مثل خدا کے حکم کی مستقلاً اطاعت کی جائے، تو یہ بھی عبادت ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے ادا ہوتا ہے،

لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ (مریم) شیطان کی عبادت نہ کرو،

دوسری جگہ ارشاد الٰہی ہے :-

أَنْ لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ، (یٰسین) یہ کہ شیطان کی عبادت نہ کرو،

ظاہر ہے شیطان کی عبادت کوئی نہیں کرتا، لیکن جو شیطان کی باتوں پر عمل کرتا، اور اس کے

حکمون کو مانتا ہے، وہی شیطان کی عبادت کرتا ہے، اس لئے حکم الٰہی ہے،

وَقَضٰی رَبُّكَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اللّٰهَ، (اسرائیل ۳) اور تیرے پروردگار کا یہ فیصلہ ہو چکا کہ اللہ کے سوا کی عبادت نہ کرو،

سورۂ کہف مین ہے :-

وَلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا (۲۶) اور نہ اللہ کسی کو اپنے حکم مین شریک کرتا ہے،

سورہ کے آخر مین ہے،

وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا (کہف - ۱۲) اور اپنے رب کی عبادت مین کسی کو شریک نہ کرے،

یہ عبادت ہر قسم کی اطاعت کو شامل ہے، قرآن پاک نے دوسرے موقع پر تصریح کی ہے کہ شرک صرف یہی نہین ہے کہ ایک خدا کو دو خدا کہا جائے، بلکہ یہ بھی ہے کہ خدا کی اطاعت بلا واسطہ مین کسی اور کو شریک ٹھہرایا جائے، سورۂ انعام مین حلال اور حرام کھانے کی تفصیل کے بعد ارشاد ہے کہ

وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ، (انعام - ۱۴) اور بے شبہ شیطان اپنے دوستون کو سکھاتے ہین کہ تم سے جھگڑا کرین، اور اگر تم ان کی اطاعت کرلو، (ان کی بات مان لو) تو یقیناً تم مشرک ہو جاؤ،

اوپر کی آیتون سے واضح ہوا کہ اطاعت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، یہان سوال پیدا ہوگا، تو پھر اسلام مین انبیاء اور ائمہ زمانہ اور خلفاء کی اطاعت کا حکم کیونکر صحیح ہو سکتا ہے، جواب یہ ہے کہ بے شبہ اسلام مین اطاعت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، اور رسولون کی اطاعت احکام الٰہی کی تبلیغ اور احکام الٰہی کے اجراء و تنفیذ مین حکم الٰہی کے تحت مین ہے، ارشاد الٰہی ہے،

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ — اللہ کی اطاعت کرو، اور رسول کی اور
وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ، — اولی الامر کی اطاعت کرو،

اولوالامر کی اطاعت خواہ اس سے مراد علماء ہوں یا حکام، خدا کے احکام کے تحت اسی کے احکام کی تنفیذ اور اجراء میں ہے، اور رسول کی اطاعت بھی احکام الٰہی کی تسلیم اور تنفیذ ہی کی خاطر ہے، جیسا کہ ارشاد ہے :-

وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ، (نساء - ۸) — اور جو رسول کی اطاعت کرتا ہے، اس نے اللہ کی اطاعت کی،

اس سے پہلے اسی سورہ میں ہے،

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰہِ، — اور ہم نے کسی رسول کو نہیں بھیجا، لیکن اس لئے کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت کیجائے

یہود اور نصاریٰ نے احکام الٰہی کو چھوڑ کر اپنے راہبوں اور کاہنوں اور پوپوں کی اطاعت کو دین بنا رکھا تھا، اور ان کا حکم، حکم خدا سے ماخوذ و مستنبط نہیں بلکہ مستقل حکم کے طور پر بجا لایا جاتا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اُن کو شرک کا ملزم قرار دیا ہے، اور ان سے جزیہ یا قتال کا حکم دیا گیا ہے، ارشاد ہے

قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَلَا یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ (توبہ - ۴) — اہل کتاب میں سے اُن سے لڑو جو اللہ اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتے، اور نہ جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا، اس کو حرام مانتے ہیں، اور نہ دین حق کی اطاعت کرتے ہیں،

ان آیات میں اہل کتاب پر ایمان نہ رکھنے کا جو الزام قائم کیا گیا ہے، وہ اسی لحاظ سے ہے کہ

وہ صرف حکم الٰہی کے پابند نہیں ہیں، بلکہ یہ مرتبہ انھوں نے خدا کے بندوں کو بھی دے رکھا ہے، چنانچہ اس کے بعد اس کی تصریح ہے،

اتَّخَذُوٓا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ	انھوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے عالموں اور
أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحَ ابْنَ	راہبوں کو رب بنا رکھا ہے، اور مریم کے
مَرْيَمَ وَمَآ أُمِرُوٓا إِلَّا لِيَعْبُدُوٓا	بیٹے مسیح کو حالانکہ اُن کو صرف یہ کہا
إِلَٰهًا وَاحِدًا	گیا ہے، کہ ایک ہی معبود برحق کی
(توبہ - ۵)	عبادت کریں،

عالموں اور راہبوں کو رب بنانا اسی بنا پر ہے کہ وہ اُن کے حکموں کو بھی مستقلاً خدا کا حکم تسلیم کرتے تھے، کیونکہ ان کو یہ دعویٰ تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو غیبی طور سے اپنے حکموں سے اور معاملات کے فیصلوں سے مطلع فرماتا ہے، اسلام نے اُن کو دوسری سورہ میں اس شرک سے باز رہنے کی دعوت دی،

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ	اے کتاب والو! آؤ ایک بات کی طرف
سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا	جو ہمارے اور تمھارے درمیان یکساں
نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ	مانی ہوئی ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی
شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا	اور کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ
أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ،	کسی کو شریک بنائیں، اور نہ خدا کو چھوڑ کر
(آل عمران ۷۰)	ہم میں ایک دوسرے کو رب بنائیں،

یہ رب بنانا اطاعت ہی کی بنا پر ہے، ترمذی اور مسند احمد میں ہے کہ جب عدی بن حاتم جو ایک عیسائی عرب امیر تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آپ نے اُن کے سامنے سورہ توبہ والی آیت مذکور پڑھی، تو عدی نے کہا "وہ اُن کو معبود نہیں بناتے"، فرمایا کیوں نہیں انھوں نے

ان کے احکام کو ماننا یہی ان کو معبود بنانا ہے، الفاظ یہ ہیں، فذالک عبادتھم ایاھم[1] ترمذی کی روایت میں ہے، کہ آپ نے فرمایا، کہ ہاں وہ اُن کی عبادت نہیں کرتے تھے، لیکن جب وہ کسی چیز کو حلال کہتے تھے، تو یہ حلال مان لیتے، اور جب حرام کرتے ہیں تو حرام سمجھ لیتے ہیں[2]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی شے کو حلال یا حرام ٹھہرانا کسی انسان کا کام نہیں، بلکہ خدا کا ہے، اور اسی کا نام وضع حکم ہے، اس تحلیل اور تحریم میں کسی کو شریک ٹھہرانا عین شرک ہے، اسی طرح خدا کے علاوہ یا خدا کے حکم کے ساتھ بلا وساطتِ حکمِ خداوندی بالاستقلال کسی دوسرے کے حکم کی اطاعت بھی شرک ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے عرب اور یہود منافقین کو جو قانونِ الٰہی کی سختی سے بچنے کے لئے یا عدم ایمان کے سبب سے اپنے مقدمات یہود یون کی رواجی عدالت میں یا عرب کاہنون کے پاس لیجاتے تھے، زجر و توبیخ فرمایا، اور اُن کے اس فعل کو کھلا نفاق اور شرک فرمایا، چنانچہ بعض اصولی احکامِ عدل و انصاف اور طریقِ اطاعتِ احکام کے ذکر کے بعد ارشاد ہے :-

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ	کیا تو نے ان کو نہیں دیکھا، جو گمان کرتے
اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ	ہیں کہ وہ اُس پر جو تیری طرف اُتارا گیا،
مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا	اور جو تجھ سے پہلے اُتارا گیا ایمان لا چکے ہیں،
اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ	وہ چاہتے ہیں کہ طاغوت کو اپنا حاکم بنائیں،
يَّكْفُرُوْا بِهٖ،	حالانکہ ان کو حکم دیا گیا ہے، کہ وہ اُس
(نساء - ۹)	کو نہ مانیں،

طاغوت لغت میں ہر اُس شے کو کہتے ہیں کہ جس کو خدائے تعالیٰ کو چھوڑ کر معبود بنایا جائے، کُل معبود من دون اللہ اور اہلِ تفسیر نے شانِ نزول کا لحاظ کر کے کبھی اوس سے کاہنون اور جادوگرون کی

---

[1] تفسیر ابن کثیر [2] ترمذی تفسیر آیت توبہ،

اور کبھی یہودی حاکموں کو مراد لیا ہے، اس لئے اس کا مشترک مفہوم یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جس کے احکام کو قانون کا درجہ دیکر اطاعت کی جائے، اور اس کے مطابق فیصلہ چاہا جائے، وہ طاغوت ہے، قرآن مجید میں یہ لفظ سات جگہوں پر آیا ہے، اور ہر جگہ اس سے مراد حاکم باطل اور معبود باطل لیا گیا ہے،

قوانین الٰہی کو چھوڑ کر کسی اور قانون کے مطابق فیصلہ کرنا اور فیصلہ چاہنا فسق ہے، اور اس کا مرتکب فاسق کہلائے گا،

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ	اور اللہ نے جو اتارا ہے اس کے رو سے جو
فَأُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ (مائدہ)	فیصلہ نہیں کرتے، وہی فاسق ہیں،

اللہ تعالیٰ نے ان احکام کا دوسرا نام حدود ارشاد فرمایا ہے، حدود وہ نشانات ہیں، جہاں تک آگے بڑھنے کی انسان کو اجازت ہے، اور جس سے تل بھر آگے بڑھنے کی جرأت گناہ اور عصیان ہے، یہ حدود اللہ تعالیٰ ہی کے بتائے ہوئے اور رکھے ہوئے ہیں، قرآن پاک میں سورہ بقرہ اور نساء اور طلاق میں احکام الٰہی کے بیان کے بعد ارشاد ہے،

تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ	یہ اللہ کی بنائی ہوئی حدیں ہیں،
تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ وَمَنْ يَتَعَدَّ	یہ اللہ کی بنائی ہوئی حدیں ہیں، جو ان
حُدُودَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ	حدود سے آگے بڑھے گا وہ اپنے آپ
(طلاق)	پر ظلم کرے گا،

سورۂ نساء میں وصیت کے قواعد کی تفصیل بتا کر آخر میں ارشاد ہوتا ہے :-

تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ	یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں، اور جو اللہ اور
وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِي	اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے اللہ
مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَا	اس کو جنت میں داخل کرے گا، جن کے

وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ وَمَنْ يَعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ (نساء - ۲)

نیچے نہریں بہتی ہوں گی، اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے، اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کریگا، اور اللہ کی حدود سے آگے بڑھیگا اس کو وہ دوزخ میں ڈالیگا،

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ان حدود پر عمل اللہ و رسول کی اطاعت اور اس کی جزا جنت کی نعمت ہے اور ان سے انحراف اللہ و رسول کی نافرمانی اور اس کا نتیجہ دوزخ کی سزا اور ذلت کی مار ہے، اور رسول کی اطاعت درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے،

قانون و شرع کی حقیقت تحلیل و تحریم ہی ہے، اور یہ حق صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے، انسان اگر اپنی طرف سے کسی قانون کو وضع کرے، اور بلا سند الٰہی کسی شے کو حلال یا حرام کرے تو اس کا نام "افترا علی اللہ" خدا پر جھوٹ تہمت باندھنا ہے، ارشاد ہوا:-

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (نحل - ع ۱۵)

اور جن چیزوں کو تم اپنی زبان سے (حلال و حرام) بتاتے ہو ان کی نسبت یہ نہ کہو کہ یہ حلال ہے، اور یہ حرام تاکہ تم اللہ پر جھوٹ تہمت لگاؤ، یہ (دنیا میں) چند روزہ فائدہ ہے، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے،

اس آیت پاک میں نہ صرف یہ کہ اس حلال و حرام کی شریعت کو اپنے لئے مخصوص فرمایا، بلکہ یہ بھی پیشین گوئی فرمادی کہ جو لوگ شریعت الٰہی کو چھوڑ کر خود اپنی شریعت بنائیں گے، گو ان کو تھوڑے دن کا فائدہ حاصل ہو جائے، مگر وہ ان کے لئے عذاب ہی ثابت ہوگا، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو شریعتِ الٰہی کے مُظہر تھے، اور بندوں کو احکامِ الٰہی سے آگاہ فرماتے تھے، اور اس حیثیت سے آپ کا ہر حکم حکمِ الٰہی ہے لیکن حکمِ الٰہی کے بغیر ایک مرتبہ ایک چیز کو اپنے لئے آپ نے حرام قرار دیا، تو عتابِ الٰہی آیا،

یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ	اے پیغمبر! تو کیوں اوس کو حرام کرتا ہے
اللّٰہُ لَکَ، (تحریم)	جس کو اللہ نے تیرے لئے حلال کیا،

اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ استحقاق بالاستقلال نبی کو بھی حاصل نہیں، حالانکہ ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ کسی مُباح چیز کا استعمال اپنی کسی ذاتی مصلحت کی بنا پر ترک کر دے، مگر جب رسُول نے ایسا کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس حق کے استعمال سے آپ کو منع فرما دیا، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اس سے دو نقصان تھے، ایک یہ کہ نبی کا ہر شرعی فعل جو اس کے لئے مخصوص نہ ہو، اُمت کے لئے تحتِ حکمِ الٰہی شرع کا حکم رکھتا ہے، اس قاعدہ کی بنا پر آپ کے اس ترک سے اُمت اپنے لئے بھی ایک حلال چیز کو حرام سمجھ لیتی، دوسرے یہ ثابت ہوتا کہ نبی کو بغیر اذنِ الٰہی کے بھی حق تشریع ہے جو صحیح نہ ہوتا، اسی لئے نبی کی تشریعی حیثیت یہی ہے کہ وہ شریعتِ الٰہی کا مُبلغ اور قانونِ ربانی کا شارح اور مُظہر ہے، قرآن پاک کی اس آیت میں ہے،

وَلَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ	اور یہود و نصاریٰ اسے حرام نہیں کرتے
(توبہ - ۴)	جس کو اللہ اور اُس کے رسول نے حرام کیا ہے،

اس آیت میں رسول کی طرف جو تحریم کی نسبت ہے وہ اس حیثیت سے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مبلغ تھے جن کی اطاعت عین اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے جس طرح احکام میں اولوالامر کی اطاعت عین رسول کی اطاعت ہے کیونکہ وہ رسول ہی کے لائے ہوئے احکام کو پیش کرتے ہیں،

اسلامی علوم کی تدوین کے زمانہ میں یہ مسئلہ کہ حاکم شرع اللہ تعالیٰ ہے، اصول کا مسئلہ بن گیا ہے، چنانچہ علم عقائد اور اصول فقہ کی کتابوں میں اس مسئلہ پر بحثیں موجود ہیں،

علم اصولِ فقہ مین یہ مسئلہ اس حیثیت سے زیرِ بحث آیا ہے، کہ واضع قانون صرف اللہ تعالیٰ ہے، اور اسی کے امر و نہی سے بندون نے فرض و واجب اور حرام و حلال کو جانا،

علامہ آمدی المتوفی ۶۳۱ھ اپنی کتاب الاحکام فی اصول الاحکام مین لکھتے ہین،

اعلم انہ لا حاکم سوی اللہ	جاننا چاہئے کہ حکم دینے والا اللہ تعالیٰ کے
تعالیٰ ولا حکم الا ما حکم بہ،	سوا کوئی نہین، اور حکم وہی ہے جس کا اللہ
وتفرع علیہ ان العقل لا یحسن	تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے، اور اسی اصل پر یہ
ولا یقبح، ولا یوجب شکر المنعم	مسئلہ متفرع ہے، کہ عقل نہ کسی کو اچھا کہتی
وانہ لا حکم قبل ورود الشرع	ہے، اور نہ بُرا، اور یہ کہ محسن کا شکر عقلاً نہین
(ص ۱۱۳، مصر)	ہے، اور یہ شرع کے ورود سے پہلے کوئی حکم نہین

مقصود یہ ہے کہ احکام شریعت اور قانونِ شرعی کا واضع صرف اللہ تعالیٰ ہے، اور اسی کا حکم حکم ہے، اور اسی کا قانون قانون ہے، اس بنا پر شرع کے نزول سے پہلے تنہا عقل کے رو سے کوئی حکم فرض، واجب، سُنت، مستحب یا حرام، ناجائز، مکروہ کی صورت مین جس کے فاعل پر ثواب یا عقاب کا حکم عائد کیا جا سکے نہین ہو سکتا، اور نہ عقل اپنی تنہا کوشش سے کسی بات کو بہ اعتبار ثواب یا عذاب کے اچھا یا بُرا کہہ سکتی ہے،

علامہ ابنِ ہمام حنفی المتوفی ۸۶۱ھ تحریر مین لکھتے ہین،

الحاکم لا خلاف فی انہ رب	اس مین اختلاف نہین کہ حکم کا واضع
العٰلمین، (ص ۹۲)	پروردگار عالم ہے،

قاضی بیضاوی المتوفی ۶۸۵ھ کی منہاج الاصول کی شرح مین علامہ اسنوی واضح کرتے ہین،

"حُسن و قبح اور شے کے اچھے یا بُرے ہونے کے ایک معنی یہ ہین، کہ اُس شے کو فطرت پسند کرتی ہے

یا اوس سے نفرت رکھتی ہے، جیسے ڈوبتوں کو پانی سے باہر نکالنا، اچھی بات ہے، اور کسی کا مال ظلم سے لے لینا بُرا ہے، اس کے دوسرے معنی یہ ہیں، کہ ایک کمال کی صفت ہے، اور دوسری نقص کی، جیسے علم اچھا ہے، اور جہل بُرا ہے، ان دونوں معنوں کے لحاظ سے ان کے اچھے یا بُرے ہونے کا عقل کے رو سے فیصلہ کرتے ہیں، اس میں اختلاف نہیں ہوا اختلاف اس میں ہے کہ کسی فعل پر ثواب اور کسی پر عذاب کے ترتب کا فیصلہ صرف شریعت سے معلوم ہو سکتا ہے، اشاعرہ (اور عام اہل سنت) کے نزدیک حسن و قبح کے یہ دونوں فیصلے صرف شرع پر موقوف ہیں، اور معتزلہ کہتے ہیں، کہ عقل اس کا فیصلہ کر سکتی ہے، اور اس فیصلہ کے لئے حکم الٰہی کے ورود کا انتظار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ پر بندوں کے مصالح اور مفاسد کی مراعات (لحاظ کرنا) واجب ہے، شریعت کے نزول سے عقل کا فیصلہ مضبوط اور مستحکم ہو جاتا ہے، (صفحہ ۹ برحاشیہ تحریر ابن ہمام)

معتزلہ نے حقیقت میں الٹی بات کہی ہے، ہے یہ کہ شریعت کے فیصلہ سے حکم کی معرفت ہوتی ہے، اور عقل سے اس کی مصلحت قیاس و تجربہ کی بنا پر اہل عقل کے نزدیک مضبوط اور مستحکم ہو جاتی ہے، اور یہی اہل سنت میں سے متاخرین ماتریدیہ (حنفیہ) کا مسلک حق ہے، مولانا محب اللہ بہاری المتوفی ۱۱۱۹ھ مسلم الثبوت میں کہتے ہیں،

"حکم صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ کمال و نقص اور دنیاوی غرض و مصلحت کے موافق یا مخالف ہونے کا فیصلہ عقل سے ہوتا ہے، اختلاف اس میں ہے، کہ کسی فعل کے کرنے والے کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک مدح یا مذمت کا مستحق ہونا عقل کے رو سے سمجھا جا سکتا ہے، یا صرف شرع سے تو اشاعرہ کے نزدیک وہ صرف شرع سے معلوم ہوتا ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے اچھا فرمایا، وہ اچھا ہے، اور جس کو بُرا فرمایا وہ بُرا ہے، اور اگر

اللہ تعالیٰ اس کے خلاف فرماتا تو وہی اچھا یا برا ہوتا، اور ہمارے (یعنی ماتریدیہ) اور معتزلہ کے نزدیک وہ عقل سے معلوم ہو سکتا ہے لیکن ماتریدیہ اور معتزلہ مین فرق یہ ہے کہ معتزلہ اور امامیہ اور کرامیہ وغیرہ یہ کہتے ہین کہ جس پہلو کو عقل ترجیح دے، اوسی کے مطابق حکم دینا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے، اور ہمارے نزدیک یہ ہے کہ جس پہلو کو عقل ترجیح دے، وہ پہلو اس بات کا مستحق ہے، کہ اللہ حکیم و دانا کا حکم ہو لیکن جب تک اللہ تعالیٰ حکم نہ دے تو کوئی حکم محض عقل سے نہین ہو سکتا"

(المقالۃ الثانیہ فی الاحکام)

بعض اہل اصول نے معتزلہ کی طرف جو یہ نسبت کی ہے، کہ وہ حاکم قانون عقل کو سمجھتے ہین، مولانا بحر العلوم نے شرح مسلم الثبوت مین اس مسئلہ کی شرح مین اس کی تردید کی ہے، فرماتے ہین،

"اس مسئلہ پر کہ حکم صرف اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، تمام اُمت کا اجماع ہے، اور ہمارے مشائخ کی بعض کتابون مین جو یہ لکھا ہے، کہ یہ ہمارے نزدیک ہے، اور معتزلہ کے نزدیک واضع قانون وحاکم عقل ہے، یہ غلط ہے کیونکہ ایسا کہنے کی جرأت کسی ایسے شخص کو نہین ہو سکتی جو مسلمان ہونے کا دعوی کرتا ہو، بلکہ معتزلہ یہ کہتے ہین، کہ عقل بعض احکام الٰہی کو جان سکتی ہے، چاہے شرع مین وارد ہو، یا نہو اور یہی ہمارے اکابر مشائخ کے نزدیک بھی ثابت ہے"

قاضی شوکانی المتوفی ۱۲۲۵ھ کی تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ اشاعرہ اور معتزلہ کے اختلاف اور اتفاق کے موقع مین حسب ذیل فرق ہے،

"اس مین کسی کا اختلاف نہین کہ نبی کی بعثت اور اس کی دعوت کے پہنچنے کے بعد حاکم قانون صرف شرع ہے، اختلاف اس زمانہ اور حالت سے متعلق ہے جب

نبی کی بعثت نہ ہو، یا اس کی دعوت کسی تک نہ پہنچی ہو، تو اشاعرہ کے نزدیک اس وقت کسی حکم کا کوئی مکلف نہیں ہے، نہ کفر حرام ہے اور نہ ایمان واجب ہے، اور معتزلہ کے نزدیک اس وقت بھی عقل کے رو سے جو حکم ہو اس کے ساتھ حکم الٰہی کا تعلق سمجھا جائے گا"

(ص ۷، ارشاد الفحول، مصر)

اب آخر میں ہم حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا وہ قول فیصل نقل کرتے ہیں جو ان تمام مباحث کا نچوڑ (خلاصہ) ہے،

"اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حاکم نہیں، اور اسی کے لئے ہے پیدا کرنا اور حکم دینا، اور عقل وغیرہ کسی مخلوق کی یہ شان نہیں، کہ وہ کسی حکم کو ثابت کرے، اللہ تعالیٰ نے وجوب یا استحباب کے ساتھ جس کا حکم دیا، وہ درحقیقت حسن (اچھا) ہے، عام اس سے کہ وہ لذاتہ حسن ہو یا اپنے کسی وصف یا کسی متعلق کی بنا پر، اسی طرح جس سے منع فرمایا، وہ (قبیح) برا ہے تو افعال کا حسن و قبح کے ساتھ اتصاف امر و نہی سے پہلے ہی عالم حقیقت میں ہو چکا تھا، اور اسی کی رعایت کرکے اللہ تعالیٰ نے امر و نہی فرمایا ہے، عقل کبھی اُن کے حُسن و قبح کو معلوم کر لیتی ہے، تو اس موقع پر اس حسن و قبح کو عقلی کہہ دیتے ہیں، لیکن شرع کے ورود سے پہلے کوئی حکم نہ تھا، تو یہ مذکورہ بالا حسن و قبح بندوں کے حق میں تمامتر اللہ تعالیٰ کی حکمت پر مبنی ہے، پس احکام بندوں کے حق میں صرف شرع الٰہی پر مبنی ہیں" (ص ۱۲)

حضرت مولانا شہیدؒ کا یہ رسالہ اصول فقہ درحقیقت اصول فقہ کی "تہذیب"[1] ہے، اس فن

---

[1] تہذیب منطق میں ایک مختصر متن ہے کا نام ہے، جس میں بڑے بڑے فیصلوں کو جن پر مباحث کے دفتر ہیں ایک ایک فقرہ میں ادا کر دیا گیا ہے،

سے کے بڑے بڑے مسئلوں کو ایک ایک دو فقروں میں طے فرما دیا ہے، اوپر کی عبارت میں مصنف نے جو کچھ کہا ہے، اس کی تشریح یہ ہے، کہ قانون کا واضع درحقیقت اللہ تعالیٰ ہے، یہ حق مخلوقات میں سے کسی کے لئے ثابت نہیں ہے، جو کچھ اللہ تعالیٰ نے امر اور نہی فرمایا ہے، وہ تمام تر حکمت اور بندوں کی مصلحت پر مبنی ہے، عقل کبھی اس حکمت و مصلحت کو پالیتی ہے، تو اس کو عقلی بھی کہہ سکتے ہیں، ورنہ عقلی کہنے کا یہ منشا نہیں کہ عقل اوس قانون کی واضع اور آمر ہے،

اس تفصیل کی ضرورت اس لیے پیش آئی تاکہ معلوم ہو جائے کہ ہمارے ماہرین قانون نے شروع سے اخیر تک اس اصول کو مان لیا ہے، کہ اسلام میں وضع قانون کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے، وہی ایک حاکم آمر اور واضع شرع ہے،

اس موقع پر بعض صاحبوں کو یہ شبہہ پیش آئے گا کہ یہ قانون شرع تو کسی قدیم زمانہ میں ایک وقت خاص میں نازل ہوا، وہ زمانہ کی ہر ضرورت اور نئے حالات کے مناسب قیامت تک کے لئے کیونکر ہو سکتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ایک ہیں قانون کے اصول اور کلیات اور دوسرے ہیں اوس کے فروع اور جزئیات، دنیا کے ہر قانون کے اصول و کلیات خواہ وہ عقلی و تجربی ہی ہوں ہمیشہ یکساں رہتے ہیں، ان میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا، تغیر تبدل اور تجدد یعنی نئی نئی صورتوں کا پیش آنا، یہ واقعات اور حوادث میں ہوتا ہے، جو انہی کلیات کے اندر مندرج ہوتے ہیں، جیسے فن طب جب بھی بنا ہو لیکن اس کے اصول و کلیات پرانے اور غیر متبدل ہیں، اب جو بھی بیماریاں ظاہر ہوں، قدیم اصول کے تحت ان کا بیان طب کی کتابوں میں موجود ہے، مثال کے لئے یوں سمجھئے کہ قتل ناحق کی سزا قصاص اور دیت اور کفارہ وغیرہ شرع میں مقرر ہے، اب یہ صورتیں کہ وہ قتل پہلے تیر اور تلوار سے ہوتا تھا، اور اب بندوق سے تپنچہ سے ریوالور سے توپ سے گولے سے اور مختلف نئے نئے اوزاروں سے ہوا کرتا ہے، لیکن یہ تغیر مسئلہ کی صورت میں فرق نہیں پیدا کرتا، کسی کی سواری

سے کسی کو نقصان پہنچ جائے، تو اس کا اصولی جواب شرع مین موجود ہے، پہلے یہ سواری جانوروں کی صورت مین محدود تھی، اور اب گاڑی، سائیکل، موٹر، ریل وغیرہ کی صورتون مین یہ حادثے پیش آئینگے تو اصول کلیہ مین کوئی فرق نہ ہوگا،

دوسرا شبہہ یہ پیش آسکتا ہے، کہ اگر یہ اصول صحیح ہے، تو ہر زمانہ کے مجتہد نئے حالات کا حکم جو اپنے اجتہاد سے بتاتے ہین، کیا وہ نیا حکم نہین ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ مجتہد وہ ہین جو احکام کے اصول و فروع پر پوری نگاہ رکھتے ہین، اور آیات و احادیث سے احکام کے اصول کلی اور اُن کے علل و اسباب اور مصالح و مفاسد کو معلوم کرتے ہین، اور ان کے مطابق نئی پیش آنے والی جزئی صورتون کا فیصلہ کرتے ہین، اس بنا پر ان کا اجتہاد اور قیاس کسی نئے حکم کا واضع اور مخترع نہین، بلکہ مظہر ہے یعنی وہ حکم کا اختراع نہین کرتے، بلکہ یہ ظاہر کرتے ہین، کہ مقررہ احکام الٰہی کے تحت مین اس نئی صورت کا یہ جواب ہے، اہل اصول کے اس مسئلہ کے کہ قیاس حکم کا صرف مظہر ہے، یہی معنی ہین کہ وہ بتاتا ہے کہ یہ نیا جزئیہ فلان اصول کلی کے ماتحت ہے، انہی اصولون کی بنا پر ہمارے فقہانے فتاوی کا پورا دفتر مرتب کیا ہے، جس کے مطابق ہر زمانہ مین ہر ضرورت کا جواب دیا جاسکتا ہے، اور جس پر دنیا کے مختلف حصون مین مسلمانون کی عظیم الشان حکومتین اور عدالتین قائم ہوئین اور اب بھی ہین،

سیرت عمر بن عبد العزیز

حضرت عمر بن عبد العزیز خلیفہ اموی کے سوانح حیات اور ان کے مجددانہ کارنامے

قیمت :- عہ (بہ طبع سوم)

"منیجر"

ضمیمہ مسئلہ سود و قمار وغیرہ

المُلقب بہ

دافع الضنك عن الانتفاع بالبنك[1]

از مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی صدر شعبۂ دینیات ڈھاکہ یونیورسٹی

(۲)

اس کے بعد کاروبار بینک کے جواز کی ایک اور خوبصورت دلیل یہ پیش کی گئی ہے کہ یہ مسئلہ فضل کی فرع ہے، جس کی شرح یہ ہے کہ جب قرض لیا جائے اور پھر ادا کیا جائے تو اصل کے ساتھ کچھ زائد بھی ملا دیا جائے، یہی فضل کا اصول ترقی پا کر بینک کا قالب اختیار کر گیا ہے، اس پر یہ سوال پیدا ہوتا تھا، کہ پھر ربا وی کاروبار (انفرادی سود) کو بھی مسئلہ فضل کی فرع کیوں نہ کہا جائے؟ اس کا یہ فلسفیانہ جواب دیا گیا ہے، جس کو سن کر افلاطون کی روح بھی تڑپ جائے گی، کہ

"شاید یہ ابتک ایک راز کی صورت میں چھپا رہا ہے (جو ساڑھے چودہ سو برس کے بعد حضرت حضرت علامہ ہی کے فلسفی دماغ پر منکشف ہوا ہے) وہ یہ ہے، کہ ربوا ایک جبری زائد یہ ہونے

---

[1] حدیث یا قرآن سے اس مسئلہ کو ثابت کرنا مستدل کا پہلا فرض ہے، یہ دعوی سے کہا جاتا ہے کہ قرض کے متعلق حدیث و قرآن میں یہ الفاظ ہرگز نہیں، اور جو کچھ حدیث میں ہے اوپر کی شرح میں ہے، رسالہ کشف الدجی عن وجہ الربوا میں مذکور ہے، ضرورت ہوئی تو معارف میں بھی اعادہ کر دیا جائے گا، اگر علامہ مخاطب نے دوبارہ اس مبحث پر قلم اٹھایا، وقد اشرت الی تفسیرہ فی آخر ہذہ المقالۃ ایضاً نقلاً عن المبسوط والبدائع وغیرہما والعاقل تکفیہ الاشارۃ، ۱۲

کے علاوہ تاسیسی اور تعمیری شان سے محروم ہے یعنی وہ مستقل نظام اعانت کی بنیاد نہیں رکھتا اور تعمیر نہیں کرتا، اس کے برعکس اصولِ فضل علاوہ رضائی زائد یہ ہونے کے تعمیری و تاسیسی شان کا بھی مالک ہے"

کوئی ہے جو اس راز درون پردہ کی داد دے؟ ربا دی کاروبار اور بینک کے کاروبار میں پہلا فرق تو بتلایا گیا ہے کہ ربا دی کاروبار میں جو سود لیا جاتا ہے وہ جبری ہے اور بینک کے کاروبار میں جو سود لیا جاتا ہے وہ رضائی ہے یعنی وہاں جبراً زیادہ لیا جاتا ہے، یہاں خوشی سے لیا جاتا ہے، مہربانی فرما کر ذرا اس جبر و رضا کی شرح بھی فرما دیجائے، اگر یہ مطلب ہے کہ بینک جب کسی کو قرض دیتا ہے، تو اپنی طرف سے سود نہیں لگاتا نہ سود کی شرط کرتا ہے، یونہی بلا شرط قرض دیدیتا ہے، لینے والا اپنی خوشی سے کچھ زیادہ ادا کر دیتا ہے، تو یقیناً آپ بینک کے کاروبار سے قطعاً ناواقف ہیں، بینک جب بھی کسی کو قرض دے گا، سود کی شرط سے دیگا، اور اسی وقت سے قرض لینے والے کے نام پر سود لگنا شروع ہو جائے گا، اور قرض میں زائد کی شرط لگانا ہی شرعاً ربوا اور حرام ہے، اور اگر یہ مطلب ہے کہ ربا دی کاروبار میں اگر سود نہ ادا کیا تو قرض دینے والا عدالت میں نالش کر دیتا ہے، اور قرض لینے والے کی جائداد قرق کرا لیتا ہے، سو جاننے والے جانتے ہیں، کہ بینک بھی ایسا ہی کرتا ہے، ہمارے سامنے ایسے زمینداروں کی نظائر موجود ہیں، جن کی لاکھوں کی جائداد بینک نے اپنے سودی قرض میں قرق کرا لی ہے، اور آج اُن کی اولاد نان شبینہ کی محتاج ہے، اگر یہ مراد ہے کہ ربا دی کاروبار میں ڈنڈے کے زور سے سود وصول کیا جاتا ہے اور بینک ایسا نہیں کرتا، تو یہ بھی مشاہدہ کے خلاف ہے، بنیا اور یہودی بڑی خوشامد اور چاپلوسی سے سود وصول کرتے ہیں، جب اس طرح کام نہیں چلتا، تو عدالت کے ذریعہ وصول کرتے ہیں، البتہ سرحدی پٹھان ڈنڈے کے زور سے وصول کرتا ہے، مگر وہ اس کو سود ہی نہیں سمجھتا، اس کے نزدیک تو مولانا گیلانی کے فتوے کے مطابق اہلِ حرب سے جو کچھ بھی عقد ربا کے ذریعہ وصول کیا جائے ربا ہی نہیں

اوسی طرح ربا نہیں جس طرح عبد و مولیٰ کے درمیان ربا نہیں جس کا جواب مفصل عرض کر چکا ہوں"

دوسرا فرق یہ بتلایا گیا ہے، کہ "ربا دی کاروبار تاسیسی اور تعمیری شان سے محروم ہے، بینک کا کاروبار تعمیری و تاسیسی شان کا مالک ہے" مولانا کا فرض ہے کہ اس مقدمہ کو کسی دلیل شرعی سے ثابت کریں کہ اگر قرض میں زائد یہ کی شرط تعمیری و تاسیسی شان سے ہو تو وہ سود نہیں، پھر یہ بھی بتلائیں کہ اگر ربادی کاروبار کرنے والا بھی روپیہ میں سے ایک آنہ یا دو آنہ تعمیری کاموں کے لئے نکالتا ہو تو کیا اس صورت میں وہ ربادی کاروبار کو جائز کر دیں گے؟ مشاہدہ تو یہ ہے کہ ربادی کاروبار کرنے والے بینک والوں سے زیادہ تعمیری کاموں میں حصہ لیتے ہیں، کیا آپ کو معلوم نہیں، کہ کانگریس کو تعمیری کاموں کے لئے لاکھوں روپیے کی تھیلیاں کلکتہ کے مارواڑیوں اور بمبئی کے مہاجنوں ہی سے وصول ہوتی ہیں، اور اُن ہی کی امداد کے سہارے کانگریس نے ترقی کی ہے" تو کیا ان لوگوں کے لئے ربادی کاروبار کو جائز کر دیا جائے گا؟ اس کے بعد آپ نے ایک اور قاعدہ سے بینک کے کاروبار کو جائز کرنے کی کوشش کی ہے، کہ

"اسلام میں عموم بلوی اور تعامل ناس کا اصول موجود ہے، جس کا منشا یہ ہے، کہ جس چیز کی حرمت منصوص نہ ہو، صرف قیاس سے محرمات میں شامل کر دی گئی ہو، اگر رواج عام اور عمل عمومی اوس کو معمول بہا بنا ڈالیں تو وہ محرمات سے نکل جائے گی"

آپ کو تسلیم ہے کہ یہ اصول وہاں ہے جہاں کسی چیز کی حرمت منصوص نہ ہو مگر ہم کو یہ تسلیم نہیں، کہ بینک کے کاروبار کی حرمت غیر منصوص ہے، اور محض قیاس سے اوس کو محرمات میں داخل کیا گیا ہے، کیونکہ بینک بھی ربادی کاروبار والوں کی طرح لوگوں کو قرض دیتا ہے، اور قرض سے زائد وصول کرتا ہے، لوگ بینک میں روپیہ جمع کرتے ہیں، اور اس سے سود لیتے ہیں، اور اس کی حرمت منصوص ہے، رہا یہ کہ ربادی کاروبار میں فرد کا معاملہ ہے، اور بینک میں جماعت کا تو اس سے حرمتِ منصوصہ

منصوصہ مین فرق نہ آئے گا، بلکہ جرم قوی تر ہو جائے گا، اگر ایک آدمی کی جگہ ایک جماعت خاص نظام وانتظام کے ساتھ ڈاکہ ڈالنے لگے، تو کوئی عاقل بھی یہ نہ کہے گا کہ ڈاکہ کی یہ صورت منصوص نہین، بلکہ ہر شخص کہے گا، کہ یہ صورت پہلی صورت سے بھی زیادہ بُری ہے، اگر صورت کے بدلنے سے حرمت منصوصہ بدلنے لگے، تو شاید آپ فلم کمپنیون مین عورتون کے ناچنے گانے اور پارٹ ادا کرنے کو بھی جائز کہدین گے، کیونکہ رقص وسرود کی یہ نئی صورت نزول قرآن وحدیث کے وقت کہان تھی؟ پھر عموم بلوی اور تعامل ناس اوس وقت دلیل بن سکتا ہے، جب کہ عام طور پر مسلمان خواص وعوام علماء وصلحاء اور جہلا سب ہی کسی کام کو اپنا معمول بنالین، (جس سے عملی اجماع کی شان پیدا ہو جائے، اور اس امت کا اجماع حجت ہے) لیکن اگر یہ نہ ہو بلکہ صرف ایک طبقہ نے کسی کام کو معمول بنایا ہو تو اس کو عموم بلوی اور تعامل ناس مین ہرگز داخل نہین کیا جا سکتا، اب مجھے بتلایا جائے کہ بنک کے کاروبار کو مسلمانون کے کس طبقہ نے معمول بنایا ہے؟ صرف ایک طبقہ نے یعنی تجارت نے اور ان مین سے بھی سب نے نہین بلکہ بڑی تجارت والون نے اور ان مین سے بھی صرف عوام غیر اتقیا نے تو اس کو عموم بلوی مین داخل کرنا محض فلسفیانہ مغالطہ نہین تو اور کیا ہے؟ حالانکہ اب تک مسلمانون نے خود اپنا ایک بنک بھی قائم نہین کیا، بنکنگ کے جواز کے لئے آخری اصول آپ نے یہ بیان فرمایا ہے، کہ

الضرورات تبیح المحذورات۔ ضرورتین ممنوعات کو مباح بنا ڈالتی ہین

مگر مجھے کہنے دیجئے کہ آپ نے اس قاعدۂ فقہیہ کا مطلب نہین سمجھا، یہان ضرورت سے مراد حالت اضطرار ہے، جیسے کوئی پیاس سے مرنے کے قریب ہو جائے، اور پانی آس پاس نہ ہو کسی کے پاس شراب ہو تو اس وقت شراب سے پیاس بجھا لینا اور جان بچا لینا جائز ہے یا تین چار دن کے فاقہ سے جان بلب ہو تو مردار کھا کر جان بچ سکتا ہے یا ناقابل برداشت تکلیف مراد ہے جیسے بیمار کو روزہ کا افطار جائز ہے جبکہ ناقابل برداشت تکلیف ہونے لگے، بنکنگ کو اس درجہ مین داخل کرنا نرا فلسفہ ہے شریعت نہین خصوصاً جبکہ نظام بنک مین ذرا سی تبدیلی کرکے اسکو جائز صورت مین

ڈھالا جا سکتا ہے، جیسا کہ آیندہ بتلایا جائے گا، اخیر مین کاروبار بنک کو حرام بتلانے والون سے ایک سوال کیا گیا ہے کہ

"کیا اونھون نے بہتیری ایسی باتین جو اگلون کے یہان ممنوع تھین مشروع نہین ٹھہرادین مثلاً مسلم کا معاوضہ اگلون کے یہان ممنوع تھا، اور پچھلون نے اس کو مشروع اور معمول ٹھہرالیا، اور اس کی توجیہ کیا کی ؟ ضرورت کی شدت، ضرورت کی شدت، بنک کے معاملہ مین بھی دامنگیر ہے"

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ استیجار علی الطاعات یعنی عبادات اور طاعات کے کامون پر اُجرت لینا فقہاے اسلام مین مختلف فیہ ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ائمہ اس کو جائز کہتے ہین، امام ابو حنیفہؒ نے اس کو ناجائز فرمایا ہے، تو یہ ایسا فعل نہین ہے جس کی حرمت پر نص قطعی قائم ہو یا اجماع ہو چکا ہو بلکہ مختلف فیہ اجتہادی مسئلہ ہے اور ایسے مسائل مین شدت ضرورت کے وقت دوسرے ائمہ کے اقوال پر فتوی دینے کی فقہا کو گنجایش ہے، بنک کا کاروبار مختلف فیہ نہین بلکہ صریح ربا ہے، صورت کے بدلنے سے حقیقت نہین بدل سکتی، جیسا کہ تفصیل سے عرض کر چکا ہون، اس لئے اوس کو قیاسیات اور اجتہادیات مین شامل کرنا قطعاً غلط ہے، اور مسلم کے معاوضہ پر قیاس کرنا تو غلط در غلط ہے، خاتمہ کلام پر تو آپنے ایک ایسی بات فرمادی ہے جس نے سارا بنا بنایا قلعہ ہی منہدم کر دیا، اسلامی بنک قائم کرنے کی ضرورت اور غیر مسلم بنکون کی خطرناک حالت کو واضح کرتے ہوے ارشاد فرماتے ہین :-

"پھر کیا تم اس معمولی گر کو بھی نہین سمجھتے، کہ بنک جہان ایک پہلو سے حفاظت کی جگہ ہے ایک دوسرے پہلو سے ہلاکت کی جگہ بھی ہے، اور اس تفریق کا دار و مدار نظام کے کچھ بھیدون پر ہے، جن کی تفرین صرف متخصین بنک کے سینے ہین،

سبحان اللہ ! اس نظام کو آپ کبھی مسئلہ فضل کی فرع قرار دینا چاہتے ہین، کبھی الضرورات

تمام المحظورات کے تحت مین لانا چاہتے ہین، کبھی اعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ، کے تحت مین داخل کرکے واجب قرار دینا چاہتے ہین، کیا ان اصول اسلامیہ کی کوئی بھی فرع ایسی ہے جو ایسے بھیدون پر مشتمل ہو، جو ایک پہلو سے حفاظت کا سامان ہون، اور دوسرے پہلو سے ہلاکت کا سامان،

ع بسوخت عقل ز حیرت کہ این چہ بوالعجبی ست

ایسے گورکھ دھندے اور اندھے نظام کو اصولِ اسلامیہ کے تحت مین داخل کرنا اسلام پر بدنما داغ لگانا اور اس کو بدنام کرنا نہین تو اور کیا ہے ؟ مین پوچھتا ہون کہ جب بنیک کے نظام مین ہلاکت کا سامان بھی ہے، اور اس کے بھیدون کی قبرین صرف منتظمین بنیک کے سینے ہی ہین، تو یقیناً اسلامی بنیک قائم کرنے والون کے سینے بھی ان بھیدون کی قبرین ہون گی تو اس کی کیا ضمانت ہے کہ یہ اسلامی بنیک کسی وقت مسلم قوم کی پوری دولت یا بہت بڑی دولت کو اپنے شکمون مین رکھ کر اسطرح ہضم نہ کر جائین گے، کہ ڈکار بھی نہ لین، کیا آپ کے نزدیک اسلامی بنیک قائم کرنے والے سب فرشتے ہی ہون گے، اگر یہ کہا جائے کہ ہم اسلامی بنیک کو ان بھیدون سے پاک کرکے نیا نظام قائم کرین گے تو مین کہون گا کہ جس وقت آپ ایسا نظام قائم کرلین گے، اسی وقت اس کو اسلامی اصول کے تحت مین داخل کرنے کا حق بھی ہوگا، اس سے پہلے تو آپ کو یہ حق ہرگز نہین اور موجودہ نظام بنیک کو جو اس وقت دنیا مین رائج ہے، یقیناً خلاف اسلام اور ناجائز و حرام ماننا پڑے گا، مقام شکر ہے کہ بالکل آخر مین آپنے انصاف سے کام لے کر سچی بات کہہ ہی ڈالی کہ بنیک کی دو قسمین کی جاسکتی ہین، ایک جائز اور مفید، دوسری ناجائز اور مہلک، پہلی قسم کا نام "اسلامی ربانی" بنیک رکھا گیا ہے، اور دوسری "کانفسانی"، اسلامی بنیک کے امتیازات حسب ذیل بیان کئے گئے ہین :-

الف :- وہ اپنے تجارتی شعبہ مین اس شرط کی پابندی کرتا ہے کہ صرف مشروع تجارتون کو اختیار کرے گا، نامشروع تجارتون کو اختیار نہ کرے گا،

ب :- اس شرط کی بھی پابندی کرتا ہے کہ صرف مشروط طریقۂ تجارت کو اختیار کرے گا، نامشروع طریقہ اختیار نہ کرے گا،

ج :- وہ اس رعایت کی بھی پابندی کرتا ہے کہ اس کا کوئی مقروض اگر تباہ ہوتا ہو تو اس سے اپنا قرض وصول کرکے اس کی قطعی تباہی کا ذریعہ نہیں بنجائے گا، بلکہ اس کو مزید مدد دے کر سنبھالے گا، اور اپنا ڈوبا ہوا قرض درستی حالت کے بعد رفتہ رفتہ وصول کرے گا، یا آسانیوں کے ساتھ وصول کرے گا،

د- اس اصول کو بھی جاری رکھتا ہے کہ حصہ داروں کی طرح جمع کنندوں کو بھی اس کے تجارتی نقصانوں میں شریک ہونا ضروری ہے، جیسا اس کے تجارتی منافع میں،

ہ - وہ اس اصول کو بھی ملحوظ رکھتا ہے کہ جمع اور قرض کے منافع کو متعین نہیں کرتا، صرف نفع (ربح) کے زائد یہ کو متعین کرتا ہے تاکہ اصول فضل کی بھی رعایت رہے،

و- وہ اپنے کو ہر دخل و دغل (دھوکہ خیانت) سے پاک رکھتا ہے، اور کوئی ایسا بھید نہیں رکھتا جو ناواقفوں کو لوٹنے کے کام آئے،

ز- وہ اصول ربویت کو بھی اپنے بنیادی اصولوں میں شامل رکھتا ہے، اور اس کو برتنے کے لئے اپنے نفع کا ایک حصہ مخصوص کر دیتا ہے، نفسانی بنیک ان لطافتوں کو برداشت نہیں کرتا،

میں ناظرین سے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ ان شرائط کے ساتھ دنیا میں کوئی بھی بنیک موجود ہے؟ اس کا یقیناً جواب نفی میں ہے، تو سارے رسالہ کا خلاصہ یہ ہوا کہ بنیک کے کاروبار کی موجودہ صورت تو ناجائز اور حرام ہے، اور جو صورت جائز ہو سکتی ہے وہ موجود نہیں،

بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا
جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نکلا

اب حضرت علامہ کا اسی رسالہ کے اندر ایک جگہ یہ فرمانا کہ

"یہ سچ ہے کہ بنک کے شرعاً جائز ماننے میں بہتیرے علماے اسلام کو تردد ہے، بہتیروں کو اختلاف ہے لیکن ہم بخوبی جانتے ہیں کہ اس تردد اور اختلاف کا سبب ان کا علم نہیں، ان کا وہم ہے، افسوس ہے کہ ہمارے زمانہ کے علماے اسلام عموماً وہ ہیں جن کے لئے علماے اسلام کا لقب مشکل سے موزون ہوسکتا ہے، کیونکہ وہ نہ اسلام سے واقف ہیں، نہ دنیا سے جہاں اسلام اترا، نہ انسانوں سے جن کے لئے اسلام اترا، ان کا علم اپنا اختراعی اور من گھڑا ہوا علم اسلام ہے، یا سنا سنایا ہوا علم اسلام ہے، حقیقت سے سیکھا ہوا اور حقیقت پر پرکھا ہوا علم اسلام نہیں ہے"

یہ نری فلسفیانہ تعلّی نہیں تو اور کیا ہے، آخر آپ ہی نے اپنے علم سے کونسا تیر مار لیا جس کاروبار بنک کو علماے اسلام حرام کہہ رہے تھے، آخر میں آپ نے بھی اس کو حرام اور نفسانی تسلیم کر لیا، اور جس کو آپ جائز کر رہے ہیں، اس کا وجود ابتک تو دنیا میں اور کم از کم ہندوستان میں ہے نہیں، نہ اس کے متعلق کسی نے علماے اسلام سے استفتا کیا، نہ انھوں نے اس کے عدم جواز کا ابھی تک فتویٰ دیا، علماے اسلام نے جس کاروبار بینک کے عدم جواز اور حرمت کا فتویٰ دیا تھا، آپ اس کو کسی دلیل سے جائز ثابت نہیں کر سکے، اور آخر میں ان کے فتویٰ کی صحت ماننے پر خود ہی مجبور ہوگئے، اب تو آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ اس رسالہ کے شروع اور وسط میں جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا ہے وہ سب اُس غلامانہ ذہنیت کے تحت لکھا گیا ہے، جو یورپ کی مادی ترقی کی چکاچوندھ سے عموماً عقول عامہ پر چھا رہی ہے، آخر میں کچھ حریت کی شان پیدا ہوئی، تو سارے بنے بنائے قلعہ کو خود ہی منہدم کرکے وہی کہنے لگے، جو علماے اسلام فرما رہے تھے، اس کو کہتے ہیں، ؎

جادو وہ جو سر پر چڑھ کے بولے

آپ نے اسلامی بینک کے شرائط مین دفعہ د کے تحت جو کچھ لکھا ہے، اس کا حاصل یہ ہوا کہ اسلامی بینک کو شیئر کمپنی ہونا چاہئے جس مین رقم جمع کرنے والے اس کی تجارت کے حصہ دار ہو کر نفع ونقصان دونون مین شریک ہون"، فرمایئے شیئر کمپنی کو کس عالم اسلام نے حرام کہا ہے؟ آپ تحقیق کرین گے تو معلوم ہوگا کہ شیئر کمپنی مین بہت سے علماء حصہ دار ہین"، آپ نے اسلامی بینک کی تشکیل کی بحث کو تشنہ چھوڑ دیا ہے، جی چاہتا ہے، کہ مین اس کی تکمیل کر دون،

اسلامی بینک کی تشکیل اسلامی بینک ان اصول کے ساتھ قائم ہونا چاہئے، دفعہ الف اور ب اور ج تو وہی ہین جو آپ نے تحریر فرمائی ہین یعنی

الف :- وہ اپنے تجارتی شعبہ مین اس شرط کی پابندی کرتا ہے، کہ صرف مشروع تجارتون کو اختیار کریگا، نامشروع تجارتون کو اختیار نہ کرے گا،

ب :- اس شرط کی بھی پابندی کرتا ہے، کہ صرف مشروع طریقہ تجارت کو اختیار کریگا، نامشروع طریقہ اختیار نہ کرے گا،

ج :- وہ اس رعایت کی بھی پابندی کرتا ہے، کہ اس کا کوئی مقروض اگر تباہ ہوتا ہو تو اس سے اپنا قرض وصول کرکے اس کی قطعی تباہی کا ذریعہ نہین بن جائے گا، بلکہ اس کو مزید مدد دے کر سنبھالے گا، اور اپنا ڈوبا ہوا قرض درستی حالت کے بعد رفتہ رفتہ وصول کرے گا، یا آسانیون کے ساتھ وصول کرے گا،

د :- اسلامی بینک کسی کو قرض دیکر زیادہ وصول نہ کرے گا، بلکہ جو شخص بینک سے رقم لینا چاہے، اس کو مضاربت پر یہ کہکر رقم دیجائے گی، کہ تم اس سے تجارت کرو یا کوئی صنعت وحرفت اختیار کرو، اور اس کے منافع سے بینک کو نصف یا ثلث یا ربع (یا جتنا مناسب سمجھا جائے مقرر کرکے بتلا دیا جائے گا، کہ اتنا) دیتے رہو، اور اگر مقدار مقرر کر دیجائے کہ ماہوار یا سالانہ اس قدر رقم

دینا ہوگا تو گو حنفیہ کے نزدیک مضاربت مین نفع کا حصہ اس طرح مقرر کرنا جائز نہین مگر بعض فقہاے اسلام کے یہان جائز ہے، تو اس کی بھی گنجایش دیجا سکتی ہے۔

ک:- بنیک کے حصہ دار اور جو لوگ اس مین اپنی رقم جمع کرین، سب کے سب بنیک کے تجارتی کاروبار مین شریک ہون گے، اور نفع و نقصان دونون مین حصہ لین گے، اس طرح اسلامی بنیک کی شکل شیرز کمپنی کی ہوگی،

و:- اسلامی بنیک اپنے حصہ دارون اور شرکا کے لئے منافع کی مقدار متعین نہ کرے گا بلکہ ہر سال جس قدر نفع تجارت مین ہوگا اوسی کے موافق نفع دیا جائے گا، جو کبھی کم ہوگا کبھی زیادہ ایک مقدار پر نہ ہوگا،

ز:- اسلامی بنیک اپنی تجارت کی زکوٰۃ بھی سالانہ ادا کرے گا یعنی سال پورا ہونے پر جس قدر سرمایہ موجود ہو، اس کی قیمت لگائی جائے، اور جس قدر نقد موجود ہو اور جو روپیہ لوگون کو مضاربت پر دیا گیا ہو سب کی مجموعی مقدار کا چالیسوان حصہ نکالا جائے گا، جو تمام حصہ دارون اور شرکا کی اجازت سے یتیمون، بیواؤن، نومسلمون کی امداد اور غریب لوگون کی اولاد کی تعلیم، نومسلمون کی تعلیم تربیت وغیرہ مین خرچ کیا جائے گا،

ح جن لوگون کو روپیہ مضاربت پر دیا جائے گا ان کی جائداد یا مکان یا زیورات وغیرہ اس رقم کے عوض مکفول کرلئے جائین گے، تاکہ اصل رقم ضائع ہونے کا خطرہ باقی نہ رہے،

ط:- جو لوگ بنیک کے حصہ دار بھی ہون، اور کام کرنے والے بھی ہون، ان کی تنخواہ مقرر نہ کی جائے، بلکہ منافع تجارت مین سے ان کا حصہ دوسرون سے کچھ زیادہ مقرر کر دیا جائے، مثلاً یہ طے کر لیا جائے گا کہ سب سے پہلے منافع کا دسوان حصہ کام کرنے والون مین حسب لیاقت تقسیم کیا جائے گا، اس کے بعد باقی منافع کو ہر شخص کی جمع کے موافق بقدر حصہ سدبانٹ دیا جائے گا، اور

اگر کام کرنے والون کی تنخواہ ہی مقرر کرنا ناگزیر ہو تو گو حنفیہ نے اس کو منع کیا ہے، مگر دوسرے ائمہ کے قول پر گنجایش نکل سکتی ہے،

ی) :- اسلامی بینک کے حصہ دار اور کارکن اور اس مین رقم جمع کرنے والے، اور اوس سے مضاربت پر رقم لینے والے سب مسلمان ہون گے، غیر مسلمون کو اس مین شامل نہ کیا جائے تاکہ زکوٰۃ نکالنے مین دشواری نہ ہو، اور بینک کا تمام سرمایہ پاک و صاف رہے،

ای :- اسلامی بینک کے سرپرستون مین چند مستند علماء بھی شریک کئے جائین گے، جو بینک کے معاملات کو شریعت اسلامی کے اصول پر چلاتے رہین، اور جہان بینک کو کچھ دشواری پیش آئے اس کو فقہ اسلامی کی مدد سے حل کر سکین،

سردست یہ چند دفعات بطور اصول کے کافی ہین، غالبًا اس پر یہ اشکال وارد کیا جائے گا، کہ شرائط مذکورہ کے ساتھ جو بینک قائم ہوگا، اوس سے صرف تجارہی کا طبقہ فائدہ اٹھا سکے گا، کیونکہ مضاربت پر رقم لینے والے تاجر ہی ہون گے، اور جو لوگ اپنی خانگی ضروریات، بچون کی شادی یا تعلیم وغیرہ کے لئے قرض لینا چاہین وہ اسلامی بینک سے رقم نہ لے سکین گے، پھر مضاربت پر رقم دینا اور شرائط مضاربت کی رعایت کرنا بھی ہر شخص کے لئے آسان نہین ہے، بینک والے اور اس سے رقم لینے والے اُن شرائط کی رعایت کیونکر کر سکین گے ؟

اس کے جواب مین عرض ہے کہ اسلامی بینک کی ضرورت زیادہ تر تجارہی کے لئے ہے، چنانچہ رسالہ زیر نظر مین بھی اسی پر زور دیا گیا ہے، کہ آج کل تجارت کی ترقی بدون بینک کے نہین ہو سکتی، پس اگر غیر تجار کو بینک سے نفع نہ پہونچے تو کچھ مضائقہ نہین، رہا یہ کہ شرائط مضاربت کی رعایت کرنا آسان نہین تو اس دشواری کو دور کرنے ہی کے لئے دفعہ نمبر ۱ کا اضافہ کیا گیا ہے، پس جو دشواری بھی پیش آئے، اوس کو علماء کے سامنے پیش کیا جائے، انشاء اللہ وہ جملہ مذاہب فقہاء کو سامنے رکھکر

ہر مشکل کو حل کر دین گے، اور اگر غیر تجار کو بھی نفع پہونچانا ضروری ہو، تو اوس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ اُن لوگون کو بنیک سے روپیہ قرض دیدیا جائے، اور جتنی رقم دیجائے اسی قدر وصول کیجائے زیادہ وصول نہ کیجائے اگر ایسا کرنے سے بنیک کے کاروبار کا نقصان ہو تو دوسری صورت یہ ہے کہ بنیک کی طرف سے لوگون کو روپیہ بطور بیع سلم کے دیا جائے، کہ مدت معلومہ پر رقم لینے والا بنیک کو اوس رقم کے عوض فلان قسم کا غلہ یا فلان قسم کا کپڑا یا چمڑا یا گلٹ کی ریزگاری یا تانبہ کی ریزگاری وغیرہ اس بھاؤ سے جو رقم دینے کے وقت ہی مقرر کر دیا جائے، ادا کرے گا، اس صورت مین بنیک کو نقصان نہ ہوگا، بلکہ بیع سلم سے جو نفع تجار کو ہوا کرتا ہے، وہ حاصل ہو جائیگا اور اگر سلاطین اسلام اپنی اپنی سلطنتون مین اور ہندوستان کے مسلمان حصول پاکستان کے بعد ہندوستان مین بیت المال قائم کر دین، جو کسی خاص جماعت کا نہین بلکہ تمام مسلمانون کا خزانہ شمار ہوگا، تو اس وقت بیت المال کی طرف سے جو بنیک قائم کیا جائے گا، اس مین رقم جمع کرنے یا اوس سے قرض لینے مین مضاربت یا بیع سلم وغیرہ کا جھگڑا باقی نہ رہے گا، کیونکہ بیت المال سے قرض لے کر جو کچھ اوس کو زیادہ دیا جائے گا، وہ کسی دوسرے کو نہین، بلکہ اپنے ہی کو دیا جائیگا اور بیت المال مین رقم جمع کر کے جو کچھ اس سے زیادہ لیا جائے گا، وہ کسی دوسرے سے نہین، بلکہ اپنے ہی سے لیا جائے گا، کیونکہ بیت المال سب مسلمانون کا ہے، اور سب کا اوس پر حق ہے، اس کے ساتھ اس قسم کا معاملہ جائز ہے، مبسوط سرخسی مین اس کی طرف اشارہ موجود ہے[1]

---

[1] مبسوط سرخسی اور بدائع وغیرہ سے بیت المال کے ساتھ اس قسم کے معاملات کا جواز جو باہم مسلمانون مین جائز نہین میرا استنباط ہی، جس مین دوسرے علما محققین کی تائید کا مجھے انتظار ہے آج حضرت حکیم الامت قدس سرہ موجود ہوتے تو اُن سے مراجعت کی جاتی، اور معاملہ سہل ہو جاتا، اب اگر دوسرے علما نے بھی میری موافقت کی تو اس پر عمل کیا جائے گا، ورنہ نہین، اس کی اشاعت سے میری غرض فتوی دینا نہین، کیونکہ ہنوز بیت المال کا

قَالَ اَمَّا الحیوان فلا یجوز استقراض شیئ منہ عندنا وقال الشافعی یجوز الا فی الجواری لانہ صلی اللہ علیہ وسلم استقرض بکراً وردّ رباعیاً (وفی روایۃ استقرض بکراً ابیکرین (طحاوی) وقال خیرکم احسنکم قضاءً، وحجتنا فی ذلک ان ھذا مضمون بالقیمۃ علی مستھلکہ فلا یجوز استقراضہ کالجواری وموجب القرض ثبوت المثل فی الذمۃ بشرط المعادلۃ فی المماثلۃ فاذا تعذر ذلک فی الحیوان لم یجز استقراضہ، واما الحدیث فانما استقرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لبیت المال حتی یُروی انہ قضاہ من ابل الصدقۃ وما کان یقضی ما استقرضہ (لنفسہ) من ابل الصدقۃ وبیت المال یجوز لہ وعلیہ حقوق مجھولۃ ص ۳۳ جلد ۱۳) قال ولا خیر فی السلم فی الحیوان عندنا وعند الشافعی یجوز واحتج فی ذلک بما روینا من الآثار ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم استقرض بکراً وقضاہ رُباعیاً وقال خیرکم احسنکم قضاءً والسلم اقرب الی الجواز من الاستقراض فاذا ثبت جواز الاستقراض فی الحیوان بالحدیث ثبت جواز السلم فیہ بطریق الاولیٰ، وحجتنا فی ذلک حدیث ابن عباس رضی اللہ عنھما ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی عن السلم فی الحیوان وقد روینا عن عمر بن الخطاب انہ قال ان من الربا ابوابا لا یکدن یخفین علی احد۔ منھا السلم فی السن وما روی انہ صلی اللہ علیہ وسلم استقرض بکراً فالمراد استعجل فی الصدقۃ ثم لم تجب الزکوٰۃ علی صاحبھا فردھا رُباعیاً (وفیہ ما فیہ فقد ورد فی روایۃ انہ استقرض بکراً ابیکرین وھو صریح فی

(بقیہ حاشیہ ص ۳۵۵) وجود ہی نہیں ہے بلکہ حضرات علما کے سامنے اپنا استنباط پیش کرتا ہے تاکہ وہ بھی اس پر غور کریں ممکن ہے پاکستان قائم ہونے پر اس کی ضرورت پیش آجائے ۱۲ منہ

الاستقراض ببدل) او استقرض لبیت المال وکما یجوز ان یثبت لبیت المال حق مجہول یجوز ان یثبت ذلک علی بیت المال ایضاً جلد ۱۲ ص ۱۳۲، قلت ھذا ھو الجواب وبہ تبین انہ یجوز لبیت المال وعلیہ مالا یجوز بین الناس والفرق ان بیت المال مشترک بین المسلمین ولا یتحقق الربا فی المال المشترک بین العاقدین نص علیہ صاحب البدائع ج ۵ ص ۱۹۳ قال ومنھا ای من شرائط جریان الربا ان لا یکون البدلان ملکا لاحد المتبایعین فان کان (کذلک) لا یجری الربا وعلی ھذا یخرج العبد الماذون اذا باع مولاہ درھما بدرھمین ولیس علی العبد دین انہ یجوز لانہ اذا لم یکن علیہ دین فما فی ید العبد لمولاہ فکان البدلان ملک المولی فلا یکون ھذا بیعا فلا یتحقق الربا وکذلک التفاوضان اذا تبایعا درھما بدرھمین یجوز لان البدل من کل واحد منھما مشترک بینھما فیکون مبادلۃ مالہ بمالہ فلا یکون بیعا ولا مبادلۃ حقیقۃ، وکذلک الشریکان شرکۃ العنان اذا تبایعا درھما بدرھمین من مال الشرکۃ جاز لما قلنا، اھ

وفی الکوکب الدری تحت الحدیث الذی فیہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم استقرض بکرا فقضاہ رباعیا ما نصہ قد یشتبہ انہ صلی اللہ علیہ وسلم کیف اتاہ من ابل الصدقۃ وفیہ زیادۃ ولیست مملوکۃ لہ صلی اللہ علیہ وسلم وانما کانت لعامۃ المسلمین وجوابہ انہ (ای المقرض) ایضا من المسلمین المفتقرین فکان لہ حق فی بیت المال اھ ج ۱ ص ۳۸۴ قلت والمفتقر لیس بقید فان المسلمین لھم حق فی بیت المال اغنیاء کانوا او فقراء نعم للفقراء فیہ حقوق کثیرۃ لیست للاغنیاء

مثلها وبالجملة فهذه نصوص من الفقهاء تدل على جواز اخذ الزيادة من بيت المال في القرض باذن الامام وعلى انه يجوز لبيت المال من العقود ما لا يجوز مثله فيما بين الناس كاستقراض الحيوان مثلاً، وليس معناه انه يجوز لغير بيت المال ان يبيع صاعين من بيت المال بصاع اور درهمين منه بدرهم فان درهم البائع وصاعه ليس من بيت المال في شيء فلو يكن البدل من الجانبين مشتركا بخلاف ما اذا استقرض لبيت المال فانه يصير بالاستقراض داخلاً في مال الله ثم اذا قضاه بزيادة فقد قضى من مال الله بزيادة منه والبدلان مشتركان فلا يرد ما في الحديث الصحيح ان عاملا خيبر جاءه صلى الله عليه وسلم بتمر جنيب فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم اكل تمر خيبر هكذا قال لا والله يا رسول الله انا لنا خذ الصاع من هذا بالصاعين والصاعين بالثلاثة فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم فلا تفعل بع الجميع بالدراهم ثم اشتر بالدراهم جنيبا اهـ فان هذا في البيع دون الاستقراض وصاع البائع ليس بمال مشترك بين المتبايعين ومع ذلك فانه صلى الله عليه وسلم لم يفسخ العقد لحرمان العامل بالرد لكونه قد وقع لبيت المال فافهم

اس سے ناظرین کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ نظام اسلام بحمداللہ ہر حالت میں مسلمانوں کی ہر طرح کی ترقی کا کفیل ہے، جو کچھ دقت یا پریشانی مسلمانوں کو اس وقت پیش آرہی ہے اس کا منشاء یہ ہے کہ اس وقت کوئی حکومت نظام اسلام کے ساتھ قائم نہیں ہے، اور باقاعدہ بیت المال کسی جگہ نہیں، اور اس سے کانگریسی ہندوؤں کو بھی سمجھ لینا چاہئے کہ مسلمانان ہندوستان کا مطالبہ پاکستان کسی جذبۂ عداوت کا نتیجہ نہیں، بلکہ مذہبی و اقتصادی ضرورت پر مبنی ہے، کہ مسلمان اس کے بغیر نہ بیت المال قائم کر سکتے ہیں، اور نہ اپنے مذہب کے موافق ترقی کر سکتے ہیں، اگر قاعدۂ اسلامی

کے موافق اس وقت بیت المال قائم ہوتا تو بیت المال کے بینک سے مسلمان اسی طرح فائدہ حاصل کرتے جس طرح دوسری قومیں اپنے بینکون سے فائدہ حاصل کر رہی ہیں بیت المال کے بینک سے دکانون اور جایدادون کا بیمہ بھی ہو سکتا تھا لائف انشورنس بھی ہو سکتا تھا، راز وہی ہے کہ بیت المال سب مسلمانون کا قومی مشترک خزانہ ہے، اوس سے زائد لینا یا اوس کو زائد دینا اپنے ہی سے لینا اور اپنے ہی کو دینا ہے، کسی دوسرے پر ظلم نہین، اور حرمت ربوا کی علت یہی ہے کہ وہ ظلم کی ایک بڑی صورت ہے لا تظلمون ولا تظلمون، نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر ہمارے مصنف رسالہ کتب فقہ سے مراجعت کرتے تو بجاے علماے اسلام کہ بُرا بھلا کہنے کے قوم کو یہ مشورہ دیتے کہ وہ سب متفق ہو کر جلدی سے پاکستان حاصل کرین اور اس کے بعد ہندوستان مین بیت المال قائم کرین، اور بیت المال کی طرف سے جا بجا بینک کھولے جائین، شیئر کمپنیان قائم کی جائین، انشورنس کمپنیان کھولی جائین اور اس طرح اسلامی تجارت کو اور مسلمانون کو ترقی دی جائے، جو لوگ بار بار موجودہ بینک کے کاروبار کو جماعتی کہہ رہے ہین، غلط ہے، کیونکہ وہ بھی چند افراد ہی کا ہوتا ہے، جماعتی بینک حقیقت مین وہ ہے، جو بیت المال کی طرف سے قائم کیا جائے، جس مین فی الواقع تمام مسلمانون کا حق ہوتا ہے، جب تک یہ صورت پیدا نہ ہو اوس وقت تک کے لئے مسلمان تجار کو یا خود ایسا بینک قائم کرنا چاہئے کہ جس کا سرمایہ کسی خاص فرد یا جماعت کی ملک نہ ہو، بلکہ تمام مسلمانون کے لئے باقاعدہ وقف ہو تاکہ وہ بھی بیت المال کی طرح قومی ملکیت ہو جائے، اس سرمایہ مین سب سے پہلے وہ رقم جمع کیجائے جو ڈاکخانہ مین ان مسلمانون کی جمع ہے جنھون نے ۱۹۲۷ء سے اس وقت تک اپنی رقمون پر سود نہیں لیا، اور جس کی مقدار ساٹھ ہزار روپیہ بتائی گئی ہے، اس کے ساتھ کچھ اور ملا کر ایک لاکھ کے سرمایہ سے کام شروع کیا جائے یا پھر گورنمنٹ کے بینک سے معاملہ کرنا چاہئے، کیونکہ گورنمنٹ تجار سے بھاری ٹیکس وصول کرتی ہے، تو اس کے بینک مین روپیہ جمع کر کے سود لینا حقیقت مین اپنے

حق کو وصول کرنا ہے، اور سخت ضرورت اور مجبوری کی صورت میں گورنمنٹ ہی کے بنک سے قرض لیکر اس کو سود دے بھی سکتے ہیں، کیونکہ گو وہ اس وقت ہمارا نہیں ہے، مگر فی الجملہ مشترک ہے، اور امید ہے کہ آزادی ہندوستان کے وقت اس کا کل یا بعض ہمارا ہو جائے گا، مگر سخت مجبوری کے بغیر سودی قرض ہرگز نہ لیا جائے، کہ سود کا گناہ بہت سخت ہے، وَاَمَّا الاول فھُوَ فرع مسئلۃ الظفر بجنس حقہ کما اشرت الیہ سابقاً، وصَلَّی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا النبی محمد وآلہ واصحابہ متلا ارکاً متلاحقا، وسلم تسلیما کثیراً کثیراً ہ یکون لحقہ موافیا ومکافیا ومرافقا

عائشہ صدیقہ رضؓ

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کے حالاتِ زندگی اور اُن کے مناقب و فضائل و اخلاق اور اُن کے علمی کارنامے اور ان کے اجتہادات اور صنفِ نسوانی پر اُن کے احسانات اسلام کے متعلق اُن کی نکتہ سنجیاں اور معترضین کے جوابات،

قیمت :- بے، ضخامت :- ۳۲۹ صفحے، طبع سوم باضافہ حواشی

اُسوۂ صحابیات

جدید اڈیشن

صحابیاتؓ کے مذہبی اخلاقی اور علمی کارناموں کا مرقع،

تیجر"

اسلامی نظریۂ سیاست

از

مولانا حیدر زمان صدیقی فاضل دیوبند

(۴)

اسلام کا ہمہ گیر دستور سیاسی موجودہ طرزِ جمہوریت میں جو چیز سب سے زیادہ مہلک تصور کی جاسکتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کی بنیاد ہی طبقاتی احساسات (سکشنل فیلنگس) پر ہے ملک میں ایک سے زائد سیاسی پارٹیاں ہوتی ہیں، ہر پارٹی درحقیقت ملک کے کسی ایک طبقہ کی ترجمان ہوتی ہے، اور ہر طبقہ کا مفاد دوسرے طبقہ سے جدا بلکہ بعض اوقات اُن سے متصادم ہوتا ہے، اس بنا پر ہر طبقہ کا دستور سیاسی (پولیٹیکل پروگرام) بھی دوسری پارٹیوں سے الگ یا ان سے متصادم ہوتا ہے، جمہوری ممالک میں مختلف ناموں سے متعدد پارٹیاں عالم وجود میں آتی ہیں، ڈیموکریٹک پارٹی، کمیونسٹ پارٹی، سوشلسٹ پارٹی وغیرہ ہر پارٹی کے نام سے اس کے سیاسی مسلک اور رفتار فکر کا بآسانی اندازہ کیا جاسکتا ہے، اور ہر پارٹی اپنے مخصوص سیاسی پروگرام کو کامیاب بنانے کے لئے جد وجہد کرتی ہے، اور اس کو عوام میں مقبول بنانے کے لئے زیادہ سے زیادہ خوبصورت رنگ میں پیش کرتی ہے، اور عوام کی طرف سے جب ایک پارٹی کے پروگرام کو سند قبول مل جاتی ہے تو انتخاب عام میں اس پارٹی کی کامیابی کے لئے راستہ صاف ہوجاتا ہے، اب یہی پارٹی برسر اقتدار آکر حکومت کا نظم ونسق سنبھالتی ہے، غرض ملک کی بہت سی پارٹیاں اقتدارِ حکومت کی ہوس میں اپنے اپنے پارٹی پروگرام کی نشر واشاعت

مین وقت اور دولت کا انتہائی بے دردی کے ساتھ خون کرتی ہے۔ جہان اپنی مدح و تعریف مین زمین و آسمان کے قلابے ملائے جاتے ہین، وہان دوسری پارٹیون کی مذمت مین بھی کچھ کمی نہین کی جاتی اور مختلف پارٹیون کا تصادم بسا اوقات خطرناک صورت اختیار کر لیتا ہے، ملک کی دولت نہایت مسرفانہ طریقہ پر صرف ہوتی ہے، اور جماعتی رقابت کی وجہ سے عام بد اعتمادی پیدا ہو جاتی ہے، جو نتائج کے لحاظ سے کسی طرح بہتر نہین خیال کی جا سکتی؛

نیز ہر پارٹی اپنے جماعتی وقار اور طبقاتی نقطۂ نظر سے ہر مسئلہ پر غور کرتی ہے، عام انسانیت کے نقطۂ خیال سے نہین، اور بسا اوقات طبقاتی مفاد کی حفاظت و حمایت عصبیت کی حد تک پہنچ جاتی ہے جس کا ردِ عمل دوسرے طبقون پر ظلم و ناانصافی کی شکل مین ظاہر ہوتا ہے، اور جس پارٹی کو عوام مین زیادہ اثر و رسوخ حاصل ہوتا ہے، وہ اپنے زیادہ نمایندون کو کامیاب بناتی ہے، اور جمہوری آئین کے مطابق اس کو حق پہنچتا ہے، کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق ہیئت حاکمہ کو ترتیب دے اور اپنی جماعتی پالیسی کے ماتحت ملک کے لئے دستور اساسی (کانسٹی ٹیوشن) مرتب کرے، چونکہ اس کو اکثریت حاصل ہوتی ہے، اس لئے اس کا ہر فیصلہ خواہ وہ کتنا ہی ظالمانہ ہو، حق بجانب اور درست شمار ہوتا ہے، اور اقلیتین اس کی مدت حکومت تک محکوم بن کر رہ جاتی ہین، بلکہ ان کی ہر خواہش اکثریت کے لئے سامان تضحیک بن جاتی ہے،

اسلامی نظریۂ سیاست ان نقائص سے بالکل پاک ہے کیونکہ اس کا تعلق انسانون کے کسی ایک طبقہ سے نہین، بلکہ نفس انسانیت سے ہے، اسلام کسی ایسے طبقاتی نظریۂ سیاست کو جو کسی خاص طبقہ کے ساتھ مخصوص ہو برداشت نہین کر سکتا ہے، مسلمان قوم دراصل ایک عالمگیر پارٹی ہے، اور اس کی بنیاد کسی اقتصادی، جغرافی، اور ثقافتی تصور کے بجائے عالمگیر اصول و معتقدات پر ہے، ان اصول و نظریات مین عالم انسانیت کی فلاح اور حیات انسانی کے تمام شعبون کو مدنظر رکھا گیا ہے، اس لئے

سے تمام مسلمانانِ عالم ایک بین الاقوامی جماعت ہیں، اور اس جماعت کا طرزِ فکر، رجحانِ طبیعت اور لائحۂ عمل ایک۔ اور اس کا سیاسی دستور متعین اور غیر متبدل ہے جس طرح اس پارٹی کی ہیئت ترکیبی میں کسی معاشی وطنی، قومی اور لسانی تصور کو دخل نہیں، اسی طرح اس کے سیاسی دستور العمل میں کسی خاص طبقہ کا مفاد مدِ نظر نہیں، اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ

لہٰذا اسلام میں اکثریت اور اقلیت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ اس کی بنیاد جماعتی سیاست (پارٹی پالیٹکس) پر نہیں، بلکہ عالمگیر نظریۂ سیاست پر ہے، لہٰذا اسلامی حکومت میں نہ جماعتوں کا تعدد ہے، اور نہ جماعتی نظریوں کا تصادم، نہ کوئی اکثریت ہے اور نہ اقلیت،

خواہش امارت اور اسلام موجودہ تصورِ جمہوریت میں سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ نمایندگی کے لئے چند اشخاص خود اپنے آپ کو پیش کرتے ہیں، اس میں فرقہ وارانہ تصادم اور مستقل پولیٹکل جنگ کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوجاتا ہے، کیونکہ قدرتی طور پر ہر انسان کو حکومت و سیاست کی خواہش ہوتی ہے، اور خواہشات کی تکمیل میں افراط و تفریط اور جنگ و قتال تک نوبت آجاتی ہے، اس لئے شارع علیہ السلام نے حرصِ امارت کی ممانعت فرمادی ہے،

اگر اسلام کے منشاء کے مطابق کوئی شخص امارت کی خواہش ہی نہ کرے تو اس سے لازماً دو فائدے ہوسکتے ہیں، اوّلاً یہ کہ مدّعیانِ خلافت کے دعووں میں نہ تصادم کا امکان ہوگا اور نہ دو فریقوں میں انتخابی کشمکش ہوگی، اس طرح امت نت نئے فرقہ وارانہ تنازعات، فتنہ و فساد اور زر و مال کے اتلاف و ضیاع سے محفوظ رہے گی، آج کل انتخابی جنگوں میں جس قسم کے واقعات پیش آتے ہیں، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، نہایت بے دردی کے ساتھ ایک فریق دوسرے فریق کو ہدفِ ملامت بناتا ہے، نہایت ذلیل حملے کئے جاتے ہیں، سیم و زر کی تھیلیاں کھول دی جاتی ہیں، اور بعض دفعہ قتل و خون ریزی تک نوبت آجاتی ہے، ثانیاً یہ کہ جب امارت و سیادت کا مدعی کوئی نہ ہوگا، تو جمہور مسلمانوں کو صحیح خلیفہ کے

انتخاب مین کوئی دقت پیش نہ آئے گی اور کسی قسم کا خوف یا لالچ اُن کی آزادی رائے پر غالب نہ آسکے گا، یہی وجہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے امارت و خلافت کی خواہش کرنے سے روکدیا ہے، کتب احادیث مین اس کی متعدد روایات ہین ایک روایت کے الفاظ یہ ہین،

فنعم المرضعة وبئست الفاطمة — حکومت و امارت کی ابتدا بڑی خوبصورت ہے

(بخاری) — مگر انتہا بڑی خطرناک ہے،

دوسری روایت ہے:-

انا لا نولی هذا الامر لمن — مین امارت کے سائل کو امارت نہین

سالہ، (بخاری) — دون گا،

رائے دہندگی کا معیار اس سے پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ موجودہ طرز جمہوریت مین رائے دہندگی کے لئے کوئی اخلاقی معیار مقرر نہین بعض جمہوری ممالک مین ہر بالغ کو حق رائے دہندگی حاصل ہے، اور نیم جمہوری ممالک مین جائداد، تعلیم اور اس قسم کے امور کو شرط رائے دہندگی قرار دیا گیا ہے، مگر ان حالات مین جب کہ ملک کے بنیادی آئین اور سوسائٹی کے رجحان فکر کو ہر قسم کی اخلاقی پابندیون سے آزاد چھوڑ دیا گیا ہے، عوام سے یہ توقع نہین ہوسکتی کہ وہ قوم و ملک کی نمایندگی کے لئے کسی بہتر اور صالح شخص کا انتخاب کرین گے، اور ان سے زیادہ سے زیادہ یہی توقع ہوسکتی ہے، کہ ملک کی کسی پارٹی سے تعلق رکھنے والے لوگ صرف جماعتی زاویۂ فکر کے پیش نظر کسی ایسے آدمی کو منتخب کرسکین گے جو پارٹی مین کافی اثر و رسوخ رکھتا ہو اور ان کی ذاتی جماعتی خواہشات کی تکمیل کرسکتا ہو، اس صورت مین ملک کے عوام کی ذاتی خواہشات اور جماعتی مفاد مین تصادم پیدا ہونا ناگزیر ہے، اور چونکہ کوئی اخلاقی پابندی نہین ہوتی ہے، اس لئے ہر پارٹی اپنے امیدوار کو کامیاب بنانے اور دوسری پارٹی کو شکست دینے کے لئے ہر قسم کے جائز و ناجائز وسائل کے اخذ و اختیار مین مکمل طور پر آزاد ہوتی ہے،

رائے دہندگی کے اس معیار اور موجودہ طرز انتخاب سے کسی ایسے شخص کا منتخب ہونا قطعاً ناممکن ہے، جو عوام کی ذاتی اور جماعتی خواہشات کا پابند نہ ہو، بلکہ ہمہ گیر نظریۂ اخوت انسانی کے پیش نظر تمام انسانوں میں یکسانیت و مساوات اور طریق عدل قائم کرنا چاہتا ہو،

اس کے برعکس اسلام میں رائے دہندگی کا معیار اس سے بالکل جداگانہ ہے، انتخاب امیر کے سلسلہ میں یہ لازمی نہیں کہ ہر بالغ سے بلا واسطہ رائے حاصل کی جائے، کیونکہ انسانوں کی اتنی بڑی کثرت میں یہ ضروری نہیں کہ اکثریت کا فیصلہ جائز اور درست ہو، یہ ظاہر ہے کہ عوام میں اکثریت عموماً ایسے لوگوں کی ہوتی ہے، جو ذاتی خواہشات کو قومی و ملی مفاد پر ترجیح دیتے ہیں، یا کم از کم ان کی نگاہ حیات انسانی کے بعید گوشوں تک پہنچنے سے قاصر ہوتی ہے، اور اُن کے انبوہ میں ارباب دانش اور اصحاب بصیرت بہت کم ہوتے ہیں، اور اس صورت میں جب کہ ہر باشندۂ ملک کو مساوی طور پر رائے دینے کا حق حاصل ہو بڑے سے بڑے علامۂ دہر اور پیکر دیانت و صداقت کی رائے کو بھی اتنی ہی وقعت ہوگی جتنی کہ ایک عام آدمی کے ووٹ کو، اگر ایک امیدوار کے حق میں خود غرض اور جاہل مطلق انسانوں کی اکیاون آراء اور دوسرے کے حق میں بڑے بڑے اصحاب علم و بصیرت کی انچاس رائیں ہیں، تو جمہوریت کے موجودہ معیار کے اعتبار سے اوّل الذکر امیدوار کے سر کامیابی کا سہرا بندھے گا، اور یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ دوسری طرف کا ایک ووٹ اُن کے ہزاروں ووٹوں سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے،

گریز از طرز جمہوری غلام پختہ کارے شو
کہ از مغز دو صد خر فکر انسانے نمی آید

یہی وجہ ہے کہ اسلام میں انتخاب خلیفہ کا حق صرف ملت کے اصحاب علم و عمل اور ارباب عقل و دانش کو دیا گیا ہے، جن کو امت میں زیادہ سے زیادہ اعتماد حاصل ہوتا ہے، اور ان کی دیانت صداقت اور اخلاقی تقدس پر کسی کو انگشت نمائی کا موقع نہیں ہوتا، اور ان کا فیصلہ پوری امت کا فیصلہ متصور ہو سکتا ہے،

کیونکہ اسلام مین اجتماعِ عام اور ترجیح و امتیاز کی وجہ صرف علم و عمل ہے، اور اسی شخص کی رائے باوزن ہوسکتی ہے جو ان اوصاف سے متصف ہو، اس بنا پر حکومتِ اسلامی مین اسی قسم کے لوگون کو اختیار و اقتدار حاصل ہوتا ہے، اور انتخاب فیصلہ کے سلسلہ مین ان ہی لوگون کو ارباب حل و عقد کی اصطلاح سے موسوم کیا جاتا ہے، چنانچہ عہدِ خلافتِ راشدہ مین خلفاے اربعہ کا انتخاب اسی طرز پر ہوا، خلیفۂ اول سے لے کر خلیفہ چہارم تک انصار و مہاجرین کو اہلِ حل و عقد تسلیم کیا جاتا رہا، اور اُن کے فیصلہ کو پوری اُمت کے لئے حکم ناطق کی حیثیت حاصل رہی، حضرت علیؓ کے زمانہ مین جب خلافت کے سلسلہ مین نزاع برپا ہوئی تو مسلمانون مین دو فریق پیدا ہوگئے، گو مسلمانون کی ایک بڑی تعداد امیر معاویہؓ کے ساتھ بھی تھی مگر اسلام کے ارباب حل و عقد یعنی انصار و مہاجرین کی حمایت حضرت علیؓ کو حاصل تھی، اسی لئے قریباً مسلمانون کے تمام فرقے اس امر پر متفق ہین کہ حضرت علیؓ کی خلافت جامع الشروط تھی، خود حضرت علیؓ کا وہ خط جو انھون نے امیر معاویہؓ کو لکھا تھا، اس بات کے لئے بطور سند پیش کیا جاسکتا ہے کہ عہدِ خلافتِ راشدہ مین حل و عقد کے اختیارات صرف انصار و مہاجرین کو حاصل تھے،

انه بايعني القوم الذين بايعوا ابا بكرؓ وعمرؓ وعثمانؓ وعلى ما بايعوهم عليه فلم يكن للشاهد ان يختار ولا للغائب ان يرد وانما الشورى للمهاجرين والانصار الخ،

(نہج البلاغہ۔ جلد ۲)

اس قوم نے میری بیعت کی جس نے ابوبکرؓ عمرؓ، عثمانؓ کی بیعت کی تھی، جس شرط پر ان کی بیعت عمل مین آئی اسی شرط پر میری بیعت کی گئی ہے، لہذا جو شخص انتخاب کے وقت موجود تھا، اس کو یہ حق حاصل نہین کہ وہ اپنی رائے پر اڑا رہے اور جو اس وقت حاضر نہین تھا، اس کو بھی یہ حق نہین کہ وہ اس انتخاب کو رد کرے کیونکہ حق انتخاب صرف مہاجرین و انصار کو حاصل ہے

عزل امیر کا غیر مشروط اختیار بہت سے جمہوری ممالک میں نمایندگان کا انتخاب ایک معین مدت کے لئے کیا جاتا ہے، اس مدت سے قبل اُن کے عزل کا کسی کو اختیار نہیں یعنی انتخاب سے پہلے تو عوام کو قوت اقتدار کا اصل منبع قرار دیا گیا ہے، لیکن انتخاب کے بعد ان کو مجبور محض اور عضو معطل بنا کر رکھ دیا گیا ہے، اگر عوام کا منتخب شدہ نمایندہ انتخاب کے بعد اُن کی خواہشات کا احترام نہ کرے، اور حکومت کی گدی پر بیٹھتے ہی اس کا رُخ بدل جائے، اور اس کو عوام کا اعتماد حاصل نہ رہ جائے، تو یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ایک طویل مدت تک کے لئے وہ لوگوں کی گردنوں پر مسلط رہے کیا یہ امر جمہوریت (ڈیموکریسی) کی روح کے منافی نہیں؟

اسلام میں امارت وخلافت کی پہلی اور آخری شرط اتباع شریعت ہے یعنی امیر کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ ایک قدم بھی حدود شریعت سے تجاوز نہ کرے اور اسی ذریعہ سے وہ عوام کا اعتماد حاصل کر سکتا ہے، اسلام میں امتیاز وترجیح کا سبب علم وعمل اور کتاب وسنت کا اتباع کامل ہے اگر یہ نہیں تو اس پر اعتماد بھی نہیں، اس لئے اگر کوئی شخص امارت وخلافت کی گدی پر بیٹھنے کے بعد اسلام کے طریقہ سے انحراف کرتا ہے، یا امور دینی کے انتظام وانصرام میں کوتاہی کرتا ہے، تو امت کو اس کو معزول کرنے کا حق ہے، اس سلسلہ میں مشہور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معاذ بن جبل کے وہ الفاظ کافی ہوں گے جو انھوں نے دربار روم میں ارشاد فرمائے تھے،

وَامِیْرُنَا رَجُلٌ مِنَّا اِنْ عَمِلَ	ہمارا امیر ہماری طرح کا ایک آدمی ہوتا
فِیْنَا بِکِتَابِنَا وَسُنَّةِ نَبِیِّنَا قَوَّمْنَاهُ	ہے، اگر وہ ہم میں کتاب وسنت کے
عَلَیْنَا وَاِنْ عَمِلَ بِغَیْرِ ذٰلِكَ	مطابق عمل کرے تو اس کو ہم خلافت پر
عَزَلْنَاهُ حَتّٰی،	برقرار رکھتے ہیں، ورنہ ہم اس کو
(فتوح الشام ازدی ص ۱۰۵)	معزول کر دیتے ہیں،

حضرت معاذؓ نے مسلمانوں کے امیر کا منصب نہایت دلچسپ پیرایہ میں بیان کر دیا ہے، علم کلام کی مشہور اور مستند کتاب مواقف اور شرح مواقف میں اس مسئلہ کو زیادہ وضاحت سے پیش کیا گیا ہے،

وللامۃ خلع الامام وعزلہ	جمہور اسلام کو امیر کے معزول کرنے کا
بسبب یوجبہ مثل ان یوجد	حق حاصل ہے جب کہ اس کی وجہ سے احوال
منہ مایوجب اختلال احوال المسلمین	مسلمین اور امور دین میں اختلال رونما ہو جائے،
وانکاس امور الدین کما کان لھو	جس طرح ان امور کے انتظام و اعلاء کی
نصبہ اقامۃ (رعایۃ) لانتظامھا واعلائھا	خاطر ان کو انتخاب امیر کا حق حاصل ہے،

تاریخ فقہ اسلامی

مصری عالم خضری کی تاریخ التشریع الاسلامی کا ترجمہ جس میں ہر دور کی فقہ اور فقہاء پر مکمل اور ایسا تبصرہ ہے جس سے جدید فقہ کی ترتیب میں مدد مل سکتی ہے، حجم ۴۸۰ صفحے قیمت ہے،

القضاء فی الاسلام

اس میں طریقہ شہادت اور انفصال مقدمات کے متعلق قرآن حدیث اور فقہ کی کتابوں سے اخذ کر کے اسلامی اصول اور قوانین کی تشریح کی گئی ہے، اور قانون پیشہ حضرات کے لئے اس کا مطالعہ بیحد مفید ہے،

ضخامت :- ۹۲ صفحے، قیمت : ۱۰،

"مینیجر"

براکلمان کی کتاب کا نیا اڈیشن

از

پروفیسر زبید احمد صاحب الہ آباد یونیورسٹی

حضرت مخدومی المحترم السلام علیکم

بادب نیازمندی عرض ہے، کئی روز ہوئے والا نامہ سامی میرے عریضے کے جواب میں پٹنے سے شرف صدور لاکر میری سرفرازی کا باعث ہوا تھا، علالتِ دشمنان کا حال معلوم کرکے رنج ہوا خدا کرے کہ اب آپ پوری طور پر صحت یاب ہوگئے ہوں امید ہے کہ آپ پٹنے سے اعظم گڈھ واپس تشریف لے آئے ہوں گے، ورنہ یہ خط وہیں بھیج دیا جائے گا،

براکلمان طبع ثانی ۱۹۳۷ء یا ۱۹۳۸ء شائع ہوئی، اور میرے مطالعہ میں ایسے وقت میں آئی کہ میں اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا، میرا مقالہ ۱۹۳۹ء میں مرتب ہوچکا تھا، البتہ بعد میں وقتاً فوقتاً اضافہ ہوتا رہا، اگر براکلمان کا دوسرا اڈیشن وقت پر مجھے مل جاتا تو اس سے بھی متمتع ہوجاتا، اس میں تیس ایسے مصنفین ہیں جن کا میری کتاب میں ذکر نہیں، پہلے اڈیشن میں تو ہندوستان کے متعلق بہت ہی کم مواد تھا، نئے اڈیشن میں کئی صفحے ہیں،

براکلمان طبع ثانی کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ یورپ والے کس قدر محنت و کاوش و دماغ سوزی اور تجسس سے کتاب لکھتے ہیں، ان کے ذرائع غیر محدود، فراغت خاطر حاصل، پھر طباعت کی سہولتیں میسر براکلمان کے مقابلے میں میری کتاب کوئی وقعت نہیں رکھتی، تاہم میں دیکھتا ہوں کہ براکلمان میں جو

چند صفحات ہندوستان کی بابت ہیں اس مین کم از کم چار قسم کی غلطیان ہین، حالانکہ اس کی تصحیح وتفتیش کے لئے کیا کچھ نہ کیا گیا ہوگا،

۱- ایک قسم کی غلطی تو یہ کہ کتابون کے نامون مین تلفظی غلطی رہ گئی ہے، مثلاً سبحۃ المرجان کو بفتح سین لکھا ہے،

۲- دوسری قسم کی غلطی یہ کہ ایک ہی مصنف کو دو مختلف ہستیان مان کر اُن کا دو جگہ ذکر کیا گیا ہے،

۳- تیسری قسم کی غلطی یہ کہ بعض کتابون کے نام صحیح نہین لکھے، مثلاً عوارف کی ایک ہندی شرح کا نام ذوارف اللطائف ہے، براکلمان نے لطائف العوارف لکھا ہے،

۴- بعض کتابون کو غلط مصنفون سے منسوب کر دیا ہے، مثلاً ملا محمود جونپوری کی شمس بازغہ ملا جیون کی تصنیف بتائی ہے، اور شاہ ولی اللہ کی مسوی شرح موطا کو شاہ عبد العزیز علیہ الرحمۃ کی،

براکلمان کو جو سہولتین حاصل تھین، ان کا عشر عشیر بھی مجھے میسر نہین،

کلیاتِ شبلی فارسی

مولانا شبلی مرحوم کے تمام فارسی قصائد، غزلیات، مثنویات اور قطعات کا مجموعہ، جو اب تک متفرق طور سے دیوانِ شبلی، دستۂ گل، بوئے گل، برگِ گل کے نامون سے چھپے تھے، اس مین سب یکجا کر دیئے گئے ہین،

ضخامت:- ۱۲۴ صفحے، قیمت:- عہ

"منیجر"

آثارِ علمیہ عتیقہ

مکاتیب مولانا عبدالحئی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ

"مولانا محمد ادریس صاحب نگرامی مولف تذکرہ "علمائے حال" حضرت مولانا عبدالحئی رحمۃ اللہ علیہ فرنگی محلی کے شاگرد تھے، استاد نے شاگرد کے نام جو خطوط لکھے تھے، وہ مولانا محمد ادریس کے پوتے مولانا محمد ادریس صاحب نگرامی استاذ ندوۃ العلماء سابق رفیق دارالمصنفین کی وساطت سے ہم کو مل گئے ہیں ان میں ایک خط مولانا محمد نعیم فرنگی محلی اور ایک مولانا شاہ ہادی عطا صاحب سلونوی کا بھی ہے، ان تاریخی تبرکات کو ناظرین معارف کی ضیافت طبع کے لئے شائع کیا جاتا ہے"

مکتوب اوّل:- بسم اللہ الرحمن الرحیم، از محمد عبدالحئی عفا عنہ مولوی صاحب مجمع لطف و کرم معدن عنایت اتم مولوی محمد ادریس صاحب زاد اللہ فضلہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ رقعۂ عنایت مع ہدایہ رسید مطمئن ساخت قبل ازین یک رقعہ رسیدہ بود بسبب عدم فرصت نوبت تحریر جوابش نرسیدہ زبانی حامل رقعہ جوابش گفتہ بودم ہمیشہ از اخبار خود مطلع فرمودہ باشند و بخدمت حافظ صاحب[1] سلام مع شوق رسانند نشان قیام حیدرآباد این چنین است بحیدرآباد دکن قریب مکہ مسجد محلہ مغلپورہ بر مکان مولانا محمد حیدر مرحوم رسیدہ فلان را برسد والسلام فقط

تحریر یازدہم جمادی الاولیٰ ۱۲۹۶ھ

---

[1] مکتوب الیہ کے والد ماجد مولانا حافظ عبدالعلی صاحب نگرامی، "ادیس"

مکتوب دوم: - بسم اللہ الرحمٰن الرحیم از محمد عبدالحی عفا عنہ بمولوی صاحب جامع فضائل حاوی فواضل مولوی محمد ادریس صاحب دام فضلہ السلام علیکم مع الخیر بودہ مستدعی الخیر می باشم محبت نامہ رسیدہ مبہج گردانیدہ بسبب تحریق تردد تردد دست در تسطیر جواب تاخیر افتاد اولاً دختر خرد فقید رحلت کرد پس ازان در علالت والدہ صاحبہ شفا باللہ کہ از عرصہ شش ماہ علیل انداشتہ شدہ حتی کہ صاحب فراش شدند اللہ تعالیٰ رحم فرماید، ہرچند کہ امسال قصد مصمم سفر حیدرآباد می داشتم، مگر بوجہ علالت والدہ صاحبہ مجبور ہستم عرضی رخصت دیگر ارسال کردہ ام، اگر منظور شدہ فبہا ورنہ تا شوال صورت روانگی خواہد شد، باقی حال بدستور بخدمت جناب مولوی حافظ عبدالعلی صاحب دام مجدہ سلام مسنون برسانند یک نسخہ سعی مشکور ہدیہ مرسل است قبول باد والسلام، فقط

تحریر یازدہم شعبان روز جمعہ ۱۲۹۶ھ

مکتوب سوم: - از محمد عبدالحی عفا عنہ بمولوی صاحب جامع فضائل مولوی محمد ادریس صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ قبل ازین خطے ارسال کردہ ام دیگ رسالہ خود سعی مشکور نیز ہدیہ برائے جناب حافظ صاحب ارسال ساختہ ام رسیدہ باشد یا خواہد رسید از خبر رسید نش مطمئن خواہند فرمود امروز محبت نامہ مورخہ دہم ماہ رسیدہ مسرور ساختہ بر ادراک مضامین آن حیرتے بر داشتم حاشا وکلا کہ تخطیہ جناب حافظ صاحب کردہ باشم یا بر تحریر جناب شان حکم غلط کردہ باشم، عادتم چنان نیست کہ ہم چو کلمات بر تحریرات جلا ہم نمی آرم چہ جائیکہ بر تحریر جناب شان یا آن مہربان عبارت خط منشی علی کہ تحریر کردند، زنہار عبارت فقیر نیست، بلکہ از مخترعات فرقۂ شان است، ودر تحریر خود حوالہ در مختار ہم ندادم البتہ باستناد عبارت ردالمحتار حاشیہ در مختار والذی یظہر ان العلۃ الاستلذاذ فقط ویفہم منہ انہ حیث لا استلذاذ لا کراہۃ ولا سیما اذا کان بعاقۃ انتہی نوشتہ ام کہ وقت عدم استلذاذ مکروہ نہ ہین ہے عبارت تحریر خود بجنسہ یاد ندارم ونہ نقل آن نزد خود

نداشته بودم، اصل استفتا که برآن تحریر فقیر است طلب داشته ملاحظه فرمایند که آزان کیفیت افترا معلوم خواهد شد والسلام بخدمت حافظ صاحب سلام مسنون برسانند بتاریخ ۲۹ رجب درین جا ابر بود هلال بنظر نرسیده لاجرم بروز سه شنبه غره شعبان مقرر شده از بعض تحریرات بعض بلاد مدرک گشته که در آنجا غره بروز دوشنبه شده مگر هنوز ثبوت آن بطور شرعی نشده که برآن اعتماد کرده شود، فقط تحریر بست ویکم شعبان روز دوشنبه سنه ۱۲۹۶ھ،

مکتوب چهارده از محمد عبدالحی عفا عنه، سلام مسنون الاسلام قبول فرمایند محبت نامه رسیده مسرور فرموده جواب استفتاها که مرسله انشاء الله بماه شوال ارسال خواهم کرد، درین ایام فرصت یک لحه ندارم والده منظمه بتاریخ ۲۳ شعبان رحلت فرمودند تفکرے و ملالے که لاحق حال ست خارج از تحریر رضینا بقضاء الله وقدره همین سبب نوبت تحریر جواب عنایت نامه سابقه نرسیده معاف خواهند فرمود والسلام بخدمت جناب حافظ صاحب سلام مسنون برسانند،

مکتوب پنجده، السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته، نامه محبت رسیده مسرور فرموده فی الواقع درین جا عید بروز پنجشنبه شده بروز چهارشنبه ۲۹ رمضان مطلع صاف بود، اکثر کسان را هلال بوجه این که نهایت باریک بود و در شعاع شمس مختفی بوده بنظر نرسید لیکن بسیارے از کسان آنرا معائنه کردند، چنانچه درین محله دو کس دیدند و خارج آن از محلات متعدده شهادت رسید و در ثبوت آن شکے نمانده، ارباب تشیع هم هلال دیده، نزد مجتهد گواهی رسانند لیکن ادشان تسلیم نکردند هلبا لمخالفتنا، وعید بروز جمعه کردند، پس از بلاد متفرقه مثل بمبئی و ناگپور وغیرهم خبر رویت بروز چهارشنبه رسید، رخصت دوسال فقیر از حیدرآباد منظور شد، جواب استفتاهاے مرسله بسبب قلت فرصت هنوز نوشته نشد ان شاء الله از عقب خواهند رسید، والسلام بخدمت والد ماجد خود سلام مسنون برسانند،

مکتوب ششم از محمد عبدالحی عفا عنہ بخدمت مولوی صاحب جامع فضائل مولوی محمد ادریس صاحب دام لطفہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ نامۂ محبت رسیدہ باد راک خبر خیریت مسرور گشتم وبدریافت اشتغال علمی وقرب فراغ کمال فرحت دست داد وتعالی شانہ زود تر بدرجۂ کمال رساناد عنایت نامۂ سابقہ کہ رسیدہ بود، بوجہ قلت فرصت نوبت تحریر جوابش نہ رسید معاف خواہند فرمود و دائماً از کوائف خود مطلع فرمودہ باشند تا ماہ شعبان رخصت فقیر باقی است اگر سامان رخصت دیگر بست فبہا ورنہ تا شوال عازم حیدرآباد خواہم شد، باقی حال بدستور خدمت جناب حافظ صاحب دام مجدہٗ سلام مسنون رسانیدہ شود، فقط،

تحریر ۲۸ صفر روز پنجشنبہ سنہ ۱۲۹۶ھ

مکتوب ہفتم جامع فضائل حاوی فواضل مولوی حافظ محمد ادریس صاحب السلام علیکم وقلبی لدیکم ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی وان الی اللہ لاؤا من کل مصیبۃ فبا للہ تثقوا ؎

وا ذا تصبک مصیبۃ تشجی بہا فاذکر مصابک بالنبی محمد

دو قطعہ محبت نامہ رسیدند بسبب علالت کہ از عرصۂ یک ماہ مبتلا تب ولرزہ واسہال شدہ، تکالیف بر داشتم، در تحریر جوابات تاخیر افتاد و ہنوز فساد معدہ باقی است وضعف بحدے ست کہ در تحریر این چند سطور نیز تکلف می شود، رحلت والد آن مہربان نہ امریست کہ صرف آن مہربان در ملالش گرفتار شدند بلکہ ہر کس کہ از جناب شان ملاقات می دارد درین ماتم مبتلا است خصوصاً فقیر کہ باستماع این خبر ملالے کہ لاحق گشتہ از حیطۂ تحریر بیرون است فرحم اللہ رحمۃ واسعۃ صبر فرمودہ بدرجات اللہ مع الصابرین فائز شوند طیاری چبوترہ بلندی قبر ازان بقدر یک شبر مضائقہ ندارد و در پختہ کردن قبر اختلاف است عبارت کنز العطائی رسد[1]

---

[1] مکروہ است گچ کردن قبر کذا فی الکنز الفتاوی والشروح ودر معدن گفتہ این قول قدماء است و متاخرین

رد ظاہر اعند الضرورت لا باس بہ است الان الاولیٰ ہو الترک بالفعل رسالہ در حال علمائے ہندی تسلیم بنا علیہ مکلف کہ از حال والد مرحوم خود مفصلاً مطلع سازند ایں امور ضروری الاطلاع اند نسب دو پشت تا سہل ممکن تاریخ و ماہ و سنہ ولادت تاریخ و ماہ و سال وفات ذکر اساتذہ ذکر تصانیف ہر قدر کہ معلوم باشد اطلاع فرمائیدہ دائماً از اخبار خیریات خود مطلع فرمودہ باشند و فقیر را از خلص احباب خود تصور سازند والسلام فقط

تحریر ۱۶ ذیقعدہ روز یکشنبہ ۱۲۹۶ھ

مکتوب ہشتم، بخدمت مولوی محمد ادریس صاحب دام مجدہ، السلام علیکم، محبت نامہ رسیدہ مسرور الوقت گردانیدہ بسبب قلت فرصت در تحریر خطوط ازیں جانب تاخیر می شود خیالش نفرمودہ دائماً بارسال عنایت نامجات یاد فرمودہ باشند بسبب عدم فرصت ہنوز نوبت معائنہ رسالہ ہائے آں مہربان ہم نہ رسیدہ اگر فرمائید آنہا را حوالہ میاں حسین علی سازم کہ نزد آں مہربان رسانیدہ غرہ رمضان اگرچہ دریں جا ہم بروز دوشنبہ گشتہ مگر از بمبئی و حیدرآباد و سہارن پور و اطراف دیوبند و رائے بریلی وغیرہ خبر بودن یکشنبہ غرہ رمضان رسیدہ بلکہ در دیوبند غرہ بروز شنبہ شدہ ہلال بروز جمعہ دیدہ شد حکم دادہ شد کہ ہر کہ بروز یکشنبہ روزہ داشتہ در رمضان محسوب شدہ و ہر کہ نداشتہ قضا بر او لازم، فقط محمد عبدالحئی از فرنگی محل لکھنؤ ۱ رمضان روز یکشنبہ ۱۲۹۷ھ،

مکتوب نہم:۔ مولوی صاحب علیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کتب مطلوبہ متعلق می ماندہ، مرزا الحجن ہمراہ برند از مولوی عبدالوہاب صاحب اجازت خواہم گرفت، مگر در عرصہ دو ماہ ضرور ارسال خواہند فرمود، موطا را برائے الغی از عقب خواہد رسید والسلام فقط محمد عبدالحئی از لکھنؤ،

بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۷۳) محتوی داشتہ اند و در گہگل نمودن تبریز اختلاف است روایت مشہور قول بکراہت و در تحسین لا باس بہ است و در تاتارخانیہ مذکور است اگر خراب شوند بتور باک نیست بہ گہگل نمودن و در جواہر اخلاقی آوردہ کہ تحسین اصح است و برہمین است فتوی کشف الغطاء عما لازم للمولی علی الاحیاء،

مکتوب دہم: - مشفق مہربان مولوی حافظ محمد ادریس صاحب، السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، محبت نامہ مورخہ ۲۳ رسیدہ برمضامین مندرجہ مطلع ساختہ از عرصہ دو ماہ مبتلائے تپ و آشوب چشم شدم، ازیں جہت نوبت معائنہ رسائل آں مہرباں نرسیدہ، اگرچہ از تپ وغیرہ نجات حاصل گشتہ مگر در چشم ہنوز خللے باقیست، انشاء اللہ بعد حصول صحت کاملہ آنہا را معائنہ کردہ ارسال خواہم کرد، شرح فرائض شریفیہ وغیرہ چونکہ دریں ایام متعلق شدند نوبت ارسالش نرسیدہ موطا امام محمد قریب بہ طبع شدہ است، چہ عجب کہ در عرصہ شش ماہ تیار گردد، والسلام محمد عبدالحئی عفاعنہ از فرنگی محل لکھنؤ،

تحریر ۲۲ ربیع الثانی روز دوشنبہ ۱۲۹۷ھ

مکتوب یازدہم: - از محمد عبدالحئی عفاعنہ بمحبی مولوی محمد ادریس صاحب بعد سلام مسنون الاسلام واضح باد مینماید محبت رسیدہ برمضامین مندرجہ اطلاع بخشی، قیمت موطا رسیدہ حوالہ جناب مولوی خادم حسین صاحب کردہ شد، والسلام،

مکتوب دوازدہم: - بخدمت مولوی حافظ محمد ادریس صاحب دام لطفہ، السلام علیکم ورود محبت نامہ متبسم شدم بسبب قلت فرصت در ارسال خطوط تاخیری می شود از رسائل مطلوبہ بجز قول اشرف و امام الکلام دیگرے طبع نہ شدہ، قول اشرف مفقود، امام الکلام بدوکان مصطفائی بقیمت ۸ فروخت می شود، قبر فاطمہ مختلف فیہ بعضے در بقیع و بعضے قریب روضۂ نبویہ می گویند و در مدینہ طیبہ ہر دو جا قبر موجود است، در باب والدین توقف اسلم است واللہ اعلم بحقیقۃ الحال باعث شدن اجتماع مکروہات تنزیہیہ کراہت تحریمیہ را ہنوز ندیدہ ام، و در باب وفات نووی اختلاف اقوال معلوم می شود، بالفعل بتحریر تاریخ علمائے ہند مصروف ام شنیدہ ام کہ در بھوپال جواب ابراز الغی نوشتہ می شود با وجود ہمچو اغلاط جرأت لائق مضحکہ است باقی حال بدستور فقط محمد عبدالحئی عفاعنہ از لکھنؤ فرنگی محل،

تحریر یازدہم صفر روز چہارشنبہ ۱۲۹۸ھ،

مکتوب سیزدهم: - از محمد عبدالحی عفا عنه بخدمت مولوی صاحب مجمع فضل و کرم مولوی حافظ محمد ادریس صاحب، السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته. لله الحمد مع الخیر بوده مستدعی الخیر باشم. محبت نامه بذریعه ڈاک رسیده بدریافت اخبار خیریات اطمینان بخشیده فی الواقع ازعوصه ازیں جانب نوبت ارسال خطوط نرسیده مگر سبب آں بجز عدم فرصت دیگرے نیست بسبب تدریس وتالیف فرصت یک لحه نمی شود. ہمین سبب در تحریر جواب خطوط اجاب تاخیر می شود و در تحریر جوابات فتاوی که از اطراف می آیند نیز تاخیر می شود، خیال ایں امر بنوعے نه فرمائید وفقیر را یکے از مخلص اجاب خود دانند وضرورت دریافت ہر امر که باشد بلا تکلف ازاں مطلع فرموده باشند، بالفعل رساله در باب سقوط حد زنا از نکاح محارم که جلاء العین مسئله لعن وطعن بر حنفیه می سازند می نویسم انشاء الله تعالی بعد طبع ارسال خواہم کرد والسلام فقط

تحریر ۱۲ رجب بروز جمعه سنه ۱۲۹۸ھ

مکتوب چهاردهم: - از محمد عبدالحی عفا عنه بمولوی صاحب مشفقی ومجی مولوی حافظ محمد ادریس صاحب دام لطفه، سلام مسنون الاسلام قبول باد. لله الحمد مع الخیر بوده مستدعی الخیر می باشم در ینجا بشہادت معتبر رویت ہلال ۲۹ شعبان ثابت شده وغره رمضان بروز دوشنبه مقرر گشته، بدیں سبب رمضان روز سه شنبه ہلال عید بنظر آمده بروز چهارشنبه نماز عید ادا شد اہل تشیع مخالفت کرده غره رمضان بروز سه شنبه مقرر کرده وعید بروز پنجشنبه ساختند بسبب قلت فرصت ازعوصه نوبت ارسال خطوط نه رسیده بریں تاخیر لحاظ نفرموده ہمیشه بارسال عنایت نامجات یاد وشاد فرموده باشند والسلام،

تحریر نهم شوال بروز پنجشنبه سنه ۱۲۹۹ھ

مکتوب پانزدهم: - بخدمت مولوی محمد ادریس صاحب دام لطفه، السلام علیکم

ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، محبت نامہ پہونچا، حال مندرج معلوم ہوا، مقدمہ معلومہ کی بابت مین اس وقت تک کوئی شخص نہین آیا، نہ کوئی فتویٰ وقت آمدن دیدہ خواہد شد، مین اپنا حال کیا لکھون، شوال مین چند سبق شروع کرائے دورات صرع کا پھر اعادہ ہوا، پھر وہی کیفیت درد سر وضعف کی ہوگئی، علاج مین مصروف ہون، حق جل شانہٗ رحم فرمائے، مجامیع مطلوبہ ابھی زیر طبع ہین، کلہ ہلال ذیحجہ دیکھا گیا، آج روز چہارشنبہ غرہ بلاخلاف مقرر ہے، والسلام

محمد عبدالحی عفا عنہ،

مکتوب شانزدھم السلام علیکم ورحمۃ اللہ، از صبح تا ہنوز فرصت نہ گذشتہ فرصت می ماند طبیعتم بہ نسبت سابق درست است، مگر ہنوز اعتدال کلی نیست، درین ایام در منشور متعلق است ازین جہت از ارسالش معذورم یک فہرس برائے ملاحظہ مرسل است،

محمد عبدالحی عفا عنہ ۲۵ شعبان یکشنبہ،

مکتوب ہفت دھم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ حسب الطلب جواب سوالات بھیجتا ہون، کتاب ذہبی واستیعاب مولوی حامد حسین صاحب کے پاس ہے، آج مین نے طلب کیا تھا، انھون نے عذر متعلق ہونے کا کیا، اصابہ میرے پاس نہین، والسلام

محمد عبدالحی عفا عنہ،

مکتوب ہشتدھم از محمد عبدالحی سلام مسنون قبول فرمائید، محبت نامہ پہنچا، حال معلوم ہوا، ان دنون ایسے تردد مین مبتلا رہا، کہ تحریر جواب مین تاخیر ہوئی، پہلے تو میری طبیعت کسلمند ہوگئی پھر دختر خرد سالہ کہ عمر سہ سال کی تھی، بعارضہ چیچک قضا کرگئی، اس مرتبہ اس مرض کی یہان ایسی وبا ہے، کہ بانہا اطفال ضائع ہوچکے ہین، حق جل شانہٗ اپنا رحم فرمائے، مال زکوٰۃ مین تملیک شرط ہے، مرمت مسجد مین صرف ہونے سے ادا نہ ہوگی، ہان ایک صورت یہ ہے کہ صاحب زکوٰۃ وہ مال کسی محتاج کو دے دیوے، اور وہ محتاج

اس کو مرمت مسجد مین لگا دے، والسلام از لکھنؤ فرنگی محل،

تحریر بست ویکم صفر روز سہ شنبہ سنہ ۱۳۰۰ھ

مکتوب نوزدھم بخدمت مولوی حافظ محمد ادریس صاحب دام لطفہٗ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، قبل ازین جو خط آپ کا گڈھی سے آیا تھا اُس کا جواب مین نے بھیج دیا ہے، شاید نہین پہنچا، رسالہ فرحۃ الحسن نہایت عمدہ اور محقق ہے، دو رکعت نوشہ کی کچھ اصل نہین ہے، در باب نشر سکرا احادیث وارد ہین مگر ضعیف، فضائل اعمال مین کافی ہین، ظواہر احادیث صحاح سے معلوم ہوتا ہے، کہ نقب آذان نبات زمانہ رسول اللہ مین تھا، بالا پہننا کان مین عورتون سے مروی ہے، ابرز الغی مین والسیوطی فی بغتۃ الوعاۃ اصل مسودہ مین نہین ہے، تنبیہ اس کی ردالرد مین جواب لکھ رہا ہون کر دی ہے، ظاہر الحاق مین کھڑے ہونے سے اگر حال اُس کا مقتدیون پر مخفی ہو جاوے، تو کراہت تنزیہی ہوگی ورنہ نہ مقتدی بعد امام کے رکوع وسجدہ مین جاوے نہ ہمراہ دو چار روز کے بعد مین مرزا پوجانے والا ہون، اول رجب تک انشاء اللہ واپس آؤن گا، والسلام محمد عبدالحئی عفا عنہ از لکھنؤ فرنگی محل،

تحریر بستم جمادی ثانیہ روز دوشنبہ سنہ ۱۳۰۰ھ،

مکتوب بستم:- جامع فضائل مولوی حافظ محمد ادریس صاحب زاد لطفہ، از محمد عبدالحئی عفا عنہ، سلام مسنون قبول فرمایند، محبت نامہ رسیدہ کاشف مندرجہ گردید، کتب حدیث وفقہ اکثر متعلق می ماند گاہے احتیاج بکتابے دگاہے بدیگرے می ماند ازین جہت در ارسال آنہا معذور می ماند نقل اسانید شیوخ کنانیدہ واجازت حصن حصین بوقت فرصت نوشتہ از عقب ارسال خواہم کرد، والسلام

از لکھنؤ فرنگی محل، تحریر ۱۵ شوال روز پنجشنبہ سنہ ۱۳۰۰ھ

مکتوب بست ویکم بخدمت مولوی صاحب جامع فضائل دام لطفہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، میزان نزد خود دارم، چون از کتب مطلوبہ اکثر تعلق می ماند، در ارسال آنہا معذورم

مجموعہ فتح الغفور بالفعل می فرستم درعرصہ دو یک ماہ واپس ارسال خواہند ساخت، والسّلام

محمد عبدالحی عفا عنہ،

مکتوب بست و دوم:- جامع کمالات و فضائل مولوی حافظ محمد ادریس صاحب از محمد عبدالحی عفا عنہ سلام مسنون قبول فرمائید عنایت نامہ رسیدہ حال مندرجہ معلوم گردید، در بحث نکاح زوجہ مفقود بمقتضائے تصریحات جمہور حنفیہ ہمین منقح است کہ شوہر اوّل زوجہ خود را بگیرد، لیکن بہ مقتضائے مذہب امام مالک کہ حنفیہ بضرورت بر آن فتوی می دہند، شوہر اول نمی تواند چہ صحیح بمذہب مالکی ہمین است کہ بعد صحبت شوہر ثانی، شوہر اول گرفتن نمی تواند، اجازہ حصن حصین بسبب قلت فرصت ہنوز نوشتہ نہ شد، انشاء اللہ بوقت فرصت نوشتہ خواہم فرستاد، والسّلام، از لکھنؤ فرنگی محل،

تحریر ۲۰ ربیع الثانی روز شنبہ سنہ ۱۳۰۱ھ

مکتوب بست و سوم از مولوی عبدالحی عفا عنہ بخدمت مولوی صاحب جامع کمالات

اشفاق مولوی محمد ادریس صاحب دام فضلہ، پس از سلام مسنون ابراز مرام یہ ہے، کہ رسالہ موضوعات ملا علی قاری پہنچا، مین دو مہینے سے اکثر سفر مین رہا، کبھی مرزا پور کبھی کاکوری کبھی کسی اور طرف گیا، اسی وجہ سے نوبت تحریر کی نہین آئی، بروز دوشنبہ پھر سفر فیض آباد کی طرف کا پیش ہے، تا شب برات انشاء اللہ واپس آؤنگا رسالہ رد بھوپال قریب الختم ہے، صرف غلطنامہ چھپنے کو باقی ہے، بعد تیاری ارسال کرونگا، والسّلام

تحریر ۲۰ رجب روز شنبہ سنہ ۱۳۰۱ھ

مکتوب بست و چہارم شفیقی مولوی حافظ محمد ادریس صاحب از محمد عبدالحی عفا عنہ، سلام مسنون قبول ہو، بشہادت شاہدان کرام پور و ٹونڈلہ سے آئے رویت ہلال رمضان ۲۹ شعبان کو ثابت ہوئی یہان جمعہ کو اعلان کر دیا گیا، کہ غرہ رمضان چہار شنبہ کو ہوا جس نے اُس روز روزہ نہ رکھا ہو، اس پر قضا لازم ہے، اب اگر بروز چہار شنبہ ۲۹ رمضان کو چاند عید کا ہو گیا، تو بروز پنجشنبہ عید ہو گی، ورنہ بروز جمعہ

ضرور عید ہوگی، رد و اب بھوپال کے ارسال میں ۳۰ روپے ہوتا ہے، کوئی وہاں جانے والا ملے گا، تو اس کے ساتھ ضرور بھیجدون گا، والسلام

تحریر شانزدہم رمضان روز پنجشنبہ سنہ ۱۳۰۱ھ

مکتوب بست و پنجم از محمد عبدالحی عفا عنہ بخدمت مولوی صاحب جامع کمالات و الطاف مولوی حافظ محمد ادریس دام لطفہ پس از سلام مسنون الاسلام ابراز مرام یہ ہے، بعد عرصہ کے محبت نامہ پہنچا، دریافت خیریت سے اطمینان ہوا، مین حیدرآباد مین سخت علیل ہو گیا تھا، آج تک اس کا اثر باقی ہے، کہ ہر روز درد سر رہتا ہے، ضعف دماغ اس درجہ رہتا ہے، کہ تدریس و تالیف سے بالکلیہ معذور ہون، اب انشاء اللہ بشرط صحت انتظام تدریس شوال مین ہوگا، ان دنون جلد دوم شرح وقایہ کی تحشی مین مصروف ہون، غالباً ماہ مبارک مین ختم ہو جاوے، محمد سعید نو مسلم ناصر نواب صاحب نے جواب تذکرۃ الراشد کا اردو مین چھاپ دیا ہے، اُس مین مغلظ گالیان دی ہین، اور سے التزام اس امر کا ہے، کہ ان رسائل تبرا کا جواب نہ دیا جاوے گا، ورنہ باب مجددیت ناحق نافہمون نے فل مچایا ہے کیا مولوی سید احمد صاحب مرحوم و مغفور کی فضیلت صفت مجددیت پر موقوف ہے، کیا غیر مجدد مجدد سے افضل نہین ہوتا ہے، سیوطی جن کا انتقال سنہ ۹۱۱ھ مین ہوا مجدد مائۃ تاسعہ شمار کئے گئے ہین، حالانکہ ان سے ابن حجر عسقلانی کہ جن کا انتقال سنہ ۸۵۲ھ مین ہوا بدرجہا افضل تھے، اصل یہ ہے کہ مجدد وہ ہوتا ہے، کہ جب ایک صدی تمام ہو اور دوسری شروع ہو تو اس شخص کا فیض شائع ہو جس کا نشو و نما ابتدا صدی مین ہوا، وہ مجدد نہین ہو سکتا، حدیث علی راس مائۃ سنۃ مین راس بمعنی آخر صدی ہے نہ اول صدی تمام محدثین کا اس پر اتفاق ہے، امام غزالی کہ جن کا انتقال سنہ ۵۰۵ھ مین ہوا، مجدد مائۃ خامسہ شمار کئے گئے، نہ مجدد مائۃ سادسہ، امام رازی کہ جن کا انتقال سنہ ۶۰۶ھ مین ہوا، مجدد مائۃ سادسہ سمجھے گئے، نہ مجدد مائۃ سابعہ اس بحث مین رسالہ سیوطی کا اور ابن حجر عسقلانی کا مبسوط ہے، پس مائۃ تاسعہ

عشر کا وہ مجدد ہونہین سکتا جس کی ولادت ابتدا مین اور نشو و نما وسط مین ہوا ہو، والسلام خیرانجام،
شعبان کا عزہ یہان بروز یک شنبہ مقرر ہوا، کانپور اور حیدرآباد مین کچھ گواہیان ۲۹ کی رویت کی گذری
ہین، مگر کانپور مین اس کا اعتبار نہین ہوا، البتہ حیدرآباد مین عزہ شنبہ کا مقرر ہوا، استفتار انشاء اللہ دو
تین روز مین پہونچے گا،

مکتوب بست و ششم، مولوی صاحب دام لطفکم، السلام علیکم، مین بوجہ علالت کے آپ
کے خطوط اور استفتے کا جواب نہ دے سکا، ماہ شوال سے دردسر، درد سینہ، ضعف دماغ مین مبتلا ہون کہ
جس کی وجہ سے انتظام تدریس و تالیف کا بالکل مختل ہے، ضعف ایسا ہوگیا ہے، کہ ان چند سطرون کے
لکھنے مین تکلف ہوتا ہے، اب استعمال منضج کا ہوتا ہے، بعد انشاء اللہ مسہل ہوگا، والسلام

محمد عبدالحئی عفا عنہ، ۶ ذی حجہ روز چہارشنبہ ۱۳۰۳ھ

مکتوب بست و ہفتم، مشفقی مولوی محمد ادریس صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ
وبرکاتہ اگرچہ ایک مہینہ سے دورہ نہین ہوا، مگر دردسر کی شدت ہے، اس وجہ سے آپ کے عنایت نامہ
کی تحریر کے جواب مین تاخیر ہوئی، اب منضج کا استعمال ہے، سات آٹھ روز مین مسہلات ہون گے، فوائد بہیہ
کے مسودہ مین عبارت یہ ہے وفات حسن چلپی کان اختتام تسع مایۃ، اب دوبارہ طبع ہوتا ہے
انشاء اللہ اغلاط سابقہ محو ہو جائین گے، اما من مغیث کا کلمہ موافق اُن کے زعم کے لکھا گیا کہ وہ
اپنے کو مظلوم اور دوسرے کو ظالم سمجھ کے فریاد کرنے لگے، والسلام باقی از عقب محمد عبدالحئی عفا عنہ،
۲۵ ذی حجہ روز جمعہ ۱۳۰۳ھ، نماز عید اگرچہ یہان بھی جمعہ کو ہوئی مگر بعد اس کے ثابت ہوگیا کہ عزہ ذیحجہ
سہ شنبہ کو ہوا تھا،

مکتوب بست و ہشتم، از محمد عبدالحئی عفا عنہ بجامع کمالات علمیہ، مشفقی مولوی حافظ
محمد ادریس صاحب :- پس از سلام مسنون الاسلام ابراز مرام اینکہ عنایت نامہ پہنچا، دریافت خیریت سے

اطمینان ہوا، بہ نسبت سابق کے اب بحمد اللہ طبیعت درست ہے، دورات صرع سے نجات ہے، مگر ضعف دماغ ابھی تک باقی ہے، تدریس وغیرہ پر ابھی تک قوت نہیں ہے، حق جل شانہ رحم فرمائے کبھی اگر طبیعت درست ہوتی ہے، تو حاشیہ امام الکلام لکھ لیتا ہوں۔ بالفعل میرے چند مجامیع رسائل ومجموعہ خطب تمام سال تالیف فقیر چھپ رہے ہیں، انشاء اللہ تعالیٰ بعد طبع کے اس سے اطلاع دوں گا، والسلام از لکھنؤ فرنگی محل،

۲۰ جمادی ثانیہ روز شنبہ ۱۳۰۳ھ

مکتوب بست و نہم بخدمت مشفقی مولوی حافظ محمد ادریس صاحب دام لطفہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اپنا حال کیا لکھوں، ماہ گذشتہ میں پانچ مسہل ہوئے، مگر دورات صرع سے نجات نہیں ہوئی، دوسرے تیسرے دورہ عارض ہو جاتا ہے، کل مغرب کی نماز میں سخت دورہ عارض ہوا کہ جس کی وجہ سے اس وقت تک ایسی طبیعت نحیف ہے، کہ ان چند سطور کی تحریر میں بھی تکلف ہے، جملہ انتظام تحریر و تدریس وغیرہ سب مختل ہے، خدا رحم فرماوے، کتب مطلوبہ آپ کو اس وقت نہیں بھیج سکا، والسلام۔

۹ صفر روز جمعہ ۱۳۰۲ھ

مکتوب سیم بخدمت شفیقی جامع کمالات مولوی حافظ محمد ادریس صاحب دام لطفہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ محبت نامہ مورخہ غرہ پہنچا، حال مندرج معلوم ہوا، چھ سات روز سے میری طبیعت درست ہے، دورات صرع سے نجات ہے، مگر جبہ تک دو ایک مہینہ نہ گذریں اعتماد نہیں ہو سکتا ہے، اس وجہ سے اشغال علمیہ و ماغیہ کی طرف ابھی تک توجہ نہیں کی ہے، حق جل شانہ رحم فرمائے، مسئلہ تکبیر عند القنوت کی تفصیل انشاء اللہ آئندہ میں خدمت عالی میں پہونچے گی والسلام۔

محمد عبدالحیٔ از لکھنؤ فرنگی محل، چہارم ربیع الاول روز چہار شنبہ ۱۳۰۲ھ

مکتوب مولانا محمد نعیم رح لکھنوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم لا الہ الا ھو العلی الرب الحکیم من الفقیر الحقیر خادم کل صغیر وکبیر الی الاحیاء محمد المدعو بالنعیم جعل من ورثۃ جنۃ النعیم الی الحبیب اللبیب الادیب الاریب المولوی محمد ادریس وفقہ اللہ تعالیٰ للتعلیم والتدریس السلام علیکم وعلیٰ من لدیکم وبعد فقد وصلت النسیقۃ الانیقۃ المنبئۃ عن المحبۃ العمیقۃ فکنت مسروراً وارجو من اللہ الحکیم ان یجعلکم سلیماً ومبروراً وکتاب الطبقات الی الآن من المستعلقات والباقی عند التلاقی،

والسلام علی من اتبع الھدیٰ ۱۱ شوال ۱۲۹۷ھ

مکتوب آخر بسم اللہ الرحمن الرحیم لا الہ الا ھو العلی الرب الحکیم

محب صمیم ومخلص حمیم مولوی حافظ محمد ادریس[1] صاحب صانہ اللہ سبحانہ عن تلبیس ابلیس، سلام مسنون الاسلام ودعاے بلوغ المرام مطالعہ نمایند، نامہ بررسید ونامہ رسانید وبر اخبار اخیار مطلع گردانید غنیۃ لطالبی طریق الحق عزوجل فرستادہ می شود، رسیدش رسانند، وتحمل باینہا یہ باین پیر مرد ندیدہ ترسیلیں موقوف گردیدہ، ورفیق ایشان الی الآن کیفیت قصیہ سبحہ ارسال نداشتند تقاضا نمایند، واز نور چشمان سلام مسنون قبول فرمایند، زیادہ زیادہ واہل وعیال، وبرادر بزرگوار خویش ازین درویش دل ریش دعا وسلام رسانند، اللہ بس باقی ہوس،

فقیر حقیر اثیم ابوالاحیا محمد نعیم عفا عنہ عزوجل از محلہ فرنگی محل

روز سہ شنبہ ۲۰ ذیحجہ ۱۳۰۰ھ

---

[1] مولانا محمد یحییٰ صاحب نگرامی، رح "ادریس"

مکتوب مولانا شاہ مہدی عطا صاحب سلونوی

مولوی صاحب جامع الفضائل والکمالات مجمع حسنات وبرکات سلمہم اللہ تعالیٰ، بعد سلام مسنون، اشواق مشحون، الہام آنکہ رسالہ در باب مجددین بہت خوب آپنے تالیف فرمایا ہے، جزاکم اللہ احسن الجزاء، مجھ کو اس امر کی تحقیق مدت سے تھی، گویا الہاماً آپ میرے مدعا پر آگاہ ہو گئے، بین تین چار مہینے سے عجب کرب مین ہون، یعنی اہل خانہ فقیر کو عارضہ فالج ولقوی کا ہو گیا ہے، علاج ہو رہا ہے، اللہ تعالیٰ شفائے کامل عطا فرمائے، بحرمتہ ونبیہ وحبیہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم امر معلوم معرض نسیان مین نہین آیا، مکروہات چند در چند مانع رہے، معاف فرمائے گا،

والسلام حسن الختام، فقط

خلافت وسلطنت

بغداد کی خلافت عباسیہ کے دور زوال سے، خوارزمشاہ اور بغداد کی تباہی تک خلافت بغداد اور اس کی مانحت سلطنتوں اور حکومتوں کے درمیان صلح وجنگ کے جو تعلقات رہے اور ان سے جو نتیجے پیدا ہوتے رہے، ڈاکٹر امیر حسن صدیقی بدایونی نے ان کو اپنی ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لئے موضوع بنایا اور اس پر ایک محققانہ اور دلچسپ مقالہ لکھکر پیش کیا، وہی مقالہ کسی قدر ترمیم کیسا تھ اردو میں ترجمہ ہوکر ان اوراق کی صورت مین پیش ہے،

اصل مقالہ انگریزی میں تھا، لیکن بدایوں ہی کے ایک لائق مترجم جناب سبطین احمد صاحب بی اے علیگ نے اس کا ایسا سلیس اور شگفتہ ترجمہ کیا ہے کہ ترجمہ ترجمہ نہیں معلوم ہوتا، بلکہ اصل تصنیف معلوم ہوتا ہے، پوری کتاب مولف ومترجم دونوں کی تصنیفی صلاحیتوں کی آئینہ دار ہے،

"مینیجر"

استفسار و جواب

"شق القمر کا ذکر قرآن مجید میں"

اور

بعض دوسرے سوالات

جناب غلام قادر صاحب
مدیر ادارہ فلاح عالم لباگلی، پرانی منڈی اجمیر،

"براہ کرم ذیل کے سوالات کے تشفی بخش جوابات عنایت فرما کر شکر گذار فرمائیں،

۱۔ شق القمر کے قرآن مجید میں بیان فرمانے سے خدا کا کیا منشا ہے،

۲۔ حدیث لولاک لما خلقت الافلاک مسلمانوں کے لئے قابل قبول ہے یا لائق ترک،

۳۔ حضرات خضر و موسیٰ کی مجمع البحرین والی ملاقات کے بیان میں خدا کا کونسا راز مضمر ہے،

معارف:۔ (۱) قرآن مجید میں خدا نے جس غرض سے انشقاق قمر کا ذکر کیا ہے وہ اسی آیت سے ظاہر ہے جس میں اس کا ذکر ہے، اقتربت الساعۃ وانشق القمر، الساعۃ کا لفظ اپنے اندر جن مفہوموں کو متضمن ہے، ان میں سے ایک یہ ہے، کہ زمین اور اجرام فلک پاش پاش ہو جائیں گے، چاند کے انشقاق کو جس کے آثار دوربین سے آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں، خدا نے قیامت کا ثبوت قرار دیا ہے جس طرح زمین میں زلزلے آتے ہیں، آتش فشاں پھوٹتے ہیں، اسی طرح بارہا چاند میں بھی زلزلے آئے، اندرونی حرارت باہر نکلی اور چاند بے جان ہو گیا، انشقاق صرف کسی چیز کے اندر شگاف پڑ جانے کا نام ہے

کے حالات محذوفات ظاہر ہوسکین، نام تحریر فرمادین،

معارف: مجھے افسوس ہے کہ قوم "نہایہ" کا سُراغ مجھ سے نہ لگ سکا، مجھے معلوم نہین کہ یہ کسی عربی قبیلہ کا نام بھی ہے کہ نہین، قبائل عرب مین جو معروف ہین انمین تو اس نام کا کوئی قبیلہ موجود نہین بلکہ قبائل کے ہزارون نامون مین سے کوئی ایک نام بھی اس سے موسوم نظر نہین آیا، ہوسکتا ہے کہ نظر کی چوک ہو، اور احتوا کرنے سے قاصر رہی ہو، لیکن یہ تحقیق آپ کو کہان سے ہوئی، کہ محمد بن قاسم کے ساتھیون مین "قوم نہایہ" کے چند افراد بھی تھے، میری نظر سے ایسی بھی کوئی تصریح نہین گذری، اگر آپنے کتب حوالہ مین سے کسی مین دیکھا ہو تو مجھے بھی مطلع فرمائین، پھر یہ بھی خیال شریف مین ہو کہ محمد بن قاسم کی فوج مین ہندوستانی پیادون کی بھی تو ایک بڑی تعداد موجود تھی، علامہ ابن اثیر بلاشبہہ ایک ایسی کتاب کے مصنف ہین جس مین لفظ النہایہ آیا ہے لیکن جہان تک مین سمجھتا ہون اس کتاب کے نام کو کسی قبیلہ کے نام سے دور کی نسبت بھی نہین ہے، علامہ ابن اثیر متوفی سنہ ۶۰۶ھ کی کتاب النہایۃ فی غریب الحدیث سے موسوم ہے، النہایہ کے معنی ہین غایۃ، پایان، آخری حد، مثلاً بلغ نہایتہ یعنی وہ اپنی آخری حد کو پہنچا، جن کتابون کے نامون مین "النہایۃ" آیا ہے، اس سے مقصود یہ ہے کہ اس موضوع پر یہ مختلف حیثیات کے لحاظ سے یا جو حیثیت مصنف کے پیش نظر ہے، اس لحاظ سے یہ تصنیف اپنے آخری معلومات رکھتی ہے، علامہ ابن اثیر نے اس لحاظ سے اپنی اس تصنیف کا نام النہایۃ فی غریب الحدیث رکھا ہے، اس تصنیف مین انھون نے اس عہد کی دو مشہور کتابون کو جو اس موضوع پر تھین، جمع کرکے اس پر مزید اضافے کیے ہین، وہ دونون علامہ سرقسطی متوفی سنہ ۴۰۱ھ اور ابو موسیٰ اصفہانی متوفی سنہ ۵۸۱ھ کی تصنیف تھین، انھون نے پہلے ان دونون کی حدیثون کو علحدہ علحدہ جداگانہ علامتون کے ساتھ درج کیا، پھر اُن پر اپنے اضافے کیے،

علامہ ابن اثیر کی یہ تصنیف اہل علم کے حلقون مین مقبول ہوئی، چنانچہ علامہ صفی الدین ارموی متوفی سنہ ۷۲۳ھ نے اس کا ایک ذیل لکھا، پھر عیسیٰ بن محمد صفوی متوفی سنہ ۹۵۳ھ نے اس کا ایک مختصر تیار کیا،

اسی طرح علامہ سیوطی اور ہندی عالم شیخ علی بن حسام الدین معروف بہ المتقی نے اس سے اپنے اختصار تیار کئے،

بہرحال اس کتاب کے نام النہایۃ کو معہود ذہنی قوم "نہایۃ" سے کوئی علاقہ نہین ہے، کتاب النہایۃ فی غریب الحدیث کی تفصیل اوپر اس لئے درج کی، کہ آپ کو اس تصنیف کو "النہایۃ" سے موسوم کرنے کی اصل وجہ معلوم ہو جائے، یہ سمجھنا کہ علامہ ابن اثیر چونکہ قوم "نہایۃ" سے تعلق رکھتے تھے، اس لئے یہ کتاب اس نام سے موسوم ہوئی، قطعی بے اصل ہے،

نیز علامہ ابن اثیر کے متعلق بتحقیق معلوم ہے، کہ وہ نسلاً شیبانی تھے، قبیلۂ شیبان، قبائل بکر بن وائل مین سے ایک مشہور قبیلہ ہے، علامہ ابن اثیر کی نسبت شیبانی تراجم وطبقات کی کتابون مین عام طور پر درج ہے، اس لئے انھین کسی مفروضہ قبیلہ سے منسوب کرنا ایک بڑی جسارت ہوگی، اگر سندھ وبلوچستان مین کچھ لوگ اپنے کو قوم "النہایۃ" سے کہتے ہین، تو آپ براہ راست ان لوگون سے ملین، وہ اپنی قومیت کے متعلق جو کچھ کہین اس کو تاریخ کی کسوٹی پر پرکھیں، اس کے بعد اس کو اپنی زیر تالیف تاریخ نہایۃ مین جگہ دین، تو پھر وہ بیان لائق اعتماد واستناد ہوگا، ورنہ ذہنی مفروضات اور سنی سنائی باتون پر کسی تاریخ کی بنیاد ڈالنا ہمارے نقطۂ نظر سے صحیح راہ عمل نہین ہے، امید ہے کہ آپ اس پر غور فرمائین گے، والسلام

"س"

عقوقِ والدین

مولوی نظیر الحسن صاحب موضع پارو ضلع مظفر پور

عقوق والدین کا کیا مطلب ہے، کیا جو کوئی اپنے لڑکے کو عاق کردے تو وہ لڑکا وراثت سے محروم ہو جائے گا؟

معارف:۔ عقوق والدین کے معنی ہین والدین کی نافرمانی کرکے ان کو آزردہ کرنا،

احادیث مین آیا ہے کہ عقوق والدین گناہ کبائر مین داخل ہے، آخرت مین ایسی نافرمان اولاد سے سخت مواخذہ ہوگا، بشرطیکہ والدین اور اولاد کے مابہ النزاع مسئلہ مین شرعاً حق بھی والدین کے ساتھ رہا ہو، لیکن اس کے باوجود اولاد پر فرض ہے کہ ہر حال مین والدین کی اطاعت و خوشی کرے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے،

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا	تمھارے پروردگار نے حکم کر دیا ہے کہ
اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ	بجز اس کے کسی کی عبادت مت کرو،
اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ	اور تم ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک
الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا	کیا کرو، اگر تمھارے پاس ان مین سے
فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا	ایک یا دونون کے دونون بوڑھاپے
وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا	کو پہنچ جائین، تو اُن سے کبھی اُف بھی
وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ	مت کہو، اور نہ اُن کو جھڑکو، اور ان
مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ	سے خوب ادب کی باتین کرو، اور ان کے
ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا	سامنے شفقت سے انکسار کے ساتھ
رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ	جھکے رہو، اور یون دعا کرتے ہو کہ اے
اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ	میرے پروردگار ان دونون پر رحمت
كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا،	فرما جیسے انھون نے میرے بچپن مین میری
	پرورش کی، تمھارا پروردگار تمھارے
	دلون کا حال خوب جانتا ہے، اگر تم
(بنی اسرائیل ع ۳)	سعادت مند ہو تو وہ توبہ کرنے والون

سورہ بنی اسرائیل میں جس موقع کی یہ آیتیں ہیں، ان میں مسلسل پندرہ احکام اللہ تعالیٰ کی جانب سے بندوں کو عطا ہوئے ہیں، دیکھیے کہ پہلے حکم توحید کے بعد دوسرا حکم والدین کے حقوق کی ادائی ہی کا آیا ہے، اس سے اس مسئلہ کی اہمیت کا صحیح اندازہ ہوتا ہے، پھر والدین سے کس طور پر پیش آیا جائے اس کی پوری تصریح کر دی گئی، نہ صرف ظاہری توقیر و تعظیم کی ہدایت کی گئی، بلکہ دل سے اطاعت کا قصد رکھنے اور اُن کا ادب کرنے کی تلقین کی گئی ہے، پھر اگر کبھی غلطی تنگ مزاجی یا کسی سبب سے فروگذاشت ہو جائے تو دل سے توبہ کرنے اور اس پر نادم ہونے کا اشارہ کیا گیا، اور بارگاہِ الٰہی سے یہ بھی خوشخبری سُنائی گئی، کہ ایسے سعادتمندوں کی خطائیں جو نادم ہو کر رجوع کریں گے، بارگاہِ الٰہی سے معاف ہو جائیں گی

لیکن والدین کے ان تمام حقوق کے باوجود کسی باپ کی طرف سے کسی لڑکے کو عاق کر دینے کی جو ایک عام اصطلاح ایک خاص معنی میں مسلمانوں کے درمیان رائج ہو گئی ہے، شرعاً اُس کی کوئی اصل نہیں، کوئی باپ اپنے لڑکے کو ادنیٰ معنوں میں عاق کرنے کا شرعاً حق نہیں رکھتا، اگر کسی نے اپنے کسی لڑکے کو عاق کر دیا، اور عند اللہ وہ لڑکا حق پر ہے، تو آخرت میں اس لڑکے سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا، پھر باپ حق یا ناحق کسی طور پر ناراضی سے اپنے لڑکے کو محروم الارث نہیں کر سکتا، لڑکے کا حق ارث بجز مرتد ہو جانے کے کسی حال میں باطل نہیں ہوتا، یہ ملک اضطراری و حق شرعی ہے، جو مورث کے قصد و ارادہ کے بغیر بھی وارث کو ملتا ہے، اگر مورث اپنے کسی وارث کے خلاف کوئی وصیت کر جائے، تو وہ وصیت موثر نہ ہوگی، شرعاً ہر مورث کا متروکہ قضائے دین کے بعد وارث کی ملکیت میں داخل ہو جاتا ہے، البتہ اگر مورث نے اپنے لڑکے کو عاق کر کے اپنی جائداد و مال و متاع کو اپنی زندگی ہی میں کسی دوسرے کو دیدیا، تو یہ ہبہ کے حکم میں آجائے گا، ترکہ نہ ہوگا، ورنہ اگر وہ اپنی ملکیت میں اپنے مال و متاع کو چھوڑ کر مرے گا، تو اس کا عاق شدہ

لڑکا بھی اپنا حصہ رسدی ترکہ مین شرعًا پائے گا، شرعًا اس کو اس حق سے کوئی بھی محروم نہ کرسکے گا،

والسلام "س"

لحم خنزیر کی حرمت

مولوی نظیر الحسن صاحب، موضع پار، ضلع مظفر پور، سور کا ہر عضو حرام ہے، پھر قرآن مجید مین صرف لحم خنزیر کی حرمت کا کیون ذکر آیا؟

معارف:- یہ صحیح ہے کہ سور کا بال بال حرام ہے لیکن قرآن مجید مین لحم خنزیر یعنی سور کے گوشت کے حرام ہونے کا ذکر خاص طور پر اس لئے آیا، کہ خنزیر کے اجزا مین سے کھانے مین زیادہ وہی کام آتا ہے، ذبیحہ مین اصل غرض گوشت ہی کا حاصل کرنا ہوتا ہے، اور دوسرے اجزا تبعًا کام آتے ہین جب اصل کی حرمت ثابت ہوجاتی ہے، تو اس کے ذیل مین دوسری چیزون کی حرمت آپ سے آپ ہوجاتی ہے، جیسے قرآن مجید مین حالت احرام مین قتل الصید کو حرام کہا گیا ہے، اور اس سے مراد نہ صرف شکار کو مار ڈالنا، بلکہ نفس شکار کرنا ہی حرام ہے، چنانچہ احرام کی حالت مین شکار کو نشانہ لگانا بھی حرام کہا گیا ہے، کہ اس نشانہ کا مدعا تو قتل صید ہی ہوگا، اسی طرح سورۂ جمعہ مین جمعہ کی نماز کے وقت خرید و فروخت کرنے کی حرمت کا ذکر آیا ہے، اور اس سے مدعا در اصل ایسی تمام مشغولیتون سے علٰحدہ ہوجانا ہے، جو نماز مین عارج ہون، اس لئے در اصل کسی شے کے اہم جزء کی حرمت کا ذکر کرکے تبعًا اس ذیل کی ساری چیزون کی حرمت مراد لے لی گئی ہے،

"والسّلام" "س"

حیاتِ شبلی

علامہ شبلی مرحوم کے سوانح حیات اور علمی و عملی کارنامے، صفحات ۸۴۶ صفحے، قیمت بعہ غیر مجلد ۳ے

"منیجر"

ادبیات

عرضِ حال

بحضور خواجۂ کائنات فخرِ موجودات علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیات

از جناب طالب

اے کہ تیرا وجود ہے شمعِ منازلِ حیات — تجھ سے ہی مستنیر ہے حسن و جمالِ کائنات
عرش سے لیکے فرش تک تیری ضیا ہے جلوہ یاں — شرق سے تا بغرب ہیں تیری ہی سب تجلیات
تیرے سبھی تشخصات عینِ حدود و شرع ہیں — شرحِ بطونِ ذات ہیں تیری سبھی تعینات
آنِ عرب کے طنطنے تیرے جلال کا ظہور — شانِ عجم کے ہمہمے تیرے جمال کی نکوت
تیری گلی میں یا نبیؐ جس کا گذر ہوا کبھی — خضر کی طرح پا گیا جادۂ چشمۂ حیات
تیری تجلیات میں عکسِ فروغِ ذات ہے — تیرے تبرعات میں پرتوِ کثرتِ صفات
سحرِ یغوث مٹ گیا قدرِ یعوق گھٹ گئی — ہو گیا تار تار سب جادوئے عابدانِ لات
"اُعْلُ ھُبَلْ" کے نعرہ خوان محو ہیں ذاتِ بحت میں — اُن کے تصورات ہیں، مرکزِ صد تجلیات
اس کی بھی ایک ایک خشت کعبہ کی ہمسری کرے — تیرے جمال کی جھلک دیکھ جو پائے سومنات
چہرہ ترا ہے والضحیٰ زلف تیری اذا سجیٰ — چشم تری و ما طغیٰ وحیِ خدا ہے تیری بات
تیرے ہر ایک قول پر لگ گئی مہرِ علمتَ — تا بہ ابد بجھائے اب کوئی نہ دامِ تُرّہات

رغبت و رہبت و حیل پیدا نہ کرسکے خلل — تیرے ہر اک غلام کو بخش دیا گیا ثبات
تیرے قدم کی خاک ہے سرمۂ چشم اولیا — منحصر ایک تجھ پہ ہے دونون جہان کی نجات
ہاتھ مین ہے لواے حمد سر پہ ہے تاج انما — پھر نہ ہون کس طرح سہل ہر دو سرا کی مشکلات
باب کرم بھی باز ہے لطف بھی چارہ ساز ہے — حشر تلک دراز ہے سلسلۂ نوازشات
بندۂ آستان ترا موج بلا مین ہے گھرا — ٹوٹ پڑے غریب پر دور فلک کے حادثات

گو وہ گنہگار ہے تیرا ہی جان نثار ہے
اُس کے بھی حال زار پہ بذل ہون کچھ توجہات

کیف اضطراب

از جناب آنور گرمانی

تڑپ ہے درد ہے فریاد و آہ و شور و فغان — اک اضطراب مسلسل فقط ہے عمر رواں
تعینات سے آگے ہے شوق کی منزل — نہیں ہیں اہل جنوں تابع زمان و مکان
ہر ایک بات میں مغرب سے استناد نہ کر — یہ علم و فن یہ سیاست ہے کار راہزنان
تیرا ضمیر غلامی نے کر دیا مردہ — وگرنہ بندۂ مومن ہے صاحب دو جہان
خودی کی جلوت و خلوت کی وارداتیں چھوڑ — حدیث رندی و مستی نہیں رہین بیان
جہان فریب خرد لا الہ الا اللہ — وہی نظر سے نہاں ہے وہی نظر پہ عیان
نصیب اہل وفا سوز و ساز درد و فراق — سکون قلب میسر مجھے یہاں نہ وہان
خدا رکھے تیرا میخانہ تا ابد ساقی — حقیقتیں نظر آتی ہیں بے حجاب یہان

غریب تر ہیں مقامات بے خودی آنور
اب آرزو نہ تمنا نہ فکر سود و زیان

مطبوعاتِ جدید

مسلمانوں کے تنزل سے دنیا کو کیا نقصان پہنچا } از مولانا سید ابوالحسن علی استاذ ندوۃ العلماء لکھنؤ، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۳۰۰ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر قیمت ۲ر

پتہ:- مکتبہ اسلام گوئن روڈ لکھنؤ،

لائق مصنف دین و ملت کی جو قلمی خدمت انجام دے رہے ہیں، اس سے اہلِ علم پوری طرح واقف ہیں، مذکورۂ بالا کتاب بھی ایک اہم اور وقیع قلمی خدمت ہے، اس میں انھوں نے دکھایا ہے، کہ اسلام ساری دنیا کے لئے ہدایت بن کر آیا تھا، اور اس نے زندگی کے نصب العین اور دین و دنیا کے بارے میں قوموں کے تصورات اور اُن کے عقائد و اعمال میں ایک انقلاب پیدا کر دیا، اور جب تک دنیا کی سیاسی قیادت کی باگ مسلمانوں کے ہاتھوں میں رہی، وہ اس کے پاسبان رہے، اور مذہب و اخلاق کے اثرات دنیا میں باقی رہے، اور مادیت کا سیلاب پھیلنے نہ پایا، مگر اُن کے زوال کے بعد جب مغربی اقوام نے ان کی جگہ لی، تو پھر وہی پرانے جاہلی تصورات لوٹ آئے، اور پہلے سے زیادہ خطرناک شکل میں دورِ جاہلیت کی وحشت اور اخلاقی پستی تنی نمایاں تھی کہ اس سے بچنا زیادہ دشوار نہ تھا، لیکن اس جدید جہالت کے چہرہ پر علم و تمدن کی زرتار نقاب پڑی تھی، اس لئے اس کا پہچاننا بھی مشکل تھا، اور وہ یورپ کے عالمگیر اقتدار کے ساتھ ساری دنیا میں پھیل گئی، اس سلسلہ میں مصنف نے یورپ کی پوری مذہبی اور تمدنی تاریخ کھنگال ڈالی ہے، اور تاریخی شواہد سے دکھایا ہے کہ مغربی تمدن کی بنیاد یونان اور روما کی قدیم تہذیبوں پر تھی، جو سراسر مادی تھیں اس لئے ابتدا ہی سے اس میں خرابی کی صورت مضمر تھی، اس کے بعد اس میں جو تغیرات و انقلابات ہوئے

وہ ایسے حالات مین ہوئے جس کا قدم مادیت ہی کی طرف بڑھتا گیا، عیسوی مذہب ضرور اس راہ مین خان گیر ہوسکتا تھا، لیکن اولاً رومیون کے اثر سے آئین بت پرستی کے اثرات پیدا ہوگئے تھے، پھر پال نے اس کو مسخ کیا، اس سے بھی برے نتائج مذہب مین افراط و تفریط نے پیدا کئے اور خلافِ فطرت رہبانیت کے ردِ عمل نے ارباب کلیسا کو انتہا درجہ کا عیش پرست اور دنیا دار بنا دیا، اور مذہبی اجارہ داری کے ساتھ وہ دنیاوی حکومت پر بھی حاوی ہوگئے، اور اپنے دورِ اقتدار مین انھون نے بڑی سفاکیان کین، اسی زمانہ مین یورپ کی نشاۃ ثانیہ اور اس کی علمی ترقی کا آغاز ہوا، اس راہ مین بھی کلیسا نے مذہب کی آڑ لے کر مزاحمت پیدا کی اور علماء و محققین پر بڑے مظالم ڈھائے، بالآخر اُن کی زیادتیون کی وجہ سے اُن کی عام مخالفت شروع ہوگئی، اور کلیسا کا اقتدار ختم ہوگیا اور ان کی تنگ نظری کی وجہ سے مغربی قومین سرے سے مذہب ہی کے خلاف ہوگئین اور انھون نے جدید تمدن مین مذہب و روحانیت کو کوئی جگہ نہین دی، اور اس کی تعمیر خالص مادی اصولون اور نظریون پر ہوئی، اور اس کا مقصد صرف مادی ترقی، حصولِ دولت، دنیاوی راحت و آرایش کے سامانون کی فراہمی اور اُن سے تمتع قرار پایا، جس مین خدا شناسی، محاسبۂ آخرت کے تصور اور اخلاق کا کوئی حصہ نہ تھا، اس تمدن کی ترقی کے ساتھ مادہ پرستی عام ہوتی گئی، اور سائنس و حکمت کے انکشافات بھی جو اس تمدن کے بڑے برکات سمجھے جاتے ہین، انسانون کے لئے رحمت کے بجائے اُن کی ہلاکت و بربادی کا سامان بن گئے، زندگی کے اس مادی نصب العین اور خود غرضی اور نفس پرستی نے وطنی و نسلی برتری کا جذبہ اور جغرافی و نسلی وطن اور قوم پرستی کے بت پیدا کئے، جس سے قومون مین ایک عالمگیر کشمکش شروع ہوگئی، اور یہ ساری خرابیان مغربی اقوام کے سیاسی اقتدار اور مغربی تہذیب کی اشاعت کے ساتھ ساتھ ساری دنیا مین پھیل گئین، اور مذہب و اخلاق کا درس بالکل فراموش اور خود شناسی اور خدا شناسی اور اس کے اثرات و نتائج کا بالکل خاتمہ ہوگیا، اور اس کی جگہ نفس پرستی نے لے لی، یہ کتاب کے مباحث کا اجمالی خاکہ ہے، ان کی اصلی خوبی اور مصنف کی نکتہ سنجی کا پورا اندازہ کتاب کے مطالعہ ہی سے ہوسکتا ہے، گو یہ معلومات نئے نہین ہین لیکن لائق مصنف نے جس

ترتیب کے ساتھ ان کو پیش کیا ہے، اور ان سے جو نتائج نکالے ہیں، اس نے اس کتاب میں بڑی ندرت پیدا کر دی ہے، اس نقطۂ نظر سے اردو میں اب تک کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ہے، انداز بیان موثر اور دل آویز ہے، یہ کتاب اپنے گوناگون محاسن کے اعتبار سے بلا امتیاز مذہب وملت اور قدیم وجدید ہر طبقہ کے مطالعہ کے لائق ہے، اللہ تعالیٰ مصنف کو اس کی جزاے خیر دے،

محمد بن عبدالوہاب از مولانا مسعود عالم ندوی، تقطیع بڑی ضخامت ۱۴۲ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت: ۶ پتہ دارالاشاعۃ نشاۃ ثانیہ حیدرآباد دکن،

گیارہویں صدی ہجری کے اواخر میں عموماً دنیا سے اسلام سے اسلامی روح رخصت ہو چکی تھی، ہر جگہ دین سے غفلت اور بدعات واوہام عام تھے، حتی کہ اسلام کا سرچشمہ عرب بھی اس سے محفوظ نہ تھا، اس کی تجدید واصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ نے سرزمین نجد میں ایک مرد مومن محمد بن عبدالوہاب کو پیدا کیا جنھوں نے اس راہ میں قلم اور تلوار دونوں سے جہاد کیا، ابتدا میں ان کو بڑی دشواریاں پیش آئیں، لیکن پھر رفتہ رفتہ ان کی دعوت پھیلنے لگی، اور نجد کا حکمران خاندان آل سعود ان کی دعوت قبول کر کے ان کا پشت وپناہ بن گیا، اس سے شیخ کے کام میں بڑی مدد ملی، اور ان کی وفات کے وقت تک نجد اور اس کے قرب وجوار میں ان کی دعوت پھیل گئی، شیخ کی وفات کے بعد ان کے لایق جانشینوں اور ان کے اتباع نے بھی ان کے مشن کو جاری رکھا، اس زمانہ میں بدعات عام تھیں کوئی طبقہ بھی اس سے محفوظ نہ تھا، اور یہ دعوت ہر طبقہ کے خلاف پڑتی تھی، اس لئے حرمین کے علماء واشراف مکہ اس کے خلاف ہو گئے اور ان میں اور آل سعود میں بڑی معرکہ آرائیاں ہوئیں، جن میں انجام کار آل سعود غالب آئے، اور حجاز پر ان کا قبضہ ہو گیا، اور ان کا اقتدار ایک طرف شام اور دوسری طرف عراق اور خلیج فارس تک قائم ہو گیا، خلیج فارس میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت تھی، اس سے بھی آل سعود کا تصادم ہوا، ان کی روز افزوں قوت عثمانی حکومت کے مفاد کے خلاف پڑتی تھی، اس لئے اس نے محمد علی پاشا خدیو مصر کو ان کے مقابلہ پر مامور کیا، انھوں نے

نجد و حجاز دونون پر قبضہ کرکے سعودی حکومت کا خاتمہ کردیا، اس کے ساتھ ہی یہ دعوت بھی رُک گئی، شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے متبعین عقائد کی صحت اور رد بدعات مین بڑے متشدد تھے، اور اس مین دانی مسامحت بھی ان کو گوارا نہ تھی، اس تشدد کی وجہ سے ان سے بعض افعال ایسے سرزد ہوگئے، جو گو مذہبی حیثیت سے صحیح تھے لیکن عام مسلمانون کے جذبات پر اس کا برا اثر پڑا، اور ان کے مخالفین کو انھین بدنام کرنے کا موقع مل گیا، اور انھون نے ان کی جانب غلط عقائد منسوب کرکے انکو مسلمانون کا دشمن مشہور کردیا، ان کے تشدد کی وجہ سے لوگون کو اس کے یقین کرنے مین تامل نہ ہوا، اور ان کی جانب سے ایک عام غلط فہمی پھیل گئی جس کا کچھ نہ کچھ اثر اب تک باقی ہے، لائق مصنف نے اس کتاب مین شیخ محمد بن عبدالوہاب کے حالات، ان کی دعوتِ اصلاح کی دینی حیثیت اور اس کی تبلیغ مین شیخ کی زندگی سے لے کر آلِ سعود کے خاتمہ تک جو واقعات پیش آئے، اُن کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، اور شیخ اور اُن کے اتباع کی کتابون سے اُن کے عقائد بیان کرکے اُن کے متعلق غلط فہمیون کی پوری تردید کی ہے، اور شیخ کی تصانیف کا مختصر ذکر کیا ہے، اردو مین شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کی دعوت کے متعلق صحیح معلومات کم ہین، یہ پہلی کتاب ہے جس مین پوری تحقیق و تفصیل سے اس کی تاریخ قلمبند کی گئی ہے، اور اس کے تمام اہم اور ضروری پہلوون پر نقد و تبصرہ کیا گیا ہے، مصنف ایک کہنہ مشق اور صاحب نظر اہلِ قلم ہین، اس لئے یہ کتاب معلومات، تلاش و تحقیق اور ترتیب و انداز بیان ہر حیثیت سے قابلِ قدر ہے، لیکن جا بجا مصنف کے خیالات کی شدت نمایان ہے،

ہمارا قائد، از جناب محمد احمد خان صاحب ایم اے عثمانیہ تقطیع اوسط ضخامت ۱۲۰ صفحے کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت مجلد ۱۔ عارضہ قائد ملت اکیڈمی فیل خانہ قدیم حیدرآباد دکن،

نواب بہادر یار جنگ مرحوم کی ایک سوانحعمری اس سے پہلے قائد ملت کے نام سے شائع ہوچکی ہے جس پر معارف مین ریویو ہوچکا ہے، دوسری سوانحعمری ہے جو قائد ملت اکیڈمی کی جانب سے شائع

ہوئی ہے، اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے مصنف برسہا برس تک قائد ملت کے ہمدم و ہم جلیس رہے ہیں، اور ان کی زندگی کا ہر پہلو اُن کی نگاہ کے سامنے رہا ہے، اس لئے یہ کتاب قائد ملت کی زندگی کا سب سے زیادہ مستند مرقع ہے، اس میں ان کے حالات، اوصاف، خصوصیات اور اُن کے مذہبی و ملی کارناموں کا اجمالی ذکر، اور ریاست حیدرآباد سے متعلق مرحوم کی خدمات کی تفصیل ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک طرف انھوں نے حیدرآباد کے مسلمانوں میں زندگی کی روح پیدا کی، دوسری طرف ایسے نازک دور میں جب کہ ریاست کی مخالف قوتیں آئینی حربوں سے اس کی قدیم حیثیت کو بدلنے، اس کے اقتدار کو گھٹانے اور مسلمانوں کی سیاسی برتری کو توڑنے کی کوشش میں تھیں، اور ارکان حکومت تک اُن کے اثر میں آگئے تھے، مرحوم نے بڑی جرأت اور دانشمندی سے اس خطرہ کو دور کیا، ان کے خدمات و کارنامے بڑے گوناگوں ہیں، اس کتاب سے ان کا اجمالی اندازہ ہو جاتا ہے، انداز بیان دلکش اور انشاء پردازانہ ہے،

مقالات یوم اقبال، مرتبہ جناب آل احمد صاحب سرور تقطیع بڑی ضخامت ۹۰ صفحے کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت معلوم نہیں، پتہ:۔ غالباً رضا انٹر کالج رامپور سے ملے گی،

رضا انٹر کالج رامپور کے یوم اقبال، اپریل ۱۹۴۵ء میں جو مقالات پڑھے گئے تھے، اُن کا مجموعہ ہے، اس میں حسب ذیل مضامین ہیں، خطبۂ صدارت پروفیسر رشید احمد صاحب صدیقی، خطوط میں شخصیت کا اظہار آل احمد صاحب سرور، اقبال اور ابن عربی محمد عبدالسلام صاحب، سر محمد اقبال میری نظر میں عطاء الرحمٰن صاحب، فلسفۂ اقبال کے بعض مسائل مسعود حسین خان صاحب، اکبر و اقبال نور محمد صاحب ایم اے، اقبال کا تصور عشق فرید الدین صاحب، شمسی مولانا محمد علی مرحوم کی انشاپردازی مفتی بنیر الدین صاحب ایم اے، اس مجموعہ کے اول الذکر تینوں مضامین خاص طور سے مفید اور پڑھنے کے لائق ہیں، رشید احمد صاحب نے اپنے خطبہ میں اقبال کی شاعری اور تعلیمات کی روح، اوس کے بنیادی پہلو اور اس کے مفید نتائج پر مبصرانہ نگاہ ڈالی ہے اور اقبال کی شاعری کے ماخذ، اس کی اسلامیت اور تضاد

خیال کے متعلق جو اعتراضات کئے جاتے ہیں ان کے وجدانی مگر نہایت صحیح جوابات دیئے ہیں، سرور صاحب نے غالب، سرسید، حالی، شبلی، اکبر، مہدی، مولانا محمد علی، اقبال، اور نیاز فتحپوری کے خطوط کے مضامین سے ان کی زندگی کا عکس دکھایا ہے، ناقد مبصر نے ان خطوط کے متعلق نہایت صحیح رائے ظاہر کی ہے، جس میں کسی ترمیم کی گنجایش نہیں، مضمون گو مختصر ہے لیکن مضمون نگار کی جدت اور نکتہ سنجی کا نمونہ ہے، عبدالسلام صاحب کا مضمون گو بہت عالمانہ ہے لیکن خشک اور دقیق ہے، اور اس سے مخصوص اشخاص ہی لطف اٹھا سکتے ہیں، باقی مضامین بھی فائدہ سے خالی نہیں،

لاجونتی از سرآنند سروپ بھٹناگر، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۲۱۲ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، مجلد قیمت معلوم نہیں، پتہ:۔ مصنف نمبر ۲۵، تغلق روڈ ٹنی دہلی سے ملے گی،

مذکورۂ بالا کتاب ڈاکٹر سرآنند سروپ بھٹناگر کے اردو کلام کا مجموعہ ہے، مصنف ہندوستان کے ان مایۂ ناز علماے طبیعیات میں ہیں جن کی تحقیقات وانکشافات اس فن میں یورپ کے بڑے بڑے علماء سے خراج تحسین حاصل کر چکے ہیں، لیکن یہ نہ معلوم تھا کہ وہ ایک قادر الکلام اور نکتہ سنج شاعر بھی ہیں، طبیعیات کے خشک مسائل اور شاعری کی رنگین خیالی دنیا میں ایک طرح کا بیر ہے لیکن مصنف نے حقیقت اور مجاز دونوں کو ملا دیا، پھر ان کی شاعری محض قافیہ پیمائی اور گل وبلبل کا افسانہ نہیں بلکہ ظاہری حیثیت سے حسن بیان کی تمام لطافتوں سے آراستہ اور معنوی حیثیت سے حکیمانہ خیالات پر مشتمل ہے، چنانچہ اس مجموعہ میں مختلف قلبی وارداتِ اخلاقی وحکیمانہ خیالات اور مختلف قومی وملی جذبات پر پاکیزہ نظمیں ہیں لیکن خشک سے خشک موضوع میں بھی لطف بیان کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹا ہے، مصنف کی دوسری قابل ذکر خصوصیت یہ ہے کہ وہ غالب کے شاگرد رشید منشی ہرگوپال تفتہ کے نواسے ہیں جنھیں مرزا نے محبت سے مرزا تفتہ لقب دیا تھا، مکاتیب میں ان کے نام بہت سے خطوط ہیں جن سے اُن کے ساتھ غالب کی محبت کا اندازہ ہوتا ہے، اس لئے شاعری گویا سرآنند سرو کی موروثی دولت ہے، اس لئے یہ مجموعہ ہر حیثیت سے اصحاب ذوق کے مطالعہ کے لائق ہے، "م"

جلد ۵۸ ماہ محرم الحرام ۱۳۶۶ھ مطابق ماہ دسمبر ۱۹۴۶ء عدد ۶

مضامین

شذرات — شاہ معین الدین احمد ندوی، ۴۰۲، ۴۰۴

مقالات

خطبۂ استادطبیہ اسکول پٹنہ ۱۹۴۴ء — سید سلیمان ندوی ۴۰۵، ۴۱۹

مجدد ملت اور قومیات وسیاسیات حاضرہ — جناب مولانا شاہ عبدالباری صاحب ندوی ۴۲۰، ۴۳۹

فتاوی عالمگیری اور اس کے مؤلفین، — جناب مولوی حافظ حبیب اللہ صاحب ۴۴۰، ۴۵۳
ندوی رفیق دارالمصنفین،

دو نایاب کتابیں، — جناب مولوی سید مقبول احمد صاحب صمدانی ۴۵۴، ۴۶۲

سندھی رسم الخط کی تاریخ، — سندھ کے ایک سابق گورنر کے قلم سے، ۴۶۳، ۴۶۷

خاتمہ بحث سود و قمار وغیرہ، — مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی ۴۶۸، ۴۶۹
صدر شعبۂ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی،

استفسار و جواب

"مفتاح الفلاح" — "م" ۴۷۰، ۴۷۳

جزئی فضیلت کا مفہوم ومقصد — "س" ۴۷۴، ۴۷۵

مطبوعات جدیدہ — "م" ۴۷۶، ۴۸۰

ضروری تصحیح ص ۴۰۲ سطر اٹھارہ میں ۱۱۵۶ھ غلط ہے، کے بعد یہ عبارت چھوٹ گئی ہے "اصل عربی عبارت میں صفر ۱۱۵۶ھ ہے اور یہی صحیح ہے"

شذرات

ناظرین معارف کو نہایت رنج و اندوہ کے ساتھ یہ اطلاع دیجاتی ہے کہ ہمارے ایک دیرینہ رفیق کار ادارۃ المصنفین کے پرانے اور اہم کارکن منشی محمد اویس صاحب وارثی بتیس سال کی رفاقت کے بعد ہم سے جدا ہو گئے، مرحوم نے مدارزی الجگ کو ایک مختصر علالت کے بعد انتقال کیا، وہ دار المصنفین کے قیام کے آغاز سے اس سے وابستہ تھے، اور آخر دم تک بڑی جانفشانی، اخلاص، خیر خواہی اور دیانتداری کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے رہے، اور ہمیشہ اس کو اپنا ذاتی کام سمجھ کر انجام دیا، مکتبہ دار المصنفین کی ترقی میں اُن کی محنت کو بڑا دخل تھا، اس کے تجارتی کاروبار میں اُن کی ذات بڑا سہارا تھی، اور دفتری کاموں کا دارومدار اُنہی پر تھا، اب اُن کا جانشین ملنا مشکل ہے، ان خوبیوں کے ساتھ مرحوم شرافت اور وضعداری کا نمونہ تھے، نہایت خوش خلق، شریف الطبع حق گو، حق پرست، مرنجامرنج، اعزہ کے مددگار، احباب کے ہمدرد و غمگسار، اُن کا برتاؤ ایسا تھا، کہ ہر شخص اُن کو اپنا سمجھتا تھا، سب کے دل میں اُن کی یکساں عزت و وقعت تھی، بتیس سالہ زندگی میں کسی کو اُن سے کوئی شکایت پیدا نہیں ہوئی، وہ دنیاوی معیار سے کوئی اونچی شخصیت کے مالک نہ تھے، نہ صاحب جاہ و ثروت تھے، نہ کوئی علمی حیثیت رکھتے تھے، لیکن اگر بڑائی نام ہے اخلاق و شرافت اور سیرت و کردار کی بلندی کا تو مرحوم بہت بڑے آدمی تھے اللّٰھُمَّ اغْفِرْہُ مَغْفِرَۃً وَاسِعَۃً ناظرین معارف سے بھی مرحوم کے لئے دعاے مغفرت کی درخواست ہے،

راقم حروف نومبر کے پہلے ہفتہ میں ایک لمبے سفر میں جانے والا تھا، اور ۴ سے بقرعید کی تعطیل ہو رہی تھی، اس لئے اس سے پہلے معارف کا کام ختم کر دینا ضروری تھا، گو بہار کا فساد اس وقت شروع ہو چکا تھا لیکن اُس نے ایسی سنگین شکل اختیار نہ کی تھی، اس لئے اس وقت کے حالات کے مطابق شذرات میں خیالات ظاہر کئے گئے تھے، لیکن بہار اور گڈھ مکتیسر کے واقعات نے ایک نئی صورت حال پیدا کر دی ہے، جو اس سے پہلے خیال میں بھی نہ آسکتی تھی، ان دونوں مقاموں میں مسلمانوں پر جو سفاکانہ مظالم ہوئے، اور ضعیف و ناتوان بوڑھوں

مجبور دیکھیں عورتون اور شیر خوارون کا جس بے دردی سے قتل عام کیا گیا اور مسلمانون کی بستیان جس طرح خاک مین مین ملائی گئین، اس کی مثال وحشی درندون کے سوا انسانون مین نہین مل سکتی، اور یہ قتل و غارتگری جس تیاری وسعت اور تنظیم کے ساتھ ہوئی، اس کا مقصد اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے، کہ بہار کے مسلمانون کو بالکل پست و پامال کرکے بزور اُن سے اپنی قوت کا لوہا منوایا جائے، اور معتبر اور مستند اطلاعات کی بنا پر یہ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اس قتل عام مین بہار کی نیشنلسٹ جماعت اور کانگریس کے مقامی لیڈرون کا بھی ہاتھ شامل تھا اور حکام نے بھی غفلت سے کام لیا، حکومت کے نشۂ اقتدار کے سوا اس کی کیا توجیہ کی جا سکتی ہے، اگر آزاد قومی حکومت کا نمونہ یہی ہے، تو اس سے مسلمانون کی بدگمانی کیا بیجا ہے،

کانگریس کی آئینی و دستوری حیثیت سے بحث نہین لیکن چند مستثنیٰ افراد کو چھوڑ کر اس پر جس قسم کی ذہنیت کی جماعت کا غلبہ ہے، اس کا اندازہ ان اشتعال انگیز تقریرون سے ہو سکتا ہے، جو کانگریس پلیٹ فارم سے مسلمانون کے خلاف ہوئین، اور جن مین علانیہ ہندوؤن کو انکے خلاف اُبھارا گیا، بہار کے واقعات نے اس ذہنیت کو اور زیادہ بے نقاب کر دیا ہے، اس پر طرّہ یہ ہے کہ اس کے بجائے کہ کم از کم کانگریسی لیڈرون کی جانب سے ان وحشیانہ واقعات پر متفقہ ملامت اور اس سے اظہار بیزاری کیا جاتا، الٹے ان کی اہمیت کو گھٹانے اور اُن کی پردہ پوشی کی کوشش کی جا رہی ہے، اس کے بعد کانگریس کا مشترکہ نمایندگی کا دعویٰ کہان تک صحیح تسلیم کیا جا سکتا ہے،

اگر کانگریسی لیڈرون کی یہی ذہنیت قائم رہی، اور کانگریس نے اپنی ذمہ داری کا احساس اور آیندہ کے لئے اس قسم کے واقعات کا پورا انسداد نہ کیا تو اس کا لازمی نتیجہ، اس کا خاتمہ، انگریزون کی دائمی غلامی یا قیام پاکستان ہے، اس لئے کہ مسلمانون سے اتحاد اور اُن کی مدد کے بغیر آزادی کا تصور ایک خیال خام ہے، اور اگر لیگ کے مجوزہ پاکستان کی مخالفت بھی کی جائے تو بھی ان حالات مین جہان جہان مسلمان اقلیت مین ہین، اور اپنی حفاظت نہین کر سکتے وہان سے وہ دوسرے مقامون پر منتقل ہونے کے لئے مجبور ہونگے جیسا کہ بہار مین شروع ہو گیا ہے، اس طرح ہندوستان کے گوشہ گوشہ مین پاکستان قائم ہو جائین گے،

بہار کے واقعات ایسے دردناک ہین، کہ ان سے ان نیشنلسٹ مسلمانون کے دلون پر بھی چوٹ لگی جو

صرف وطن کے بت اور آزادی کی دیوی کے پجاری نہیں ہیں بلکہ اپنی قوم کا بھی درد رکھتے ہیں، اور اس کی عزت و وقار کے لئے وہ آزادی کے طلبگار ہیں، چنانچہ بعض نے علانیہ اور بعض نے بلیغ پیرایہ میں اپنے تاثرات کا اظہار کیا اور کانگریسی لیڈروں کو دلوں کی کھوٹ اور ان کے اصلی منصب کی جانب توجہ دلائی،

کاش بہار کے واقعات سے مسلمان یہ سبق حاصل کرتے کہ وہ اپنی اندرونی تنظیم اور قوت مدافعت پیدا کئے بغیر باعزت زندگی بسر نہیں کرسکتے، ورنہ سیاسی حقوق تو الگ رہے ان کا جینا بھی دشوار ہوجائے، قالبے جان جسم تاج شاہی بھی نہیں سنبھال سکتا، اس وقت ضرورت اس کی ہے کہ تمام اسلامی جماعتیں سیاسی اختلافات سے قطع نظر کرکے مسلمانوں کی تنظیم کے مسئلہ میں متحد ہوکر عملی کام شروع کردیں، سب سے بڑی جماعت مسلم لیگ ہے اس لئے اس پر یہ فرض سب سے زیادہ عائد ہوتا ہے ورنہ محض سیاسی رزم آرائی اور تیغ زبان کی تابانی مسلمانوں کو نہیں بچاسکتی، جب تک بازوؤں میں حفاظت کی قوت نہ ہو،

جامعہ ملیہ کی جوبلی میں مہینوں سے شرکت کا مصمم ارادہ تھا، اور سفر کی پوری تیاری ہوچکی تھی، کہ عین موقع پر ایسے موانع پیش آگئے، کہ رخت سفر باندھکر کھول دینا پڑا، جوبلی ایسے ناموافق حالات میں ہوئی جب کہ ہندوستان کے مختلف حصوں میں فتنہ و فساد کی آگ مشتعل تھی، اور لوگوں کا اپنی جگہوں سے نکلنا مشکل تھا، لیکن اخبارات کی اطلاعات اور جوبلی میں شرکت ہونے والے احباب کی زبانی معلوم ہوا کہ ان موانع کے باوجود جوبلی ہر حیثیت سے کامیاب رہی، اس کے اجتماع میں بہت کم فرق آیا، اور ہندوستان کے اکثر اکابر اور مختلف طبقوں اور جماعتوں، اور ہر مسلک و خیال کے اشخاص نے جوبلی میں شرکت کی، اور جامعہ نے متضاد عناصر کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کردیا، جو اس کی مقبولیت کی دلیل ہے، ہم محترم شیخ الجامعہ اور کارکنان جامعہ کی خدمت میں اس کامیابی پر مبارک باد پیش کرتے ہیں،

جامعہ مسلمان نوجوان کا پہلا سنجیدہ اور ٹھوس کارنامہ ہے، اس کی کامیابی کا راز اس کے کارکنوں کا اخلاص، اشتراک عمل، اور ان سب سے بڑھکر شیخ الجامعہ کی شخصیت ہے، جامعہ" ہے جن کی کوشش سے جامعہ کا نظام شمسی قائم ہوا، جامعہ اپنی عمر کی کٹھن منزلیں طے کرچکی، اب اس کے سکون اور اطمینان کا دور ہے لیکن یہی سب سے زیادہ نازک ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اس کے خطرات سے محفوظ رکھے، اور جامعہ ملیہ کو ملک و ملت کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید اور ان میں مقبول بنائے،

مقالات

خطبۂ اسناد طبیہ اسکول پٹنہ ۱۹۴۴ء

هُوَ الشَّافی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دو تین برس ہوئے کہ طبیہ اسکول پٹنہ نے مجھے اپنے جلسۂ تقسیم اسناد کا خطیب منتخب کیا تھا۔ مگر افسوس کہ میں اپنی علالت کے سبب سے شریک جلسہ نہ ہو سکا آیندہ سال پھر یہ موقع آیا اور پھر میں نہ جا سکا اور یہ خطبہ یوں ہی پڑا رہا، اب چونکہ میرے حالات کے لحاظ سے آیندہ اور بھی دقت ان کاموں کے لئے نہ مل سکے گا، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس دفینہ کو وقف عام کر دیا جائے"

"سید سلیمان ندوی"

طب سے میرا خاندانی تعلق | حضرات! آپ نے دعوت دی میں نے قبول کی، اس بآسانی قبول کی وجہ ایک تو وطن کا رشتہ تھا، دوسرا یہ خیال کہ شاید اس ذریعہ سے کچھ مفید باتیں کانوں میں پہنچ جائیں، تاہم اس مناسبت کے وجوہ پر غور کرتا رہا کہ طبیبوں کے بھرے مجمع میں ایک غیر طبیب کو دعوت کیوں دی گئی، آپ کے سابق خطیب اسناد ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کی طرح یہ نہیں کہہ سکتا کہ ڈاکٹر کی شہرت نے طبیبوں میں شامل کر دیا، کیونکہ مجھے "ڈاکٹر" بنے ابھی ایک ہی سال ہوا ہے، اور اس نے نام کے جز کی حیثیت حاصل

نہیں کی ہے، تاہم اس دعوت میں ایک ایسی مناسبت ہے جس کا استحقاق گو ذاتی طور سے مجھے حاصل نہیں، لیکن موروثی استحقاق حاصل ہے یعنی میرا تعلق اس صوبہ کے اُس خاندان سے ہے جس نے ایک صدی سے زیادہ اس فن شریف کی خدمت کی ہے، میری نانہال میں غالباً اخیر شاہی زمانہ سے یہ فن باقی ہے، اور میرے دادیہال میں ۱۲۵۰ھ سے جو میرے جد امجد کی تحصیل طب کا زمانہ ہے ۱۳۴۶ھ تک جو میرے بڑے بھائی مرحوم کی وفات کا زمانہ ہے سو برس تک اس فن کی خدمت ہوئی، میرے والد ماجد کے ماموں نے عذر سے پہلے دہلی و آگرہ کے اطبار سے تحصیل کی اور نواب امیر علی خاں باڑھ کے توسط سے واجد علی شاہ کے ساتھ کچھ دن گذارے اور پھر بہار میں بیٹھ کر آج سے سو برس پہلے مطب کیا، اور فقیرانہ صورت میں امرا اور رؤسار میں قبولیت حاصل کی، میرے نانا مرحوم نے غالباً فیض آباد جاکر طب پڑھی، دادا مرحوم نے طب کی تعلیم اسی عظیم آباد پٹنہ میں قاضی القضاۃ قاضی محمد وحید الدین خاں کے یہاں رہ کر حکیم خواجہ عبید اللہ شاہجہان آبادی اور حکیم اسلم مرحوم عظیم آبادی سے ۱۲۴۷ھ سے ۱۲۵۷ھ تک حاصل کی اور پہلے بہار میں شاہ اظہر حسین صاحب کے مکان پر ۱۲۵۲ھ میں مطب کھولا اور پھر شیخپورہ جاکر ۱۲۵۸ھ میں نواب ان حسین آباد و رؤسائے شیخپورہ کے اصرار سے مطب قائم کیا، اور جہاں انھوں نے ۱۳۰۳ھ تک جو اُنکی وفات کی تاریخ ہے اُن اطراف میں فن طب میں وہ ناموری حاصل کی کہ اب تک اس دیار میں اُن کا نام روشن ہے، کیا ہوا ثانی بقراط و ارسطاطیس ان کی تاریخ وفات ہے، جو نواب محمد علی خاں صبا حسین آبادی کی یادگار ہے،

والد مرحوم نے طب کا آغاز اپنے والد ماجد سے ۱۲۷۶ھ میں کیا اور کامل ہوکر رؤسائے اسلام پور دہپر کی قدردانی سے ۱۳۴۰ھ تک اس فن کی خدمت میں مصروف رہے، بڑے بھائی صاحب نے اسی پٹنہ میں حکیم نصیر الحق صاحب سے طب پڑھی اور مرتے دم تک یعنی ۱۳۴۶ھ تک اسی کام میں لگے رہے، میرے چچیرے چچا حکیم لیاقت حسین صاحب مرحوم حکیم ابراہیم صاحب جھوائی ٹولہ لکھنؤ کے شاگرد تھے، جو موجودہ حکیم عبد المجید صاحب لکھنوی کے دادا تھے،

میرے دادا کے نانا حکیم سید خادم حسین صاحب بھی نامور طبیب تھے، دادا صاحب لکھتے ہیں،

جد امجد طبیب حاذق بود میر خادم حسین فائق بود

بے شک و شبہہ آں طبیب زمن عالم طب و ماہر ہمہ فن

ان کے صاحبزادے حکیم کاظم حسین بھی طبیب تھے، اور والد علی شاہ کے پٹا برج میں جاکر اکتساب فیض کیا تھا، میرے بڑے پھوپھا حکیم نور الحسن نے پٹنہ میں تحصیل کی اور استھاواں میں پچاس ساٹھ برس تک مطب گرم رکھا، اور ایسی حذاقت دکھائی کہ ان اطراف کے لوگ آج بھی شاہد ہیں، ان بزرگوں کے قلمی اور مطبوعہ متروکات اور سفینے اب تک موجود ہیں، اور ان کی اس امانت کی حفاظت کی سعادت اس ناچیز کو حاصل ہے، یہ تفصیل اس موقع پر گو بے محل ہو لیکن اس لئے کی گئی تاکہ ایک نااہل کی ذاتی نااہلیت پر بزرگوں کی اہلیت سے پردہ پڑ جائے،

گرچہ خود دیم نسبتے ہست بزرگ

ایک گاؤں سے صوبہ کا قیاس اس ذکر کا دوسرا سبب یہ ہے کہ جب بہار کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں طبی چہل پہل اور رونق کا یہ عالم تھا تو پورے صوبہ نے اس کی جو خدمت کی ہوگی اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے،

طب کا آغاز طِبّ عربی زبان کا لفظ ہے، اس کے اصلی معنی جھاڑ پھونک اور سحر و جادو کے ہیں، عربی شاعر کہتا ہے، وانا مطبوبٌ بمکولتی عینھا، یعنی میں محبوب کی سرگیں آنکھوں کے جادو میں نہیں مبتلا ہوں، گویا مطبوب مسحور کے معنی میں ہے، یہ لفظ بتاتا ہے کہ اس فن کا آغاز ابتدائی قوموں میں جھاڑ پھونک، ٹوٹکے اور جادو منتر سے ہوا، آخر زمانہ کی رفتار کے ساتھ تجارب اور قیاسات نے اوہام و تخیلات کی جگہ لے لی، یہاں تک کہ آج یہ سرتاپا تجربیات اور دلائل عقلی و طبعی پر مبنی ہے، عربوں میں بھی یہ فن اسی طرح شروع ہوا اور بڑھا، عرب کا پہلا تجربی طبیب حارث بن کلدہ سمجھا جاتا ہے جو اسلام کے آغاز میں تھا، اسلام نے اپنے ظہور کے ساتھ طب روحانی کے ساتھ طب جسمانی کا مطب بھی قائم کر دیا، محدثین نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس باب میں جو کچھ پایا اس کو طب نبوی کے نام سے الگ جمع کر دیا ہے،

چنانچہ ساتویں صدی میں حافظ ابن قیم نے زاد المعاد میں اس کا ایک مستقل طویل باب باندھا ہے،

طبی تراجم مسلمانوں میں غیر قوموں کے طبی تجربوں سے استفادہ کا آغاز دولت بنو امیہ کے آغاز سے ہوا جس کا دارالحکومت دمشق تھا، اور جہاں یہودی و عیسائی طبیب موجود تھے، جو یونانیوں کے خوشہ چین تھے سب سے پہلے حکیم ابن آثال نے امیر معاویہؓ کے زمانہ میں یونانی طبی کتابوں کا ترجمہ عربی میں کیا مروان کے زمانہ میں ماسرجویہ یہودی نے یونانی طبیب اقس ہرون کے کناش (سفینہ) کا ترجمہ عربی میں کیا اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے پہلی صدی کے خاتمہ پر اس سفینہ کو پبلک کے فائدہ کیلئے عام کیا، سب سے پہلا شفاخانہ عبدالملک نے اپنے زمانہ میں قائم کیا، عباسی خلفاء نے اپنے دور میں اس فن کی ترقی کا شاندار دور پیدا کیا، ایک طرف ہندوستان کے وید اور دوسری طرف یہودی و عیسائی اطبا کو جو سریانی و یونانی زبانوں کے ماہر تھے یکجا کیا اور تیسری طرف جندیسا پور کے ایرانی طبیبوں کو بغداد آنے کی دعوت دی،

طب اسلامی یونانی نہیں اسی ایک واقعہ سے سمجھا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کے علم طب کو یونانی کہنا کہاں تک زیبا ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے آج یوروپین طب کو اس لئے عربی کہا جائے کہ عربی زبان اور عربی طبیبوں کی کتابوں پر اس کی بنا ڈالی گئی تھی، اور سلرنو کا شہر اس کا پہلا مقام تھا، اس نظریہ پر ایک اور حیثیت سے نظر ڈالئے ہماری طب میں جو دوائیں زیر استعمال ہیں ان کے زاد و بوم کی تحقیق یہ ظاہر کردے گی کہ اس طب کو دنیا بھر کے تجربہ گاہوں سے یکساں تعلق رہا ہے، عرب اگر اس کا مولد، شام اس کا منشا، عراق اس کا گہوارہ، مصر اس کا بازیگاہ، اور اسپین اس کا مرغزار رہا، تو دوسری طرف ترکستان اس کی سیرگاہ ایران اس کا تجربہ گاہ اور ہندوستان کی سرزمین اس کا دارالشباب ہے، اس طرح اسپین سے لیکر ہندوستان تک تمام طبی تجربے اس اسلامی طب کے اجزاء و عناصر ہیں، قسط ہندی، عود ہندی، سازج ہندی، سنائے کی، مصطگی رومی، آوتے بخارا، جوانن خراسانی، مقلب مصری، نمک لاہوری، شقاقل مصری، ریوند چینی، دارچینی، صبر سقوطری، عنبہ مغربی، زہرہ کرمانی، گل ارمنی، گل ملتانی

گل داؤدی، بورہ آرمنی، فستین رومی، عقیق یمنی، گلنار فارسی، تربد اکبرآبادی، اسگند ناگوری، صمغ عربی، شیرخشت ولایتی، انار قندھاری یہ نام سرسری زبان پر آگئے ہیں، ہمارے اطبا اس قسم کے اور بیسیوں نام بتا سکتے ہیں، لغات طب جیسے جامع ابن بیطار، تحفۃ المومنین، مجمع الجوامع اور مخزن الادویہ وغیرہ کا جائزہ لیا جائے تو بڑی فہرست تیار ہو سکتی ہے، جس کا دائرہ چین سے لے کر چین تک کی زمینوں کو محیط ہوگا۔

عجم میں طب | چھٹی صدی میں رشید الدین فضل اللہ سلطان غازان خاں کا حکیم اور وزیر تھا، اس نے تبریز اور ایران کے اور بعض شہروں میں شفاخانے قائم کئے تھے، جہاں کے استعمال کے لئے دنیا کے مختلف حصوں سے دوائیں منگوائی جاتی تھیں، پروفیسر براؤن انجمانی نے ۱۹۲۱ء میں طب عربی پر چند لکچر انگریزی میں دیئے تھے جو چھپ چکے ہیں، اس کتاب میں رشید کے خطوط کے ایک قلمی نسخہ کا حوالہ دیا گیا ہے، اور اس کے اقتباسات پیش کئے گئے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں دواؤں کا یہ اہتمام تھا کہ امرا اور وزرا کی طرف سے وکلا اور ایجنٹ دنیا کے مختلف حصوں میں اس غرض سے پھیلے تھے کہ دوائیں اور ضرورت کی دوسری چیزیں ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجتے رہیں، ان مختلف ملکوں میں سے ایک نام ہندوستان کا بھی ہے جہاں دواؤں کی بہم رسانی کے لئے ایک ایجنٹ موجود تھا، دوسری صدی ہجری میں جب برامکہ بغداد کے وزیر تھے ان کے ایجنٹ ہندوستان، کشمیر اور کارومنڈل تک دواؤں کی تلاش میں آتے تھے، اس کا ذکر ابن ندیم نے کیا ہے،

دنیائے اسلام میں طب | طب عربی یا طب اسلامی کی شاندار تاریخ کے مطالعہ کا اگر شوق ہو تو ابن ابی اصیبعہ کی طبقات الاطبا کی چار جلدیں ملاحظہ کی جائیں، جو صرف ساتویں صدی تک کے اطبا کے حالات میں ہے، اس کتاب کی تقسیم ملکوں پر ہے، ان چاروں جلدوں میں حسب ذیل ملکوں کے طبیبوں کے حالات اور تذکرے ہیں، یونان، عرب، مصر، شام، عراق، ایران، ترکستان، خراسان، ہندوستان، اسپین، مراکش، تونس و الجزائر،

ہندوستان میں طب اہل نظر کو معلوم ہے کہ ایران اور ہندوستان میں اس طب کے فروغ کا زمانہ اس کے بعد آتا ہے جن کے نام سے یہ کتاب خالی ہے، ضرورت تھی کہ اس کا تکملہ لکھا جاتا، خصوصاً آج جب کہ ہندوستان کے سوا ہر ملک سے یہ طب رخصت ہو چکی ہے، حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان نے بھی اپنے زمانہ میں اس طب کی بڑی خدمت کی ہے، یہ ظاہر ہے کہ ہندوستان میں یہ فن ایران اور ترکستان سے آیا اور اس نے یہاں آکر سلاطین و امرا کے زیر سایہ بڑی ترقی کی، یہاں بڑے بڑے شفاخانے اور دواخانے قائم ہوئے اور تجربہ کار محقق طبیبوں نے اپنی حذاقتوں سے اس کو چار چاند لگائے، تیموریوں سے پہلے فیروز شاہ کے عہد کا ایک ٹکڑا آپ کو سناتا ہوں، سراج عفیف لکھتا ہے

"چوں سلطان فیروز شاہ چندیں تید مؤکلاں کہ آستانہ شفاخانہ و صحت خانہ برائے عامۂ مریضاں بنا فرمودہ و اطبائے حاذق و حکمائے صادق و حذاقے مصدق و جراحان و کحالان دراں مقام تعین گردانیدہ و ادویہ و اطعمہ و اشربہ برائے مریضاں از خزانہ مقرر کردہ باب کرم عام بشفقت تمام بر خلائق خاص و عام کشادہ"

شاہان ہندوستان کے دربار میں وید تیموریوں سے پہلے مسلمان طبیب اور ہندو وید برابر بادشاہی دربارون میں کام کرتے تھے جن میں سے بعض بعض کے نام تاریخوں میں مذکور ہیں، سب سے پہلا برہمن جس کو ترک شاہانِ دہلی کے یہاں اعتبار رہا وہ بھی وید ہی تھا جس کا نام گنگو برہمن تھا جس کے نام سے جیسا کہ مورخین لکھتے ہیں بہمن شاہی سلاطین دکن پیدا ہوئے، کشمیر میں سلطان زین العابدین (۸۷۵ھ) کے عہد میں سری بھٹ نے ناموری حاصل کی، فرشتہ میں ہے،

"سلطان بجہت طبابت سری بھٹ را کہ طبیبے حاذق بود تربیت کرد"

ہندوستان میں اسلامی طب کی ترقیاں ہندوؤں کے ہاں مسلمانوں کی آمد سے پہلے طب میں چرکا اور سشرت کی کتابیں مشہور تھیں جن کا عباسیہ نے اپنے زمانہ میں ترجمہ کیا تھا مسلمانوں کا علم طب اب ترقی پاکر عرب، یونان، ایران اور ہندوستان کے تجربات کا خلاصہ ہو چکا تھا، اور خود انھوں نے بہت کچھ اس پر اضافہ کیا تھا، اس لئے یہ

یا علم طب ہندوستان کے قدیم علم طب سے امتیاز خاص رکھتا تھا، ہندوستان کے علم طب میں مسلمانوں کی آمد کے بعد جو ترقیاں رونما ہوئیں وہ حسب ذیل ہیں،

۱۔ حاکم قوم اپنے علوم و فنون کو محکوم قوم کے علوم و فنون سے بہت بالا دست سمجھتی ہے اور اس سے استفادہ برتتی ہے، چنانچہ اسی علم طب کے متعلق دیکھیے کہ گذشتہ کونسل میں جب بعض ممبروں نے دیسی طب کی سرکاری حمایت کی اور اسکو مستند تسلیم کرنے کا رزولیوشن پیش کیا تو نا اتفاقی کے ساتھ رد کر دیا گیا لیکن مسلمانوں نے اپنے عہد حکومت میں ایسا نہیں کیا، ہندی علم طب کی بیسیوں کتابیں انھوں نے اپنی زبان میں منتقل کیں، اور اپنا علم طب ہندوستان میں پھیلایا، خاص اہل ہند کے مزاج اور طبیعت کا خیال کر کے خود انہی کے علم طب کو فارسی میں منتقل کیا اور شاہی حیثیت سے اسکو مستند قرار دیا، سلطان سکندر لودی سے خواص خاں ایک درباری امیر نے عرض کی کہ جہاں پناہ یونانی طب ہندوستان کی آب و ہوا میں موافق نہیں ہے، حکم ہوا کہ سنسکرت سے ہندی طب کو فارسی میں منتقل کیا جائے، چنانچہ میاں بھوہ بن خواص خاں نے اس کام کو انجام دیا، اور کتاب کا نام معدن الشفا سکندر شاہی رکھا، قاسم فرشتہ نے اکبری عہد سے پہلے اختیارات قاسمی کے نام سے ہندی علم طب کو زندہ کیا، ہندوستان میں اس وقت فارسی میں جو علم طب ہے، اور خصوصاً خاندانی اطبا کے سفینوں میں اور مجربات ناموں میں جو سیکڑوں نسخے اور دوائیں ہیں ہندوستان زاہی، اسی طریقے سے بیدوں نے مسلمانوں کے سینکڑوں نسخے دوائیں اور اصول علاج اپنے ہاں لئے اور اسی طرح مل ملا کر ایک ایسا طرز علاج رائج کیا جو ہندوستان کے حالات کے مطابق تھا،

۲۔ پہلے بیدوں میں وہ دوائیں متداول تھیں، جو ہندوستان میں پیدا ہوتی تھیں، طب اسلامی نے تمام دنیا کے ملکوں میں جو دوائیں اور جڑی بوٹیاں زیر تجربہ آچکی تھیں ان کو ہندوستان میں رواج دیا ان کے فوائد اور منافع لوگوں نے سیکھے، مفردات کے ذخیرے کو بیحد بڑھا دیا،

۳۔ دواؤں کی ترکیب میں عرق، معجون، قرطی، سفوف وغیرہ مختلف طریقوں کو پھیلایا،

۴ چیچک وغیرہ متعدد بیماریاں جن کو یہاں وہم پرستی سے دیوتاؤں، دیبیوں اور بھوت پریت کا اثر سمجھا جاتا تھا اور اس لئے ان کا طبی علاج نہیں کیا جاتا تھا، ان کو لائق علاج بتایا، چیچک کی بیماری پر سب سے پہلی کتاب عربوں ہی نے لکھی، اور وہ ابوبکر رازی کا رسالہ الحصبہ ہے جو چھپ کر عام ہو چکا ہے،

فن طب کو ہندوستان میں فروغ | بہرحال مجھے کہنا یہ ہے کہ وہ طب جس کا ہیولیٰ دمشق میں تیار ہوا تھا اور جس میں زندگی کی روح بغداد میں ڈالی گئی اور جس میں شباب کی قوت شیراز پہونچ کر آئی تھی اس نے دلی آکر مرحلۂ اربعین کی منزل طے کی، اور اس کی جوانی اپنے پورے کمال عروج کو پہونچی اور اس کا بڑا سبب یہ تھا کہ ہندوستان کے بادشاہوں کی قدردانی نے اپنے انعامات سے اور ہندوستان کی سرزمین نے اپنے نباتات کی فراوانی اور دواؤں کی بہتات سے اس کے دواخانوں کو بھر دیا اور ہمارے طبیبوں نے پرانے ہندوستان کے تجربات سے فائدہ اٹھانے میں بیجا شرم نہیں کی،

ہیچ گہ ذوق طلب از جستجو بازم نہ داشت دانہ می چیدم من آں روزے کہ خرمن داشتم

ہندوستان کے نامور اطبا | اکبر کے زمانہ کے نامور طبیبوں کے نام سنئے، حکیم الملک گیلانی، حکیم سیف الملوک داماوندی، حکیم زینل شیرازی، حکیم عین الملک شیرازی، حکیم مسیح الملک شیرازی، حکیم مصری، حکیم علی، حکیم ابوالفتح گیلانی، حکیم حسن گیلانی، حکیم ہمام تبریزی، حکیم احمد ٹھٹھوی، حکیم لطف اللہ گیلانی، حکیم مظفر اردستانی، حکیم فتح اللہ گیلانی، شیخ بنیا سرہندی جراح، جہانگیر کے عہد میں چند اور نامور ہوئے حکیم رکنا کاشی، حکیم مسیح الزماں کاشی، حکیم الملک ابوالقاسم گیلانی، حکیم مومنا شیرازی، حکیم روح اللہ بھروچی، حکیم حمید گجراتی، حکیم نقی گیلانی،

شاہجہاں کے عہد نے چند اور مشاہیر کا اضافہ کیا، حکیم علیم الدین، حکیم صدائے شیرازی، حکیم الملک حکیم ابوالقاسم، حکیم رکنا کاشی، حکیم مومنا شیرازی، حکیم فتح اللہ شیرازی، حکیم محمد داؤد، مقرب خاں جراح، شیخ قاسم جراح، اور اخیر زمانۂ مغلیہ میں حکیم علوی خاں دہلی میں اور حکیم یعقوب نے لکھنؤ میں

اس فن کو چار چاند لگائے،

مسلمانوں کے دوش بدوش اکبر کے عہد میں مہادیو، بھیم، ناتھ، نارائن اور شیوجی ہندو طبیب اور وید مشہور ہوئے، عالمگیر کے عہد میں حکیم سکھراج نے شہرت پائی، عالمگیری و محمد شاہی دور میں حکیم لچھمی نارائن گجراتی نے ناموری حاصل کی، اسی پٹنہ میں کمپنی کے راج میں منشی رام پرشاد تھے جنھوں نے ۱۲۴۷ھ میں معیار الامراض نام کتاب لکھی تھی جس میں سر سے لے کر ناخن تک کے تمام امراض کے قوانین کلیہ درج ہیں، اسی زمانہ کا تشخص حکیم رائے منولال فلسفی المتوفی ۱۲۴۵ھ ہے، مفردات طب نام اس نے ایک کتاب لکھی، لالہ سوہن لال سندیلوی اسی عہد کا ایک اور طبیب تھا اُن کے علاوہ بچولال تمکین بیدآبادی تجربات طبی کا مصنف، پنڈت لالہ چند کحل الابصار کا مصنف، دیانا تھ جس نے ویدک سے پاکاہوں کا ترجمہ فارسی میں کیا، منشی مہتاب نراین جس نے ادویہ کے خواص میں ضروری الطب لکھی،

ویدک اور طب کا لین دین | اس تفصیل سے معلوم ہوگا کہ مسلمان طبیبوں نے جہاں ہندوستان سے بہت کچھ لیا، اس کو بہت کچھ دیا بھی، ہمارے بزرگوں کی قلمی کتابوں اور سفینوں میں ویدک نسخے بکثرت ملتے ہیں، اسی طرح ویدوں نے طبیبوں اور طبی کتابوں کی تحقیقات سے فائدہ اٹھایا، یہ دینا اسی داد و ستد پر قائم ہے اور اسی طرح قائم رہے گی،

طب کی تجدید | حضرات! یہ تو ماضی تھی، اب حال و مستقبل کی بھی فکر چاہئے، زمانہ کے حالات بدل گئے ہیں، اب طب اور وید کے علاوہ سات سمندر کی نئی طب بھی سامنے ہے، جس کا آغاز گو عربی ہی طب سے ہوا ہے، مگر تجربات کی فراوانی، آلات کی عمدگی اور سلطنتوں کی قدردانی نے اس کو وہ دن دکھائے کہ تاج شاہی اب اس کے سر پر ہے اور خلعت قبول اس کے جسم پر ہے، لیکن غور کے قابل بات یہ ہے کہ عام شاہی قدردانی کے نہ ہونے سے گو اکثر قدیم مشرقی علوم و فنون موت کے گھاٹ اتر گئے ہیں تاہم طب اور ویدک اب بھی اس کے مقابلہ میں تین سو برس کے بعد بھی کھڑے ہیں، اور قبول عام کے زور سے زندہ ہیں،

حالانکہ یہ وہ فن ہے جس کا تعلق موت و حیات اور زندگی جیسی قیمتی چیز سے ہے، تاہم ملک کی لاکھوں جانیں بخشی ان کے حوالہ کی جا رہی ہیں اور شفایاب ہو رہی ہیں، چنانچہ اب حکومت نے بھی چند سال سے اسکی بقا کی ضرورت سمجھی اور لکھنؤ، علی گڈھ، پٹنہ اور ڈھاکہ میں سرکاری امدادوں نے اس کی ترقی کا کچھ سامان کر دیا ہے، اسی سلسلہ میں مجھے چند باتیں عرض کرنی ہیں،

اس فن طب کی پچھلی تاریخ سے یہ ظاہر ہے کہ اس نے دوسری قوموں کے تجربوں سے فائدہ اٹھانے میں کبھی تعصب کو راہ نہیں دی ہے، اس بنا پر اس زمانہ میں جو نئے نئے تجربے اور نئے نئے نظریئے اور جدید طریق تشخیص اور ادویہ سازی کے جو طریقے پیدا ہو گئے ہیں ان سے بھی وہ پوری طرح مستفید ہوگا، چنانچہ ہمکو معلوم ہے کہ بعض انگریزی دوائیں اسمیں ابتدا ہی میں رواج پا گئیں، کینن اور انگریزی سالٹ کے نام ملتے ہیں، اسی طرح بعض دوسرے تجربات سے فائدہ اٹھانے میں گریز نہ کرنا چاہئے، نیز بعض قدیم اصول و بیانات جن کی تائید تجربہ اور تحقیق سے نہیں ہوئی اس کی صحت پر اصرار کرنے سے فائدہ نہیں، مثلاً یہ اصول کہ اعدل اھل ارض سکان خط الاستواء، محض غلط قیاسی دعویٰ ہے جس کی تردید ابن رشد و ابن خلدون وغیرہ نے بہت پہلے کر دی اور یہ صرف یونانیوں کے ناتمام علم جغرافیہ کی بنیاد پر قائم ہے جو آج تک ہماری عام کتابوں میں اسی طرح زیر درس ہے، اسی طرح موجودہ طب جو اخلاط اربعہ کے نظریہ پر قائم ہے، اپنی حد میں بالکل صحیح ہے لیکن محض یونانی قیاسات طبعی کی بنا پر دواؤں میں کیفیات اربعہ کے وجود پر زور دینا قیاس سے تجربہ کو رد کر دینا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ متاخرین نے اپنی تحقیقات میں تجربوں کے مقابلہ میں اس قیاسی چیز کی اہمیت کم کر دی ہے،

نظریہ اخلاط اور جراثیم | نظریۂ اخلاط اربعہ کی تشریح یہ ہے کہ طب کا اصول یہ ہے کہ المعدۃ بیت الداء باہر سے انسان کے پیٹ میں جو چیز عموماً جاتی ہے وہ غذا ہے، غذا کے طبخ صحیح و عدم طبخ سے اخلاط اربعہ کا وجود ہوتا ہے، ان کے توازن و عدم توازن سے مزاج کا اعتدال و انحراف ہوتا ہے اور صحت

مرض کا وجود ہوتا ہے، یہ تشریح تمام تر تجربی اور سراسر صداقت ہے، ڈاکٹری میں ادھر کچھ دنوں سے جراثیم کی وبا پھیلی ہے، ہر چیز جراثیم کا مخزن ہے اور علم الامراض علم جراثیم کا دوسرا نام ہوگیا ہے، اب وہ آنکھوں سے نظر آتا ہے، اور اس کی تحقیق روز بروز بڑھ رہی ہے، اس کو اس حد تک ماننے میں کیا ہرج ہے کہ غذا اور پانی اور سانس کی ہوا کے ساتھ جراثیم شامل ہوکر فساد کا باعث ہوتے ہیں،

طب اور آلات کا استعمال | تحقیقات کے معاملہ میں آلات سے کام لینے میں بھی بخل نہ چاہئے، علم جراحی اور کحالی اور دایہ گری جو ہماری طب کی شاخیں تھیں وہ رفتار زمانہ سے ایسے جاہل طبقوں میں پہنچ گئیں کہ ہمارے اطبار سے ان کا دور کا بھی تعلق نہیں رہا، ضرورت ہے کہ ان کٹی ہوئی شاخوں کو پھر اصل فن سے ملایا جائے، طب قدیم کی تاریخ اور شفاخانوں پر حضرۃ الاستاذ علامہ شبلی مرحوم نے ۱۸۹۴ء کے درمیان یعنی آج سے اٹھاون برس پہلے جو کچھ لکھا تھا، اور خاکسار نے زہراوی اندلسی کی تصریف سے ۱۹۰۸ء کے قریب الندوہ میں جو کچھ لکھا تھا ضرورت ہے کہ ہمارے اطبار ان تحقیقات تاریخی میں وقتاً فوقتاً اضافہ فرماتے رہیں،

قدیم کتب طب کی فراہمی | ہمارے طبی مدرسوں میں قدیم طبی کتابوں کی فراہمی اور حفاظت کا بھی سامان کیا جائے، ادھر کامل الصناعۃ اور ہادی کی اشاعت نے کچھ اطبار میں دلچسپی پیدا کی ہے، ربن طبری کی کتاب فردوس الحکمۃ ایک بہاری فرزند ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی کی تصحیح سے برلن میں ۱۹۲۸ء میں چھپی ہے، محمد بن زکریا رازی کی براہتا جس کو فرسٹ ایڈ کہتے ہیں، پیرس سے ۱۹۰۴ء میں شائع ہوئی، اسی مصنف کی کتاب گردوں اور مثانوں کی کنکریوں کے علاج میں مقالہ فی الحصی فی الکلی والمثانہ لائیڈن سے ۱۸۹۶ء میں شائع ہوئی، اور اب آج کل دائرۃ المعارف حیدرآباد میں عمدۃ الجراحین ابن القف اور مختارات ابن ہبل زیر طبع ہیں، عمدۃ الجراحین کا موضوع یہ ہے، کہ بغیر آپریشن کے زخموں کا علاج کیا جائے، مصر کے ایک لائق ڈاکٹر احمد عیسیٰ بے نے عربوں کے آلات طب و جراحی و کحالی پر ایک نہایت محققانہ مقالہ لکھا ہے، اور مع تصاویر کے شائع

کیا ہے، چند سال ہوئے کہ قانون بوعلی سینا کا ترجمہ لندن سے انگریزی میں شائع ہوا ہے، اگر ہمارے اطبا میں سے کچھ اہل علم قدیم کتب طب کی تلاش وجستجو اور اشاعت کا کام انجام دیں تو اس فن کے بہت سے مردہ تجربات کو زندہ کردیں گے، تجربات کو چھپانے کی پرانی بیماری اب زائل ہو جانی چاہیئے،

عمدہ اور تازہ دواؤں کی فراہمی | ہماری طب کی کمزوری کا ایک بڑا سبب عمدہ اور تازہ دواؤں کی بہم رسانی کی طرف سے پوری غفلت ہے، اب تک یہ کام بنیوں اور خالص دوکانداروں کے سپرد ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ عمدہ اور تازہ دواؤں سے ہم محروم رہتے ہیں، اس پوری مجرمانہ غفلت کے باوجود اگران مفردات سے فائدہ پہنچتا ہے، تو اس طب کی یہ بھی کرامت ہے،

مفردات اور مرکبات | مفردات کے بعد پھر مرکبات کی تیاری کا سوال ہے، محسن طب جناب حکیم مسیح الملک مرحوم نے جب سے ہندوستانی دواخانہ کی بنیاد ڈالی ہے بے شبہہ مرکبات کی عمدگی اور صفائی کے کام نے بہت ترقی کی ہے، مگر ابھی تک اس کا اثر صرف چند شہروں تک محدود ہے،

مفردات سے علاج کا اسکول جو لکھنؤ میں رواج پذیر تھا وہ اس لحاظ سے کہ ہر نسخہ ہر شخص کے موجودہ حالات کے مطابق ہوتا تھا، بہت کامیاب تھا، مگر صرف اس لئے کہ اس کا گھسنا اور لگانا دردسر یہ بھی تو ہے اب سرعت سے اس کی جگہ مرکبات سے علاج کا طریقہ سہل الحصول ہونے کے سبب سے لے رہا ہے، مگر ظاہر ہے کہ یہ ہر مرض کے علاج میں نہیں چل سکتا، اس لئے ضرورت ہے کہ مفردات سے فی الفور جوشاندہ بنانے کا وہ طریقہ جو حیدرآباد دکن کے شفاخانہ طبی میں زیر عمل ہے قبول کرلیا جائے یعنی عطاروں کے یہاں گرم پانی کا اہتمام خاص رکھا جائے اور ہر نسخہ کا جوشاندہ اور تازہ عرق فی الفور نکال کر حوالہ کیا جائے،

حیدرآباد دکن کا طبی شفاخانہ | مجھے حیدرآباد دکن کے اس طبی شفاخانہ، دواخانہ اور کلیۂ طبیہ کے دیکھنے کا اتفاق ہوتا رہا ہے، یہ پورا ادارہ اس بات کا ثبوت ہے، کہ حکومتوں کی سرپرستی سے یہ طب کتنی ترقی

پاسکتی ہے، اعلیٰ حضرت نظام خلد اللہ ملکہ کی شاہانہ توجہ سے اس طب نے جو ترقیاں کی ہیں، طریقۂ دواسازی، دواؤں کے رکھنے کی ترکیب، جوشاندہ بنانے کا طریق، آلات کا استعمال، مریضوں کی تیمارداری، دیکھ بھال، سامان ہر چیز میں یہ شفاخانہ اسپتالوں کے بالمقابل ہے، اسی طرح اس کا طبیہ کالج لائق اساتذہ اور تجربہ کار معلمین، نصاب، طریقۂ تعلیم، مدت تعلیم، علمی وعملی تعلیم، کتب خانہ اور دیگر شعبوں کی بنا پر وہ نمونہ ہے، جس کی مثال دنیا میں اس وقت کہیں نہیں، ڈاکٹری کی بے شمار کتابیں اردو میں اصطلاحات کیساتھ دارالترجمہ عثمانیہ نے اردو میں منتقل کردی ہیں،

دیسی طب کی حمایت بے شبہہ خوشی کی بات ہے کہ اصلاحات ہند کے رواج کے بعد حکومت انگریزی کے بعض صوبوں نے دیسی طب کی حمایت وحفاظت کی طرف توجہ کی ہے لیکن صاف کہنا چاہئے کہ یہ عمل ایمان کے بغیر ہے، اس لئے حمایت وحفاظت واعانت بیدلی کے ساتھ کی اور دی جارہی ہے، اسی لئے بعض غلطیوں کا علانیہ ارتکاب کیا جارہا ہے، اور ہم اس لئے اس کو احسان مندی کے ساتھ قبول کرتے ہیں کہ ایک غیر حکومت کی طرف سے اتنی ہمدردی بھی بہت ہے،

طب کی زبان پہلا مسئلہ تعلیم کا ہے، اس طب کی ساری مستند کتابیں عربی میں ہیں اور کچھ فارسی میں ہیں، گو ایک بہاری طبیب حکیم کبیرالدین صاحب شاگرد رشید حکیم اجمل خاں مرحوم کے ہم سب ممنون ہیں کہ انھوں نے اپنی محنت اور قابلیت سے اس فن کا اچھا خاصہ ذخیرہ ہماری زبان میں منتقل کردیا ہے، اور اس نے ہماری طبی درسگاہوں میں رواج پایا ہے، تاہم نقل اصل کو نہیں پاسکتی، اس لئے اگر یہ سرکاری طبی درسگاہیں صرف اردو کے ذریعہ تعلیم طب کے رواج پر عمل کریں گی تو فن کے زوال میں کوئی شبہہ نہیں، ایلوپیتھی کے لئے اگر انگریزی زبان کی ضرورت اور سائنس کے ذریعہ سے اعلیٰ کامیابی پر داخلہ میڈیکل کالج میں مشروط ہے تاکہ اعلیٰ قابلیت کے ڈاکٹر پیدا ہوں تو طب کے لئے نیم ملا عربی داں اور معمولی انگریزی داں وارد وخواں بلا امتیاز طب کی درسگاہوں میں داخلہ کی اجازت کیوں پاتے ہیں

کیوں نہ اس میں بھی اعلیٰ قابلیت کے لڑکوں کا انتخاب عمل میں آئے

طبیب ڈاکٹر نہیں | اسی طرح کا تعلیمی نقص ترقی کے نام سے ان درسگاہوں میں پھیلایا جارہا ہے اور وہ ایلوپیتھی کے ناقص طریقوں کی اندھوری تقلید کا شوق ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہماری اُن درسگاہوں کا طبیب، طبیب سے زیادہ ڈاکٹر بننے کا شائق ہے، اور لفظوں سے خوش ہوتا ہے، وہ کوشش کرتا ہے کہ اپنے طور وطریق میں بھی ڈاکٹر معلوم ہو، یہ حد درجہ مذموم طریقہ ہے، یہ کوے کے ہنس کی چال اختیار کرنے کا طریقہ ہے،

طب اور مذہب | ہمارے دوسرے مشرقی فنون کی طرح ہماری طب بھی ہمارے مذہبی فرائض ہی کا ایک گوشہ ہے، اسی لئے ہمارے پرانے طبیب نیچر اور فطرت کے بے ارادہ، بے رحم اور غیر مستولی دیوتاؤں کے بجائے، شافی مطلق، ہمہ رحم یفعل ما یشاء و یحکم ما یرید خدا کے پرستار تھے، انکی کتاب کا آغاز صدائے ابراہیمیؑ اذا مرضت فھو یشفین اور آیت الٰہی فیہ شفاء للناس اور حدیث لکل داء دواء اور کلمہ منسوبہ بہ سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم العلم علمان علم الادیان وعلم الابدان سے ہوتا تھا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے فنون کی طرح یہ فن بھی دین ہی کے تحت میں تھا، اسی لئے ہمارے طبیب کے ہر نسخہ کا طرۂ پیشانی طغرائے ہوالشافی سے مزین ہوتا تھا، وہ ہر مریض کی نبض پر ہاتھ رکھنے کے ساتھ شافی مطلق کے سامنے سرنگوں ہو جاتا تھا، وہ ہر مشکل کے وقت اوسی مشکل کشا کے روبرو دست بدعا ہوتا تھا، وہ معذورانہ حمقی احکام لگانے کے بجائے ہمیشہ انشاء اللہ تعالیٰ کے دامن میں اپنے لئے پناہ ڈھونڈھتا تھا، وہ اپنی تدبیروں اور دواؤں کی تاثیرات کو اپنی فکر و نظر و تدبیر یا دواؤں کے طبعی خواص کی طرف منسوب کرنے کے بجائے مدبر حقیقی اور موثر تحقیقی، یفعل علی الاطلاق جل شانہ کی طرف منسوب کرکے اپنے کو بندۂ بے اختیار ظاہر کرتا تھا، میں نے اس شہر کے ایک پرانے ڈاکٹر صفدر حسین صاحب کو دیکھا تھا، جنھوں نے غدر سے پہلے ڈاکٹری اردو میں پڑھی تھی اور

اور اُس سال پاس ہوئے تھے، جب واجد علی شاہ قید کرکے مٹیا برج لائے گئے تھے، ان ہی نے ہمارے صوبہ میں ہومیوپیتھک کو پہلے رواج دیا ہے، میں نے ان کو پرانے طبیبوں کی طرح ہمیشہ اسی حال میں دیکھا کہ وہ ہر علاج کے وقت شافیِ مطلق کی طرف متوجہ اور دست بدعا رہتے تھے، ان کا ایک فقرہ ہمیشہ یاد رہے گا فرمایا کرتے تھے کہ ہم لوگ اندھیری کوٹھری میں ہاتھ ڈال کر ٹٹولتے ہیں،

نوجوان طبیبوں کو نصائح | نوجوان طبیبو! اب آپ زندگی کے میدان میں اتر رہے ہیں، آپ کو دکھ سے بھرے انسان ملیں گے، ان سے ہمدردی کرنا آپ کا فرض ہوگا، کبھی آپ بیمار بن کر دیکھیں کہ طبیب کی ایک شفقت بھری نگاہ مایوس مریض کے لئے کس طرح آبحیات کا جام نوشین بنجاتی ہے، حرص طمع اور دولت دنیا کے لالچ سے ایک شریف طبیب کا دامن پاک ہونا چاہئے، آپ کا تعلق کائنات کے اس راز سربستہ سے ہے جس کا نام موت وحیات ہے، آپ کے سامنے خدا جانے موت وحیات کے کیسے کیسے موثر اور حیرت انگیز واقعات اور دل کو کپکپانے والے حادثے آئیں گے، ان حادثوں سے ایمان باللہ، اور ایمان بالیوم الآخر کی قوت میں اضافہ کا کام لیں، آپ کے شہر کے ایک دیندار و خوش نام ڈاکٹر نے خوب فرمایا کہ ہم بیماری کا علاج کرتے ہیں، موت کا نہیں،

جائیے اور متوکلاً علی اللہ خلق کی خدمت میں مصروف ہوجائیے، اور بلا تفریق مذہب وملت غمزدوں کی غمخواری اور بیماروں کی تیمارداری اور دکھی لوگوں کے دکھ درد کو امکان بھر اخلاص اور ایمان داری اور محنت اور دیانت سے کم کرنے کی کوشش کیجئے، اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے، اور آپ کو فہم صحیح، دست شفا اور رزق حلال عنایت فرمائے،

والسّلام

مجدّد ملّت

اور

قومیات وسیاسیات حاضرہ

از مولانا شاہ عبدالباری صاحب ندوی

حضرت حکیم الامۃ تھانویؒ کے خلیفہ مجاز مولانا شاہ عبدالباری ندوی اب مجدد وقت کے تجدیدی کارناموں پر ایک مبسوط کتاب تیار کر رہے ہیں، ذیل کا مقالہ اسی کتاب کا ایک باب مع دیباچہ و خلاصہ کے ہے، مولف ممدوح نے اپنے امکان بھر کوشش اس کی کی ہے کہ حضرت مولاناؒ کی تعلیمات و ہدایات کی صحیح صحیح ترجمانی و تعبیر کردیں، اور اس کوشش میں وہ قابل مبارکباد حد تک کامیاب بھی ہے ہیں، پھر بھی بشر بشر ہی ہے، معارف میں اس کی اشاعت سے مقصود یہ ہے کہ دوسرے ارباب نظر بھی اسے ملاحظہ فرمائیں اور جہاں ان کو فروگذاشتیں نظر آئیں ان سے مولف سلمہ اللہ کو مطلع کردیں حضرتؒ کے منتسبین سے یہ التماس خصوصیت کے ساتھ ہے، سب سے پہلے ان تمہیدی سطور کا راقم، خود اس فرض کو ادا کرتا ہے، اور جہاں جہاں کوئی بات اسے لفظی یا معنوی حیثیت سے کھٹکی ہے اس کا وہ بے تکلف اظہار کرتا گیا ہے، تنقید میں مروت، تقاضائے اخلاص کے بالکل منافی ہے "

"عبدالماجد دریابادی"

دیباچہ دین کی تکمیل و تحفظ کے بعد نبوت کا ختم ہوجانا بالکل قدرتی امر تھا، یعنی جب دین کا ہر حیثیت سے اور ہمیشہ کے لئے اکمال و اتمام فرمادیا گیا، اور قیامت تک اس کی حفاظت کی ضمانت بھی فرمالی گئی، تو ظاہر ہے

کہ اب کسی نئی وحی کی کیا ضرورت رہی، البتہ ایک اور ضرورت رہجاتی ہے، امتداد زمانہ سے بشری فطرت، نفس و نفسانیت اور اتباع ہوی وغیرہ کے خارجی عوامل کی بدولت کامل و محفوظ دین کے احکام و تعلیمات کی بھی فہم و تفہیم اور عمل و اجرا میں طرح طرح کے خلل و فساد کا لاحق ہوتے رہنا ناگزیر تھا، کوئی چہرہ بذات خود حسن و جمال کے خواہ سارے صفات کمال سے متصف ہو، مگر خارجی و عارضی گرد و غبار اس کو بھی مکدر کر ہی دیتا ہے جس سے صاف کرتے رہنے کی ضرورت وقتاً فوقتاً پڑتی رہتی ہے، دین کامل کے چہرۂ کمال و جمال سے اسی گرد و غبار کو جھاڑتے رہنے کے لئے بعثت انبیا کو ختم کرنے کے بعد بعثت مجددین کا سلسلہ صدی بصدی جاری فرمایا گیا، تاکہ طالبان حق کو کج رویوں سے بچ کر ہمیشہ "صراط مستقیم" ملتی رہے، اور "ضالین و مغضوبین" کی گمراہیوں سے محفوظ رہیں، خیر القرون سے جتنا بعد بڑھتا جاتا ہے، دینی کجراہیاں اور فتنے بھی بڑھتے جاتے ہیں، لہذا ہر وقت اور ہر عہد میں مسلمانوں کو اس وقت کی کجراہیوں اور گمراہیوں سے محفوظ رہنے کے لئے مجدد وقت کو معلوم کرنا اور اس کی تجدیداتِ وقت کی پیروی کرنا، اسی میں سلامتی ہے،

البتہ نبی اور مجدد میں ایک فرق یہ ہے کہ نبی وقت پر ایمان نفس نجات و مغفرت کے لئے لازم ہے، بخلاف اس کے مجدد وقت کی یافت و پیروی پر نجات موقوف نہیں، وہ تو انشاء اللہ خاتم الانبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان کے بعد مرتبہ کر حاصل ہی ہو جائیگی، لیکن دین کے اصلی پاک و صاف سرچشمہ تک پہنچنا، اسکی کامل و بے غبار تعلیمات کو سمجھنا اور ان پر عمل کی دینی و دنیوی برکات کا پوری حاصل ہونا، اس کے لئے بلاشبہہ مجدد وقت کا پانا اور اس کا دامن تھامنا لابد ہے، ورنہ پھر بعثت مجددین اور تجدید دین کے کوئی معنی نہیں، بلاشبہہ مجددینی کی طرح معصوم نہیں ہوتا، بشری لغزشیں اس سے بھی ہونگی، لیکن دیگر علماء و محققین کے مقابلہ میں نسبۃً بہت کم، اس لئے مجدد وقت کی تجدید و تحقیق کا قبول و اتباع اسلم و احوط ہر حال میں ہوگا،

مسلمانوں کی حالت کم و بیش ہر لحاظ سے روز بہ روز رو بہ تنزل ہی نظر آرہی ہے، قومیات و سیاسیات یا دنیوی معاملات تک میں جن راہوں اور تدبیروں سے غیروں کو ان کی مزعوم و مطلوب ترقی و کامیابی حاصل ہوتی ہے، انہی راہوں سے اور انہی مقاصد کے لئے مسلمانوں کا حصہ ناکامی نقالی کے سوا کچھ نہیں معلوم ہوتا ہے،

راقم احقر کوئی قومی و سیاسی آدمی بالکل نہیں، اور نہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے موجودہ قومیات و سیاسیات کا اسلام کے اصول و مقاصد یا طریق کار سے کوئی سروکار سمجھ میں آتا ہے، تاہم الحمد للہ برا بھلا مسلمان ہوں اور بڑے بھلے مسلمان بھائیوں کی زبون حالی پر دل کڑھتا ہے، ان کے کسی قومی یتیم خانہ کا حال سنو تو ابتر، کسی مدرسہ کا حال دیکھو تو بد سے بدتر، جس ادارہ پر بھی نظر ڈالو "ہر روز بتر می بینم" ہی کا مشاہدہ ہوتا ہے، سب سے زیادہ شور و غل سیاسیات کا ہے، مگر اس ڈھول کے اندر بھی پول ہی پول ہے بلکہ مسلمانوں کے حق میں سب سے زیادہ فتنہ و شر، ناکامی و نامرادی اسی میں دکھلائی دیتی ہے،

بعض تازہ واقعات سے دل پر زیادہ چوٹ لگی، مسلم لیگ کے ساتھ وفد وزارت اور وائسرائے سب کی طوطا چشمی و استخفاف یا غداری جو کچھ بھی کہو اس کا بڑا سبب یہی ہوا کہ کانگریس کے مقابلہ میں لیگ کی اندرونی کمزوریوں کی بنا پر اس کو زیادہ خاطر میں نہیں لایا گیا، بظاہر مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت مسلم لیگ کی ہم آواز ہے، مگر وہی آواز دہل کہ اندر سے خالی اور دل ہم آہنگ نہیں، ذاتی و انفرادی اغراض و مطالبہ کا غلبہ، انتخابات میں غیر معمولی کامیابی کے باوجود خود مسلمانوں کی اکثریت کے صوبوں میں لیگ اور لیگی وزارتوں کا حال دوست و دشمن سب کے سامنے ہے، کلکتہ بمبئی وغیرہ میں ہزاروں بے گناہ مسلمان، بچوں، بوڑھوں عورتوں تک کا جس درندگی کے ساتھ قتل عام ہوا اس کے تصور سے بھی کلیجہ منہ کو آتا ہے، دوسروں پر اس کا الزام چاہے جتنا دھرا جائے اور قانون و کمیشن کی نگاہ میں چاہے سراسر دوسروں ہی کی زیادتی ثابت ہو، تاہم اس کا حقیقی اور بڑا سبب اوپر سے نیچے تک خود ہماری جماعتی ابتری

و بدنظمی، عدم انضباط و عدم تربیت کے سوا کیا ہے۔

ہمارے جماعتی امراض میں سب سے مہلک مرض یہی ہے کہ ہمارا کوئی کلمہ جامع نہیں جس پر ہم زبان و دل دونوں سے جمع ہوں، مسلمان مسلمان رہ کر صرف اسلام ہی پر جمع ہو سکتے تھے، اور اس جمع ہونے کی صورت سیاسی غیر سیاسی چھوٹے بڑے کسی مسئلہ میں یہی ہو سکتی تھی کہ کسی ایک رائے پر جمع ہو جائیں، یہ نہیں کہ جس لیڈر یا اڈیٹر، جس عالم یا مولوی کا جدھر جی چاہے چل پڑے، جو مسلک چاہے اختیار کرلے، اور پھر سارے مسلمانوں کو اس کی طرف بلانے لگے یہ تو وہی اعجاب کل ذی رای برائہ کی خود رائی ہے جس کا نتیجہ اس فشل اور ذہاب ریح یا ہوا خیزی یا پست ہمتی کے سوا کیا ہو سکتا ہے، جو دن رات آنکھوں کے سامنے ہے۔

لہذا اہم و مقدم سوال یہ طے کرنے کا ہے کہ وہ ایک رائے جس پر مسلمانوں کو جمع ہونا چاہئے کون اور کس کی ہو سکتی ہے؟ اسلامی نقطۂ نظر سے مسلمانوں کے لئے اس کا جواب ایک ہی ہے کہ مجدد وقت کی تجدیدی رائے، اس لئے کہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی عہد میں خاص طور پر اسلامی احکام و تعلیمات کے احیاء و تجدید ہی کے لئے مبعوث فرمایا گیا ہو، اس سے بڑھ کر دینی اعتبار سے قومیات و سیاسیات حاضرہ میں اور کسی کی رائے قابل اعتنا و اتباع ہو سکتی ہے،

راقم ہذا آج کل عہد حاضر کے جامع المجددین (حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانوی علیہ الرحمہ) کی اسلامی زندگی سے متعلق ہر شعبہ کی تجدیدات ہی کو ایک مستقل کتاب کی صورت میں جمع و مرتب کر رہا ہے اور اتفاق وقت سے اس وقت قومیات و سیاسیات حاضرہ ہی کا باب زیر تحریر تھا، اس لئے تازہ واقعات سے مجروح و متاثر قلب میں اس کو پیش کر دینے کا تقاضا ہوا، لیکن احقر نہ کوئی چھوٹا بڑا لیڈر نہ مولوی، نہ کانگرسی نہ لیگی کہ اس کے معروضات قابل توجہ کیا قابل سماعت بھی ہوں، تاہم "گاہ باشد کہ کودک ناداں" کے احتمالی فقرہ کے مطابق ممکن ہے کوئی قابل قبول بات نکل آئے،

اس کے علاوہ راقم کی حیثیت اصل میں جامع یا زیادہ سے زیادہ کہیں شارح کی ہے، سو اگر جمع و شرح میں کہیں غلطی یا غلط فہمی ہوئی ہو تو اس سے قطع نظر فرما کر بلکہ احقر کو آگاہ و متنبہ فرما کر، خود حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی اس باب میں جو تجدید و تحقیق ہے، اس پر تعصب و تحزب سے خالی الذہن ہو کر اگر توجہ فرمائی تو انشاء اللہ نفع سے خالی نہ ہوگی، اُن حضرات سے خصوصاً اس کی درخواست ہے، جو حضرت علیہ الرحمہ سے ارادت و عقیدت کی کوئی نسبت رکھتے ہیں، کہ وہ ان معروضات پر خاص توجہ فرمائیں، اور اگر حضرت کی رائے و تحقیق کے پیش کرنے میں کوئی خلا نظر آئے تو اس کی تصحیح سے ضرور مطلع فرمائیں تاکہ کتاب کی اشاعت میں لحاظ رکھا جائے، وما توفیقی الا باللہ،

بظاہر حضرت جامع المجددین علیہ الرحمہ کے تجدیدی اوراق حیات کا یہ ورق بالکل سادہ معلوم ہوتا ہے، اور یہ صحیح بھی ہے کہ متعارف قومی و سیاسی تحریکات میں حضرت نے کبھی کوئی عملی حصہ نہیں لیا، اور بادی النظر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس باب میں کوئی تجدیدی و اصلاحی خدمات بھی نہیں انجام دیں، بات یہ ہے، کہ قومیات و سیاسیات حاضرہ کا عملی پہلو ہی دینی اعتبار سے زیادہ غیر عملی ہے، ان کا بڑا وصف یہ ہے کہ کام بہت کم اور نام بہت زیادہ، خیر بہت کم شر بہت زیادہ اور اس نام و نمایش کے شور و غل میں اوقات اکارت ضائع، سب سے بڑھکر یہ کہ قدم قدم پر طرح طرح کے دینی مفاسد میں آلودگی و ابتلا، پھر اس غل غپاڑہ میں پڑکر کسی بڑے سے بڑے صحیح الدماغ دینی یا دنیوی خادم یا رہنما کا اتنا توازن دماغی برقرار رہنا مشکل کہ وہ

حدود و اعتدال کو محفوظ رکھ سکے، جو اسلامی صراط مستقیم کی خصوصیت خاصہ ہے، اور حضرت مجدد وقت علیہ الرحمہ کی حکیمانہ و مجددانہ خدمات و اصلاحات کا سب سے نمایاں وصف،

اس لئے ان نام نہاد قومی و سیاسی تحریکات یا انجمن سازیوں، جلسہ بازیوں، نعرہ زنیوں، اخبار فروشیوں اور ووٹ خریدیوں، ٹہرتالوں، بائیکاٹوں وغیرہ کے جو طرح طرح کے آئے دن طوفان بے تمیزی برپا رہتے ہیں ان کی طرف نہ خود طبعاً عقلاً یا شرعاً کسی طرح رخ فرما سکتے تھے اور نہ کسی کو مشورہ دے سکتے

تھے، خالص دینی خدمات تک میں ان پر مفاسد ذرائع سے کام لینا پسند نہ تھا، خدمات تبلیغ کے سلسلہ میں ایک موقع پر فرماتے ہیں کہ

"ہر ضلع میں ایک مجلس قائم کر دیجائے، جس کا نام وغیرہ رکھنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں نہ عہدہ داروں کے نام مقرر کرنے کی ضرورت کیونکہ آج کل انجمن کے قوانین اور عہدہ داروں کی فہرست میں تو رجسٹر سیاہ کر دیئے جاتے ہیں، مگر کام نہیں ہوتا۔" (قواصی بالحق ص۱۰)

پھر قومیات و سیاسیات حاضرہ کے بازار میں قومیت و وطنیت، جمہوریت و اکثریت، انقلاب و بغاوت، حریت و مساوات وغیرہ کے ظاہر فریب ناموں سے جیسے جیسے کھوٹے اور جعلی سکے رائج ہیں ان کو جوہر شریعت کی معمولی پرکھ رکھنے والا بھی اپنی جیب میں نہیں ڈال سکتا، تو بھلا جو مجدد وقت شریعت مطہرہ کو ہر کھوٹ کی ادنیٰ سے ادنیٰ آمیزش سے پاک و صاف فرمانے ہی کے لئے مبعوث فرمایا گیا ہو وہ ان جھوٹے جعلی سکوں کو سرے سے بدل ڈالنے کے سوا ان میں اصلاح کی کیا گنجایش دیکھ سکتا تھا،

قومیت نام ہے رنگ و نسل، ملک و وطن، یا کسی خاص و خالص مادی تہذیب و تمدن کے خود تراشیدہ اور غیر اختیاری و خارجی امتیازات و معیارات پر مبنی جماعتی تصور کا جس کو اسلام کے دشمن بھی اب جان گئے ہیں کہ قومیت کا یہ تصور اسلام کی عین ضد ہے، اور اسلامی شریعت ایسے قوانین سے مطلقاً ناآشنا ہے جن میں حق و انصاف، عطا و منع، جنگ و صلح، ترجیح و تفوق کی کسوٹی کھال کا کوئی رنگ ہو یا ماں کے پیٹ سے گر پڑنے کا کوئی مقام یا بہت اونچے جائے تو زبان و ادب، شعر و شاعری، موسیقی و مصوری، تعمیر و صناعی، بت تراشی و بت پرستی وغیرہ کا کوئی روایتی و خرافاتی مجموعہ جس کو تہذیب و تمدن کا لقب دیکر زندگی کا نام کافور رکھ دیا جاتا ہے،

ان سب کی مشترک خصوصیت ایک طرف تو یہ ہے کہ بجائے انسان کے اندر کسی باطنی کمزوری و برتری کو معلوم کرنے کے سارا زور اس کی خارجی و مادی چیزوں اور پستیوں پر دیدیا گیا، دوسری خصوصیت

ان کا غیر اختیاری ہونا ہے، کہ جو جس رنگ و نسل جس سرزمین یا جس روایاتی و خرافاتی تمدن میں پیدا ہو پڑا تو اب نہ وہ اپنی کھال چھیل کر پھینک دے سکتا ہے کہ کالے سے گورا بن جائے نہ ہندوستان سے ہزاروں میل دور افریقہ میں جا بسنے کے باوجود وہ ہندی کے بجائے فرنگی بن کر فرنگیوں کے مرتبہ و معیار برتری کو حاصل کر سکتا ہے، اس خارجی اور غیر اختیاری معیار کی قدرتی گوناگونیوں کے انسانوں میں باہمی تفریق و امتیاز اور تقسیم در تقسیم کا معیار قرار پا جانے کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ کرۂ ارض پر اقوام در اقوام کا ہر چار طرف سے ایک سیلاب ابل پڑا، پھر ہر قوم و ملک کے اندر معاشی تقسیمات و طبقات، اسی طرح سیاسی جماعات و پارٹیوں کا اکھاڑا الگ ہے اور ہر چھوٹی بڑی قوم طبقہ و جماعت کا پیش جہاد اپنے لئے زیادہ سے زیادہ مادی منافع کا بٹورنا ہے لیکن یہ مادی منافع مادی ہونے ہی کی بنا پر محدود بھی ہیں، پٹرول بھی محدود، خام مواد کی پیداوار بھی محدود، مال کی نکاسی کی منڈیاں بھی محدود رہنے بسنے کے لئے نوآبادیاں بھی محدود، اور مطالبہ ہر قوم و جماعت کا نامحدود، اس لئے کہ اسی کا نام ترقی رکھا گیا ہے کہ مادی فوائد کے حصول میں کسی نقطہ پر بھی پہونچ کر قناعت نہ ہو، جس کی صورت یہی ہے کہ جہانتک بن پڑے ہر ایک دوسرے کے منہ کا نوالہ حلق سے کھینچ لینے کی کوشش کرے، نتیجہ یہ ہے کہ ساری زمین فساد سے بھر گئی، ملک ملک سے، قوم قوم سے، جماعت جماعت سے، طبقہ طبقہ سے برسرپیکار ہے،

اسلام نے ان خودساختہ مادی و خارجی بنیادوں پر اولاد آدم کی نہ کوئی گروہ بندی تسلیم کی ہے، نہ ان کی بنا پر کسی تفوق و ترجیح کو جائز مانا، نہ مادی منافع کی نامحدود حرص و ہوس کو ترقی قرار دیا، اور گو اب اس قومیت کے منافع و مصالح سے زیادہ مفاسد و مضار کو اسلام کے نہ ماننے والے بھی دل و دماغ سے مانتے جا رہے ہیں اور بین الاقوامیت و اشتراکیت و اجتماعیت وغیرہ کے راستوں سے ہلاکت سے بچنے کی تدابیر کی جا رہی ہیں، مگر وہی کڑاہی سے بچ کر چولھے میں گرنے کی سب تدبیریں ہیں، مادی و خارجی اغراض و مقاصد کی نامحدود طلب و ہوس کا نصب العین جب تک افراد اور جماعتوں

کے دل و دماغ پر مسلط ہے، اس وقت تک زہر کا نام تریاق رکھ دینے سے ہلاکت سے مفر نہیں، اور نہ حرص و ہوس کا یہ جنون دل و دماغ سے اس وقت تک خارج ہو سکتا ہے، جب تک اسکی جگہ کوئی ایسا عظیم و محکم روحانی و باطنی نصب العین نہ لے لے جس کی عظمت و اہمیت کے سامنے بڑی سے بڑی مادی تریاں بھی طفلانہ لہو و لعب معلوم ہونے لگیں، وما الحیوٰۃ الدنیا الا لھو و لعب۔

جمہوریت کا ملمع قومیت سے بھی زیادہ ابلہ فریب و بے حقیقت ہے، بلکہ ایک ایسا اسم ہے جس نے عملاً کبھی اپنے مسمی کی شکل نہیں دیکھی، کسی بڑے پیمانہ پر ملک و حکومت کا کاروبار اس نام نہاد جمہوریت سے چلنا تو درکنار حضرت علیہ الرحمۃ نے بالکل صحیح فرمایا ہے کہ "اگر روٹی پکانے میں بھی جمہوریت ہو تو ایک روٹی بھی نہ پک سکے"[1] انگریزی میں بھی مثل ہے کہ "زیادہ باورچیوں میں شوربے کی خرابی لگتی ہے"! بات یہ ہے کہ جمہوریت و عمومیت وغیرہ کے ناموں سے یہ دعویٰ تو صحیح ہے کہ حکومت عوام کے لئے یعنی اُن کی فلاح و بہبود کے لئے ہو، لیکن دوسرا دعویٰ کہ حکومت عوام کی ہو یا عوام کی رائے سے ہو، یہ ناقابل عمل ہی نہیں احمقانہ بھی ہے، اس لئے کہ فہم و فکر کے لحاظ سے صدفی صد تعلیمیافتہ ملک کے عوام بھی بہرحال عوام ہی ہوں گے جو اپنے نفع و ضرر کو پوری طرح سوچ سمجھ تک نہیں سکتے، اور ان کی فلاح و بہبود کو بھی ان کے خواص یا اہل فکر و فہم ہی صحیح طور پر سمجھ اور سمجھا سکتے اور وہی عمل میں لا سکتے ہیں، عوام الناس تو غریب اتنی بھی صلاحیت نہیں رکھتے کہ اپنے خیر خواہ و بدخواہ میں تمیز کر کے اپنے ووٹ تک کا صحیح استعمال کر سکیں، وقت پر اپنی چرب زبانی چکنی چپڑی باتوں اور جھوٹی سچی ترغیب و تحریص یا چالاکی و مکاری سے ان کا دشمن بھی ان سے ووٹ حاصل کر سکتا ہے اور کر لیتا ہے، پھر ظاہر ہے کہ دنیا میں عقل و فہم کے اعتبار سے اکثریت ہمیشہ کاملین کے مقابلہ میں ناقصین ہی کی رہی ہے، اور رہے گی تو اکثریت کی رائے و انتخاب کے معنی عقلمندوں کے مقابلہ میں کم عقلوں یا احمقوں کی رائے و انتخاب کے سوا کیا ہے۔

---

[1] الافاضات الیومیہ حصہ پنجم ص۵۰۔

اور جس طرح لاکھوں کروروں عوام کا حال ہے، اسی طرح ان کی رائے سے منتخب ہو کر جو سیکڑوں نمائندے خواص کی قانون سازی مجالس یا اسمبلیاں وغیرہ بنتی ہیں ان میں بھی عقل و فہم، علم و عمل، اخلاق و دیانت، اخلاص و بے نفسی کے اعتبار سے نسبتہً کاملین ہمیشہ اقلیت ہی میں ہونگے، اس لئے کسی معاملہ و فیصلہ کو اکثریت کے تابع کرنا دراصل کم عقلوں، کم علموں اور خود غرضوں کے حوالہ کر دینا ہے، اقبال مرحوم پر ہزاروں رحمتیں ہوں حرف بحرف سچ کہا ہے کہ

گریز از طرز جمہوری غلام پختہ کارے شو کہ از مغز دو صد خر فکر انسانی نمی آید

صحیح اور فطری اصول یہی ہے کہ سیاسی و غیر سیاسی چھوٹا بڑا کوئی ادارہ ہو دو صد خر کے بجائے بس کسی ایک انسان کو تلاش کر کے اس کے حوالے کر دینا چاہئے، البتہ بڑے سے بڑا انسان بھی زیادہ سے زیادہ عقل و علم، اخلاص و دیانت کی جامعیت کی باوجود فکر و رائے میں غلطی کر سکتا ہے، اس لئے عوام ان سے نہیں بلکہ اہل الرائے سے مشورہ لینا اس پر واجب ہو، تاکہ بحث و گفتگو سے معاملہ کے تمام اطراف و جوانب سامنے آجائیں لیکن نفس مشورہ کے وجوب و پابندی کے باوجود مشورہ لینے اور دینے میں پوری آزادی حاصل ہونی چاہئے کہ مشورہ لینے والا عوام کالانعام کے منتخب کردہ "دو صد خر" کا پابند ہو بلکہ جس معاملہ میں جس وقت جو لوگ بھی اس کو زیادہ اہل الرائے نظر آئیں سب سے مشورہ لینے کے لئے آزاد ہو، اسی طرح مشورہ دینے کے لئے بھی ہر شخص آزاد ہو، یہ نہیں کہ ایک دفعہ اٹاسیدھا اپنا کسی کو نمائندہ منتخب کر دیا، تو اب ہم تین یا پانچ برس کی کسی مقررہ مدت تک خود کوئی رائے نہیں دے سکتے، چاہے وہ ہمارا نمائندہ ہو کہ ہمارے خلاف ہی رائے دیتا رہے، بس اسلام کی جمہوریت یہی صحیح و متوازن شورائیت ہے، نہ کہ وہ فیصلہ بازآخر "دو صد خر" نہیں بلکہ ایک انسان کے ہاتھ میں ہوتا ہے، البتہ وہ اپنی انسانی فکر و فہم کے ساتھ ایمانی فراست اور شرح صدر کی روشنی میں ہوتا ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اتنی روشنیوں کے بعد بھی عمل کا قدم محض ناقص انسانی علم و روشنی کے تحت نہیں، بلکہ انسان کامل سے کامل

علم بھی ناقص ہی ہے، نبیؐ کو بھی حکم ہے کہ مشورہ لینے اور اپنی رائے قائم ہو جانے پر بھروسہ عالم کل و قادر کل ذات ہی پر رہے، قرآن مجید نے اپنی موجز و معجز تعبیر کے ایک ہی جملہ میں اسلام کے اجتماعی نظام کار کے اصول ثلاثہ (۱) مشورہ (۲) عزم (۳) اور توکل کو منصوص فرما دیا ہے، کہ شاورھم فی الامر، فاذا عزمت، فتوکل علی اللہ۔

حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اسکی طرف جا بجا اشارات فرمائے ہیں، مثلاً احکام المال نامی وعظ میں فرماتے ہیں کہ

"قرآن شریف میں مشورے کی تاکید ہے، مگر اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ کرنا وہی جو اپنی سمجھ میں آجائے چنانچہ شاورھم فی الامر میں مشورے کا امر بھی ہے اور آگے یہ بھی کہ فاذا عزمت فتوکل علی اللہ کہ جب خود قصد ہو جائے تو خدا تعالیٰ پر بھروسہ کر کے کام کو کر ڈالے، یہ نہیں فرمایا کہ فاذا عزموا کہ جب وہ عزم کریں یا فاذا عزم اکثرھم کہ اُن میں سے اکثر عزم کریں مطلب یہ کہ مشورہ تو کیجئے اور مشورے کے بعد جس بات پر خود آپ کی رائے قرار پائے وہ کیجئے"

یہاں سے جمہوری سلطنت کا قلع قمع ہوتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ جدھر کی کثرت رائے ہو اس جانب کو لیا جائے، سو قرآن شریف کی تعلیم اس کے خلاف ہے، اس میں فاذا عزم اکثرھم نہیں فرمایا، بلکہ فاذا عزمت فرمایا، خلاصہ یہ ہے کہ مشورہ تو سب کا ہو اور عزم آپ کا ہو، دوسروں کی رائے پر عمل کرنا لازم نہیں، اگرچہ وہ اہل ہی ہوں، اور آج کل کے تو اہل الرائے ماشاء اللہ اہل بھی نہیں ہوتے..... کمیٹیوں میں ایسے ایسے ممبر ہوتے ہیں، جن کو بات کرنے کی بھی تمیز نہیں ہوتی" واقعات بتلا رہے ہیں کہ آج کل کی کثرت رائے بالکل ہی مہمل ہے (ص ۵۳ تا ص ۵۵)"

حضرت کو تو الحمد للہ کہ اس مہمل کثرت رائے سے سابقہ شاید ہی کبھی ہوا ہو، راقم ہذا کو آج کل کی کمیٹیوں اور ان کی اکثریت کا کچھ تھوڑا تجربہ ہوا تو بس اکثر اس اکثریت میں "دو صد خر" کا منظر ہی دیکھا اور بالآخر

اس سے طبیعت میں اتنی کراہیت پیدا ہوگئی کہ کسی کام میں جہاں کمیٹی کا نام آیا کہ ذہنی متلی شروع ہوگئی،[1] خالص عقلی راہ سے بھی دیکھئے تو اجتماع کا نفسیاتی لازمہ یہ ہے کہ جو جماعت جتنی کثیر ہوگی، اسی نسبت سے اس کے افراد کی انفرادی عقل بھی قلیل ہوتی جائے گی،

حریت یا آزادی کا ڈھول سب سے زیادہ پیٹا جاتا ہے، لیکن اسلامی حریت و آزادی کے مقابلہ میں اس کی حقیقت یہ ہے کہ یہ آزادی نام ہے آقاؤں کی صرف تبدیلی کا، کہ ہم فلاں رنگ و نسل یا فلاں ملک و سرزمین کے انسانوں کی غلامی قبول نہ کریں گے، ان کے بجائے ہم کو ایسے آقا درکار ہیں جو ہمارے ہی رنگ و روپ یا ہمارے پاس پڑوس کے ہوں، بس یہ ملکی و قومی آزادی کی پرواز ہے، یا پھر خود اپنے ملک و قوم میں آزادی یہ ہے، کہ اپنی غلامی کے لئے کسی فرد یا جماعت کو ہم خود اپنا آقا منتخب کرلیں، بخلاف اس کے اسلام کی عطا کردہ حقیقی آزادی یہ ہے کہ وہ انسان پر انسان کے حکم و حکومت کا قطعاً روادار نہیں نہ اپنوں کی نہ پرایوں کی، نہ ملکیوں کی نہ آفاقیوں کی، نہ فرد کی نہ جماعت کی، حتی کہ وہ کسی شخص کو خود اپنا یا اپنے نفس و ہوا کا محکوم و تابع رکھنا بھی گوارا نہیں کرتا[2] ان الحکم الا للہ[3]

فرد و جماعت، ملک و قوم سب کا حاکم بالادست یا آقا و مالک صرف وہی ہوسکتا ہے جو واقع کے لحاظ سے بھی ان کا مالک و خالق ہے یا پھر وہی جس کو جس درجہ میں اپنے ملک اور اپنی سلطنت میں اپنا کارندہ و نجویز کرے، باقی اپنے ذاتی اختیار سے نہ کسی فرد کو نہ کسی جماعت کو نہ اپنے اوپر کسی طرح کی سروری و سرداری کا حق حاصل ہے، نہ دوسروں پر نہ خود ساختہ قومی و ملکی، تجارتی و تمدنی اغراض و مقاصد کے لئے کسی ملک و سرزمین کے لینے دینے یا تقسیم کرنے کا حق نہ محض اپنی رائے و عقل سے خود اپنے

---

[1] لیکن اس سلسلہ میں جمہوری حکومتوں اور ان کے ہاں کے جمہوری اداروں کے تجربات کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے۔ (عبدالماجد)

[2] اس عبارت کو ذرا محدود و مقید کرنے کی ضرورت ہے، ورنہ امامت و اقتدا و امر اور اطاعت پر تو اسلام کیا ساری اجتماعی زندگی ہی کا دارومدار ہے (عبدالماجد)

[3] یہ الفاظ قرآن مجید میں جہاں جہاں اور جس سیاق میں آئے ہیں وہ اس دعوی کی تائید میں نہیں، (عبدالماجد)

یا غیروں کے لئے کسی فرد یا جماعت کو کوئی قانون وضع کرنے کی اجازت خدا کی زمین پر صرف خدا ہی کا اُتارا ہوا قانون چلنا چاہئے، جو ایسا نہیں کرتے قرآن کا اعلان ہے کہ وہی کافر، ظالم، فاسق، سب کچھ ہیں[1] من لم یحکم بما انزل اللہ اولئک ھم الکافرون۔ ھم الظالمون، ھم الفاسقون[2]

مساوات کے دعوی کا یہی حال ہے، کہ اسلامی اعتقاد پر مبنی اخوت کے بغیر یہ عملاً ایک محال فطری کا دعوی ہے، خدا کے سوا انسان کسی معنی میں بھی اپنے کو کسی دوسرے انسان کا تابع و محتاج مان کر یا اس کے قبضہ میں اپنا نفع و ضرر جان کر بھلا اس کے آگے بندگی و سرافگندگی سے کیسے رُک سکتا ہے، پھر اس بندگی و سرافگندگی کے بعد مساوات کہاں! توحید کی یہ بصیرت و اخوت نصیب نہ ہونے ہی کا نتیجہ ہے کہ آدمی آدمی کے آگے جھکتا ہے، "آدم از بے بصری بندگی آدم کرد" جو کتے بھی نہیں کرتے، "من نہ دیدم کہ سگے پیش سگے سر خم کرد"

حقیقی حریت و اخوت اسی کا حصہ ہو سکتا ہے جس کے دل نے لا الٰہ الا اللہ کا راز پا لیا،

مرد حر از لا الٰہ روشن ضمیر — می نگردد بندۂ سلطان و زیر

پھر اسلام کی اصل روح سمع و اطاعت ہے اور قومی و سیاسی تحریکات کا سب سے بڑا سرمایہ انقلاب و بغاوت، اگر بیرونی حکومت سے آزادی ہے، تو خود اپنی ہی حکومت کے خلاف کوئی نہ کوئی شکایت پیدا ہوتے رہنا لازم، ایک پارٹی کی وزارت ہے تو دوسری اس کے لئے ہر وقت عدم اعتماد کی تحریک کا علم بغاوت لئے کھڑی ہے، رعایا و عوام کی فلاح و بہبود سے زیادہ اپنی پارٹی کی وزارت کے قیام اور مخالف کے انہدام کی فکر، حکومتی و سیاسی بلکہ قومی تجارتی و صنعتی کسی ادارہ یا فرد و جماعت سے کوئی شکایت ہو تو احتجاج ہے، ہڑتال ہے، جلسے ہیں، جلوس ہیں، نعرے ہیں، جن میں کشت و خون تک کی نوبت! اور یہ کیوں نہ ہو اس لئے

---

[1] ان سب عبارتوں کو محدود و مقید کرنے کی ضرورت ہے، ورنہ مطلق صورت میں تو ہر فعل اور ہر تجربہ سے انکار لازم آئیگا، حالانکہ یہ عقل اور تجربے بھی اللہ ہی کے عطیے ہیں، (عبد الماجد)

[2] یہ سب وعیدیں صرف ان لوگوں کے حق میں وارد ہوئی ہیں، جو خدا کی ہدایات و احکام کے موجود ہوتے ہوئے انہیں چھوڑ کر ہوائے نفس کے ماتحت قانون بنا رہے ہیں، (عبد الماجد)

کہ حق و انصاف کا اور کوئی ترازو ہی نہیں، تعلیم یہ ہے کہ جس قدر زیادہ شور و غل مچاؤ اور ہنگامہ و فساد برپا کرو اُسی قدر زیادہ تمھارا حق زوردار سمجھا جائیگا، جتنے زیادہ زور سے پیٹ پیٹوگے اتنے ہی بھوکے سمجھے جاؤگے اور اتنا ہی زیادہ پاؤگے، لاحول ولا قوۃ یہ بھی کوئی نظام حکومت و سیاست ہے جس کی بدولت ملک بھر میں روزانہ طرح طرح کے ہنگامے اور فسادات کھڑے رہیں اور شہریوں کا امن و امان برباد ہوتا رہے، رعایا حکومت سے برسرپیکار رہے، مزدور کارخانہ دار کے خلاف شورش برپا کر رہے ہیں، کاشتکار زمیندار پر دانت نکالے ہیں، کیونکہ اس کے بغیر کوئی زبردست زیردست کے ساتھ حق و انصاف پر آمادہ نہیں، جس نظام جماعت کی بنا حقوق شناسی کے بجائے حقوق طلبی پر ہو، وہاں ہر چہار طرف سے دن رات مطالبات و احتجاجات کی شورشوں اور شوریدہ سریوں کے سوا ہو ہی کیا سکتا ہے، اسلام نے انقلاب و بغاوت کی اجازت بہت ہی انتہائی حالتوں میں دی ہے کہ نسبتہً اور قابل تحمل حد تک بُری حکومت کے تحمل کر لینے میں اتنا ضرر نہیں، جتنا روز روز کے انقلاب حکومت شور و شر اور فتنہ و فساد میں، اس لئے کہ اسلام کی نگاہ میں محض یہی زندگی اور ہستی کا مٹ نہیں ہے، یہ انسانی زندگی کا بہت ہی حقیر و فانی جزو ہے، اسلام کے پیش نظر تو اصلاً انسان کی اعلیٰ اور غیر فانی زندگی کی فلاح ہے، اور فکر و عمل کی مشغولیت کا وہی اصل میدان ہے، باقی یہ دنیا خود فانی و ناقص ہے اور اس کی ہر چیز فانی و ناقص ہی رہے گی، تم لاکھ جدوجہد کرو لیکن نہ اس کی سیاسیات کو کامل و بے عیب بنا سکتے ہو، نہ اسکی قومیات و معاشیات کو، بلکہ اس کی ساخت تو کچھ ایسی ہے کہ ایک طرف سے کسی نقص کو دور کرو تو دوسری طرف سے اس کے ردعمل کا فساد اُٹھ کھڑا ہوتا ہے، اس کے بناؤ بگاڑ میں دن رات لگے رہنا ایسا ہی ہے جیسے بچوں کو دن رات کھیل کود اور اس کے لئے لڑائی جھگڑوں میں لگا دیکھا جائے، اور جوانی یا مستقبل کی دیرپا زندگی کے لئے تیاری کی ان کو مہلت ہی نہ ملے، اسلام نے اپنی تعلیمات میں حقوق طلبی کے حریصانہ و حریفانہ جذبات کو نہیں اُبھارا کہ یہ تو فساد فی الارض کا سرچشمہ ہے، بلکہ حقوق شناسی

اور ادائے فرض پر زیادہ زور دیا ہے، وہاں کسی حق کی طلب کے لئے حلق کا زور لگانے کی کیا ضرورت ہوسکتی ہے، جہاں ایسے حقوق تک کے ادا کرنے کی تاکید و حکم ہو جن کی خود صاحب حق کو خبر تک نہیں اسلام کی اس حقوق شناسی اور آج کل کی حقوق طلبی کے اسی فرق کو ایک موقع پر حضرت مجدد علیہ الرحمہ واضح فرماتے ہیں:-

"آج کل جو محکوم حاکم کا مقابلہ کرکے سختی کے ساتھ اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے لگے تو اس کو کچھ حق مل جاتا ہے، یوں کہئے کہ آج کل کے اہل حکومت یہ چاہتے ہیں کہ جب تک محکوم محکوم بن کر رہے اُس وقت تک اس کو حقوق نہ دیئے جائیں، ہاں جس وقت محکوم حاکم بن کر یا کم از کم مساوی بنکر اپنے حق کا مطالبہ کرنے لگے، اسی دن سے اس کو حقوق ادا ہونے لگیں، بس وہی مثل کہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس، لاٹھی کے بغیر اپنی بھینس بھی نہیں مل سکتی، اور لاٹھی ہو تو پرائی بھی ہانک لیجائے، اگر شریعت میں معاملہ برعکس ہے اور ایسے مردود حقوق کے ادا کرنے کی زیادہ تاکید ہے، جن کا کوئی مطالبہ کرنے والا نہیں، حدیث میں ہے کہ جس حق کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا، حتیٰ کہ صاحب حق بھی نہیں جانتا، ایسے حقوق کا خدا تعالیٰ خود حساب و مطالبہ فرمائیں گے"

مسلمانوں کے دینی و ایمانی ضعف و اضمحلال کے اس گئے گذرے زمانے میں بھی اس کی مثالیں بالکل نایاب نہیں، ایک مرد مومن کا خود راقم ہذا کے ساتھ ایک معاملہ پیش آیا کہ راقم کے دادہال قصبہ اٹھیٹی میں اس کا پشتہا پشت سے ایک مشترک سکنہ تھا جس پر بہت ہی پرانا املی کا ایک درخت تھا جس کے متعلق گھر میں کبھی صرف اتنا سنا تھا کہ دادی مرحومہ اپنی زندگی تک اس کی املی کا اپنا حصہ سالانہ ضرور وصول فرمایا کرتی تھیں، ان کی وفات کے بعد نہ وہاں کے تعلقات رہے نہ اس درخت کے متعلق کسی کو کوئی وہم و خیال تھا، لیکن راقم کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اسی سکنہ کے ایک خاندانی شریک و رئیس[1] نے غالباً ۱۳۵۳ھ بھیجا کہ وہ املی گر گئی تھی کوئلہ بنا کر فروخت ہوا ہے اس کا حصہ ہے اور راقم کو بھی منا سخ کرا کے خاندان کے وارثوں تک آنے پائی سے ان کا حصہ پہنچانے کی سعادت نصیب ہوئی، فالحمد للہ،

---

[1] قاضی خادم حسین صاحب وکیل و رئیس اٹھیٹی ضلع لکھنؤ،

اللہ اکبر جب ہماری اس گئی گذری حالت میں ایسی مثالیں مفقود نہیں، تو خیر القرون اور صحابہ و تابعین کا ذکر نہیں، جب تک مسلمان اپنے ایمان و عمل میں مسلمان رہے ہوں گے کیا حال رہا ہوگا، اور آج بھی دنیا اگر محض مادی و خارجی انقلاب پر سارا زور لگانے کے بجائے اسلامی تعلیمات کا یہ روحانی و باطنی انقلاب کسی درجہ میں بھی پیدا اور قبول کرے تو دنیا بھر میں روز روز کے جنگ و جدل، فتنہ و فساد، اور کشت و خون کا کتنا سدباب ہو جائے، اور ظاہری دنیا کے امن و امان کے ساتھ قلوب کی باطنی دنیا کو بھی کتنا سکون و طمینان نصیب ہو جس دولت سے شاید اب ہزاروں لاکھوں ہی میں کوئی قلب آشنا رہ گیا ہو، ایک معمولی سی بات ہے کہ اب عام طور سے کسی سے کوئی معاملہ کرنے یا کچھ قرض تک دینے میں یہی ڈر لگتا ہے کہ خدا جانے کیا دھوکا دیدے اور لینے والا دینے کے بجائے بالعموم مار لینے ہی کی فکر میں رہتا ہے انا للہ، دنیا ہی میں انسان کو قلب و دماغ کی کس بے اطمینانی و بے اعتمادی کی جہنم میں ڈھکیل دیا گیا ہے! اسلامی شریعت کا ایک معمولی قانون یہ ہے کہ بیع میں اگر کوئی عیب ہو تو بائع کا فرض ہے کہ خود ہی مشتری کو اس سے آگاہ کر دے، آج کل معاملہ بالکل برعکس ہوتا ہے، کہ مشتری کو کسی نہ کسی طرح پھنسا لینا ہی بڑا کمال ہے،

بہرحال یہ تو ہماری موجودہ قومیات و سیاسیات کے وہ جھوٹے اور جعلی سکے تھے، جنھوں نے انسانیت کے سارے بازار کو گندہ اور پراگندہ کر رکھا ہے، لیکن ان سب کی جڑ قرآن کی اصطلاح میں علو فی الارض کا ارادہ یا نصب العین ہے، بلکہ یہی ساری قومی و سیاسی تحریکات حاضرہ کا لفظی ترجمہ ہے جو دوسرے لفظوں میں نام ہی ہے فساد فی الارض کا اور کبھی مصر کے ایک فرعون نے علو فی الارض (ان فرعون علا فی الارض) سے زمین مصر میں فساد بپا کیا تھا، تو آج قومیات و سیاسیات کی راہ سے کرۂ ارض کے چپہ چپہ پر چھوٹے بڑے فرعونوں نے اسی علو طلبی کا فساد مچا رکھا ہے، اونی اونی ڈسٹرکٹ بورڈ اور میونسپلٹی، چھوٹے سے چھوٹے سرکاری و غیر سرکاری، سیاسی و غیر سیاسی، قومی و تعلیمی اداروں کی ممبریوں اور صدارتوں سے لے کر بڑی سے بڑی حکومتوں اور ملکوں تک کے اعلیٰ سے اعلیٰ حکومتی و غیر حکومتی، قومی و غیر قومی، اعزازی

وتنخواہی منصبوں، عہدوں اور لیڈریوں یا قومی و ملکی آزادی و خود مختاری سب کی طلب کا حاصل وہی اپنی ذات یا ملک و قوم کے لئے مالی و جاہی سروری یا سربلندی یا علو و کبریائی کی طلب کے سوا کیا ہے! یعنی لے دیکر اسی فانی دنیا اور اسی فانی زندگی کے ظاہری و مادی منافع!

بھلا اسلامی قومیات و سیاسیات کو اس پستی و پست نظری اور دل و دماغ کی اس درجہ دنائت و خست سے دور کا بھی کوئی واسطہ ہو سکتا ہے، وہاں اپنے حق و استحقاق نیا قت و اہلیت کے لمبے لمبے قصیدے شائع کرنا کیا معنی، کسی جاہ و منصب کی طلب و خواہش کا زبان تک آجانا یہی اس کے لئے نالائقی، اور نااہلی کی اولین دلیل ہے، اس کی انفرادی و اجتماعی، سیاسی و قومی علمی و تعلیمی ہر حرکت و جنبش کا مدعا صرف حق اور کلمۂ حق کا علو و اعلا ہے، نہ اپنی ذات کے لئے کسی علو و سربلندی کا ارادہ جائز ہے، نہ اپنی قوم و وطن کیلئے، نہ اپنی نسل و رنگ کے لئے، نہ اپنی تجارت و صنعت کے لئے اور نہ کسی خود ساختہ تہذیب و تمدن یا نام نہاد ثقافت کے لئے اور نہ کسی ہوائی یا نفسانی نظریہ و خیال کے لئے ان چیزوں کا تو اگر ذہن میں خیال بھی شریک ہو گیا تو شرک ہو گیا، اور مسلمان خالص کلمۂ حق کے علو و اعلا کے مقام توحید سے گر گیا، حتیٰ کہ حکومت و سلطنت بھی جو کسی دنیوی جاہی و مالی سروری و سربلندی کی نیت و ارادہ سے اور خدا کی نافرمانی و ناراضی کی راہ سے حاصل کیجائے تو اسلام کی نگاہ میں اس کے مقابلہ میں خدا کو راضی رکھ کر "پیا خانہ اٹھانا" ہزار درجہ بہتر ہے، اگر سلطنت سلطنت ہی کے لئے دین و اسلام کا بھی مقصود ہے تو یہ تو فرعون شداد و نمرود سب ہی کو حاصل تھی، پھر کیا اسلام بھی اسی فرعونیت کی از سر نو دعوت دینے آیا ہے! اسی حقیقت کی طرف حضرت مجدد وقت کس ایمانی قوت و حرارت کے ساتھ متوجہ فرماتے ہیں کہ

"خدا کی قسم اگر ہم کو پیا خانہ بھی اٹھانا پڑے اور خدا ہم سے راضی ہو تو وہی ہمارے لئے سلطنت ہے، اور اگر خدا راضی نہ ہو تو لعنت ہے ایسی سلطنت پر جو خدا کو ناراض کر کے حاصل کیجائے، یاد رکھو کہ سلطنت کوئی تقرب الی اللہ کا سبب نہیں، بعض انبیاء علیہم السلام ایسے بھی ہوئے ہیں جن کو

ساری عمر سلطنت نصیب نہیں ہوئی، حدیث میں آیا ہے کہ ایک نبی کے ساتھ صرف ایک آدمی ہوگا اور بعض کے ساتھ ایک بھی نہ ہوگا، تو کیا سلطنت نہ ہونے سے ان انبیاء کے درجے میں کوئی کمی آگئی، اگر محض سلطنت کوئی قرب کی چیز ہوتی، تو فرعون کو بڑا مقرب ہونا چاہئے "

علم و فضل، تقویٰ و طہارت، شہرت و عظمت، ہر اعتبار سے اس وقت جو دو بڑے علمائے دین سیاسیات حاضرہ میں سب سے پیش پیش ہیں، راقم ہذا کو لکھنؤ اسٹیشن پر ایک دفعہ دونوں کی ایک ساتھ زیارت نصیب ہوئی، تو بعینہٖ اپنا یہی خلجان ان کی خدمات میں پیش کیا کہ فرض فرمائیے کہ ایک طرف مسلمان محکوم و محتاج، مفلس و جاہل سب کچھ ہیں، لیکن دین و ایمان کے ساتھ مرتے ہیں، اور دوسری طرف حکومت و دولت، جاہ و ثروت، علم و عزت سب کچھ حاصل ہے، لیکن دین و ایمان برائے نام یا خطرہ میں ہے، تو دینی و اسلامی نقطۂ نظر سے مہلک حالت کون سی ہے؟ اور اہم و اقدم فکر دین و ایمان کی ہے یا حریت و حکومت کی؟ غرض مسلمان اگر مسلمان ہے تو اس کی نگاہ میں حکومت و سلطنت سب سے مقدم آخرت ہی ہوگی اور آخرت انہی کے لئے ہے کہ جو زمین میں علو یا تفوق و برتری، سروری و سربلندی اور فتنہ و فساد کا ارادہ نہیں رکھتے، تلک الدار الآخرۃ نجعلھا للذین لا یریدون علوا فی الارض و لا فسادا

اے دل آں بہ کہ خراب از مے گلگوں باشی بے زر و گنج بصد حشمت قاروں باشی

قومیت و وطنیت، جمہوریت و اکثریت، انقلاب و بغاوت، مساوات و حریت وغیرہ یہ تو وہ گندگیاں تھیں جو آج کل کی قومیات و سیاسیات کے شجرۂ خبیثہ کی جڑوں میں پیوست ہیں، پھر اس کے برگ و بار کا کہنا ہی کیا، کذب و افترا، حیل و فریب، سازش و دغا، بغض و حسد، سب و شتم، توہین و تذلیل، غیبت و بہتان کو تو سب سے بڑا چھوٹا گناہ ہے، جو انتخابات کے ہنگاموں جلسوں کے پنڈالوں اور اخباروں کے کالموں میں عین ثواب نہیں!

یا دش بخیر! یہ اخبارات اور ان کا جھوٹ سچ پر وپگنڈا جو آج قومیات و سیاسیات کے بال و پر ہیں

اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھئے تو ایسے اخبارات سراسر منبع شر و فساد اور ان کا نکالنا اور پڑھنا سب ناجائز و حرام، لیکن اس حرمت و عدم جواز کا نام بھی کون لے سکتا تھا، تاہم وقت کے مجدد کی نظر و ہمت اتنے بڑے مفسدہ پر تنبیہ اور اس کی اصلاح سے کیسے باز رکھ سکتی تھی، پہلے اس پر ایک چھوٹا سا مستقل رسالہ تحریر فرمایا، اور پھر لوگوں کے شور و غل پر بقدر ضرورت زبانی و تحریری تشریح بھی فرمائی، مخالف کی توہین و تذلیل، صریح بہتان و افترا کا ذکر ہی کیا ایک عام اخباری مفسدہ و معصیت یہ ہے کہ ہر خبر کو بلا کافی تحقیق و توثیق کے شائع کر دیتے ہیں، خصوصاً اگر وہ ان کے مفید مطلب یا ان کے اخبار کی پالیسی کے موافق ہو، اس کی مذمت جیسا کہ حضرت علیہ الرحمہ نے فرمایا خود قرآن مجید کی اس آیت سے ثابت ہے کہ

"واذا جاءھم امر من الامن او الخوف الی قولہ لیستنبطونہ منھم

یعنی جب ان لوگوں کو کسی امر کی خبر پہنچتی ہے، خواہ وہ موجب امن ہو یا موجب خوف ہو تو اسکو فوراً مشہور کر دیتے ہیں (اس میں ایسے اخبار اور ایسے جلسے بھی آگئے) حالانکہ کبھی وہ خبر غلط ہوتی ہے، اور کبھی اس کا مشہور کرنا خلاف مصلحت ہوتا ہے) اور اگر یہ لوگ اس خبر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے پر اور جو ان میں ایسے امور کو سمجھتے ہیں اُن کی رائے پر حوالہ رکھتے تو وہ حضرات (اس کی حقیقت) کو پہچان لیتے، جو ان میں تحقیق کر لیا کرتے ہیں"

آگے جو اصلاحی ہدایات فرمائی ہیں اُن میں سے بعض مختصر یہ ہیں،

(۱) جو واقعہ کسی کی مذمت و معائب پر مشتمل ہو، اس کو اس وقت تک ہرگز شائع نہ کیا جائے جب تک حجت شرعیہ سے اس کا کافی ثبوت نہ مل جائے، کیونکہ جھوٹا الزام لگانا کفر یہ بھی جائز نہیں، لیکن آج کل اخبارات کا شاید کوئی صفحہ اس سے خالی ہوتا ہو،

(۲) یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ حجت شرعیہ کے لئے کسی افواہ کا عام ہونا یا کسی اخبار کا لکھ دینا ہرگز کافی نہیں، بلکہ شرعی شہادت ضروری ہے،

(۳) کسی شخص کے عیب یا گناہ کا واقعہ اگر حجت شرعیہ سے بھی ثابت ہو جائے تب بھی اس کی اشاعت اور اخبار میں درج کرنا جائز نہیں، بلکہ فرض یہ ہے کہ خیر خواہی سے تنہائی میں اس کو سمجھایا جائے، کیونکہ اس کو رسوا کرنا علاوہ شرعی ممانعت کے تجربہ سے ثابت ہے کہ بجائے مفید ہونے کے ہمیشہ مضر ہوتا ہے،

(۴) البتہ اگر کسی مسلمان کا عیب یا گناہ شرعی حجت سے ثابت ہو اور اس کا نقصان یا ظلم اپنی ذات کو پہنچتا ہو تو پھر اس کی برائی کو علانیہ شائع کر سکتا ہے کہ لا یحب اللہ الجھر بالسوء الا من ظلم یعنی اللہ تعالیٰ برائی کے اعلان کو پسند نہیں فرماتے مگر جس پر ظلم کیا گیا ہو..... لیکن اس صورت میں بھی تجربہ یہ ہے کہ عام اعلان و اشاعت کے بجائے صرف ان لوگوں کے سامنے بیان کرے جو داد رسی کر سکیں،

(۵) جو خبر کسی کی مذمت و ضرر پر مشتمل نہ ہو اس کی اشاعت جائز ہے، مگر اس شرط سے کہ کسی مسلمان کی خاص مصلحت یا عام مصلحت کے خلاف نہ ہو، اور جس میں ایسا احتمال ضعیف بھی ہو تو بجز ان لوگوں کے جو عقل و شرع کے موافق اس معاملہ کو ہاتھ میں لئے ہوں، عام لوگوں پر اس کو ظاہر نہ کرنا چاہئے،

(۶) خلاف شرع مضامین اور ملحدین کے عقائد باطلہ اول تو شائع نہ کئے جائیں اور اگر کسی ضرورت سے اشاعت کی نوبت آئے تو جس پرچہ میں شائع ہوں اسی میں تردید اور کافی جواب بھی شائع ہو، کیونکہ بہت سے آدمی وہ ہوتے ہیں، کہ جن کی نظر سے آئندہ پرچے نہیں گذرتے، خدانخواستہ اگر وہ اس سے کسی شبہہ میں گرفتار ہو گئے تو اس کا سبب شائع کرنے والا ہوگا،

(۷) اگر مسلمانوں پر کافروں کے ظلم کی خبر شائع کرنا ہو تو جبتک اس ظلم کی نسبت کافروں کی طرف حجت شرعیہ سے ثابت نہ ہو، اس طرح شائع کیا جاوے کہ فلاں مقام کے مسلمانوں پر مظالم ہو رہے ہیں، مسلمان ان کا انسداد کریں اور جائز طور پر ان کی جانی و مالی امداد کریں،

(۸) اخبار کا ایڈیٹر ہمیشہ ایسا شخص بنے جو تمام علوم اسلامیہ پر عبور رکھتا ہو، یا کم از کم علماء سے رجوع کرنے کا پابند ہو، ورنہ ظاہر ہے کہ اخبار کی اشاعت بیدینی و بے قیدی کا ایک کامیاب آلہ ہے،

(۹) ایسی کتاب کا جو دین کو مضر ہو یا ایسی دوا کا جو شرعاً حرام ہو یا کسی ایسے معاملہ کا جو شرعاً فاسد ہو اشتہار نہ دیا جائے، اور نہ اخبار میں تصویر بنائی جائے،

ظاہر ہے کہ اس دور میں ان ہدایات پر عمل کرنا تو الگ رہا ان کو سننے کی برداشت بھی کتنے کانوں کو ہوگی، تاہم اتمام حجت کے لئے تجدید و اصلاح کا جو فرض تھا وہ حضرت مجددؒ نے اس معاملہ میں بے تکلف ادا فرما دیا خود فرماتے ہیں کہ

"یہ مختصر گذارش محض دل سوزی و ہمدردی پر مبنی ہے، اگرچہ زمانہ کی مسموم ہوا میں کارگر ہونے کی توقع نہیں لیکن بایں امید کہ شاید خدا تعالیٰ کسی نیک بندہ کو عمل و اصلاح کی توفیق عطا فرمائیں، یہ سب عرض کر دیا گیا، وللہ الحمد" (ص ۸۱۶ تا ص ۸۳۱)

سوچنے کی بات ہے کہ اگر ایک اخبارات اور پروپگنڈے ہی کے معاملہ میں اسلامی تعلیمات و ہدایات کے حدود و قیود کو ملحوظ رکھا جاتا تو روزمرہ کی باہمی تلخیوں اور سیاسی شر و فساد کا کتنا سدباب ہو جاتا، اور غیروں پر بھی اس کا کتنا اثر ہوتا کہ مسلمان دشمنی میں بھی کتنا حدود شناس اور احتیاط پسند ہوتا ہے، (باقی)

کلیات شبلی فارسی

مولانا شبلی مرحوم کے تمام فارسی قصائد، غزلیات، مثنویات اور قطعات کا مجموعہ، جو اب تک متفرق طور سے دیوان شبلی، دستہ گل، بوے گل، برگ گل کے ناموں سے چھپے تھے اس میں سب یکجا کر دیئے گئے ہیں،

ضخامت:- ۱۲۴ صفحے، قیمت عہ

"مینجر"

فتاویٰ عالمگیری اور اُسکے مؤلفین

جناب حافظ محبوب اللہ صاحب ندوی رفیق دارالمصنفین

عرب جہاں بھی گئے اپنے ساتھ اسلامی علوم وفنون، تہذیب معاشرت بھی لے گئے، یہی وجہ ہے کہ ایشیا، یورپ اور افریقہ جس سرزمین میں اُنھوں نے قدم رکھا وہاں کے مذہب کے ساتھ ساتھ تہذیب، معاشرت اور زبان کو بھی بدل دیا، اس کے برخلاف ترک و تاتار اور دوسری عجمی مسلمان قومیں جہاں گئیں ان کا مذہب تو اسلام رہا لیکن تمدن اُنھوں نے اپنا پھیلایا اُسی لئے شام مصر و شمالی افریقہ کے مقابلہ میں ہندوستان میں عجمی تمدن اور عجمی مذاق کو زیادہ فروغ ہوا،

ہندوستان میں اگرچہ صدیوں مسلمانوں کی حکومت قائم رہی، لیکن اس کے تمام حکمراں خانوادے اور ان کے بیشتر عمال حکومت عجمی تھے، اس لئے ان کے اثر سے یہاں، زیادہ تر عقلی و عجمی علوم کا چرچا رہا اور ان کے مقابلہ میں خالص دینی علوم تفسیر و حدیث و رجال و طبقات کی خدمت و اشاعت کم ہوئی تاہم ہر زمانہ کے اکابر علماء اپنے طور پر اس فرض کو انجام دیتے رہے، اور دینی علوم کی خدمت میں دوسرے اسلامی ممالک سے ہندوستان کا قدم بہت پیچھے نہیں رہا، لیکن حکومت کے بیشتر قوانین اسلامی تھے، خصوصاً مسلمانوں کی روزانہ زندگی کے معاملات و معاشرتی مسائل کا تعلق فقہ سے تھا، اس لئے ہر دور میں فقہ کی جانب خاص توجہ رہی اور فقہ کی کتابوں پر شروح و حواشی لکھے گئے، مطولات کے مختصرات کئے گئے، فقہ و فتاویٰ کی متعدد اہم کتابیں فتاویٰ تاتارخانیہ[۱]، فتاویٰ حمادیہ[۲] اور فتاویٰ ابراہیمیہ[۳] تالیف ہوئیں، اورنگ زیب علیہ الرحمہ نے فتاویٰ عالمگیری مدون کرائی جو ہندوستان کا قابل فخر

---

[۱] مولفہ عالم بن علاء، متوفی ۷۸۶ھ [۲] مولفہ ابوالفتح رکن بن حسام ناگوری [۳] مولفہ قاضی نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ

کارنامہ اور گذشتہ فتاوی کی کتابوں میں سب سے مقدم و ممتاز ہے، اول الذکر فتاویٰ افراد کی تالیف تھے اور فتاویٰ عالمگیری گیارہویں صدی ہجری کے پورے ہندوستان کے منتخب علماء کی کوششوں کا نتیجہ ہے، اسی لئے اس میں جو جامعیت اور جزئیات کا جس قدر استقصا ہے، وہ دوسرے فتاوں میں نہیں ہے اور اس کو گذشتہ فتاوں میں خاص اہمیت حاصل ہے، لیکن تعجب ہے کہ اب تک نہ عالمگیری کے مؤلفین کے حالات یکجا جمع کئے گئے اور نہ اس کی خصوصیات اور مآخذ پر کچھ لکھا گیا، اس مضمون میں اس کمی کو پورا کرنا مقصود ہے۔

(۱) فتاوی عالمگیری کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ کسی ایک شخص کی تالیف نہیں بلکہ علماء کی ایک ممتاز جماعت کی تالیف ہے، اس لئے وہ ان نقائص اور فروگذاشتوں سے پاک ہے، جن کا ایک فرد واحد کی تالیف میں امکان رہتا ہے،

(۲) اس میں وہی مسائل لئے گئے ہیں جو راجح، مفتیٰ بہ یا ظاہر الروایت[1] کے ہیں، اگر کوئی مسئلہ ظاہر الروایت میں نہیں ہے تو نوادرات سے لے لیا گیا ہے، لیکن اس تصریح کے ساتھ کہ کتاب میں اس پر فتویٰ کا اشارہ موجود ہے،

(۳) ہر مسئلہ کے ساتھ اس کے ماخذ کا مفصل حوالہ بھی دے دیا ہے جس کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے، اگر اس میں کسی دوسری کتاب سے نقل کیا گیا ہے تو ناقلاً عن فلاں کرکے اصل ماخذ کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا ہے،

(۴) اگر کسی مسئلہ کے بارہ میں دو مختلف اقوال ہیں اور دونوں میں سے کوئی قابل ترجیح نہیں ہے تو دونوں کو مع حوالہ نقل کر دیا گیا ہے، اگر کسی کتاب کی لفظ بلفظ نقل ہے، تو کذا لکھدیا ہے، اور اگر اس کا خلاصہ اور مفہوم لے لیا ہے تو ہکذا سے اشارہ کر دیا گیا ہے،

(۵) یہ کتاب تقریباً آٹھ برس میں تیار ہوئی اور کم و بیش دو لاکھ روپئے اس پر صرف ہوئے،

---

[1] چھ کتابیں ظاہر الروایت میں شمار کی جاتی ہیں، جامع کبیر، جامع صغیر، مبسوط، زیادات، السیر الکبیر، السیر الصغیر،

عالمگیری کے مآخذ فتاویٰ عالمگیری فقہ کی تمام اہم اور معتبر کتابوں کا خلاصہ اور عطر ہے، ذیل میں عالمگیری کے تمام مآخذ کی فہرست دیجاتی ہے جس سے اندازہ ہوگا کہ علماء نے کس جانکاہی سے سینکڑوں خرمنوں سے خوشہ چینی کر کے فقہ و فتاویٰ کا یہ ذخیرہ جمع کیا ہے،

(۱) ہدایہ ص برہان الدین المرغینانی (۲) شرح طحاوی ص غالباً امام بدرالدین العینی کی شرح مراد ہے (۳) ذخیرۃ العقبیٰ ص شرح منیۃ المصلی (۴) مضمرات ص قدوری کی شرح اس کا دوسرا نام جامع المضمرات ہے (۵) البدائع ص (۶) المغنی ص (۷) عینی شرح ہدایہ ص (۸) الخلاصۃ ص (۹) فرائض الزاہدی ص (۱۰) الجواہر مختار بن محمود م ۶۵۸ھ (۱۰) ظہیریہ ص ظہیر الدین البخاری م ۶۱۹ھ (۱۱) محیط ص اس نام کی دو کتابیں ہیں ایک برہان الدین صدر الشریعۃ کی تصنیف ہے جو المحیط البرہانی کے نام سے موسوم ہے، دوسری رضی الدین السرخسی کی جو محیط السرخسی کے نام سے مشہور ہے، ثانی الذکر کے بعض نسخے مصر وغیرہ کے کتبخانوں میں موجود ہیں غالباً عالمگیر کے شاہی کتب خانہ میں بھی اس کا کوئی نسخہ موجود تھا، الفوائد البہیۃ میں مولانا عبدالحی نے لکھا ہے کہ اس کے بعض نسخے میری نظر سے گذرے ہیں (۱۲) طحاوی (۱۳) فتاویٰ قاضی خاں ص (۱۴) شرح وقایہ ص (۱۵) التبیین ص امام نسفی (۱۶) محیطین ص شاید اس سے مراد محیط برہانی اور محیط سرخسی ہو، (۱۷) السراج الوہاج ص (۱۸) فتح القدیر ص ابن ہمام (۱۹) البحر الرائق ص (۲۰) الجامع الصغیر ص امام محمد (۲۱) الجامع الوجیز ص للکردری م ۸۱۲ھ کی تصنیف ہے (۲۲) الیتیمۃ ص (۲۳) تاتارخانیہ ص عالم بن العلاء (۲۴) فتاویٰ سراجیہ ص الاوشی الفرغانی، م ۵۶۹ھ میں لکھی گئی (۲۵) الاختیار فی شرح المختار ص (۲۶) کفایۃ شرح ہدایہ ص جلال الدین الخوارزمی (۲۷) فتاویٰ برہانیہ ص (۲۸) الجوہرۃ النیرہ ص قدوری کی پہلی شرح ابوبکر الحدادی العبادی متوفی ۸۰۰ھ (۲۹) قنیۃ المنیۃ ص نجم الدین الزاہدی الغزمینی م ۶۵۸ھ (۳۰) محیط السرخسی ص (۳۱) النہر الفائق ص (۳۲) مبسوط ص امام سرخسی (۳۳) فتاویٰ النجمیہ ص (۳۴) النہایۃ ص (۳۵) تحفہ ص (۳۶) الصیاح ص (۳۷) الوالجی ص (۳۸) الکافی ص (۳۹) خزانۃ الفقہ ص امام ابواللیث م ۳۸۳ھ (۴۰) الملتقط ص

(۴۱) شرح المنیۃ للحلبی ص۱۱ (۴۲) الزاد ص۱۳ (۴۳) فتاوی غیاثیہ ص۱۴ (۴۴) شمنی ص۱۴ تقی الدین الشمنی م ۸۷۲ھ
(۴۵) فتاوی شیخ الاسلام ص۱۵ المعروف بخواہر زادہ ص۱۵ (۴۶) شرح المبسوط ص۱۵ (۴۷) عتابیہ ص۱۵ (۴۸)
منیۃ المصلی ص۱۶ (۴۹) خزانۃ المفتیین امام حسین بن محمد السمنقانی م ۷۴۰ھ کی تصنیف ہے (۵۰) عینی شرح کنز ص۲۲
(۵۱) المفید والمزید (۵۲) شرح منیہ ص۲۲ لابن امیر الحاج (۵۳) کنز الدقائق ص۲۴ (۵۴) خزانۃ الفتاوی ص۲۷
احمد بن محمد الخفقی صاحب مجمع الفتاوی (۵۵) الاسرار فی الاصول والفروع ص۲۸ ابو زید عبید اللہ بن عمر الدبوسی
م ۴۳۰ھ (۵۶) شرح الزیادات ص۲۹ (۵۷) شرح النقایہ ص۳۵ شیخ ابو المکارم (۵۸) الصغری ص۳۵ (۵۹) شرح المجمع
ص۳۶ لابن الملک (۶۰) تجنیس ص۳۶ صاحب ہدایہ (۶۱) نصاب ص۴۲ (۶۲) الکبری ص۴۲ (۶۳) تنویر ص۴۲ شرح تلخیص
جامع الصغیر (۶۴) عنایہ ص۴۲ شرح ہدایہ (۶۵) فتاوی الغرائب ص۴۴ (۶۶) محیط السرخسی ص۴۵ (۶۷) فتاوی عتابیہ
ص۴۵ ابو نصر عتابی م ۵۵۶ھ (۶۸) فتاوی قراخانی ناقلاً عن الواقعات الحسامیہ ص۴۶ (۶۹) صیرفیہ ص۴۶ دوسرا نام
فتاوی آہو ہے، (۷۰) مختار الفتاوی ص۵۱ لابی الفضل مجد الدین الموصلی م ۶۸۳ھ (۷۱) قدوری ص۵۱ (۷۲) شرح
منیہ ناقلاً عن الحاوی ص۵۱ (۷۳) فتاوی التمرتاشی ص۵۲ ابو محمد ظہیر الدین الحنفی م سنہ ۶۰۰ھ (۷۴) بنابیع ص۵۲ اسغرائنی
کی بنابیع الاحکام مراد ہے یا شرح القدوری (۷۵) شاہان شرح الہدایہ ص۵۲ (۷۶) النقاوی العتابیہ المعروف
بجامع الفتاوی ص۵۲ (۷۷) شرح مقدمۃ ابی اللیث متوفی ۳۸۳ھ (۷۸) مصفی ص۶۹ (۷۹) وقایۃ ص۷۲ (۸۰)
النقایہ ص۷۲ (۸۱) تہذیب ص۷۲ شیخ احمد الغلاسنی (۸۲) خانیہ ص۸۵ (۸۳) جامع الجوامع ص۸۵ (۸۴) جواہر الاخلاطی
ص۹۱ (۸۵) الحصیر ص۹۳ (۸۶) البرجندی ص۱۰۲ (۸۷) غایۃ البیان ص۱۰۲ شرح ہدایہ (۸۸) مختارات النوازل لصاحب
الہدایہ (۸۹) برجندی ص۱۰۲ (۹۰) اقرار العیون ص۱۱۱ (۹۱) نفقات ص۵۶۷ (۹۲) فتاوی الولوالجیہ ص۵۶۹ فتاوی کی کتاب
ظہیر الدین ابو بکر الحنفی متوفی سنہ کی تصنیف ہے (۹۳) شرح نقایہ برجندی ص۵۶۹ (۹۴) الغایۃ السروجی، ہدایہ کی شرح
ابو العباس احمد بن ابراہیم السروجی کی تصنیف ہے م سنہ ۷۱۰ھ (۹۵) المنتقی ص۵۷۶ (۹۶) فتاوی الکبری ص۵۴۷،
حسام الدین عمر بن عبد العزیز سنہ ۵۳۶ھ (۹۷) فتاوی الصغری ص۵۳۶ حسام الدین عمر بن عبد العزیز م سنہ ۵۳۶ھ (۹۸) الواقعات ص۵۷۲

(۹۹) المجتبیٰ (۱۰۰) التحریر شرح جامع الکبیر للحصیری جمال الدین محمود بن احمد البخاری المعروف بالحصیری م ۶۳۶ھ نے دو شرحیں لکھی ہیں، ایک مفصل اور ایک مختصر، یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ حوالہ کس شرح کا ہے (۱۰۱) فتاوی امام کرخی م ۵۶۰ھ امام کرخی مشہور فقیہ ہیں (۱۰۲) البقالی (۱۰۳) شرح تلخیص جامع الکبیر (۱۰۴) المحیط الرضوی (۱۰۵) الفصول العمادیہ، جمال الدین بن عماد الدین الحنفی (۱۰۶) الحادی القدسی، قاضی جمال الدین احمد بن محمد المتوفی ۵۹۳ھ یا ۶۰۰ھ (۱۰۷) شرح کتاب الاستحسان، کتاب الاستحسان ثمنی کی شرح شمس الائمہ حلوانی نے کی ہے یہ وہی شرح ہے (۱۰۸) شرح الزیادات للعتابی، امام ابو القاسم احمد بن محمد العتابی متوفی ۵۸۶ھ کی تصنیف ہے جو زیر نظر موضوع پر بے نظیر ہے (۱۰۹) کتاب رزین (۱۱۰) البحر الزاخر، سراج الوہاج جو مختصر القدوری کی شرح ہے، یہ کتاب اسی کا خلاصہ ہے (۱۱۱) فصول الاستروشنی، امام مجد الدین ابو الفتح متوفی ۶۳۲ھ کی تالیف ہے (۱۱۲) فتاوی فضلی، ابو عمر عثمان الفضلی متوفی ۵۰۸ھ (۱۱۳) فوائد العلامۃ شیخ الاسلام برہان الدین (۱۱۴) فوائد نظام الدین (۱۱۵) فتاوی نسفی، نسفی مشہور فقیہ ہیں (۱۱۶) فتاوی الجمذی، اپنے وقت کے تمام مشائخ کے فتاوی کو جمع کر دیا ہے (۱۱۷) نوادر بن سماعہ (۱۱۸) الواقعات الصاحب (۱۱۹) الاسعاف، برہان الدین ابراہیم بن ابی بکر الطرابلسی م ۸۴۳ھ نے اس میں اوقاف کے تمام مسائل اور جزئیات جمع کر دیئے ہیں (۱۲۰) فتاوی رشید الدین (۱۲۱) شرح ادب القاضی، غالباً صدر الشہید کی شرح مراد ہے (۱۲۲) فتاوی آہو جس کا دوسرا نام فتاوی صیرفیہ بھی ہے (۱۲۳) المستصفی شرح النافع (۱۲۴) فتاوی ابی الفتح غالباً مجد الدین ابو الفتح م ۶۳۲ھ کے فتاوے مراد ہیں،

ماخذ کی یہ فہرست سرسری مطالعہ سے تیار کی گئی ہے، مزید تلاش و تفحص سے ممکن ہے کچھ اور نام بھی مل جائیں، تاہم اس سے تقریباً اندازہ ہو گیا ہوگا کہ فتاوی کی تالیف میں کس قدر اہتمام تلاش و جستجو اور تحقیق سے کام لیا گیا ہے،

عالمگیری کا سنہ تصنیف فتاوی عالمگیری کے سنہ تصنیف کی یقینی تعیین کرنا تو بہت مشکل ہے لیکن ذیل کے بیانوں سے اس پر کچھ روشنی پڑتی ہے، عالمگیر نامہ کا مصنف عالمگیر کی حکومت کے گیارہویں سال کے واقعات میں لکھتا ہے:

"چوں ہمگی ہمت والا نہمت شریعت پیرائے آں خدیو دین پرور حق پژوہ مصروف است باآنکہ

کافۂ مسلمین و احکام دین متین بسائے کہ اکابر علماء و ائمۂ مذہب شریف حنفی بداں فتویٰ دادہ معمول بہا معمول علیہا دانستہ عمل نماید ..... مجموع آں را یک کتاب حاوی نیست ..... لاجرم بہ ضمیر منور و رامور دین و دولت بفتوی الہام کارگذار است پرتو ایں عزیمت تافت کہ جمعے از علمائے پایۂ سریر اعلیٰ کتب معتبرہ نسخ مبسوطہ آں فن را کہ در کتاب خانۂ فاضلہ شہر بقیہ بروزگاراں از اطراف واکناف عالم فراہم آمدہ جلوہ گاہ انظار تتبع ساختہ از زردی تحقیق و تدقیق و خوض و غور انیق بجمع تالیف آں مسائل پردازند و از مجموع آں نسخۂ جامعہ مرتب سازند تا ہمگناں را انکشاف مسئلہ مفتی بہا در ہر باب بمراجعت آں کتاب بسہولت و آسانی دست دہد ..... چوں آں کتاب مستطاب صورت اتمام گیرد و پیرایۂ اختتام پزیرد جہانیاں را از سائر کتب فقہی مغنی خواہد بود۔"[۵۲]

مراۃ العالم میں ہے،

"چنانچہ قریب دو لکھ روپیہ صرف لوازم این کتاب مستطاب کہ زیادہ از یک لکھ بیت باشد شدہ، انشاء اللہ ہر گاہ آرایش تمام و پیرایہائے اختتام یابد جہانیاں را از سائر (کتب) فقہی مغنی خواہد بود۔"[۵۳]

ان بیانات سے اتنا معلوم ہوتا ہے، کہ ۱۰۸۳ھ میں جو عالمگیر کی حکومت کا گیارھواں سال ہے، اس سے کچھ پہلے فتاوی کا کام شروع ہو چکا تھا، مگر "چوں آں کتاب صورت اتمام گیرد و پیرایۂ اختتام پزیرد" یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ابھی اس کی تکمیل نہیں ہوئی تھی،

---

۵۱ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عالمگیر کا ذاتی کتبخانہ تھا جو بڑی کوشش سے جمع کیا گیا تھا جس میں فقہ کی تمام متداول کتابیں موجود تھیں ۵۲ عالمگیر نامہ ص ۱۰۸۵ ۵۳ قلمی نسخہ دار المصنفین یہ کتاب بھی عالمگیر کی حکومت کے ابتدائی دس گیارہ سال کے واقعات پر مشتمل ہے،

اگر ۱۰۷۵ھ یا ۱۰۷۶ھ کو اس کی تالیف کا زمانہ قرار دیکر اسی کے ساتھ اس مشہور روایت کو بھی ملا لیا جائے کہ اسکی تالیف میں آٹھ برس کی مدت صرف ہوئی تو اس کی تکمیل کا زمانہ ۱۰۸۵ھ یا ۱۰۸۶ھ قرار پائیگا،

فتاویٰ کا فارسی ترجمہ | کتاب عربی میں لکھی گئی تھی، اس لئے عام لوگ اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے، انکی آسانی کے لئے اورنگ زیب نے چلپی عبداللہ اور ان کے چند شاگردوں کو اس کے فارسی ترجمہ کے لئے مامور کیا،

مراۃ العالم میں ہے،

"برائے سہولت ہمگنان ... چلپی عبداللہ ... با چند تلامذہ بمترجم نوشتن این بفارسی مامور شد" (ص ۲۷۵ قلمی نسخہ)

تبصرۃ الناظرین میں ہے،

"چلپی عبداللہ بہ ترجمہ آں (عالمگیری) مامور بود[۵۳] (ص ۱۰ قلمی نسخہ)

مگر یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ یہ ترجمہ پورا بھی ہوا یا نہیں اور نہ اس کے وجود کا کوئی سراغ لگ سکا،

فتاویٰ کے مؤلفین کی صحیح تعداد کی تعیین مشکل ہے تلاش و تفحص سے سولہ آدمیوں کے متعلق تذکروں میں یہ تصریح مل سکتی ہے کہ وہ اسکی تالیف میں شریک تھے، جن کے حالات درج ذیل ہیں،

شیخ نظام برہان پوری | نظام نام، برہان پور (گجرات) وطن تھا، ابتدائی حالات اور خاندان کے متعلق تذکروں میں اور کوئی تصریح نہیں ہے،

قاضی نصیر الدین برہان پور کے مشہور مجتہد اور متبع سنت عالم تھے، زیادہ تر انہی کی خدمت میں شیخ کی تعلیم و تربیت ہوئی اور استاذ کی توجہ اور نسبت سے خود بھی بڑے وسیع العلم مبتحر عالم ہوئے[۵۴]،

عالمگیر کو شاہزادگی کے زمانہ میں جب دکن کا انتظام سپرد ہوا تو وہیں شیخ نظام سے ملاقات ہوئی اور ان کو اپنے دامن دولت سے وابستہ کر لیا اور پھر آخر وقت تک جدا نہیں کیا، شیخ نے اپنی استعداد و قابلیت

---

[۵۱] معارف نمبر ۴ جلد ۹ مضمون "عالمگیر کا علمی ذوق" سید صباح الدین جیسا لیگ [۵۲] اقتباس فرحۃ الناظرین [۵۳] تذکرہ علمائے ہند

سے حکومت کے بڑے سے بڑے عہدے اور مرتبے حاصل کئے[1]،

عالمگیر کی کوئی علمی و سیاسی مجلس مشکل سے شیخ نظام کی شرکت سے خالی ہوتی تھی، صاحب مآثر عالمگیری نے متعدد جگہ انکا تذکرہ کیا ہے[2]، عالمگیر ان کا اتنا احترام کرتا تھا کہ دربار کے آداب و تسلیم کی پابندی سے مستثنیٰ تھے، محبوب الالباب میں ہے،

"از کورنش و تسلیم و دیگر تکالیف نوکری معاف بود (ص ۵۱۶)

جب فتاوی عالمگیری کی ترتیب و تالیف کے لئے علماء کی جماعت منتخب ہوئی تو اس کی صدارت شیخ نظام کو تفویض ہوئی، عالمگیر نامہ کا مصنف "فتاویٰ عالمگیری" کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے،

"و سرکردگی و اہتمام ایں مہم صواب انجام بفضیلت مآب شیخ نظام کہ جامع فضائل معقول و منقول است تفویض یافت" (ص ۱۰۸)

مراۃ العالم اور مآثر عالمگیری میں ہے،

"و سرکردگی ایں مہم اہم بعقدۂ انام شیخ نظام تفویض یافت" (ص ۲۷۴)

تذکرۂ علمائے ہند میں ہے،

"در فتاویٰ عالمگیری سعی فراواں نمود"

شیخ عبدالرحمٰن بحراوی جن کی تصحیح کے بعد تیسری بار فتاویٰ عالمگیری ۱۳۱۰ھ میں مصر سے شائع ہوئی ہے، اپنے مختصر سے مقدمہ میں لکھتے ہیں،

"و جعل رئیسهم فی ذلک المولیٰ الهمام الشیخ النظام"

زمانۂ وفات کے متعلق کوئی تصریح تذکروں میں نہیں ملتی، اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اسّی برس سے زیادہ کی عمر پائی، محبوب الالباب میں ہے،

---

[1] اقتباس فرحۃ الناظرین از تذکرہ علمائے ہند، مآثر عالمگیری ص ۲۰۸ [2] مآثر عالمگیری ص ۸۳، ص ۲۰۸، ص ۲۷۵ قلمی نسخہ دارالمصنفین

"ہنگام تحریر کتاب مرأۃ العالم عمر شریف شیخ مزبور از ثمانین متجاوز بود تاریخ وفات شیخ دیدہ نہ شد" (ص ۵۱۶)

محمد سائی مستعد خاں نے ان کے پسماندگان میں چار لڑکوں ملک منور، شیخ لاڈ، شیخ عبداللہ اور شیخ ابوالخیر کا ذکر کیا ہے، ان میں تین یعنی ملک منور، شیخ لاڈ اور شیخ عبداللہ شاہی خطابات کے علاوہ منصب چار ہزاری سے بھی سرفراز تھے[1] اور شیخ ابوالخیر داروغہ جائے نماز تھے[2]

میر سید محمد قنوجی محمد نام، اور میر خطاب تھا، قنوج کے باشندے عہد عالمگیری کے مشہور اور وسیع العلم علماء میں تھے، ریاضی و ادب میں خاص دستگاہ رکھتے تھے شاہجہاں نے بڑی تعظیم و اکرام کیسا تھ انھیں دربار میں بلایا اور اپنے مقربین خاص میں شامل کیا[3] شاہجہاں کے بعد جب عالمگیر تخت نشین ہوا تو اس نے بھی ان کے ساتھ وہی برتاؤ قائم رکھا، اور جب اکبرآباد سے دلی آیا تو انھیں بھی اپنے پاس بلالیا،

عالمگیر کو امام غزالی کی تصنیفات، خصوصاً احیاء العلوم سے بڑا شغف تھا اس نے امام کی اکثر کتابیں سید محمد قنوجی کی زیر نگرانی اور ان کی مدد سے مطالعہ کی تھیں، تذکرہ علماے ہند میں ہے،

"مصنفات حجۃ الاسلام غزالی خصوص احیاء العلوم بتبیین وے (سید محمد) دیدہ" (ص ۲۱۵)

ہفتہ میں تین دن عالمگیر کی مخصوص علمی مجلس ہوتی تھی جس میں لوگ میر صاحب سے استفادہ کرتے تھے، تذکرہ علماے ہند میں ہے،

"در ہفتہ سہ روز بمذاکرۂ علوم در خدمت شاہی مجلس افادہ گرم داشتی" (ص ۲۱۶)

ان کو دربار میں بھی کافی درخور حاصل تھا، عالمگیر کی ہر مجلس میں وہ شریک ہوتے تھے، شاہزادہ اعظم کا نکاح انہی کی وکالت میں ہوا تھا[5] ۱۰۹۱ھ میں عالمگیر اودے پور اور اجمیر کی مہم میں گیا، اور وہاں کے سیاسی حالات کی وجہ سے اسے کئی مہینہ رک جانا پڑا، اس لئے سید محمد قنوجی نے اجمیر جاکر

---

[1] مآثر ص ۱۱۲ [2] ایضاً ص ۱۱۳ [3] تذکرہ علماے ہند ص ۲۱۵ [4] ایضاً ص ۵ [5] اردو ترجمہ مآثر عالمگیری ص ۵۲ [6] مآثر ص ۱۲۵،

عالمگیر سے ملاقات کی، اس نے انکا بڑا اعزاز و اکرام کیا اور ایک ہزار نقد اور میووں کے دو خوان تحفہ میں پیش کئے[1]،

جب فتاویٰ عالمگیری کی تالیف کے لئے علماء کا انتخاب ہوا تو قرعۂ انتخاب ان کے نام بھی پڑا، چنانچہ اس کی تکمیل میں ان کا بھی کافی حصہ تھا، تذکرۂ علماے ہند میں ہے،

"در تالیف فتاویٰ عالمگیری مساعی جمیل بکار بردہ" (ص۲۵)

وفات کے متعلق کوئی تصریح تذکروں میں نہیں ملتی، صاحب مآثر عالمگیری ۱۱۰۹ھ کے واقعات کے ضمن میں لکھتا ہے،

"سید شریف پسر قدوۃ المشایخ میر سید محمد قنوجی استاذ اعلیٰ حضرت فردوس آشیانی (شاہجہاں) جو فضل و کمال، عقل و شعور میں مشہور و معروف تھے، کرورہ گنج کی خدمت میں مامور ہوے" (ص۲۰۶)

اس بیان سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ ۱۰۹۷ھ سے پہلے وفات پا چکے تھے، مآثر عالمگیری نے ضمناً ان کے دو لڑکوں سید شریف و سید احمد کا ذکر کیا ہے، سید شریف کرورہ گنج کی خدمت پر مامور تھے[2]، اور سید احمد قاضی محمد حسین کے انتقال کے بعد عہدۂ احتساب پر سرفراز ہوئے،

تلامذہ میں مولوی اصغر علی قنوجی بڑے صاحب علم اور صاحب تصنیف گذرے ہیں[3]،

ملا محمد جمیل | جون پور کے ایک علمی خانوادہ میں ۱۰۵۵ھ میں پیدا ہوئے، ان کے دادا ملا شمس نور اور والد ملا عبد الجلیل اور دو چچا ملا صادق اور ملا خلیل اپنے زمانہ کے ممتاز علماء میں تھے، اسی ماحول میں ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت ہوئی اور اسی علم پرور فضا میں پروان چڑھے،

ابتدائی عربی و فارسی تعلیم کے بعد علامہ دیوان عبد الرشید (جو اپنے وقت کے مفتی عنایت احمد تھے)

---

[1] مآثر ص۱۲۱ [2] ایضاً ص۲۰۶ [3] تذکرہ علماے ہند ص۱۰۰ ان کی چند تصنیفات یہ ہیں تصوف میں اللطائف العلیہ، تبصرۃ المدارج، تفسیر میں ثواقب التنزیل اور اس کے علاوہ فصوص الحکم کی شرح اور کئی عربی قصیدے انکی یادگار ہیں،

سے مختصر المعانی اور شرح وقایہ وغیرہ پڑھی پھر مولانا نورالدین مداری کے درس میں شریک ہوئے، ان سے درسی کتابوں کے علاوہ انوار علوم خاص طور سے پڑھنی شروع کی، ابھی کتاب ختم نہیں ہوئی تھی کہ استاذ نے وفات کی، شاگرد نے کتاب کے ختم نہ ہونے پر افسوس کا اظہار کیا، استاذ نے فرمایا کہ اب تمھیں درس کی ضرورت نہیں ہے، مطالعہ کافی ہے[1]

ملا جمیل طالب علمی کے زمانہ ہی سے ذہانت و طباعی میں ضرب المثل تھے، نہایت حاذ طبیعت پائی تھی ایک مرتبہ مطول[2] کی کسی دقیق عبارت کا مطالعہ کرکے اپنے استاذ مولانا نورالدین کی خدمت میں گئے اور اس عبارت کا مطلب وضاحت سے بیان کیا، استاذ نے فرمایا کہ اس عبارت کا مطلب آج میں نے تمھاری تشریح سے سمجھا[3]

ملا جمیل کی فطانت اور ذہانت کی وجہ سے ان کے اساتذہ ان کو ملا جلال اور میر شریف کہا کرتے تھے جس وقت وہ دہلی گئے تو سارے علماء پر ان کی ہیبت طاری ہوگئی، مشاہیر جونپور میں ہے،

"آنچناں جودت ذہن بود کہ اگر یک بار متن کسے کتاب بیند حاجت حاشیہ نہ افتد، ہر مطالب دقیق کہ پیش آید فوراً بقوت ذہن حل گردد، بارہا استادش فرمودی کہ ملا جمیل را مماثل علامہ میر شریف و ملا جلال گفتن بجانیست، وقتیکہ ملا جمیل وارد دہلی شد، شہرۂ فضیلتش چناں شائع گردید و ہیبتش طاری (طاری) شد کہ ہر درس کہ رسیدے درس موقوف گشتے روزے در مدرسہ ملا لطف اللہ دہلوی رفت دریک سطر ہفت یا ہشت شبہات پیش نمود، ملا لطف اللہ از جوابش عاجز آمدند"[4]

ان کی زندگی کا عزیز ترین مشغلہ درس و تدریس تھا، چنانچہ تعلیم سے فراغت کے بعد ہی مسند درس پر بٹھادیے گئے، اور تشنگان علم ان کے چشمۂ فیض سے سیراب ہونے لگے، مشاہیر جونپور میں ہے،

"عالم جملہ علوم کردید و درس گفتن آغاز کرد و چناں شد کہ بہ زمرۂ علمائے مشاہیر پیوست و علم کتابی برافراشت بسیاری طلبہ از دوشان فاتحہ فراغ خواندند"[5]

---

[1] مشاہیر جونپور ص ۵۲ [2] معانی و بیان کی ایک کتاب [3] مشاہیر جونپور ص ۵۳ [4] ایضاً ص ۵۴

جونپور کے محلہ مفتی میں ایک بہت وسیع اور پختہ خانقاہ اور ایک مدرسہ تعمیر کرایا تھا، اور خود اس میں درس دیتے اور اصلاح باطن کرتے تھے، سید نورالدین اس معہد علمی اور روحانی کی بربادی پر بڑی حسرت سے لکھتے ہیں،

"چون زمانہ دگرگوں شد اکنوں آثاری ہم باقی نہ ماند جز اینکہ برایں سرزمین کہ پیش دروازہ شاہ طفیل حسین است کشت کاری می شود و چشم بصیرت مشاہدہ منجاروبنا می کند (ص ۸۹)"

ان کے تلامذہ کی تعداد بہت ہے لیکن ان میں مولوی نظام الدین اورنگ آبادی، مولوی نورالہدیٰ منیجوی اور ملا نورالدین جعفر غازی پوری زیادہ مشہور ہیں،

اصلاح باطن مشاہیر جون پور میں سے ہے،

علاوہ فضائل صوری صاحب کمالات باطنی ہم بود و بیعت و ارادت از دیوان عبدالرشید آورد (ص ۹۰)

اٹھتر برس کی عمر پاکر ۲ رجب ۱۱۲۳ھ میں وفات پائی اور اپنے والد ملا عبدالجلیل کی قبر کے پہلو میں سپرد خاک کئے گئے، ذیل کی رباعی سے تاریخ وفات نکلتی ہے،

مُرد ملا جمیل علمش مرد — خانہ باقی نہ صاحب خانہ

بہر تاریخ فاضلِ نامی — از فضیلت ربود افسانہ

پسماندگان میں تین صاحبزادوں کا ذکر صاحب مشاہیر جون پور نے کیا ہے، مولوی غلام معین الدین عرف شاہ امید علی، شاہ طفیل حسین و شاہ تمیم الحسن[1]،

ان کی اصل علمی یادگار تو تلامذہ کی وہ کثیر تعداد ہے جن کے ذریعہ ہزارہا تشنگانِ علم سیراب ہوئے ان کے علاوہ کچھ قلمی یادگاریں بھی ہیں جن سے اہل علم آج بھی مستفیض ہو سکتے ہیں،

آپ نے مطول شرح جامی کے ایک باب عطف اور بہت سی دوسری کتابوں پر حاشیے لکھے، اس کے علاوہ دو رسالے، ایک فقہ اور ایک تصوف میں تنبیہات جمیلی تحریر کئے لیکن سب سے بڑا زندہ جاوید کارنامہ فتاویٰ عالمگیری

[1] تیسرا نام صاف طور سے پڑھا نہیں گیا،

کی تصنیف میں شرکت ہے، مشاہیر جونپور میں ہے،

"وقتیکہ عالمگیر بادشاہ دہلی جہت نمود فتاویٰ منسوب باسم خود فضلائے نامور ان دیار ہند طلبید از جون پور ملا جیل را برچیدہ ایشاں را بخود خواستہ شریک مجمع اجتماع نمود (ص ۸۸)

قاضی محمد حسین جونپوری | جون پور کے باشندے اور اپنے وقت کے ممتاز علماء میں تھے، فرحۃ الناظرین میں ہے

"از علم وفضل بہرہ وافر داشت (ص ۸۲)"

شاہجہاں کے عہد میں جون پور کے قاضی تھے، عالمگیر کے عہد میں الہ آباد کے قاضی مقرر ہوئے، جلوس عالمگیری کے ساتویں سال دربار شاہی میں حاضر ہوئے، عالمگیر نے انعام واکرام کے علاوہ فوج کا عہدۂ احتساب بھی ان کے سپرد کر دیا اور اس کے بعد سے برابر وہ اسی خدمت کو انجام دیتے رہے، محبوب الالباب میں ہے،

"وخدمت احتساب عسکر خلعت امتیاز پوشید ورفع مناہی وترویج احکام رسالت پناہی وقع آلات ملاہی کوشش وارادہ بکار برد" (ص ۵۱۶)

بختاور خاں پر جو عالمگیر کا بہت مقرب امیر تھا قاضی صاحب اور اُن کے علم وتقویٰ کا بڑا اثر تھا، عالمگیر سے بھی ان کے علم وفضل دیانت وتقویٰ کی تعریف کرتا تھا، ۱۰۷۹ھ میں عالمگیر نے ان کو عہدۂ احتساب کے علاوہ اور بھی مناصب ومراتب عطا کئے، مآثر عالمگیری میں ہے،

"بادشاہ ہنر پرور نے ان کو ایک صدی منصب دار مقرر فرمایا، رفتہ رفتہ حسین علی خاں نے اعانت وامداد اور اپنی سلیقہ شعاری سے مرتبہ امارت خانی پر سرفراز ہو کر دنیا سے رخصت ہوئے" (ص)

ان کے ان کمالات کی بنا پر انکو بھی فتاویٰ عالمگیری کی تالیف میں شریک کیا گیا، اور اس کی تکمیل میں ان کا بڑا حصہ ہے، تذکرۂ علمائے ہند میں ہے،

"در تالیف فتاویٰ عالمگیری بسے سعی نمودہ" (ص)

محبوب الالباب میں ہے،

"یک ربع فتاوی عالمگیری تالیف نمودہ" (ص۲۵)

مآثر عالمگیری کے بیان سے سنہ وفات ماہ ذیقعدہ ۱۰۸۰ھ ظاہر ہوتا ہے، چنانچہ اس سنہ کے واقعات کے ضمن میں لکھتا ہے

"قاضی محمد حسین کے انتقال کی وجہ سے سید احمد پسر سید محمد قنوجی کو خدمت احتساب عنایت ہوئی" (ص۲۵)

ارباب تذکرہ نے اولاد و پسماندگان کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے اور نہ فتاویٰ کے علاوہ کسی دوسری علمی یادگار کا کوئی علم ہے

شیخ وجیہ الدین گوپامئوی | اودھ کا مشہور اور مردم خیز قصبہ گوپامئو ان کا وطن تھا، نہایت ہی ذہین ذکی اور رضات یافتہ تھے، علم و فن کے علاوہ تحریر و تقریر میں بھی ملکہ تھا، علم معانی و بیان میں بے نظیر تھے، فرحۃ الناظرین میں ہے،

"خصوصاً در علم معانی و بیان عدیم المثال عصر بود" (ص۲۵)

شیخ جب دلی گئے تو پہلے پہل داراشکوہ سے ان کا علمی تعلق رہا، داراشکوہ کی وفات کے بعد عالمگیر کی حکومت کے نویں سال یعنی ۱۰۷۷ھ میں عالمگیر کے دربار میں حاضر ہوئے، اس نے حسب مرتبہ ان کی بڑی توقیر کی، اور منصب و مراتب سے بھی سرفراز کیا،

فتاویٰ عالمگیری کی تالیف میں عالمگیر نے ان کی خدمات بھی حاصل کیں، محمد اسلم کے بیان کے مطابق ایک چوتھائی کام ان کے سپرد کیا گیا،

"بہ ترتیب و تالیف ربعی از فتاویٰ عالمگیری مامور شدند"[1]

فتاویٰ کی تالیف میں ان کے کام کی نوعیت و اہمیت کا اندازہ ذیل کی عبارت سے بھی ہوتا ہے، زمخشری کی قسطاس کا ایک قلمی نسخہ خدا بخش خاں کی لائبریری میں ۱۲۰۰ھ کا لکھا ہوا موجود ہے، اس پر شیخ وجیہ الدین کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کوئی عبارت ہے، کاتب اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے،

"عبارت منقول از دستخط مولانا وجیہ الدین رئیس علمائے فتاوی عالمگیری"[2]

اس عبارت کے آخری ٹکڑے سے معلوم ہوتا ہے کہ فتاویٰ کی تالیف میں ان کا کافی حصہ تھا، اور نہیں اس میں کوئی امتیازی حیثیت حاصل تھی، (باقی)

---

[1] تبصرۃ الناظرین [2] فہرست مخطوطات فقہ پٹنہ خدا بخش خاں لائبریری،

دو کمیاب کتابیں

از جناب مولوی سید مقبول احمد صاحب صمدنی

جنوری ۴۶ء کے معارف میں محترمی سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب نے حضرت شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی قدس سرہ العزیز کے حالات میں اُن کے ایک صحیح الارادت معتقد کا تذکرہ فرمایا تھا، جو زاد المسافرین اور نزہۃ الارواح وغیرہ کے مصنف تھے، ان کا متعارف نام تو امیر حسینی تھا لیکن اصل اور بڑا نام یا لقب ہر تاریخ نویس اور تذکرہ نگار نے کم و بیش مختلف لکھا ہے، تفصیل صفحہ ۴۶ پر ملے گی، صاحب سیر العارفین نے امیر کی مجملہ متعدد تصانیف کے نظم میں زاد المسافرین اور نثر میں نزہۃ الارواح کا نام لیا ہے، سید مکرم نے نزہۃ الارواح کے ایک قلمی نسخہ کا موزۂ برطانیہ میں موجود ہونا ارقام فرمایا ہے،

صمدن (موطن سادات) میں ان میں سے بعض کتابوں کے موجود ہونے کا مجھے علم تھا، میری طلب و خواہش پر برادر زادہ عزیز سید انیس احمد متعنا اللہ بطول حیاتہ ان کو لے کر میرے پاس آئے، میں نے ان کو دیکھا ان میں دونوں کتابیں موجود تھیں مگر متنوع اشغال سے ان کے متعلق کچھ لکھنے پر معذور رہا، ذیل کے سطور میں انہی کے متعلق کچھ تفصیل پیش کرتا ہے،

(۱) زاد المسافرین:۔ یہ مختصر سی مثنوی امیر کبیر سید حسینی ہروی کی قابل عزت تصنیف ہے جن کی نسبت استعارہ کی زبان فتویٰ دے چکی ہے،

چشم دولت ز سواد قلشں گشتہ منیر　　باغ دانش ز سحاب کرمش گشتہ نضیر

زاد المسافرین کمیاب کتابوں میں سے ہے، اپنے شدید مگر ناکام شوق مطالعۂ کتب قدیمہ اور محدود معلومات لیکن وسیع تلاش پر نگاہ ڈال کر مجھے بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ کتاب عزیز الوجود ہے، پیش نظر نسخہ انتخاب حدیقہ کے ہم جلد نور چشم سید انیس احمد کا حاصل کردہ و مملوکہ ہے، جن کو بیش قیمت قلمی کتابوں کے فراہم کرنے کا خاص سلیقہ اور ان پر طالبعلمانہ دست و برد و تصرف میں ید طولیٰ حاصل ہے، آثار یہ کہتے ہیں کہ شروع ہی میں کسی شوقین و خوش فکر خوش حال کی ملک میں رہا ہوگا، جلد پر ابری یا چمڑے کی زیبائی ارغوانی رنگ کی کاشانی مخمل نے پائی ہے، جس پر باہر کی جانب سفید جدول یا اکہری دھاری تھی، یا کوئی نازک سی باریک بیل رہی ہو، مگر اب مٹ چکی ہے، پٹھا کوٹے ہوئے کاغذ کی لُدی سے بنا تھا، کیڑوں کی ترک تاز سے مشبک اور خاک و خاکستر ہو رہا ہے، عمر پوری ہو چکی، پھول کی پنکھڑیوں کی طرح دفینہ کے جڑا خود بخود بکھرتے چلے جاتے ہیں، کاغذ ولایتی، چکنا، چمکدار، تقطیع اوسط کتابی، تعداد صفحات ۴۶ ہے، سطریں فی صفحہ ۱۸ حوضہ میں اور ۲۸-۲۸ مصرعے حاشیہ پر، جدول دہری خوش نما، نظر فریب، لکیریں نیلی اور سیاہ اور سنہری، مصنف اور کاتب کے نام سے پوری کتاب خالی ہے، حالانکہ کئی ورق اسی اہتمام و تکلف سے تیار کئے ہوئے آخر جلد میں سادہ لگا دئے گئے ہیں، انتخاب حدیقہ اور اس کے آخری صفحہ کی آخری سطر کے ساتھ ورق الٹ جاتا ہے اور بلا کسی فصل و افتراق کے پہلی ہی سطر میں شنجرف سے زاد المسافرین لکھا ہوا جلوہ افروز ہوتا ہے، دوسری سطر خدائے رحمان و رحیم کے پاک نام اور اچھی شوخ سیاہی سے شروع ہوتی ہے، مثنوی کا خاتمہ اس شعر پر ہوتا ہے ؎

در ہفصد و بست و نہ ز ہجرت گشت آخر ایں کتاب تمت

معارف نے "ایں کتاب خمت" لکھا ہے، میرے نسخہ نویس نے تمت، اسی طرح پہلے مصرع کو معارف میں "ہفت صد و بست و نہ" چھاپا ہے، میرے نسخہ میں ہفصد و بست و نہ ہے، شاید شعر کا

وزن بھی ہفت کی ت گرا دینے کا متقاضی ہے، ممکن ہے کہ الفاظ کا یہ ردوبدل تذکرۂ دولت شاہ کے دخل در معقولات کرنے والے کاتب کے قلم کا ثمرہ ہو، جہاں سے مولانا نے اس کو نقل فرمایا ہے ایسے اختلافات اور لفظی تغیرات معارف کے نقل کردہ چوبیس اشعار اور اس مکتوبہ میں جا بجا نظر آتے ہیں، شعروں کا بے تکلفانہ تبادلہ اور کمی وبیشی بھی نمایاں ہے، مگر اس کا اثر نفس مضمون یا ادائے مدعا پر نہیں پڑتا،

شیخ صدرالدین (سید حسین) نے اس کتاب کو اپنے بزرگ مرشد شیخ بہاءالدین زکریا کے آستانۂ فیض گنجینہ پر ملتان میں بیٹھ کر لکھا تھا، اور حضرت نے اس کو بغور ملاحظہ فرمانے کے بعد اس مستودہ صفات ناظم کی تحسین و آفرین فرمائی تھی، مولانا صباح الملۃ والدین کے روبرو اصل کتاب نہ تھی تاہم موصوف نے اس کے متعلق علمی و عملی سرمایہ اور ظاہری و باطنی کمالات و کرامات سے مالا مال ذخیرہ فراہم کر دیا ہے، عجائب خانہ برٹیانیہ اور کتب خانہ شاہانِ اودھ کی فہرستوں اور یار اللہ اور تلامیذ الرحمٰن کے تذکروں سے اقتباس و التقاط فرما کر بقدر ضرورت سب کچھ لکھ دیا ہے (معارف جنوری ۱۹۴۶ء صفحات ۴۶ بغایۃ ۵۱)

مجھے ان کے اعادہ و بازخوانی کی ضرورت نہیں ہیں صرف ان ہی چند باتوں کو حوالۂ قلم کرنا چاہتا ہوں، جو مولانا کے خامہ عنبر افشاں کے رشحات سے فیض یاب نہ ہو سکیں، اور اس کم سواد و بے استعداد کے لئے خود بخود چھوٹ گئی ہیں، مولانا کا یہ خیال بالکل صحیح ہے، کہ سید علیہ الرحمۃ کی اور تصانیف کی طرح زاد المسافرین کا موضوع سلوک و طریقت و معرفت ہے،

سب سے پہلے اپنی اس بے باکانہ جرأت اور گذارش کا عذر خواہ ہوں، کہ شیخ کے طریق بیان اور طرز خاص یا صوفیانہ تعلیمات کا اندازہ کرنے کے لئے جس حصۂ مثنوی کا انتخاب دو ناقد باکمالوں یعنی دولت شاہ نے تذکرہ میں اور آذر نے آتش کدہ میں فرمایا ہے، وہ ایک حکایت ہے، بجائے خود وہ کیسی ہی دلچسپ و سبق آموز سہی تاہم اس ناقص الفہم تبصرہ نگار کے نزدیک اس کے اشعار میرے

بہترین کلام یا زادالمسافرین کے زیادہ بلند و برتر یا شیریں ترین ابیات میں شمار نہیں ہو سکتے۔

مثنوی کا آغاز حمد باری تعالیٰ شانہ سے کیا جاتا ہے، پروردگار عالم و عالمیاں کے حضور میں اسکی نعمتوں اور رحمتوں کا اقرار و اعتراف کرتے ہوئے انبیاء و رسل علیہم السّلام کی حیرانی و سرگردانی کا ذکر فرماتے ہیں اور بلاشبہہ بڑی قابلیت اور عالمانہ فضل و کمال کے ساتھ اس صحیفۂ رشد و ہدایت اور وحدت پرستی کی تعلیم کا آغاز فرماتے ہیں، حتّٰی کہ نعت شریف و مناقب ابرار و اطہار کی منزلیں طے کرنے کے بغیر ہم ایسے نااہل دنیاداروں سے خطاب ہوتا ہے،

بشنو پسر ایں حالت — علم وجد است قیل و قالت
علمے کہ خدائے داں شوی تو — ایں نیست کجا ہمی دوی تو،
آں علم طلب کہ با تو ماند — واں دم کہ ترا ز تو رہاند
آں علم فریضہ تا نہ خوانی — تحقیقِ صفاتِ حق نہ دانی
اے طبع و ہوا معلم تو، — تا کی لکم و لا نسلم تو
خود را بگذار کردۂ گرم — آخر ز خدا نیایدت شرم
از خود بخدا مرد بتاویل — تشبیہ کن بوجہ تسہیل،
زنہار بحجتِ قیاسی — عزہ نشوی بحق شناسی

اس کے بعد مقالات شروع ہو جاتے ہیں اور ان مقالات کے دور یا ذیل میں متعدد حکایات قصیر و طویل بھی آتی جاتی رہتی ہیں،

پہلا مقالہ جس کو خوشنویس نے "مقالات اوّل" لکھدیا ہے۔ حق سبحانہ تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس اور سالک کو ریاضت و مجاہدہ کی تلقین و تشویق میں ہے، اس میں بھی وہی خطیبانہ رنگ اور واعظانہ انداز بیان قائم رکھا ہے، فرماتے ہیں:۔

ہندو کہ ہمیشہ بت پرستد ہر صبح دعات می فرستد
جز ذکر تو نیست در زبانش زنار وفاست در میانش
ایں جملہ ز دین و ملت خویش جز تیر غمت ندیدہ در کیش

اس کے آگے وہ شعر آجاتا ہے جو مشہور عام اور مقبول خاص ہو چکا ہے اور جس کی نسبت مجھے شبہہ ہے کہ کسی اور باکمال ہنرمند کا ہے، یعنی

مرغانِ چمن بہر صباحے خوانند ترا با صطلاحے

مرغان چمن کی کچھ تفصیل بھی موجود ہے،

چوں فاختہ ہر کہ در جہان است کوکوزنِ کوے تست پیوست

دوسرا مقالہ فضیلت و شرف انسانی کی بحث میں ہے، غفلت و نادانی پر سرزنش، اس میں فارسی زبان کی سلاست و لطافت کے ساتھ ساتھ بعض غیر معمولی عربی الفاظ یا ناموس کلے بھی کہیں کہیں آگئے ہیں، اس کی پہلی حکایت ملاحظہ ہو،

موسیٰ ز مئ فراق محمود مستانہ دوید بر سر طور
گفت اے ز تو بود ہر چہ بودہ مارا بتو ہم تو رہ نمودہ،
گر نزد منی بکجات جویم تا با تو حدیثِ خویش گویم
در دور تری بر آرم آواز باشد کہ بخود درم کنی باز
بشنو تو ز ہا ستقے جوابے کے از تو بہ پیش تو نقابے
ایں جائے حوالہ نیست بگذار من با تو ام از خودم طلبدار
افتادنِ مہرہ ہا بشش در اینجا بود اے حریف بنگر
شاہانِ جہاں دریں خیالات بر نطع غمند جملگے مات

از غایتِ قرب در دوراست | ہر مرغ بہ دانۂ جو راست
ایں آتشِ ما چگونہ میرد | کیں درد دوا نمی پذیرد
یادآر ز خود کہ نیست یادت | بے شرم کسے کہ شرم بادت

تیسرا مقالہ طریقت اور سلوک کی کیفیت میں ہے،

چوتھا ارشاد و معاملت میں، اس میں سالک طریقت کی توصیف میں ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے، حکایتیں کئی ہیں "رسیدن سالک بہ نفس دل" پہلی ہے،

ایک حکایت وہ بھی ہے جس کو دولت شاہ اور آذر نے نقل کیا ہے، یعنی

ایں طرفہ حکایت ست بنگر

پانچویں مقالہ میں عشق اور اُس کے مرتبہ کا بیان ہے، اپنے مخصوص رنگ میں پورے زور کیساتھ لکھا ہے،

چھٹا مقالہ معرفت نفس انسانی اور اُس کی صفت میں ہے،

ساتویں میں معرفت کا بیان اور اسکی تحقیق ہے اور خوب ہے،

آٹھویں مقالہ کا عنوان ہے "دربیانِ حال شرف باد شرف می رسد"، یہ مقالہ اپنے ماسبق مقالوں سے کسی قدر دراز تر اور تمثیلات سے معمور ہے، اور اسی پر چند در چند مواعظ و نصائح و مخاطبات کے ساتھ مثنوی ختم ہو جاتی ہے، ارشاد ہوتا ہے:-

دُرِ یست گراں بہا کہ سفتم | دریاب کہ گفتنی بگفتم
ہمدستہ گلبنِ یقین است | ہم توشۂ رہ روانِ دین است
از بس کہ فشاند بحر من دُر | شد دامنِ آخر الزماں پر
ایں گلشکرے کہ من سرشتم | در ہشت مقالتش بنشتم
شمع است کہ از دلم برافروخت | ہفتاد و ہزار پردہ را سوخت

یک نکتہ او کہ جاں کند شاد — بر دل در بہشت باغ بکشاد
آنکس کہ بیافت اندکے بوے — دانست کہ چوں شگافتم موے
تاجست سرانِ نامور را — نہ پارہ دست کونِ خر را
چوں اہلِ خرد بہر دیارے — زیں تحفہ برند یادگارے
ایں نور بہر طرف کہ تابد — یعنی کہ قبول ہر کہ یابد
زیں گنج کہ رائگاں کشادم — دارو بدعاے خیر یادم
در ہفصد وبیست و نہ ز ہجرت — گشت آخر ایں کتاب تمت

یہی آخر اس چودہ سو چھپن (۱۴۵۶) بیتوں کی مثنوی اور میرے ناچیز تبصرہ کا ہے،

۲۔ نزہۃ الارواح :۔ یہ کتاب بھی امیر حسینی کی تصنیف ہے، اکتوبر ۱۹۴۶ء کے معارف میں مولوی پروفیسر عبدالحمید خاں صاحب نے سلطان جہاں منزل کے کتبخانہ عالی کے نزہۃ کے ایک قلمی نسخہ کا حوالہ دیا ہے، اور نمبر ۲۳ پر کسی قدر زیادہ شرح و بسط سے بیان فرمایا ہے، اپنی کتاب کے مطالعہ کے بعد میں بھی موصوف کی تحریر اور رائے زریں کی تائید کرتا ہوں، اس کی اٹھائیں فصلیں ہونا مسلم، اور ان کی تفصیلات و مباحث بھی صحیح ہیں، زبان البتہ بعض جگہ توجہ طلب اور قدرے مشکل ہے، طرز ادا مغلق اور پیچیدہ، ایک تو تصوف و طریقت خود ہی ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں، اس پر مستزاد یہ کہ فاضل مصنف نے اپنی مشکل پسندی اور دقت نظر سے مجھ ایسے عامی پڑھنے والے کے لئے کہیں کہیں اور بھی دشوار فہم و لغت آموز بنا دیا ہے، نزہت میں جو عربی ابیات و اشعار داخل ہیں وہ بھی دشواری و اشکال سے خالی نہیں، جو رشمیں قبائیں دوسروں سے مستعار لی ہیں ان میں بھی یہ خشن اور کرپاسی پیوند نمایاں ہیں، اللّٰھم اغفرلہ،

انیس مدعمہ کا نسخہ جیبی تقطیع کا قیمتی ولایتی کاغذ پر ہے، مطلا و مذہب، جداول نہایت خوشرنگ،

نگہ فریب، سرورق سنہرا نازک، باریک قلم کا رخط نہایت پاکیزہ نستعلیق شاندار، اوراق موجودہ کا شمار ۱۱۱، حاشیوں پر جو عبارتیں اور اشعار بعد کتابت اضافہ کردئے گئے ہیں ان میں سے بعض میں حضرت مصنف نے خود کو حسینی، کہہ کر یاد فرمایا ہے، ع "اے حسینی چہ اوست فاش و نہاں ۔ ۔ ۔ ۔"

یہ سب اضافے پختہ اور صاف خط میں مگر دوسرے قلم اور دوسری سیاہی سے ہیں، میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ اضافے حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے ہیں یا کسی غیر کے۔

تصوف کی کسی کتاب کی نسبت یہ لکھنے کی ضرورت نہیں کہ اس کا مصنف جماعت اہل سنت سے ہے تاہم قاریان فخام کے لئے اس قدر اطلاع مناسب سمجھتا ہوں کہ اس میں نعت پاک کے بعد امیر المومنین ابو بکر صدیقؓ اور فاروق اعظمؓ اور عثمان ذی النورینؓ کے مناقب ہیں، رضی اللہ عنہم،

امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے بارہ میں اُن کے دونوں بابرکت پیش روؤں کے مقابلہ میں کسی قدر زیادہ سطریں پائی جاتی ہیں اور زور دار، لیکن حاشا کہ ان میں تفضیل یا میل الی التشیع کا شائبہ بھی نظر نہیں آتا، اس کے بعد فصول اور مبادی و معارف و مقالات سلوک شروع ہو جاتے ہیں،

میرے لئے سب سے زیادہ رنج وہ یہ بات ہے کہ اس کے اوراق آخریں غائب ہیں، حتیٰ کہ مصنف علیہ الرحمۃ والغفران کا لکھا ہوا خاتمہ جو خان غلام نے نقل فرمایا ہے وہ بھی اس نسخہ میں باقی نہیں، اس نسخہ میں فصل بست و ہشتم کے دو صفحے پورے کر کے لکھا ہے،

"شیخ چوں بمقصد رسید مقصود آں نامراد بخاطرش گذشت دست بدعا بر دعا دستبردی نمایدگفت اے کرمت باری ماند گانرا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (باقی مفقود)

معارف کے قاریانِ معظم میں سے کسی خوش نصیب کے یہاں زہۃ کے یہ آخری اوراق محفوظ ہوں تو براہ کرم (مقبول صمدانی، یحییٰ پور، الہ آباد کے پتہ سے) مجھے آگاہ فرما دیں تاکہ ان اوراق کی نقل حاصل کرنے کا انتظام کروں، اور یہ قدیم نسخہ مکمل ہو جائے، واللہ لا یضیع اجر المحسنین،

استدراک، تبصرۂ بالا کی رسید ادارہ عالیہ معارف سے آچکی تھی کہ ایک اضافہ طلب بات میرے علم میں آئی، تحقیق ضروری کے بعد مزید تفصیل گذارش کیجائے گی، انشاء اللہ المستعان،

مطبوعات کی فہرستوں کی ورق گردانی سے جو انتخاب حدیقہ کے لئے کی گئی یہ واضح ہوا کہ (۱) مثنوی زاد المسافرین منشی نول کشور کے مطبع میں چھپ گئی ہے، ڈیڑھ آنہ قیمت ہے، البتہ ۱۹۲۴ء کی فہرست کتب (ص۹۳) میں مجہولی بے احتیاطی یا ناواقفیت سے یہ لکھا گیا تھا کہ "ملاحسین واعظ کاشفی کی تصنیف ہے، تصوف کے رموز خوب بیان کئے ہیں"، ۱۹۳۴ء (ص۱۴۵) میں اصلاح ہوگئی، سید حسینی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف قرار پائی ۱۹۳۷ء کی فہرست میں بھی یہی انتساب قائم رہا،

(۲) اسی نام زاد المسافرین کی ایک کتاب حکیم ناصر خسرو کی تصنیف ہے، برلین (جرمنی) کی شرکت کاویانی نے جو قدیم و جدید فارسی کی قابل قدر مفید کتابوں کی طباعت و اشاعت کے لئے مشہور ہے اسکو چھاپا ہے، اور اس کو حکمت و فلسفۂ اسلامی پر بہترین تصنیف، معرکۃ الآرا کتاب، اور عرصہ سے نایاب بتایا ہے، ناشران کی جانب سے یہ بھی اعلان ہے کہ اس کی چھپائی میں اہتمام خاص کیا گیا ہے، حجم چھ سو صفحات سے زاید، قیمت آٹھ روپیہ،

القضاء فی الاسلام

اس میں طریقۂ شہادت اور انفصال مقدمات کے متعلق قرآن حدیث اور فقہ کی کتابوں سے اخذ کرکے اسلامی اصول اور قوانین کی تشریح کی گئی ہے، اور قانون پیشہ حضرات کے لئے اس کا مطالعہ مفید ہے،

ضخامت:- ۹۲ صفحے، قیمت ۱۰ر

"منیجر"

سندھی رسم الخط کی تاریخ

سندھ کے ایک سابق گورنر کے قلم سے

مترجمہ جناب نیاز احمد صاحب صدیقی ایم اے لکچرار شبلی کالج اعظم گڈھ

"آپ کا بھیجا ہوا نوٹ پڑھا، ماشاء اللہ آپ کے نئے گورنر صاحب علمی بھی ہیں، شاید سندھ سے مسلمانوں کی محبت بھی تحفہ میں ساتھ لائے ہوں، گو انگریزوں کو مقامی حالات کے مطابق بدلنے میں کچھ دیر نہیں لگتی، سندھی رسم الخط کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، صحیح معلوم ہوتا ہے، ۱۵۷۵ء میں مقدسی عرب سیاح یہاں آیا ہے، اور اس نے لکھا ہے کہ یہاں کی زبان سندھی ہے، اور فارسی عربی بھی سمجھی جاتی ہے، یہ صوبہ مدت تک ایرانیوں کے ماتحت رہا ہے اور اثرات یہاں پہلے سے تھے، عربوں کے داخلہ کے بعد عربی الفاظ کی آمیزش ہوئی، چنانچہ آپ کو تعجب ہوگا کہ سندھی میں پیاز کو بصل اور پہاڑ کو جبل کہتے ہیں، جو خالص عربی لفظ ہیں، پانچویں صدی ہجری کے شروع میں یہاں ابوریحان بیرونی آیا اور کئی سال مقیم رہا ہے، اس نے اپنی کتاب الہند میں جو ہندی الفاظ لکھے ہیں محققین کا بیان ہے کہ وہ سندھی تلفظ میں ہیں، البتہ علمی و مذہبی مسائل میں اسکی اصطلاحیں سنسکرت ہیں،

جن مسلمانوں کی زبان عربی یا فارسی تھی وہ عربی رسم خط رکھتے تھے، فارسی نستعلیق خط نویں صدی ہجری کی پیداوار ہے، وہ اگر سندھی میں بھی کچھ لکھتے تھے تو عربی ہی خط میں لکھتے تھے، نستعلیق فارسی رسم الخط صرف مغل دربارو اور دفتروں میں رائج تھا، ورنہ بنگال میں بنگالی اور دکن میں دکھنی اور گجرات میں گجراتی جو مسلمان لکھتے تھے وہ عربی ہی خط میں لکھتے تھے، چنانچہ چند سال ہوئے کہ کلکتہ ایجوکیشنل کانفرنس

میں ایک بہت موٹی بنگالی زبان کی کتاب پیش کی گئی تھی جسکو میں نے دیکھا تھا، وہ عربی رسم الخط میں تھی، سلطان قطب شاہ وغیرہ کے دیوان دکھنی میں اسی خط میں ہیں اور گجراتی کتابیں بھی اس خط میں میں نے دیکھی ہیں،

یہی حال سندھی کا بھی تھا، گو دربار کی زبان فارسی تھی، مگر خط عربی آمیز تھا، اور انگریزوں کے داخلہ کے وقت یہی صورت تھی لیکن ہندو جن کا تعلق شاہی درباروں سے نہ تھا اپنے بہی کے اغراض سے ہندی رسم الخط رکھتے تھے، جب انگریزوں نے فارسی کو بیدخل کیا تو ہندوستان میں اردو کو دفتری زبان قرار دے کر اردو ہندی رسم الخط کو قبول کیا، اسی طرح سندھ میں عربی اور ہندی دونوں رسم الخط مسلمان اور ہندوؤں میں رواج پذیر تھے، اب جیسا کہ صاحب مضمون نے بیان کیا ہے کہ وہ برطانی افسروں میں سے ایک نے عربی رسم الخط کو اور دوسرے نے ہندی رسم الخط کو پیش کیا، لیکن بخت و اتفاق سے یا سندھ میں مسلمانوں کی کثرت آبادی کے سبب سے عربی رسم الخط کی تجویز کامیاب ہوئی، اور انگریزوں کے اثر سے یہ بات ہوئی کہ ہندوؤں نے بھی اس رسم الخط کو مجبوراً مان لیا لیکن سندھی ہندوؤں میں اب تک اسکے خلاف تحریک اٹھتی رہتی ہے، جیسے پنجاب میں سکھوں نے گو فارسی رسم الخط قبول کر لیا ہے مگر گورمکھی کے لئے اب بھی وہ کوشاں ہیں" "س"

(۱) عام طور سے لوگوں کو یہ معلوم نہیں ہے کہ سندھی حروف تہجی اور اس کی تحریری زبان کے لئے سندھ اپنے برطانوی حکاموں کا مرہون منت ہے، جب سر چارلس نیپیر نے سندھ فتح کیا، اس وقت گو ملک کی خود اپنی ایک مستقل زبان موجود تھی لیکن اس کے ایسے حروف تہجی نہ تھے جو عام طور سے رائج ہوں، عام تحریری کاروبار ہندو منشی کرتے تھے، جس میں وہ فارسی رسم الخط میں مخلوط فارسی و سندھی زبان لکھتے تھے، کتاب "ابوالحسن سندھی" جس کو برطانوی فتح کے وقت ملا مسجدوں میں پڑھاتے تھے، درحقیقت بامحاورہ سندھی کو عربی حروف تہجی میں لکھنے کی ایک کوشش تھی، اور واٹن کی "گرائمر آف سندھی" کا بھی یہی مقصد تھا، یہ کتاب ۱۸۶۷ء میں عربی رسم الخط میں ان پولیٹیکل افسروں کے لئے لکھی گئی تھی جو امرائے سندھ کے درباروں سے وابستہ تھے ہندو تاجروں نے بھی اپنے حساب کتاب کیلئے ایک قسم کا دیوناگری رسم الخط قبول کر لیا تھا،

(۲) فتح سندھ کے آٹھ سال بعد جب سر بارٹل فیر نے صوبہ کا نظام حکومت اپنے ہاتھ میں لیا اُس وقت صرف دو ایسے برطانوی افسر تھے جو سندھی بول سکتے تھے، لیکن ان کے کلرکوں میں کوئی ایسا نہ تھا جو سندھی لکھ سکتا ہو، اس لئے سول حکام کو عام بول چال کی زبان کا امتحان پاس کرنے کے احکام صادر کئے گئے، لیکن سندھی زبان کو سرکاری مراسلات میں استعمال کرنے کے لئے اس کے حروف تہجی کا متعین کرنا ضروری تھا، اس بارہ میں صرف دو افسروں کو جو سندھی زبان جانتے تھے رائے دینے کا حق تھا، ایک کیپٹن رچرڈ، دوسرے کیپٹن اسٹیک، لیکن بدقسمتی سے اس بارہ میں ان دونوں کے خیالات ایک دوسرے کی ضد تھے، رچرڈ عربی حروف تہجی کی حمایت میں تھا، اور اسٹیک ہندی رسم الخط کے حق میں، جو پہلے سے سندھ کے تاجروں میں رائج تھا، اُس زمانہ میں بھی فیر اس مسئلہ کے نسلی و قومی پہلو کی وجہ سے تذبذب میں پڑ گیا، اس کو یہ خطرہ پیدا ہوا کہ ہندو عربی رسم الخط سیکھنے کے لئے آمادہ نہ ہوں گے، اور مسلمان ہندی رسم الخط کے استعمال سے انکار کریں گے، لیکن ۱۸۵۳ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے کورٹ آف ڈائرکٹرز نے عربی حروف تہجی کے حق میں فیصلہ کر دیا، اسوقت سر فیر نے مسٹر ایلس کو جو اس وقت حیدرآباد کے کلکٹر تھے ایک قسم کے حروف تہجی کے اختیار کا کام سپرد کیا، موجودہ سندھی حروف تہجی اسی کا نتیجہ ہیں، لیکن سندھی میں ۵۲ حروف تہجی ہیں اور اس کے مقابلہ میں عربی میں کل ۲۹ ہیں، اس لئے اصل سندھی کے لہجوں اور اس کی صوتی خصوصیات کو قائم رکھنے کے لئے اس کمی کو نقطوں کے ذریعہ پورا کیا گیا،

۳- اس نئے رسم الخط نے بڑی سرعت کے ساتھ ترقی کی اور اس کی وجہ سے سندھی صوبہ کی سرکاری زبان بن گئی، اور سرکاری دفاتر سے فارسی خارج ہو گئی، اس رسم الخط کے اجراء کے بعد اگر یہ نامناسب کوشش نہ کی گئی ہوتی کہ ہندوؤں کے استعمال کے لئے ہندی حروف تہجی بنائے جائیں تو اس رسم الخط کی فضیلت مسلم ہو جاتی، اس نئی اور غلط تحریک کے بانی ایک دکنی برہمن مسٹر نارائن جگناتھ داد یا تھے، جن کو حکومت بمبئی نے سندھ کا ڈپٹی ایجوکیشنل انسپکٹر مقرر کیا تھا،

(۴) یہاں یہ بات بھی واضح کر دینا چاہئے کہ ۱۸۷۲ء تک پھر اس کے بعد ۱۸۷۶ء سے ۱۸۸۵ء تک سندھ میں کوئی مستقل ایجوکیشنل انسپکٹر مقرر نہیں کیا گیا تھا، بلکہ اس عہدہ کے فرائض بھی یورپین افسروں کے سپرد کر دیئے جاتے تھے، جو دوسری ذمہ داریوں اور کاموں کی مشغولیت کی وجہ سے تعلیمی پالیسی سے پوری دلچسپی نہ لے سکتے تھے اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ مسٹر وادیا جو سندھ میں ۲۵ سال تک رہے اس سے ناجائز فائدہ اٹھا کر دیہاتی ہندو حروف تہجی کے بارہ میں پورے زور و شور کے ساتھ تجربات کرتے رہے اور انھوں نے انکو حروف علت کی مزید علامات کی مدد سے ترقی دے کر معیاری بنا دیا، اس کے بعد ۱۸۶۸ء میں ان نئے حروف کو اسکولوں میں رائج کرنے کے لئے حکومت بمبئی کو آمادہ کیا گیا، اور اسکے لئے اور بہت سی مراعات اور سہولتیں حاصل کی گئیں، اس کی تعلیم کے لئے خاص اسکول کھولے گئے، جو اساتذہ ٹریننگ حاصل کر رہے تھے انھیں مجبور کیا گیا کہ وہ اسے خود سیکھیں اور موجودہ عربی سندھی مدرسوں میں طلبہ کو سکھائیں، اسی کے ساتھ کل مدرسوں کو میونسپل رقبہ میں یکجا کرنے کا کام بھی جاری رہا، اور اس کے باوجود کہ اسکولوں کے اخراجات مشترکہ مالگذاری اور سیس سے چلتے تھے اس کو شش سے دس سال میں یعنی ۱۸۶۰ء سے ۱۸۷۰ء تک جبکہ زیر تعلیم مسلمان لڑکوں کی تعداد دگنی ہو گئی تھی ہندو لڑکوں کی پانچ گنی ہو گئی،

(۵) لیکن مسٹر ہتہ کی پرجوش حمایت اور سیس کی امدادی رقم کے باوجود ہندی سندھی حروف تہجی کو مقبول بنانے کی مہم ناکام ثابت ہوئی، اور سندھ کے اسسٹنٹ کلکٹر مسٹر دیارام گڈمل کو جو خود سندھی کے عالم تھے اس رسم الخط کی منسوخی کی سفارش کرنا پڑی، انھوں نے یہ بھی بیان کیا کہ تجارتی جماعتیں بھی اس نئے حروف تہجی سے بے تعلقی کا اظہار کرتی ہیں، اور بنیوں کے بچے اس کو صرف اس لئے سیکھتے ہیں کہ اسکول چھوڑنے کے ساتھ ہی اس کو بھلا دیں، اور اپنے پرانے شارٹ ہینڈ والے خط کو اختیار کر لیں، اس وقت اور جیسا کہ اب بھی ہے، ہندو دوکاندار اپنے حساب و کتاب کے لئے کچھ خفیہ علامات رکھتے تھے، جس کو وہی سمجھ سکتے تھے، اور وہی اس کی تشریح کر سکتے تھے، ان کو کسی ایسے طرز تحریر سے کوئی دلچسپی نہ تھی جس کو ہر شخص سمجھ سکتا ہو، مسٹر گڈمل کے ان خیالات کی تائید مسٹر گائیر کمشنر نے بھی کی اور سرکاری سرپرستی ختم ہو

کے بعد یہ رسم الخط آپ اپنی موت مر گیا،

(۲) لیکن اس نامبارک تجربہ کا یہ نتیجہ نکلا کہ باریک بین مسلمانوں میں ناراضی پیدا ہو گئی انھوں نے دیکھا کہ فرقہ وارانہ پروپگنڈے کو تعلیمی جوش و خروش کا جامہ پہنا کر کس طرح بیرونی حکومت کو گمراہ کیا جا سکتا ہے،

اب اس قسم کی کوشش کہ عربی سندھی رسم الخط کے بجائے کوئی ہندی رسم الخط رائج کیا جائے، محض بے نتیجہ اور ناکامی کے مرادف ہے لیکن اب بھی سندھ میں ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو مسلم کلچر کی افضلیت کو لعنت تصور کرتے ہیں اور اپنی مایوس امیدوں کو تقویت دینا چاہتے ہیں تقریباً دس سال ہوئے موجودہ رسم الخط پر یہ نیا حملہ کیا گیا کہ اس میں کم سے کم فوزائد حروف ہیں جن کو خارج کر دینا چاہئے اور یہ کہ ابتدائی خالص سندھی ایسے الفاظ کی آمیزش سے جن کی بنیاد عربی اور فارسی پر ہے، مسخ ہو گئی ہے، اس لئے ان مصلحین کے لئے جن کی یہ خواہش ہے کہ سندھی کو پھر اس کی ابتدائی خوبصورت شکل میں لے آیا جائے، مناسب ہے کہ عربی و فارسی مادوں کے تمام الفاظ کو جن سے سندھی زبان مالا مال تھی نکال دیں اور ان کے صرفی قواعد اور جملوں کے آخری کلمہ میں بھی تبدیلی کیجائے جو اس قابل نفرت بنیاد کی یادگار ہیں اور زائد حروف کو بالکل نکال دیا جائے،

(۷) چونکہ آج بھی ایسے فرقہ پرست خواب دیکھنے والے موجود ہیں، اس لئے ان موانع کی طرف اشارہ کر دینا مناسب معلوم ہوا جو اس خواب کی تعبیر میں حائل ہیں اب ایک ایسے شخص کی ضرورت ہے جو اس نئی خوبصورت زبان سے واقف اور اس کے لئے آمادہ ہو کہ اپنی تمام کوششیں اس زبان کو سکھانے میں صرف کر دیگا،

تاریخ فقہ اسلامی

مصری عالم خضری کی تاریخ التشریع الاسلامی کا ترجمہ جس میں ہر دور کی فقہ اور فقہاء پر مکمل اور ایسا تبصرہ ہے، جس سے جدید فقہ کی ترتیب میں مدد مل سکتی ہے، حجم ۲۸۰ صفحے، قیمت ہے،

"منیجر"

خاتمۂ مسئلہ سود و قمار وغیرہ

از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات عثمانیہ یونیورسٹی

میں متلصص (یعنی مسلمان جاسوس جو بطور جاسوسی دار الحرب میں جائے) اس کے "جواز عقد ربا" کا قائل ہوں حالانکہ اہل حرب اس سے بالفعل برسر جنگ نہیں ہوتے، مگر چونکہ ان سے نہ حکومت اسلام کا معاہدہ ہے، نہ جاسوس نے معاہدۂ امن کیا ہے اسلئے اس کے حق میں اہل حرب کے نفوس و اموال دونوں غیر معصوم اور مباح ہیں، اور اس کے لئے اہل حرب کے وہ اموال بھی حلال ہیں جو عقد ربا سے حاصل کرے۔" (معارف جولائی ۱۹۴۶ء ص ۲۱)

ہمارے واجب الاحترام بزرگ مولانا ظفر احمد صاحب کا جب یہی فتویٰ ہے تو اب ان سے خاکسار کا اختلاف ہی کیا رہ گیا، مسلمانان ہند نے موجودہ غیر اسلامی حکومت سے اگر معاہدہ بھی کیا ہے، تو ظاہر ہے کہ اسی بات کا معاہدہ کیا ہے کہ جو قانون قیام امن و امان کے لئے وہ نافذ کرے گی اس کی پابندی کریں گے، اور جو قانون اس حکومت نے نافذ کیا ہے، اس میں چوری ڈاکہ فریب وغیرہ کے ذریعہ سے ملک کے کسی باشندے کے مال کے لینے کو جیسے ناجائز ٹھہرایا گیا ہے، اسی طرح ربوا اور اسی قسم کے بعض دوسرے عقود جو اسلامی نقطۂ نظر سے عقود فاسدہ ہیں، ان کے ذریعہ سے لین دین کو نہ صرف جائز ہی قرار دیا گیا ہے، بلکہ ان فاسد ذرائع سے لوگوں کے جو مطالبات ایک دوسرے پر عائد ہوتے ہیں، ان کی باضابطہ ادائیگی کی وہ ذمہ دار ہے، اس کے حکام ان کی ڈگریاں دیتے ہیں، سوال یہ ہے کہ حکومت قائمہ کے اس قانون کے بعد کسی حیثیت سے بھی یہ کہنا درست ہو سکتا ہے کہ مسلمانانِ ہند نے قانون کے ان جائز ذرائع سے اس ملک کے باشندوں کے اموال کے

نہ لینے کا معاہدہ کیا ہے؟ پس غیر مسلم اقوام سے جو روپیہ ان ذرائع سے مسلمانوں کے قبضہ میں آئیگا، اس کے نہ لینے کی وجہ مسلمانوں کے لئے کیا ہو سکتی ہے؟ شریعت اسلامی ان اموال کو مسلمانوں کے لئے مباح کر چکی ہے، قانون بھی اس کے لینے کو جائز قرار دے رہا ہے یعنی اس روپیہ کے لینے میں معاہدے کی خلاف ورزی بھی لازم نہیں آتی تو پھر مولانا کس بنیاد پر مسلمانوں کے لئے غیر مسلم اقوام سے حاصل کی ہوئی ان رقوم کے لینے کو اپنی ملک بنانے کو ناجائز ٹھہرا رہے ہیں،

شعر الہند حصہ اول

جس میں قدما کے دور سے لیکر دور جدید تک اردو شاعری کے تمام تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل کی گئی ہے، اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے قیمت ہے

شعر الہند حصہ دوم

جس میں اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے، قیمت ہے مکمل سٹ:- ہے

گل رعنا

اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز اور عہد بعہد کے اردو شعرا کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار اردو میں شعرا کا یہ مکمل تذکرہ ہے، جس میں آب حیات کی غلطیوں کا ازالہ کیا گیا ہے، ولی سے لیکر حالی و اکبر تک کے حالات، قیمت:- ضخامت ۴۴۷ صفحے،

"مانچسٹر"

استفسار و جواب

مفتاح الفلاح

"لفٹنٹ کرنل خواجہ عبدالرشید، آئی، ام، ای، متعینہ میرٹھ کا علمی ذوق اردو کے علمی رسائل کے ناظرین سے مخفی نہین، حال مین ایک قلمی کتاب سے متعلق اپنے مراسلہ مین جو معلومات انھون نے دی ہین، وہ بعینہا درج ذیل ہین، (عبدالماجد)

جناب لفٹنٹ کرنل خواجہ عبدالرشید صاحب، میرٹھ، میری کتابون مین ایک قلمی نسخہ مفتاح الفلاح کا پڑا تھا کل مین انکی پڑتال کر رہا تھا کہ خیال گذرا کہ اس کے متعلق آپ کو لکھ کر اس کی اہمیت دریافت کی جائے، کتاب عربی مین ہے، اور مین بدقسمتی سے اس زبان سے نابلد ہون، اور فائدہ نہین اٹھا سکتا، مندرجۂ ذیل خصوصیات اس سے متعلق آپ کو ارسال کرتا ہون، امید کہ آپ اپنا قیمتی وقت صرف کرکے مجھے مطلع فرمائین گے"

تقطیع ۱۰ × ۶ کاغذ عمدہ مگر قدرے خستہ، مجلد، جلد چرمی، نہایت خوشخط لکھی ہوئی ہے، اور دو سنہری حاشیے موجود ہین، کتاب سالم اور مکمل ہے اور جگہ جگہ حاشیے لکھے ہوئے ہین، جو کہ اصل کتاب کے متن سے بھی خوشخط ہین، اور غالباً مصنف کے ہاتھ ہی کے لکھے ہوئے ہین، کتاب ساڑھے تین سو صفحات پر مشتمل ہے، جلد خوبصورت ہے مگر سادہ، کتاب کے شروع مین فہرست ابواب درج ہے، اور مصنف کا نام بھی موجود ہے، اس کے بعد ایک مستقل مقدمہ ہے، کتاب کا آخری جملہ یہ ہے،

"واسکنہ بحبوبۃ جنانہ فرغت من تالیف بعون اللہ تعالیٰ فی

بلدۃ کنجہ مع تراکم افواج العلائق وتلاطم امواج العوائق وتوزع البال بالحل والترحال فی اوائل العشر الثالث من الشهر الثانی من السنة الخامسة من العشر الثانی بعد الالف وانا اقل الانام محمد الشهیر ببهاء الدین العاملی تجاوز الله عن سیآته والحمد لله اولا وآخرا وظاهرا وباطنا، رب العالمین" ۱۰۵۵ھ

کتاب ختم یون ہوتی ہے،:-

"قد حصل الفراغ من القبال بعون الملك المتعال فی اواخر شهر رجب سنة الف ومائة وخمسین من الهجرة فی بلدة دار السلطنة لاهور حرسها الله تعالی من الفتنة ووقع توفیق المقابلة وحصل سعادتها مع نسخه قوبلت عند الامام الرئیس (عنی المصنف رحمه الله الدینار والمثقال واحد له

اور آخر مین بزبان فارسی مندرجۂ ذیل عبارت ہے،

" هر سنت پانصد درهم شرعی است که بر سه تومان ونیم است وزن مثقال شرعی یک محمدی نقره است"

کنجہ پنجاب مین ضلع گجرات کے قریب ایک قصبہ ہے یہان سے قریب ہی ایک قدیم شاہراہ براستہ بھنبھر کشمیر کو جاتی ہے، اور یہی شاہان مغلیہ کا راستہ تھا یہان کے گرد و نواح مین متعدد مدرسے موجود تھے میرا خیال ہو کہ شاید اسی مقام سے یہ مقام بھی مناسبت رکھتا ہے،

مین نے یہ کتاب ۱۳۱۳ھ مین طہران مین خرید کی تھی، اس وقت محض اس کی خوشخطی مد نظر تھی جو کہ نہایت دلکش ہے،

تعارف: مصنف مفتاح الفلاح بہاء الدین عاملی گیارہویں صدی ہجری کے مشہور اور جلیل القدر شیعی عالم ہیں، ان کا پورا نام محمد بن حسین بن عبد الصمد الملقب بہ بہاء الدین ہے ۹۵۳ھ میں قزوین (ایران) میں اور بعض روایتوں کے مطابق بعلبک (شام) میں پیدا ہوئے، اور بچپن ہی میں اپنے والد کے ساتھ ایران میں منتقل ہو گئے، اور اُن سے اور اس عہد کے دوسرے اکابر علماء علامہ عبد اللہ یزدی وغیرہ سے تحصیل علم کی، اور جملہ فنون میں یگانۂ روزگار ہوئے، کامل تیس سال تک درویشانہ لباس میں دنیائے اسلام کی سیاحت کی، اُن کا شہرۂ کمال سن کر شاہ عباس صفوی نے ان کو رئیس العلماء اور شیخ الاسلام کے منصب پر سرفراز کیا، وہ اُن کو اتنا مانتا تھا کہ سفر و حضر کسی حالت میں جدا نہ کرتا تھا، اور تمام مہمات امور میں اُن سے مشورہ لیتا تھا، ۱۰۳۱ھ میں اصفہان میں وفات پائی، اور طوس میں دفن کیے گئے، مختلف فنون میں ان کی تصانیف ہیں، بعض کے نام یہ ہیں،

العروۃ الوثقیٰ، صراط مستقیم، عین الحیاۃ، حبل المتین، فی مزایا القرآن المبین، اور مشرق الشمسین، تفسیر میں، شرح اربعین حدیث میں، جامع عباسی فارسی فقہ میں، مفتاح الفلاح، اور زبدۃ الاصول میں، تہذیب نحو میں، اسرار البلاغہ معانی و بیان میں، رسالہ ہالیہ، خلاصۃ الحساب، تشریح الافلاک، رسالہ الصطرلاب ریاضی و ہیئت میں، المخلاۃ و کشکول، ادب و محاضرات وغیرہ میں، وسیلۃ المفوز والامان، مدح صاحب زمان میں ان کے علاوہ کشاف بیضاوی، خلاصۃ الرجال اور درایۃ الحدیث وغیرہ مختلف کتابوں پر حواشی لکھے اُن کے علاوہ اور بہت سے چھوٹے چھوٹے رسالے ہیں، اُن میں سے اسرار البلاغہ تشریح الافلاک، خلاصۃ الحساب، کشکول، المخلاۃ اور وسیلۃ المفوز چھپ چکی ہیں، مفتاح الفلاح اب تک قلمی اور نایاب ہے (خلاصۃ الاثر، جلد ۳ ص ۴۸۰ تا ۴۸۵، اور روضات الجنات ص ۵۲۲، میں اُن کے تفصیلی حالات ہیں) مفتاح الفلاح کے خاتمہ کی مصنف کی عبارت کے بعد ہندی میں ۱۰۵۶ھ غلط ہے ۱۰۳۱ھ میں مصنف کی وفات ہو چکی تھی، غالباً کسی ناقل نے عربی عبارت کا مطلب غلط سمجھکر بعد میں ۱۰۵۶ھ بڑھا دیا ہے،

خاتمہ کی دوسری کاتب یا ناقل کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے، کہ مفتاح الفلاح کا یہ نسخہ اس نسخہ سے مقابلہ شدہ ہے جو خود مصنف سے پڑھا جا چکا تھا، اس لئے عام نسخوں کے مقابلہ میں یہ نسخہ ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے، لیکن اس کے حواشی جیسا کہ کاتب کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے، مصنف کے قلم کے نہیں ہیں،

گنجہ سے مراد گجرات کے قریب کا قصبہ نہیں، بلکہ اران کا مشہور شہر یا نواح اصفہان و لرستان کا گنجہ مقصود ہے، (م)

جزئی فضیلت کا مفہوم و مقصد

منشی عبدالرحمان خان صاحب — مکرّمی:-

چیک ملتان — السّلام علیکم ورحمۃ اللہ

اقبالنامہ میں حضرت مرحوم (ڈاکٹر اقبال مرحوم) کے جو خطوط آپ کے نام درج ہیں، اُن کے مطالعہ سے طبیعت سیر نہ ہوئی، کیونکہ ایسے اہم تحقیقی خطوط کا بغیر جواب کے شائع کرنا قارئین کی پریشانی طبع کا سامان پیدا کرتا ہے، بہتر ہوتا کہ اُن کے جواب حاشیہ میں ہی دیئے جاتے تاکہ پورا فائدہ اٹھایا جا سکتا،

میرے خیال میں ہندوستان میں تمام بزرگوں کے خطوط اسی نہج پر شائع ہو رہے ہیں، یا ہوتے ہیں، الحمدللہ کہ اس باب میں بھی شرفِ اولیت حضرت مجدد الملت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مکاتیب گرامی کو حاصل ہے، کہ تربیت السالک میں تمام اصلاحی خطوط مع حضرت والا کے جوابات کے شائع ہوئے، ایک عرصہ سے آپ کی بھی حضرت والا سے خط و کتابت رہی، بعض اور بزرگوں سے بھی حضرت کی خاص خط و کتابت تھی، کیا ہی اچھا ہوتا، کہ اُن کے ایسے مکاتیب کا بھی ایک مجموعہ شائع کرنے کا انتظام ہو جاتا، اور اُن سے بھی ہزاروں فیضیاب ہوتے، نہ معلوم آپ کی دماغ سوزی کا وہ تمام ذخیرہ اب علامہ اقبال کے پسماندگان کے

پاس محفوظ بھی ہے، یا نہ، گو اس سلسلہ میں آپ سے کچھ عرض کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا، مگر عرض کئے بغیر بھی نہیں رہ سکتا، کہ ان خطوط کی اشاعت کا بھی ضرور کوئی انتظام ہونا چاہئے، یہ تشنگان علم پر ایک احسان ہوگا،

دوسری عرض یہ ہے کہ اقبالنامہ کے ص ۱۸۹ پر آپ نے "جزوی فضیلت" پر جو نوٹ تحریر فرمایا ہے، اس سے کم از کم میری تشفی نہیں ہوئی، بلکہ ایک خلش سی پیدا ہوتی ہے، اس لئے اگر کوئی امر مانع نہ ہو، تو ازراہ کرم اس کی تشریح فرما کر ممنون فرمادیں، کہ وہ ایسی کون سی جزوی فضیلت ہے، جو کسی اور کو حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر حاصل ہو سکتی ہے، امید ہے کہ اس مسئلہ میں آپ میری رہنمائی و تسلی فرمادیں گے،

معارف:- ڈاکٹر اقبال مرحوم کے نام میرے جوابی خطوط کی نقل میرے پاس نہیں، اور نہ اب ان کے پس ماندوں کے پاس میرے جوابات ہوں گے، اور نہ اب مجھے پوری طرح یاد ہیں، اس لئے اب ان کی تلافی کی کوئی صورت باقی نہیں، اور نہ میری نگاہ میں اپنے جوابوں کی وہ اہمیت ہے جو آپ نے ظاہر فرمائی ہے، پھر بزرگوں کے پُر معرفت خطوط سے ان کو کیا مناسبت؟ البتہ آپ کو اگر ان میں کسی خط کا جواب مطلوب ہو تو مطلع فرمائیں، کہ میں اپنی استطاعت کے مطابق اس کا جواب دوبارہ دیسکوں، اقبال نامہ اس وقت میرے پاس نہیں، اس لئے پوری بات میرے سامنے نہیں ہے، تاہم جہاں تک آپ کے چند لفظوں سے سمجھ سکا ہوں جواب عرض کرتا ہوں،

جزئی فضیلت کے معنی یہ ہیں کہ مقام تفضیل میں کسی خاص ایسی بات میں کسی کو بڑائی دوسرے پر حاصل ہو جائے، جو دوسرے کو اجمالاً حاصل ہو، مثلاً حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام عربی زبان کے سوا کوئی دوسری زبان نہیں جانتے تھے، اور آج زید عربی کے ساتھ دوسری متعدد زبانیں جانتا ہے، تو یہ جزئی علمی فضیلت ہوئی، جو حضور علیہ السلام کے کمالات علمیہ کے لئے موجب نقص نہیں، کیونکہ کسی زبان کے جاننے

کا جو حاصل ہے یعنی تفہیم و تذکیر و تبلیغ وہ آپ کو حاصل تھا، اسی طرح ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کی جزئی فضیلت سلاطین اسلام کو حاصل ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ واقعہ نہیں ہوا، اس لئے یہ خاص فضیلت جزئی آپ کو حاصل نہیں ہوئی، مگر چونکہ سلاطین اسلام کو یہ عملی فضیلت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبعیت میں بصورت اتباع اوامر جہاد حاصل ہوئی، اس لئے حضور کے کمالات علیہ میں اس سے کوئی نقص واقع نہیں ہوا، بلکہ افراد امت کے یہ جزئی فضائل بھی اس کے نبی کے کمالات عظمیٰ کی طرف راجع ہو جاتے ہیں، جس طرح سپاہیوں اور ماتحت افسروں کے کارنامے ان سپہ سالاروں اور بادشاہوں کے کارنامے شمار ہوتے ہیں، جو فوجکشی کرتے ہیں، جنگ کے نقشے بناتے ہیں، اور جن کی تدبیر سے دشمن پر کامیابی ہوتی ہے،

"س"

مقالاتِ شبلی جلد اول

مولانا مرحوم کے ۱۷ مذہبی مضامین کا مجموعہ جن میں اہم مذہبی مسائل پر بحث کی گئی ہے،

ضخامت :- ۲۴۰ صفحے، قیمت :- عہ

مقالاتِ شبلی جلد سوم

مولانا کے تعلیمی مضامین کا مجموعہ ضخامت ۱۹۰ صفحے، قیمت :- عہ

مقالاتِ شبلی جلد چہارم

مولانا کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ، ضخامت :- ۱۹۰، قیمت :- عہ

مقالاتِ شبلی جلد ہشتم

مولانا کے قومی اور اخباری مضامین کا مجموعہ، جو الندوہ، مسلم گزٹ اور دوسرے رسائل و اخبارات سے یکجا کئے گئے، ضخامت :- ۲۰۳ صفحے، قیمت :- عہ

"منیجر"

مطبوعات جدیدہ

مقاصد قرآن، از جناب مولوی صبغۃ اللہ صاحب بختیاری تقطیع وسط ضخامت ۸۶ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت ۱۲ ار پتہ مکتبہ نشارۃ ثانیہ پنچل گوڑہ حیدرآباد دکن۔

مصنف کتاب عرصہ سے کلام مجید کی تعلیمات کی نشر واشاعت کی خدمت انجام دے رہے ہیں، یہ رسالہ بھی ایک مفید خدمت ہے اس میں انھوں نے عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاق کے متعلق کلام مجید کی بنیادی تعلیمات، ایمان باللہ، حشر ونشر، جزا وسزا، عمل صالح، نماز روزہ، حج وزکوٰۃ کی آیات نقل کرکے ان کی مفصل تشریح کی ہے اور ان کی حکمتیں اور مصلحتیں بیان کی ہیں جو ساری دنیا کی فلاح وسعادت کے لئے یکساں مفید ہیں اس حیثیت سے یہ کتاب اپنے مقصد پر پوری طرح حاوی ہے لیکن کتاب کے دیباچہ میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ اس کا مقصد جدید مفسرین کی اس غلط فہمی اور غلط استنباط کی تردید ہے، جو ان کو سورۂ مائدہ کی بعض آیات سے پیدا ہوتی ہے کہ یہود ونصاریٰ وصابئین کی نجات وایمان کے لئے ایمان باللہ ویوم الآخرہ اور عمل صالح کافی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور کلام مجید پر ان کے لئے ایمان لانا ضروری نہیں ہے، لیکن کتاب کے مباحث سے اس کی تردید نہیں ہوتی، مخالف یہ کہہ سکتا ہے کہ مصنف نے کلام مجید کی جو آیتیں اور تعلیمات نقل کی ہیں ان کا تعلق مسلمانوں سے ہے، یہود ونصاریٰ اس کے مکلف نہیں ہیں جیسا کہ سورۂ بقرہ اور مائدہ کی آیات سے ظاہر ہوتا ہے، اس کا مصنف نے کوئی جواب نہیں دیا ہے اور مرکز بحث یہی نقطہ ہے، حالانکہ خود کلام مجید کی دوسری آیات سے اس کا جواب مل جاتا ہے، اولاً کلام مجید

کی بعض آیات مجمل ہیں، اور ان کی تشریح کسی دوسری آیۃ سے ہوتی ہے، چنانچہ سورۂ بقرہ اور مائدہ کی ان آیات کی وضاحت جنھیں مخالفین دلیل میں پیش کرتے ہیں آل عمران کی آیات سے ہوتی ہے مثلاً قل للذین اوتوا الکتاب و الامیین آاسلمتم فان اسلموا فقد اھتدوا وان تولوا فانما علیک البلاغ واللہ بصیر بالعباد یا ان الدین عند اللہ الاسلام وما اختلف الذین اوتوا الکتب الا من بعد ما جاءھم العلم بغیا بینھم ومن یکفر بآیات اللہ فان اللہ سریع الحساب ۔ ان میں یہود و نصاریٰ وغیرہ سے اسلام کا مطالبہ کیا گیا ہے اور اس سے انکار کو ضلالت، نافرمانی اور کفر سے تعبیر کیا گیا ہے، اس سے ثابت ہوا کہ ان کے لئے تنہا ایمان باللہ و یوم الآخرہ اور عمل صالح کافی نہیں ہے، معترض یہ کہہ سکتا ہے کہ اس اسلام سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا اسلام نہیں بلکہ مطلق اسلام ہے، جس کی دعوت تمام انبیا علیہم السلام دیتے چلے آئے ہیں، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ پہلی آیۃ میں اہل کتاب کے ساتھ امیین یعنی عربوں سے بھی خطاب ہے اسلئے اس سے مراد مطلق دین اسلام نہیں ہو سکتا، دوسرے اگر مطلق دین اسلام بھی مان لیا جائے تو سوال یہ ہے کہ اس دین پر بھی یہود و نصاریٰ میں سے کون قائم تھا، اس کو تو انھوں نے مسخ کر دیا تھا، دوسرے، اسلام اور مطلق دین اسلام کی اساس گو ایک ہی ہے لیکن ہر زمانہ کے حالات و ضروریات اور انسانوں کی ذہنی ترقی کے ساتھ ساتھ اس دین میں تغیرات ہوتے رہے اور مختلف زمانوں میں اس کا نصاب بدلتا رہا، اور اس کا آخری اور مکمل نصاب قرآن مجید ہے، اور اس پر ایمان کے بغیر مطلق دین اسلام کی بھی تکمیل نہیں ہوتی، اس کی مثال یہ ہے کہ انسان کی عمر اور اس کی ذہنی صلاحیت و ترقی کے لحاظ سے خود مروجہ رسمی تعلیم کا نصاب اور اس کے مدارج مختلف ہیں، اور ہر دور کے لئے جو نصاب مقرر ہے وہ اس کے اعتبار سے تو کافی، لیکن آئندہ دور کے لئے ناکافی ہے اور آخری دور کے نصاب کی تکمیل کے بغیر کوئی شخص پورا تعلیم یافتہ نہیں کہلایا جا سکتا، یا مثلاً آج سے چند صدی پیشتر جو نصاب تھا وہ اس زمانہ کے لحاظ سے بالکل مناسب اور کافی تھا، لیکن موجودہ حالات و ضروریات کیلئے نہ صرف ناکافی بلکہ ناقص ہے، اور آج اس نصاب پر قائم رہنے والا تعلیم یافتہ نہ کہلائے گا، یہی حال اسلام

کا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے جس دین اسلام کو بھیجا تھا وہ اپنے زمانہ کے لئے بالکل مکمل تھا لیکن بعد کے انبیاء حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں وہ حسب ضرورت بدلتا رہا اور اس کی آخری اور تکمیلی شکل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دین اسلام ہے، اس لئے اس پر ایمان کے بغیر مطلق اسلام پر بھی ایمان کامل نہیں ہوتا، اور یہود و نصاریٰ وغیرہ سب اس کے مکلف ہیں، اور اس پر ایمان کے بغیر ان کی نجات نہیں ہو سکتی،

رسالہ اخلاقیات، مؤلفہ ڈاکٹر میر ولی الدین استاذ جامعہ عثمانیہ تقطیع اوسط ضخامت ۱۰۳ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت تحریر نہیں، پتہ کتاب محل چار کمان حیدرآباد دکن،

تعلیم کے مقاصد میں سب سے بڑا مقصد انسانی اخلاق و سیرت کی تعمیر ہے، اس لئے اصولاً سب سے زیادہ توجہ اسی پر ہونی چاہئے لیکن موجودہ نظام تعلیم میں عملاً اس کی کوئی اہمیت نہیں، حیدرآباد کے شعبۂ تعلیم نے دوسری تعلیمی اصلاحات کی طرح اس اصلاح کی جانب بھی سبقت کی ہے اور میٹرک کے نصاب کے لئے اخلاق پر یہ رسالہ مرتب کرایا ہے، اس کے فاضل مؤلف فلسفہ مذہب و اخلاق کے عالم بھی ہیں اور اس پر عامل بھی، تعمیر اخلاق و سیرت انکا خاص موضوع ہے، اس لئے اس کام کے لئے اس سے زیادہ موزوں انتخاب نہیں ہو سکتا تھا، جس پر رسالہ کے مباحث شاہد ہیں، اس میں انھوں نے ان تمام بنیادی اخلاق کو جو ایک متوازن اور اعلیٰ سیرت کی تعمیر اور انسان کو انسان بنانے کے لئے ضروری ہیں علمی طرز سے مرتب کیا ہے، اس میں حسب ذیل ابواب ہیں، صبر و استقلال، مصلحت بینی و دور اندیشی، اوقات فرصت کا صحیح استعمال، اعتدال و پرہیزگاری، عفت و پاکبازی، رواداری، عدالت، اصلاح معاشری، اخوت، پیشے کا انتخاب، ان تمام ابواب کے تحت میں بہت سے تفصیلی و ذیلی مباحث ہیں، یہ وہ اصولی اخلاق ہیں جو بلا اختلاف تمام مذاہب اور قوموں میں مشترک ہیں، اس لئے یہ کتاب ہر مذہب و ملت کے طلبہ کے لئے یکساں مفید اور اس لائق ہے کہ ہندوستان کی تمام درسگاہوں کے نصاب میں اسکو داخل کیا جائے،

سماج کا ارتقا، مولفہ جناب حکیم اللہ صاحب تقطیع اوسط ضخامت ۲۸۶ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد ۱۰ عہ، پتہ سنگم پبلشرز لمیٹڈ لاہور،

ڈارون کے نظریہ کے مطابق ارتقا کا عمل دنیا کی ہر چیز میں جاری ہے، چنانچہ انسانی معاشرہ بھی مختلف طبعی وجغرافی اور سیاسی و معاشی عوامل کے ماتحت مختلف قالب بدلتے اور ترقی کرتے ہوئے موجودہ منزل تک پہنچا ہے، اس کتاب میں اس معاشری ارتقار کی سرگذشت بیان کی گئی ہے، اور انسان کے دور وحشت و بربریت کے زمانہ سے لیکر موجودہ عہد تک ہر دور کے عمرانی و تمدنی و معاشی و سیاسی نظاموں اور مختلف عوامل کے ماتحت ان کے تغیرات اور عہد بعہد کی ترقیوں کی پوری تفصیل بیان کی گئی ہے، جس سے انسانی معاشرہ کے تمام مدارج اور اس کے ارتقار کی پوری سرگذشت سامنے آجاتی ہے، لیکن یہ کتاب جدید فنی نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہے اور اس حیثیت سے مفید معلومات پر مشتمل ہے، اگر مذہبی نقطہ نظر سے اس کے تمام بیانات سے اتفاق ضروری نہیں ہے،

معین الفرائض از جناب مفتی محمود حسن صاحب مدرس اول جامع حسینیہ راندیر (سورت) تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۲۳ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت ۴ عہ، پتے، مذکورہ پتہ پر مصنف اور منیجر کتب خانہ تعلیمی نور گنج، دہلی سے ملے گی،

علم الفرائض یعنی تقسیم وراثت ایسا فن ہے جس کی ضرورت صرف علما، اور عربی خوانوں تک محدود نہیں بلکہ وکلار، عدالتوں، یونیورسٹی کے قانون کے طلبہ کو بھی اس کی ضرورت پڑتی ہے، اس لئے مصنف نے فرائض کے تمام ضروری مسائل کو اس کتاب میں اردو میں مرتب کر دیا ہے، انداز بیان اتنا سلجھا ہوا ہے کہ ہر پڑھا لکھا شخص آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے، مسائل میں اختصار کے ساتھ پوری جامعیت ہے، اور اس سے ہر طبقہ کے ضرورت مند اشخاص فائدہ اٹھا سکتے ہیں،

حدیث نبوی کے اولین صحیفے، از مولانا عبد السلام صاحب قدوائی ندوی، تقطیع چھوٹی،

ضخامت ۳۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت تحریر نہیں، پتہ ادارۂ تعلیمات اسلام نمبر ۳۴ امین آباد پارک لکھنؤ،

منکرین حدیث کی جانب سے حدیثوں کی بے اعتباری کے ثبوت میں جو غلط فہمیاں پھیلائی جاتی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ موجودہ کتب حدیث عہد رسالت کے بہت بعد میں مرتب ہوئیں، اس لئے لائق اعتماد نہیں، اور چونکہ عام لوگوں کی نظر حدیث کی تاریخ پر نہیں ہے، اس لئے ان کو اس کے یقین کرنے میں تامل نہیں ہوتا، یہ بلاشبہہ صحیح ہے کہ حدیث کی موجودہ کتابوں کی تدوین کا آغاز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے ڈیڑھ دو صدی بعد سے ہوا، لیکن حدیثوں کی کتابت عہد نبوی ہی سے شروع ہو گئی تھی، اور بہت سے صحابہ حدیثیں قلمبند کرتے تھے، پھر ان کے تلامذہ نے بھی اس کو جاری رکھا، اور اسی زمانہ میں حدیثوں کے بہت سے مجموعے مرتب ہو گئے تھے، جو اگرچہ دستبرد زمانہ سے محفوظ نہ رہ گئے، لیکن حدیث و رجال کی کتابوں میں انکا ذکر موجود ہے، اور انکی حدیثیں موجودہ کتب حدیث میں شامل ہو گئیں، لائق مؤلف نے اس رسالہ میں ایسے اٹھارہ حفاظ حدیث صحابہ کے مجموعہ احادیث کا ذکر کیا ہے جو خود حدیثیں قلمبند کرتے تھے یا ان کے تلامذہ نے ان کے علم و اجازت سے ان کی مرویات تحریر کیں، ان صحابہ کی مرویات کی تعداد بھی مصنف نے لکھدی ہے جس سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ ہزاروں حدیثیں عہد نبوی اور عہد صحابہ میں قلمبند ہو گئی تھیں، یہ رسالہ گو مختصر ہے، مگر بہت مفید ہے،

مختصر سیر الصحابہ، شائع کردہ ادارۂ تعلیمات اسلام، قیمت ۱۲ر، مذکورۂ بالا پتہ سے ملے گی،

ادارۂ تعلیمات اسلام جو عرصہ سے قرآن مجید کے درس و تعلیم کی مفید خدمت انجام دے رہا ہے، اب اس نے بچوں کیلئے مختصر سیر الصحابہ کی تالیف و اشاعت کا سلسلہ شروع کیا ہے اور فی الحال حضرت بلالؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ رضوان اللہ علیہم کے سبق آموز حالات آسان زبان میں شائع کئے ہیں، اسکے مؤلف علی الترتیب مولانا عبدالسلام صاحب قدوائی ندوی، احتشام علی صاحب رحیم آبادی اور مولوی منیر الحق بیخر آبادی ہیں یہ سب کتابیں بچوں کے پڑھانے کے قابل ہیں، ان سے ان کو مذہبی و اخلاقی سبق بھی حاصل ہوتا ہے اور تاریخ اسلام سے بھی واقفیت ہو جاتی ہے، "م"